# مفہوم القرآن

جلد اول





رفعت اعجاز

بیت القرآن

# درستگی اغلاط مفہوم القرآن جلد اول (1)

| صفحہ نمبر | سورت کا نام | آیت نمبر | غلطی کی درستگی |
|---|---|---|---|
| 29 | البقرة | 16 | الضَّلٰلَةِ کی گول تاء پر زبر کی بجائے زیر لکھی ہوئی ہے یہ دراصل الضَّلٰلَةَ ہے۔ |
| 77 | البقرة | 90 | يَنَزِّلَ کی یاء پر پیش کی بجائے زبر لکھی ہوئی ہے یہ دراصل يُنَزِّلَ ہے۔ |
| 133 | البقرة | 179 | يٰاُولِيْ کی یاء پر جزم کی بجائے خالی ہونا چاہیے یہ دراصل يٰاُولِي الْاَلْبَابِ ہے۔ |
| 136 | البقرة | 184 | مِسْكِيْنِ کی نون پر تنوین (دو زیر) کی بجائے صرف زیر لکھی ہوئی ہے یہ دراصل مِسْكِيْنٍ ؕ ہے۔ |
| 151 | البقرة | 197 | يَعْلَمْهُ اللّٰهُ کے بعد یہاں علامت وقف ۗ نہیں لکھی ہوئی یہ دراصل يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ ہے۔ |
| 157 | البقرة | 207 | رَءُوْفٌ کی فاء پر چھوٹی میم نہیں لکھی ہوئی ہے یہ دراصل رَءُوْفٌۢ ہے۔ |
| 163 | البقرة | 216 | لَكُم کی میم پر جزم کی نہیں لکھی ہوئی یہ دراصل لَكُمْ ؕ ہے۔ |
| 169 | البقرة | 222 | التَّوَّابِيَنَ کی باء پر زیر نہیں لکھی ہوئی یہ دراصل التَّوَّابِيْنَ ہے۔ |
| 176 | البقرة | 231 | تَتَّخِذُوٓا کی واؤ پر جزم اور مد آپس میں ملی ہوئی یہ دراصل تَتَّخِذُوْٓا ہے۔ |
| 188 | البقرة | 248 | مُلْكِهٖ کی کاف پر زیر نہیں لکھی ہوئی یہ دراصل مُلْكِهٖ ہے۔ |
| 190 | البقرة | 250 | الْكٰفِرِيْنَ۝ یہاں آیت پر علامت وقف ط نہیں لکھی ہوئی یہ دراصل الْكٰفِرِيْنَ۝ؕ ہے۔ |
| 190 | البقرة | 251 | وَاٰتٰهُ کی تاء کے بعد ایک دندا نہیں لکھا ہوا یہ دراصل وَاٰتٰىهُ ہے۔ |
| 201 | البقرة | 260 | وَلٰكِنَّ کے نون پر جزم کی بجائے شد اور زبر لکھی ہوئی ہے یہ دراصل وَلٰكِنْ ہے۔ |
| 208 | البقرة | 272 | فَنِعِمَّا کے میم پر شد اور زبر آپس میں مل رہے ہیں یہ دراصل فَنِعِمَّا ہے۔ |
| 242 | ال عمرٰن | 41 | اٰيَةً کے بعد علامت وقف ط نہیں لکھی ہوئی یہ دراصل اٰيَةً ؕ ہے۔ |
| 285 | ال عمرٰن | 134 | عَنِ النَّاسِ کے بعد علامت وقف ط نہیں لکھی ہوئی یہ دراصل عَنِ النَّاسِ ؕ ہے۔ |
| 302 | ال عمرٰن | 179 | مَنْ يَّشَآءُ کے بعد علامت وقف ص نہیں لکھی ہوئی یہ دراصل مَنْ يَّشَآءُ ۖ ہے۔ |
| 303 | ال عمرٰن | 182 | لِلْعَبِيْدِ۝ یہاں آیت پر علامت وقف ج نہیں لکھی ہوئی یہ دراصل لِّلْعَبِيْدِ۝ۚ ہے۔ |
| 309 | ال عمرٰن | 194 | يَوْمَ الْقِيٰمَةِ کے بعد علامت وقف ط نہیں لکھی ہوئی یہ دراصل يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ ہے۔ |
| 310 | ال عمرٰن | 198 | مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ کے بعد علامت وقف ط نہیں لکھی ہوئی یہ دراصل مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ ہے۔ |
| 315 | النّسآء | 4 | نِحْلَةً کے بعد علامت وقف ط نہیں لکھی ہوئی یہ دراصل نِحْلَةً ؕ ہے۔ |
| 318 | النّسآء | 11 | نَفْعًا کے بعد علامت وقف ط نہیں لکھی ہوئی یہ دراصل نَفْعًا ؕ ہے۔ |
| 318 | النّسآء | 11 | مِّنَ اللّٰهِ کے بعد علامت وقف ط نہیں لکھی ہوئی یہ دراصل مِّنَ اللّٰهِ ؕ ہے۔ |
| 319 | النّسآء | 12 | وَلَدٌ کے بعد علامت وقف ج نہیں لکھی ہوئی یہ دراصل وَلَدٌ ۚ ہے۔ |
| 319 | النّسآء | 12 | اَوْ دَيْنٍ کے بعد علامت وقف ط نہیں لکھی ہوئی یہ دراصل اَوْ دَيْنٍ ؕ ہے۔ |
| 319 | النّسآء | 12 | وَلَدٌ کے بعد علامت وقف ج نہیں لکھی ہوئی یہ دراصل وَلَدٌ ۚ ہے۔ |

''ادارہ بیت القرآن'' ان تمام کوتاہیوں پر آپ سے معذرت خواہ ہے اور آئندہ ایڈیشن میں ان تمام غلطیوں کو صحیح کر دیا جائے گا بلکہ مکمل ایڈیشن دوبارہ تیار کر کے شائع کیا جائے گا، ان شاء اللہ۔ مزید اغلاط آخری صفحہ پر ملاحظہ کریں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴾ [سورۃ القمر ١٧]

''اور یقیناً ہم نے اِس قرآن کو سمجھنے کیلیے بالکل آسان بنا دیا ہے پھر کوئی نصیحت لینے والا ہے''؟

مطالب قرآن آسان زبان میں

# مفہوم القرآن

﴿ پارہ 1 تا 5 ﴾

رفعت اعجاز



BAIT-UL-QURAN

بیت القرآن

لاھور۔ پاکستان

| | | |
|---|---|---|
| نام کتاب | ........ | مفہوم القرآن جلد اول ﴿ پارہ 1 تا 5 ﴾ |
| تالیف | ........ | رفعت اعجاز |
| نظر ثانی | ........ | ابو نعمان بشیر احمد، ابو عکاشہ عبد اللطیف حلیم |
| کمپوزنگ سیٹنگ | ........ | حافظ سعید عمران، قاری محمد اکرم محمدی |
| ایڈیشن اول | ........ | اکتوبر 2006 |
| پبلشر | ........ | بیت القرآن لاہور پاکستان |
| ہدیہ | ........ | 65 روپے |


## برائے رابطہ


پوسٹ بکس نمبر 150، جی-پی-او، لاہور، پاکستان

فون : 111-737-111 ایکسٹینشن : 115

فیکس : 111-737-111 ایکسٹینشن : 111

P-O-Box # 150 , GPO, Lahore, Pakistan

Tel : 111-737-111 Ext : 115

Fax : 111-737-111 Ext : 111

Web Site: www.bait-ul-quran.org

Email : info@bait-ul-quran.org


## پبلشر نوٹ

1. ہر خاص وعام کو اطلاع دی جاتی ہے کہ بیت القرآن اپنی مطبوعات پر منافع وصول نہیں کرتا بلکہ اشاعت فنڈ وصول کرتا ہے جو کہ صرف کتاب کی پرنٹنگ، کاغذ اور بائنڈنگ کی لاگت ہے، البتہ تاجرانِ کتب پرنٹ شدہ ہدیہ وصول کر سکتے ہیں۔

2. بیت القرآن کی مطبوعات منظر عام پر آئیں تو بہت سے حضرات وخواتین نے اس منفرد کام کو سراہتے ہوئے اس کارِ خیر میں مالی تعاون کی پیشکش کی ہے تو اس حوالے سے عرض ہے کہ ادارے سے مالی تعاون کی بجائے اس کارِ خیر میں شرکت کی بہترین اور واحد صورت یہ ہے کہ آپ اس ادارے کی مطبوعہ کتب خرید کر تقسیم فرمائیں۔ جَزَاكُمُ اللّٰهُ خَيْرًا وَبَارَكَ اللّٰهُ فِيْكُمْ۔

3. ہم نے قرآنی آیات کی طباعت کے وقت ہر صفحہ بغور پڑھا ہے، ہمیں یقین ہے کہ ان کے الفاظ اور اعراب دونوں بالکل صحیح ہیں، پھر بھی اگر آپ کو کہیں کوئی غلطی نظر آئے تو یقیناً وہ سہواً ہوئی ہے، کیونکہ قرآن مجید کے الفاظ میں ردوبدل کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا، اگر آپ کو کبھی کوئی ایسی غلطی نظر آئے تو فوراً ہمیں اطلاع دیں، ہم اسے درست کر دیں گے۔ کبھی کبھی اتفاق سے جلد بندی میں بائنڈر سے غلطی ہو جاتی ہے یعنی کچھ صفحے آگے پیچھے لگ جاتے ہیں یا کم وبیش ہو جاتے ہیں، یہ جلد ساز کی غلطی ہوتی ہے، ادارہ ایسی غلطی کو بھی درست کرنے کا ذمہ دار ہے۔ قارئین حضرات سے گزارش ہے کہ اگر آپ کو ہمارے کسی طبع شدہ نسخے میں ایسی کوئی غلطی ملے تو اسے واپس کر کے صحیح نسخہ حاصل کر سکتے ہیں۔

# فہرست

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

# عرض ناشر

قرآنی تعلیمات کو عام کرنا ایک اہم ذمہ داری ہے، اسے پورا کرنے کے لیے اردو زبان میں متعدد تراجم وتفاسیر شائع ہو چکے ہیں اور قرآن فہمی کے لیے بے شمار ادارے کام کر رہے ہیں۔

''بیت القرآن'' کو یہ شرف حاصل ہے کہ اُسے قرآن فہمی میں نہایت منفرد اور جدید طرز پر کام کرنے کا موقع ملا ہے سب سے پہلے ''مفتاح القرآن'' کے نام سے ایک کتاب شائع کی، جس میں تفہیم قرآن کے لیے گرامر کی بجائے اُس کی علامتوں کو آسان انداز میں پیش کیا گیا ہے، اس کے بعد اِن علامتوں کو رنگوں میں ظاہر کرتے ہوئے ''مصباح القرآن'' کے نام سے ایک منفرد ترجمۂ قرآن شائع کیا، جس کی انفرادیت یہ ہے کہ رنگوں کی مدد سے اردو میں مستعمل قرآنی الفاظ، بار بار استعمال ہو کر یاد ہو جانے والے الفاظ اور بالکل نئے الفاظ کو الگ الگ کر دیا گیا ہے، پھر ان علامتوں اور اس ترجمے کو خوب ازبر کرنے کے لیے ''تمرین القرآن'' کے نام سے ایک ورک بک بھی شائع کی ہے۔ اس کے علاوہ ''مصباح الصلوٰۃ'' کے نام سے ایک کتاب شائع کی ہے جس میں نماز کا ترجمہ، جنازہ کی دعاؤں اور نماز میں پڑھی جانے والی چند سورتوں کا ترجمہ سمجھایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے قرآن مجید سے محبت رکھنے والے حلقوں میں یہ کتب بہت مقبول ہوئی ہیں۔

چنانچہ ''بیت القرآن'' کی اس خدمت کے پیش نظر محترمہ رفعت اعجاز صاحبہ نے اپنی تفسیر ''مفہوم القرآن'' کو شائع کرنے کی خواہش کا اظہار کیا، جسے انہوں نے خاص طور پر سکول وکالج کے بچوں کو قرآنی تعلیمات سے روشناس کرانے کے لیے تألیف کیا ہے، ہم نے جب اس تفسیر کا مطالعہ کیا تو اسے بہت مفید پایا۔ اور محترمہ رفعت اعجاز صاحبہ سے مشورہ کے بعد اسے ایک ایک پارہ شائع کرنے کا پروگرام طے پایا اور اس کے لیے قرآنی رسم الخط کا سپیشل فونٹ تیار کیا گیا اور اس کی نئے سرے سے ڈیزائننگ کر کے خوبصورت انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ محترمہ صاحبہ کے قلم اور علم وعمل میں برکت فرمائے اور نئی نسل کو اس سے استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

ادارہ ''بیت القرآن''

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

# مقدمہ

مجھے اپنے زندگی میں اکثر و بیشتر اس کی کا احساس رہا کہ قرآن مجید کے مفہوم کو یسرنا القرآن کے معیار پر ضرور لکھا جانا چاہیے۔ کیونکہ سکول و کالج کے طلبا قرآن کے نفس مضمون سے بالکل بے خبر ہیں۔ یا تو ناظرہ پڑھتے ہیں یا پھر ترجمہ پڑھتے ہیں اور کچھ حاصل کیے بغیر یہ کہہ کر رکھ دیتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) ہمیں یہ بے ترتیب لگتا ہے، کچھ سمجھ نہیں آتا۔ حالانکہ قرآن کے تمام مضامین موتیوں کی لڑی کی طرح گزشتہ سے پیوستہ ہیں، قرآن سائنس کی کتاب نہیں لیکن کون سا ایسا مضمون ہے جو اس کتاب مقدس میں بیان نہیں کیا گیا تمام علوم سے متعلق حیرت انگیز پیغامات موجود ہیں، قرآن جو کائنات میں تمام دانائیوں کا منبع ہے اس کی کوئی آیت سائنس کے خلاف نہیں جاتی اور ساتھ ہی ساتھ اس کے مضامین اس قدر آسان اور سادہ ہیں کہ عرب کے بدو اور بوریا نشین بھی ان کو آسانی کے ساتھ سمجھ سکتے تھے اور پھر جیسے جیسے علم کی روشنی بڑھتی گئی اہل علم نے قرآن سے پوری طرح استفادہ کر کے دنیا کو بے شمار بنیادی دریافتوں سے مستفید کیا۔ جس کا ثبوت یہ ہے کہ ظہور اسلام کے 100 سے 300 سالوں کے اندر اندر مسلمانوں نے طبعیات، ریاضی، طب، بیالوجی، ارضیات، فلکیات غرض کہ ہر قسم کے علوم وفنون میں کمال مہارت حاصل کی اور مسلمان سائنس دانوں کا چرچہ پوری دنیا میں ہونے لگا تاریخ کے مطالعہ سے معلوم ہو جاتا ہے کہ تمام علوم کی جڑیں مسلم سائنسدانوں کے کیے ہوئے کارناموں سے ہی نکلتی ہیں۔ موجودہ زمانہ میں بھی مثال موجود ہے کہ فرانسیسی ڈاکٹر مارس بکائل نے بیالوجی اور ایمبرالوجی کے میدان میں قرآن کی رہنمائی سے قابل قدر کام کیا ہے۔

اسی طرح برفولٹ نے اپنی تصنیف "تشکیل انسانیت" میں لکھا ہے۔ "یورپ کی نشاۃ ثانیہ عربوں کے اثر کی مرہون منت ہے"۔

یہ اس لیے ہے کہ اسلام کی عقلی تعلیم نے بوعلی سینا، فارابی، ابن رشد، بیکن اور بے شمار سائنسدان پیدا کیے۔ اور دنیا میں وقت معلوم کرنے کے لیے کرہ سماوی کا نمونہ تیار کر لیا گیا تھا۔"

قرآن کی تعلیمات کے بل بوتے پر مسلمانوں نے 13، 14، 15 صدیوں میں عظیم سائنسدان پیدا کیے جن کی فہرست بہت لمبی ہے۔ افسوس اس بات کا ہے کہ ہمارے نوجوان، بچے بلکہ بزرگ بھی اس نعمتِ بے بہا سے محروم ہیں محض لاعلمی کی وجہ سے پستی کی طرف جا رہے ہیں جبکہ غیر قومیں اس سے استفادہ کر کے ترقی کی منازل طے کرتی چلی جا رہی ہیں۔

یہ سب کچھ لکھنے کا مقصد یہ ہے کہ ہماری موجودہ نسل اس وقت ذہنی طور پر بے حد مضبوط ہے لیکن ان کی رہبری ناپید ہے۔ اسی لیے میرے ذہن میں خیال آیا کہ اس قدر بابرکت خزینہ علوم وفنون ہمارے بچوں سے صرف اس لیے پوشیدہ ہے کہ وہ عربی نہیں جانتے۔

میں نے سوچا کہ انتہائی عام فہم اور آسان الفاظ اور سہل ترین انداز تحریر میں وہ تمام نکات بچوں کو بتا دیے جائیں جو ان کے لیے دنیا و آخرت کی بھلائیوں، ترقیوں اور کامیابیوں کو واضح کر دیں۔

قرآن پاک کی بہت سی تفسیریں چھپ چکی ہیں اور بہت سے بہترین کام ہو چکے ہیں اور ہو بھی رہے ہیں لیکن میری نظر سے ابھی تک بچوں کے لیے ایسا کوئی کام نہیں گزرا جس میں یہ اسلوب اختیار کیا گیا ہو کہ عام نوجوان اور سکول کے بچے جس کو آسانی کے ساتھ سمجھ سکیں۔ چنانچہ میں نے اس کام کا بیڑا اٹھایا اور عزم کیا کہ میں ضرور قرآن کا اس انداز میں مفہوم پیش کروں کہ جس میں پڑھنے والے یا سمجھنے والے کو دقت پیش نہ آئے۔ اللہ میری مدد فرمائے غلطیوں سے محفوظ رکھے اور آخرت میں میرے لیے بلند درجات کا باعث بنائے۔

اپنے مسودات کی معیاری استعداد معلوم کرنے کے لیے میں نے بیشتر سکالرز کو زحمت دی جن میں سب سے پہلے مشہور و معروف عالم دین ڈاکٹر غلام مرتضیٰ صاحب تھے اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے، جناب ڈاکٹر انیس احمد صاحب ڈین فیکلٹی آف سوشل سائنسز ہیں لفظ بلفظ پڑھ کر سند دینے سے معذور تھے کیونکہ یہ اس قدر مصروف ہوتے ہیں کہ مجھے اس صورت میں مدد دینا ان کے لیے ممکن نہ تھا۔ البتہ عالمہ فاضلہ محترمہ فرخندہ جبین اور محترمہ تنویر مسعود صاحبہ نے لفظ بلفظ پڑھنے کے بعد مناسب تصحیح کرنے کا ذمہ لیا۔

انکے علاوہ محترم جناب مولانا اکرم کاشمیری اور مولانا ضمیر احمد ساجد صاحب نے بھی خوب چھانٹ پھٹک کے بعد مفہوم القرآن کو معیاری اور منفرد مجموعہ ہونے کی سند عطا کی اور اُن کے خیال میں یہ تشریحات نوعمر بچوں اور بڑوں سب کے لیے قابل فہم اور آسان ثابت ہوگی۔

قارئین، علمائے کرام، مبلغین اور واعظین سے میری یہ استدعا ہے کہ وہ اس کوشش کو تفسیر کے معیار سے نہ جانچیں۔ کیونکہ اسے سکول و کالج کے بچوں کی ذہنی صلاحیتوں کو سامنے رکھتے ہوئے مرتب کیا گیا ہے۔ مقصد صرف یہ ہے کہ بچے اور نوجوان قرآن پاک میں دیے گئے اللہ رب العزت کے اس آخری کلام کو سمجھ سکیں اور عمل کر سکیں جو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ پر نازل کیا ہے۔ اگر میرے اس مقصد کو سامنے رکھ کر علمائے کرام اور مبلغین تنقید کریں تو میں ان کی تہ دل سے شکر گزار ہوں گی۔ اللہ میری اور میرے احباب کی اس کوشش کو بامقصد اور باعث افتخار ثابت کرے۔ آمین۔

آخر میں ''مفہوم القرآن'' کو شائع کرنے والے ادارے ''بیت القرآن'' کا ذکر ناگزیر ہے کیونکہ یہ منفرد ادارہ محض رضائے الٰہی، خدمت خلق اور دعوتِ دین کا مظہر ہے۔ اس ادارے میں ہر کام فی سبیل اللہ کیا جاتا ہے اور دنیاوی مفاد کا کوئی بھی خیال موجود نہیں۔ اللہ تعالیٰ تمام کارگزاروں کو ثواب دارین عطا کرے اور ان کی ہر خدمت کو منظور کرے اور ان کی بخشش کا ذریعہ بنائے۔ آمین

رفعت اعجاز

# تقاریظ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

جہاں تک قرآن پاک کی تفسیر کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں مفسرین نے قرون اولیٰ سے لے کر دور حاضر تک مختلف اسالیب اختیار فرمائے ہیں۔ دور حاضر جو ماڈرن سائنسز اور جدید ٹیکنالوجی کا دور کہلاتا ہے اس میں بھی بلا ریب جدید نسل کو قرآنی مطالب ومفاہیم سے روشناس کرانا اہل علم ودانش کی اولین ذمہ داری ہے جس کا آغاز محترمہ رفعت اعجاز صاحبہ جو کہ عربی، فارسی اور اردو کے ساتھ ساتھ جدید علوم میں بھی مہارت تامہ رکھتی ہیں نے بفضل اللہ تعالیٰ کر دیا ہے اللہ تعالیٰ ان کی مساعی کو شرفِ قبولیت سے نوازے۔

مولانا اکرم کاشمیری

مدیر اعلیٰ ماہنامہ الحسن لاہور۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قرآن مجید کے معانی ومطالب واضح کرنے کے لیے ہر دور میں اہل علم نے بھرپور کوشش کی ہیں اور انہی کاوشوں کا نتیجہ ہے کہ آج دنیا بھر کی لائبریریوں میں مختلف زبانوں میں قرآن حکیم کی تفسیروں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ برصغیر میں لوگوں کی دینی رہنمائی کے لیے بڑی علمی اور فکری شخصیات نے اردو زبان میں قرآن مجید کی تفاسیر لکھی ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ لوگوں نے ان کی تفاسیر سے استفادہ کیا ہے مگر زمانے کے ایک نئے دور میں داخل ہونے سے جہاں لوگوں کی مصروفیات میں اضافہ ہوا وہاں نئے نئے مسائل بھی سامنے آئے۔ ضروری ہے کہ نئی نسل کے لیے عام فہم انداز میں قرآنی تعلیمات عام کی جائیں۔ اس نازک دور میں جہاں دین اسلام کے خلاف ہزاروں فتنے سر اٹھائے ہوئے ہیں محترمہ ''رفعت اعجاز'' صاحبہ نے قرآن فہمی کی ضرورت کو شدت سے محسوس کیا اور پھر کوشش کی کہ ''مفہوم القرآن'' کے نام سے قرآن حکیم کی آسان معنوی تفسیر سے بچوں کو آگاہ کیا جائے بلاشبہ وہ اس کوشش میں کامیاب رہی ہیں۔ کتاب اللہ کے معنی کو اردو زبان میں نکھارنے کے لیے ایسے خوبصورت الفاظ کا انتخاب کیا ہے جن کو دس، گیارہ سال کا بچہ بھی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ اگرچہ ان کا ہدف ابتدائی فہم وفراست کے حامل بچوں کو قرآن حکیم سمجھانا ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ بڑی عمر کے لوگوں کو بھی فائدہ ہوگا بشرطیکہ وہ بھی پوری لگن کے ساتھ پڑھنے کی کوشش کریں۔

طویل مدت سے ایسی تعبیر کی ضرورت محسوس کی جارہی تھی مگر قدرت نے یہ خدمت ''موصوفہ'' کے لیے مقدر فرمائی تھی۔ یہ تحریر اس قدر جاذبِ نظر اور دلوں پر اثر انداز ہونے والی ہے کہ پڑھنے والے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس کاوش کو نفع بخش بنائے اور انہیں دارین کی سعادتیں عطا فرمائے۔ (آمین)

مولانا ضمیر احمد ساجد

ایم۔اے عربی، فاضل درس نظامی، خطیب جامع مسجد جی 9/4 اسلام آباد

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

''تم میں بہترین وہ جو قرآن سیکھے اور سکھائے'' (الحدیث)

محترمہ ''رفعت اعجاز'' صاحبہ واقعی مبارکباد کی مستحق ہیں جنہوں نے راہ حق میں اپنے حصے کا چراغ جلایا ہے۔ ان شاء اللہ اس چراغ سے بہت سے اور چراغ بھی جلیں گے۔ بقول موصوفہ ان کی یہ کوشش نوعمر بچوں کے ذہن سنوارنے کے لیے ہے مگر میں سمجھتی ہوں کہ عام قارئین کے لیے بھی اس تشریح میں بھی وہ سب کچھ ہے جو ایک انسان کو راہ راست دکھانے کے لیے ضروری ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کام کو قبول فرمائے۔

فرخندہ جبین

ایم۔اے، عالمہ فاضلہ علوم دینیہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

# تبصرہ ڈاکٹر انور سدید

محترمہ رفعت اعجاز کا بنیادی اور عمومی تعارف یہ ہے کہ وہ ماہر علوم جدیدہ وقدیمہ ہیں ان دونوں علوم کا سنگم ''قرآن مجید'' ہے جس کے ارشادات حقانی گزشتہ چودہ سو سال سے زمانے کو منور کر رہے ہیں اور قدیم ادوار کو زمانہ جدید میں متعارف کرانے کے علاوہ قدیم روشنی سے جدید راستوں کو تنویریں عطا کر رہے ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ''ہم نے قرآن کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے''۔ لیکن اس کے ساتھ ہی سوال کیا گیا ہے ''کیا کوئی نصیحت حاصل کرنے والا ہے۔

محترمہ رفعت اعجاز نے اپنے گرد و پیش پر نظر دوڑائی تو انہیں لاکھوں، گمراہ انسانوں کے ہجوم نظر آئے جو تعلیمات اور مفاہیم قرآن سے بے بہرہ تھے، چنانچہ انہوں نے قرآن مجید کے مطالب و معانی عام فہم اور آسان زبان میں پیش کرنے کا بیڑہ اٹھایا اور زیر نظر کتاب تالیف کی جو اُن بچوں اور بڑوں کے لیے ہے جو عربی نہیں جانتے اور ناظرہ قرآن کی روزانہ تلاوت کرنے کے باوجود اس کے وسیع اور تر پیغام کو، زندگی اور ہستی کی فلاح کی تیر بہدف نصیحتوں سے ناواقف ہیں۔

محترمہ رفعت اعجاز صاحبہ نے قرآن حکیم کی وضاحتوں کے لیے فیض کے متعدد سرچشموں سے استفادہ کیا ہے۔ یہ کتاب ہمیں بیک وقت قرآن کی متعدد تفاسیر اور مفسروں سے متعارف کرا دیتی ہے اور محترمہ رفعت اعجاز صاحبہ کے لیے دل سے دعا نکلتی ہے کہ انہوں نے قرآن کے پیغام اور نبی رحمت ﷺ کے اسوہ حسنہ کو اکیسویں صدی میں عام کرنے کی کاوش کی ہے۔

روزنامہ نوائے وقت لاہور

16/11/2003

# تعوذ

## اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ ۝

میں شیطان سے اللہ کی پناہ میں آتا/ آتی ہوں۔

تشریح: کوئی بھی نیک کام کرنے سے پہلے خاص طور سے قرآن مجید پڑھنے سے پہلے تعوذ کا پڑھنا بے حد ضروری ہے، کیونکہ شیطان ہی وہ جن ہے جو نافرمانی کی وجہ سے خدا کے حضور سے بے عزت کر کے نکال دیا گیا تھا۔ اب اس کا کام صرف انسان کو اپنا ساتھی بنانا یعنی ہر اچھے کام سے روکنا اور برے کام پر لگانا ہے۔ ہر وقت اس سے اپنے آپ کو بچانا چاہیے اور اللہ سے مدد مانگنی چاہیے کہ اس کے شر سے بچا کر رکھے۔ کہیں ہم بھی اللہ کے ناپسندیدہ انسان نہ بن جائیں۔ تعوذ کے بعد بسملہ کا پڑھنا ضروری ہے۔

# تسمیہ / بسملہ

## بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝

شروع اللہ کے نام سے جو رحمٰن ورحیم ہے۔

تشریح: تعوذ کے بعد ہم بسملہ یعنی بسم اللہ پڑھتے ہیں، مقصد یہ ہوتا ہے کہ شیطان سے پناہ چاہتے ہوئے اللہ کا نام لے کر اس کی مدد شامل کرتے ہوئے اپنا کام شروع کرتے ہیں۔ اللہ کی مدد اس لئے چاہتے ہیں کیونکہ وہ سب سے زیادہ رحم کرنے والا اور اپنی رحمتیں دینے والا ہے۔ بے حساب رحمتیں دیتا ہے اور کوئی معاوضہ نہیں لیتا۔ اور پھر اس کی مدد اس کی طرح بڑی ہی مکمل اور مضبوط مدد ہے جو اس کی مدد سچے دل سے مانگتا ہے وہ اس کی مدد بے حد کرتا ہے۔ اللہ کا قرب اور اس کی مدد کامیابی کی نشانی ہے۔

# سورة الفاتحة

سورۃ الفاتحہ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے یعنی کھولنے والی مراد رشد و ہدایت کی کتاب قرآن مجید کو کھولنے والی سورت۔ اس سورت کو اُم القرآن، الدعاء، الشفاء اور الحمد کے نام بھی دیئے گئے ہیں۔ کیونکہ یہ سورۃ دعا بھی ہے انسان کی صحت یابی کے لئے بھی پڑھی جاتی ہے۔ خدا کی تعریف اور پھر قرآن پاک کی پہلی سورت بھی ہے یہ سورت ایک ہی وقت میں پوری نازل کی گئی ہے اس میں کل سات آیات ہیں اور یہ نبوت کے شروع میں مکہ میں نازل ہوئی تھی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿1﴾

سب تعریف اللہ تعالیٰ کی ہے جو تمام جہانوں کا رب ہے۔﴿1﴾

تشریح: اس آیت میں حمد و ثنا کے ساتھ ساتھ دعا مانگنے کا سلیقہ بھی سکھایا گیا ہے کہ جس سے کچھ مانگنا ہے تو سب سے پہلے اس کی تعریف بیان کی جائے۔ اسی لئے بندہ اپنے اللہ کو پکارتا ہے کہ اے اللہ آپ ہر قسم کی تعریف کے قابل ہیں کیونکہ تمام جہانوں کو پیدا کرنے والے ہیں اور پھر ہر قسم کی تمام مخلوقات کو پالنا صرف آپ کا ہی کام ہے۔ کوئی بھی ہستی نہ تو کائنات یعنی عالمین (کائنات بڑی وسیع ہے اس میں ایک دنیا ہی نہیں بلکہ کئی اور دنیائیں بھی ہیں اسی لئے عالم کی جمع عالمین کہا گیا ہے۔) کو بنانے کی قدرت رکھتی ہے اور نہ ہی دنیا میں بسنے والی مخلوقات کو پیدا کرنے اور پھر پالنے کی قدرت رکھتی ہے، ہم خود اپنے آپ کو دیکھیں تو پتہ چلتا ہے کہ انسان ایک چلتی پھرتی مشین ہے۔ جس کو بنانا اور بچہ سے بوڑھا تمام عمر کی تمام ضروریات کو پورا کرنا سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں کرسکتا اسی لئے صرف اسی کی تعریف کرنی چاہئے، کیونکہ آیت نمبر 2 اس کی وضاحت ان الفاظ میں پرزور طریقہ سے کرتی ہے۔

الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿2﴾

جو نہایت رحم کرنے والا بڑا مہربان ہے۔﴿2﴾

تشریح: اس آیت میں اقرار ربوبیت کے ساتھ ساتھ بڑی وضاحت سے بتایا گیا ہے کہ اللہ رب العالمین ہی نہیں بلکہ انتہائی محبت اور شفقت کرنے والی ایسی ہستی ہے کہ جس کا رحم و کرم بے حد و حساب ہے۔ ماں کی محبت، اللہ کی محبت کا ایک بڑا ہی معمولی نمونہ ہے۔ وہ نہ صرف رحم کرنے والا ہے، بلکہ اس کی رحمت، محبت اور شفقت اتنی زیادہ ہے کہ الفاظ میں بیان کرنا ممکن ہی نہیں۔ بغیر قیمت کے ہمیں زندگی دیتا ہے۔ ہوا، پانی، پھل، پھول اور مختلف اقسام کے اناج دیتا ہے، انسان کو جب اللہ نے بنایا تو ان تمام چیزوں کے نام اور استعمال کے طریقے سکھا دیئے اسی علم کی وجہ سے اللہ تعالیٰ (جو سب سے بڑا انصاف کرنے والا ہے) نے

حضرت آدم علیہ السلام کو مسجود ملائکہ بنایا یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو فرشتوں سے سجدہ کروایا یہاں معلوم ہوتا ہے کہ تسبیح وتقدیس اپنی جگہ مگر علم و معرفت کو زیادہ بڑا درجہ دیا گیا ہے اور انسان کو بتایا گیا ہے کہ تم بھی آپس میں شفقت، محبت اور درگزر سے کام لو۔ تم بندوں کی خطاء معاف کرو اللہ تمہاری خطائیں معاف کر دے گا، معاف کر دینا، درگزر کرنا ایثار اور خلوص سے پیش آنا اللہ کو بے حد پسند ہے اور پھر یہ تمام صفات انسان کی ترقی، سکون اور دنیا و آخرت میں کامیابی کی ضامن ہیں۔ اگلی آیت میں اللہ کی بادشاہت، حاکمیت اور منصف اعلیٰ ہونے کا بیان درج ہے۔

مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿3﴾

وہ بدلہ کے دن کا مالک ہے۔ ﴿3﴾

تشریح: اس آیت میں اقرار حاکمیت ہے، اور دو لفظوں میں عقیدہ قیامت و آخرت دلیل کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ بدلہ کا دن کیا ہے؟ اللہ نے تمام نعمتیں، برکتیں اور آسائشیں انسان کو دے کر کھلا نہیں چھوڑ دیا بلکہ اس کے امتحان کا دن بھی مقرر کر دیا ہے۔ انسان کو نیکی اور بدی کے راستے بتا دیئے ہیں اور پھر ہمارے تمام اعمال، خیالات اور نیتوں کے اوپر ریکارڈنگ کا نظام قائم کر دیا ہے کہ جو ہمارا ہر لمحہ محفوظ کئے جا رہا ہے۔ اس لئے کہ ایک دن اللہ تعالیٰ نے مقرر کر رکھا ہے کہ جب ہم سب انسان اپنے ٹیپ کئے ہوئے اعمال کے ساتھ اللہ کے حضور پیش کئے جائیں گے اور وہی دن جزاء کا دن کہلاتا ہے۔ انسان فیصلہ کرتے ہوئے بھول چوک کا شکار ہو سکتا ہے، مگر اللہ کا انصاف بڑا ہی صاف کھرا ہے اور مکمل ہوگا۔ اس دن کی تیاری اس دنیا میں ہی نیک اعمال، نیک خیالات اور نیک راہیں اختیار کرنے سے ہو سکتی ہے اس دنیا کی زندگی ہی ہمیں جنت یا دوزخ کا حق دار بنائے گی اس لئے مال کو مناسب طریقہ سے استعمال کریں، والدین، استاد اور بزرگوں کی عزت کریں، نماز پڑھیں زکوٰۃ دیں اور کبھی جھوٹ نہ بولیں کسی کو نقصان نہ پہنچائیں غیبت چوری، حق تلفی اور گناہوں سے بچیں ہر وقت حساب کے دن کا خیال ذہن میں رکھیں اور اللہ سے مدد مانگتے رہیں جیسا کہ اگلی آیت میں بتایا گیا ہے۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴿4﴾

ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ ﴿4﴾

تشریح: اس آیت میں اقرار توحید، اللہ کی حمد اور دعا کا پہلو ظاہر ہوتا ہے۔ مسلمان اللہ کو وحدہ لاشریک سمجھتا ہے اسی لئے اقرار کرتا ہے کہ میں صرف اور صرف اللہ کی عبادت کرتا ہوں، اللہ کی وحدانیت، بڑائی اور طاقت کا اقرار کرتے ہوئے اسی سے مدد کا طلب گار بھی ہوں۔ یعنی یہ آیت اقرارِ توحید کی بہترین صورت ہے اگلی آیت میں عاجزی وانکساری سے دعا کی جا رہی ہے۔

اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۝5

تو ہمیں سیدھے راستہ کی ہدایت دے۔ ۝5

تشریح: اس آیت میں دعا ہے انسان اللہ سے التجا کرتا ہے کہ زندگی کے ہر لمحہ میں، ہر قدم پر ہمیں وہ طریقے بتا جو ہماری فلاح اور ہماری نجات کا ذریعہ بنیں کیونکہ تجھ سے بڑا نہ کوئی رہبر ہے اور نہ ہی ہمدرد و مہربان، تو بہترین رہبر و راہنما ہے۔ ہمیں ان بہترین لوگوں کی راہوں پر چلنے کی توفیق اور ہدایت کر کہ جنہوں نے دنیا و آخرت میں نجات حاصل کی جن کا ذکر اگلی آیت میں موجود ہے۔

صِرَاطَ الَّذِيۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَيۡهِمۡ ۙ۬ ۝6

ان لوگوں کا راستہ (دکھلا) جن پر تو نے انعام کیا۔

تشریح: یہاں انسان مزید وضاحت چاہتے ہوئے دعا کرتا ہے کہ یوں تو ہدایت اور نجات کے تمام راستے طریقے اور اعمال قرآن مجید میں وضاحت سے بیان کر دیئے گئے ہیں مگر ایسے لوگوں کی مثالیں ہمارے سامنے کھول کر رکھ دے کہ جنہوں نے فلاح پائی اور تیرے انعام کے حقدار ہوئے۔ ایسے لوگوں کا ذکر سورۃ نساء کی آیت 69 میں اس طرح کیا گیا ہے:

''ان لوگوں کے ساتھ جن پر اللہ نے انعام کیا یعنی نبی، صدیق، شہید، صالح اور ان کی رفاقت کیسی اچھی ہے''۔

1. نبی: سے مراد اللہ تعالیٰ کا ایسا برگزیدہ بندہ کہ جو اللہ کا پیغام بندوں تک پہنچائے۔
2. صدیق: یہ انبیاء کے بعد دوسرے درجہ پر ہیں مثلاً حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ۔
3. شہداء: خدا کی خوشنودی کے لئے اپنی جان تک قربان کرنے والے۔ اللہ ان کو ہمیشہ کی زندگی عطا کرتا ہے اللہ فرماتا ہے:

''ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں اور تمہیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہے''۔

4. صالحین: یہ ایسے لوگ ہوتے ہیں جو انبیاء کی پیروی ہر صورت کرتے ہیں۔

یہ تمام لوگ انعام یافتہ لوگ ہیں انہی کے نقشِ قدم پر چلنے کی ہمیں توفیق دے کیوں کہ یہی لوگ سیدھے راستہ پر چلے اور انعام یعنی جنت کے حق دار ہوئے۔

غَيۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَيۡهِمۡ وَلَا الضَّآلِّيۡنَ ۝7 ع 1 7

نہ ان لوگوں کی راہ دکھلانا جن پر تیرا غضب ہوا اور نہ گمراہوں کی۔ ۝7

تشریح: دعا میں یہ بھی شامل کیا گیا کہ ان لوگوں کے راستہ پر ہمیں نہ چلانا جن پر آپ ناراض ہوئے کیونکہ انہوں نے گمراہی کے راستے اختیار کئے اور پھر آپ کی ناراضگی اور غضب کا شکار ہوئے۔ ان میں وہ تمام لوگ شامل ہیں جنہوں نے توحید سے انکار کیا۔

ہدایت ملنے کے باوجود راہ ہدایت پر نہ چلے مثلاً یہ لوگ دنیوی نعمتوں سے مالا مال تو ہو گئے مگر اپنی شرارتوں، نافرمانیوں، بدعہدیوں اور کفر کی وجہ سے تباہ و برباد ہوئے اور آخرت میں بھی ذلیل وخوار ہو کر جہنم میں ڈالے جائیں گے۔ ان میں کفار مکہ یہود ونصاری، فرعون، نمرود اور قارون کی مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ یہ سب لوگ اللہ کی نعمتوں، برکتوں اور رحمتوں سے مالا مال ہوئے مگر بداعمالیوں کی وجہ سے راہ نجات نہ پا سکے انہی لوگوں کا ذکر اس آیت میں کیا گیا ہے۔

آخر میں صرف یہی کہوں گی کہ سورۃ فاتحہ دراصل پورے قرآن مجید کا خلاصہ ہے۔ تمام احکامات مختصراً بیان کر دیئے گئے ہیں جو آگے پورے قرآن پاک میں بتائے جائیں گے۔ یہ ایک دعا ہے جو انسان مجموعی طور پر دن میں چالیس دفعہ کرتا ہے، مجموعی اس طرح کہ اس میں ہر جگہ جمع کا صیغہ یعنی ہم استعمال کیا گیا ہے جو امت مسلمہ کے اتحاد اور یکجہتی کی طرف اشارہ کرتا ہے اور اگر خلوص نیت سے اس کو پڑھا جائے تو اس کی وجہ سے بہت سی معاشرتی، روحانی، جسمانی اور ملکی خرابیوں سے نجات مل سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور عظمت وانتظام کا جب مکمل یقین ہو جاتا ہے تو رشوت، سفارش، بے سکونی، لڑائی جھگڑے اور قتل وغارت گری کا خاتمہ خود بخود ہو جاتا ہے۔ شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

وہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے۔
ہزار سجدوں سے دیتا ہے آدمی کو نجات۔

(علامہ اقبال)

قرآن مجید میں اس کا خلاصہ یوں بیان کیا گیا ہے۔ سورہ ھود میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:
"اس کی عبادت کرو اور اسی پر بھروسہ کرو۔"

# سورۃ البقرہ

قرآن مجید کی ترتیب کے مطابق سب سے پہلی سورۃ فاتحہ اور دوسری سورت بقرۃ ہے۔ یہ مدنی سورت ہے اس میں 286 آیات ہیں اور چالیس رکوع، یہ تقریباً ڈھائی پاروں میں مکمل ہوتی ہے۔ بقرہ کا معنٰی گائے ہے۔ آٹھویں رکوع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم درمیان مکالمہ ہوا جس کا موضوع ایک گائے تھی۔

سورۃ فاتحہ میں انسان اپنے خالق و مالک سے دعا کرتا ہے۔ ہدایت کی "الم" سے "والناس" تک انسان کی دعا کا جواب ایک مکمل دستورِ حیات "قرآن" کی شکل میں انسان کو عطاء کیا گیا۔ سورہ بقرہ میں اعتقادات، عبادات، معاملات، وراثت، ازدواجی زندگی، اخلاص و تصوف غرضیکہ تمام مسائل کا اجمالاً ذکر اس سورہ مقدسہ میں موجود ہے۔ پہلے پارے میں سولہ رکوع ہیں مومنین کی راہنمائی ہر طرح سے کی گئی ہے اور خاص موضوعات جو اس سورۃ میں بیان کئے گئے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

"تحریکِ قرآن مجید سے تین گروہ" مومن، منکر اور منافق، انعام یافتہ، قوم یہود کا ذکر، بنی اسرائیل پر کئے گئے 9 انعامات کا ذکر، یہود کو بتایا گیا کہ قرآن مجید کا نزول ان پر کیوں نہ کیا گیا، آخر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فضائل اور ان کی دعاؤں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسی لئے سورہ بقرہ کا شروع "ذٰلِكَ الْكِتٰبُ" سے کیا گیا ہے کہ جس صراط مستقیم کو تم ڈھونڈتے ہو، وہ یہ کتاب ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔

الٓمّٓ ﴿1﴾

الم یہ اور اس طرح کے متعدد حروف اکثر سورتوں کے شروع میں آئے ہیں۔ یہ اسرارِ الٰہی میں سے ہیں ان کو حروف مقطعات کہتے ہیں ان کے بارے میں تفصیل میں جانے سے قباحتیں پیدا ہونے کا اندیشہ ہے لہٰذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق صرف ان کو سمجھ لینا ہی کافی ہے کہ الف ایک حرف ہے لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے اس کی تفصیل میں جانا بہتر نہیں۔

## قرآن کی حیثیت

ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿2﴾

یہ ایسی کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں (اور) ہدایت ہے پرہیزگاروں کے لئے۔ ﴿2﴾

تشریح: قرآن مجید آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کی جانے والی آخری کتاب ہے۔ یہ اتنی مکمل، واضح فصیح و بلیغ آسمانی کتاب ہے کہ اس کے بعد نہ تو کسی مزید شریعت کی ضرورت رہی، نہ نبی کی اور نہ ہی کسی دین کی۔ انسان کی راہبری کے لئے مختلف

ادوار میں مختلف نبی آتے رہے ان کو آسمانی کتابیں اور صحیفے بھی دیئے گئے لیکن وقت کے ساتھ ساتھ ان کی تعلیمات ماند پڑتی گئیں اور کتابوں میں ردوبدل ہوتا رہا مگر قرآن مجید کہ اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں یہ تمام انسانوں اور جنات کے لئے ہمارے پیارے نبی حضرت محمد ﷺ پر نازل ہوئی اور یہ کتاب پرہیز گار لوگوں کے لئے ہدایت کا ذریعہ ہے۔ اگلی آیات میں بتایا گیا ہے کہ پرہیز گار اور متقی انسان کی کیا تعریف ہے۔

## متقین کی صفات

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿3﴾ وَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَ مَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿4﴾ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿5﴾

جو غیب پر ایمان لاتے ہیں، نماز قائم کرتے ہیں، جو رزق ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ ﴿3﴾ جو کتاب (قرآن) تم پر نازل کی گئی ہے اور جو کتابیں تم سے پہلے نازل کی گئی تھیں ان سب پر ایمان لاتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ ﴿4﴾ ایسے لوگ اپنے رب کی طرف سے راہ راست پر ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں۔ ﴿5﴾

تشریح: سب سے پہلے ایمان بالغیب کو سمجھنا ہوگا۔ ہم خدا کو دیکھ نہیں سکتے اس کو اس کی صفات اور کاریگری سے پہچانتے ہیں۔ جیسے ہمارے رسول ﷺ نے بتایا کہ اللہ ایک ہے، خالق ہے، رازق ہے، وحدہ لاشریک ہے۔ اس بات پر مکمل ایمان لے آنا، اللہ کو خود ہم اپنی ہستی سے جو کہ چلتی پھرتی مکمل فیکٹری ہے۔ انسان کی پیدائش، زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے۔ یہ سب کچھ اللہ کو پہچاننے ماننے اور یقین کرنے کیلئے کیا کافی نہیں ہے؟ کیوں نہیں یہ سب نظام سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں کرسکتا۔

متقی شخص کی پہلی صفت یہ ہے کہ وہ ایمان بالغیب کا حامل ہوتا ہے، ایک متقی یعنی پرہیز گار شخص کے لئے ضروری ہے کہ وہ پیکر انسانیت ہو۔ قرآن پر ایمان رکھتا ہو، غیب پر ایمان رکھتا ہو، نماز پڑھے، زکوٰۃ دے، محمد ﷺ کو آخری نبی ان پر نازل ہونے والی کتاب کو آخری کتاب ان سے پہلے آنے والے نبیوں پر اور تمام آسمانی کتابوں پر ایمان رکھے۔

ہمارے دین کی بنیادی صورت نماز ہے۔ یہ جسم و روح کو طہارت چستی اور صحت دیتی ہے جبکہ روح اور دماغ کے لئے معجزانہ اثرات مرتب کرتی ہے۔ صلوٰۃ فحش اور برے کاموں سے روکتی ہے۔ اللہ کے حضور پیش ہو کر شکر گزاری اور دعا کی ایک صورت ہے۔ اللہ اور بندے کے درمیان صلوٰۃ کے ذریعے جو ربط پیدا ہوتا ہے تو اس ربط کے ذریعہ انسان چند ساعتوں کے لئے اپنے تمام تفکرات پریشانیاں بالکل بھول جاتا ہے۔ یہ بات یقینی ہے کہ صلوٰۃ سکون کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اعلان کرتا ہے کہ ان کو نجات مل گئی۔ یعنی صلوٰۃ گزار لوگوں کے لئے آزادی ہے تحفظ ہے، شفاء ہے خوشی اور سکون ہے۔ جس طرح ایک نمازی

کے تمام جوڑ صحت مند ہوتے ہیں اسی طرح اس کو ذہنی اور روحانی صحت بھی مل جاتی ہے، جو لوگ نماز نہیں پڑھتے وہ بڑے خسارے میں ہیں۔ یہ واضح ہو گیا کہ ایک انسان کس طرح اخلاقی غلطیوں، برائیوں، بے سکونی اور بیماریوں سے اپنے آپ کو بچا سکتا ہے۔ وضو اور نماز کی اس قدر اچھائیاں اور فائدے ہیں کہ اس کے لئے لمبا وقت درکار ہے، صرف اتنا سمجھ لینا چاہیے کہ نماز سے بہتر کوئی نسخہ نہیں جو ہماری روحانی اور جسمانی صحت کے لئے اللہ نے چودہ سو سال پہلے سے ہمیں بتا دیا ہے اگر اس تحفہ کی قدر ہم نہیں کریں گے تو ظاہر ہے دنیا و آخرت میں نقصان ہی نقصان ہوگا۔ آخرت کا نقصان ناقابل تلافی ہوگا۔ موجودہ دور کی مشینی زندگی کا نتیجہ ہے کہ مادہ پرستی کے نظریات نے انسانوں میں ناخوشی، رنجیدگی، بے سکونی اور بے یقینی کی کیفیات پیدا کر دی ہیں۔ تفکرات سے معدے کا السر پیدا ہوتا ہے، دل کی شریانوں کے نظام کو نقصان پہنچتا ہے، نظام ہضم خراب ہو جاتا ہے، نفسیاتی دباؤ اور ذہنی کرب سرطان کا موجب بنتا ہے۔ ان تمام بیماریوں کا علاج ان دو آیات کریمہ میں بتا دیا گیا ہے۔

i جو کوئی بھی عبادت کرتا ہے وہ نجات کا مستحق ہوتا ہے۔ (القرآن)

ii جو کوئی بھی عبادت کرتا ہے اس کو تحفظ مل جاتا ہے اور اسے برائی، زیادتی اور فحاشی سے نجات مل جاتی ہے۔ (القرآن)

اللہ ہمیں اس کی توفیق عطا کرے اور خلوص، نیک نیتی اور سچائی کا پیکر بنائے۔ (آمین ثم آمین)

## کافر لوگ

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿6﴾

جو لوگ کافر ہیں، انہیں تم نصیحت کرو یا نہ کرو ان کے لئے برابر ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ ﴿6﴾

**تشریح:** اس آیت میں اللہ تعالیٰ آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے کہتے ہیں کہ یہ قوم بڑی ہٹ دھرم اور بگڑی ہوئی ہے اور منکر اللہ ہے ان کو ڈرانا، برائیوں سے منع کرنا، نصیحت کرنا کوئی افادیت نہیں رکھتا۔ ان کو نصیحت کرو یا نہ کرو ان کے لئے برابر ہے یہ ان کفار قریش کے لئے کہا گیا ہے جو کہ پکے کافر اور انتہائی بگڑے ہوئے لوگ تھے جو ہر وقت نبی کریم ﷺ کو تکلیف پہنچانے اور مذاق اڑانے میں خوشی محسوس کرتے تھے۔ ان میں ابو جہل، عتبہ، شیبہ اور دیگر سرداران قریش شامل تھے۔

# کفر کا نتیجہ

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ عَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَ عَلٰۤى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۫ وَّ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ﴿7﴾ ع

اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا رکھی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب تیار ہے۔﴿7﴾

تشریح: اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جو محض ہٹ دھرمی اور ضد کی وجہ سے نیکی اختیار نہیں کرتے، اس طرح نیکی اور پاکیزگی کی وجہ سے جو وجدانی اور روحانی قوت انسان کے دل پر اثر انداز ہوتی ہے وہ اس سے محروم رہتے ہیں اور یوں اس خوبصورت اور کار آمد آلہ کو بے کار چھوڑنے سے اس پر زنگ چڑھ جاتا ہے، کیونکہ دل محض ایک گوشت کا لوتھڑا ہی نہیں، بلکہ بہت کار آمد اور ضروری تحفہ جسم کے لئے عطا کیا گیا ہے جو کہ حقیقت میں انسانی شعور اور ادراک کا مرکز ہے۔ انسان سچائی اور حقائق تک کبھی نہیں پہنچ سکتا اگر اللہ دل پر مہر لگا دے، دل کے ساتھ دو بنیادی اعضاء آنکھ اور کان کے تعلق کو زور دے کر بیان کیا گیا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب خود اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے تو ان کا کیا قصور اصل میں یہ تقدیر میں نہیں لکھا گیا بلکہ اللہ نے تو ہر شخص کو نیکی پر پیدا کیا ہے۔ یعنی نیک جذبات احساسات دے کر بھیجا ہے یہ تو اللہ نے اپنے علم کی وجہ سے کہا ہے کہ یہ ایسے پکے کافر لوگ ہیں سخت دل اور ضدی کہ یہ کبھی بھی ایمان لانے والے نہیں یہاں یہ بات آنحضرت ﷺ کی تسلی اور ہمت افزائی کے لئے بھی کہی گئی کہ آپ ﷺ ہرگز دلبرداشتہ نہ ہوں۔ یہ لوگ ہیں ہی شیطان فطرت، ان کے دل پتھر ہو چکے ہیں، چونکہ دل پتھر ہو چکے ہیں اس لیے نہ تو آنکھیں نیکی کو دیکھ سکتی ہیں نہ کان نیکی کا اثر قبول کر سکتے ہیں۔ انسان کو جو چیز انسان بناتی ہے وہ دل کا وجدان ہوتا ہے۔ دل ایک عام قسم کا پمپ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی بہترین صناعی کا نمونہ ہے۔ دل کے ذریعہ ہم علم پیدا کر سکتے ہیں وجدان کا مشاہدہ کر سکتے ہیں، ہمارے رسول ﷺ کا امی ہونے کا راز بھی یہی ہے اس لئے کہ آپ ﷺ نے دنیوی احساس سے ماوراء عظیم سچائیوں کو اپنے پاک دل کے شعور کے ذریعہ ہی بیان کیا۔ سورہ بقرہ میں ایمان کو ایمان بالغیب اس حقیقت کی بناء پر کہا گیا ہے کہ قرآن براہ راست دل کو مخاطب کرتا ہے اور دل ہی اس کو سمجھ سکتا ہے۔ پیشگی آگاہی یا الہام، دماغ کے کمپیوٹر پر ظاہر نہیں ہوتا بلکہ یہ سب کچھ یعنی الہام بے چینی یا مسرت کا احساس دل کو ہی ہو جاتا ہے۔ انسان کو ہر ایک پیغام دل کے ذریعہ ہی ملتا ہے اور وہ انسان جو دل کی آنکھ سے نہیں دیکھ سکتا وہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس نے کچھ بھی دیکھا ہے۔ لہٰذا وہ شخص انتہائی خراب اور بے کار مصنوعی لالچ والی زندگی کو ہی دیکھ سکتا ہے۔ ایسا ہی دل مہر شدہ دل کہلاتا ہے، کیونکہ وہ دل نہ دل کی سچائی کو جانتا ہے نہ نیکی کو دیکھ سکتا ہے اور نہ ہی نیک بات سن سکتا ہے اس کے برخلاف جو شخص خدائی راز کا دل کی کھڑکی سے مشاہدہ کرتا ہے وہ اللہ کی کبریائی اس کی صناعی اور اس کی قدرت کاملہ کو اپنے سامنے موجود پاتا ہے ایسے شخص کو دنیا کی ہر شے اللہ کی حمد و ثناء کرتی ہوئی دکھائی دیتی ہے لیکن مہر شدہ دل، پردہ پڑی آنکھیں اور بہرے کان اس تمام خوبصورتی اور خدائی عظمت کو نہ محسوس کر سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ اس پاکیزہ موسیقی

کو سن سکتے ہیں جو قدرت کی ہر پیدا شدہ چیز اللہ کی بڑائی میں تسبیح کر رہی ہے۔ ایسے ہی بے وقوف انسانوں کے لئے بہت بڑے عذاب کا ذکر کیا گیا ہے جو کہ موت کے بعد ملنے والا ہے۔

## منافق کا دعویٰ ایمانی

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ مَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸﴾

اور بعض وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں ہم اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور روز آخرت پر حالانکہ وہ ایمان رکھنے والے نہیں ہیں۔ ﴿۸﴾

**تشریح:** اسلام کے آنے کے بعد تین گروہ پیدا ہو گئے تھے۔ مومن، منافق اور کافر، مومن اور کافر کے بارے میں کافی بتایا جا چکا ہے۔ اب منافق کی تفصیل بیان کی جاتی ہے۔ ''منافق'' وہ لوگ ہیں جو بظاہر مسلمان کہلاتے، نماز پڑھتے، مگر دل سے ایمان نہ لاتے تھے، دل سے وہ مسلمانوں کے خلاف، کفار کے ساتھ ہوتے ہیں اور یہی نفاق کہلاتا ہے جو لوگ ایمان باللہ اور ایمان بالآخرت کو دل سے مان لیتے ہیں وہ مسلمان کہلاتے ہیں اور جو دل سے نہیں مانتے وہ منافق کہلاتے ہیں۔

جب آنحضرت ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو قبیلہ خزرج کا عبداللہ بن ابی بن سلول نامی شخص جو کہ نہایت ہوشیار اور مکار تھا اس کی قبیلے کے سردار کی حیثیت سے ہونے والی تاج پوشی آنحضرت ﷺ کی ہجرت کی وجہ سے کھٹائی میں پڑ گئی۔ لہٰذا اس نے مصلحت اس میں سمجھی کہ بظاہر مسلمان ہو کر اندر ہی اندر سے مسلمانوں کی جڑیں کاٹ دی جائیں۔ لہٰذا ایک بڑی جماعت اس کے ساتھ منافقین کی بن گئی انہی منافقین کے لئے قرآن میں ہوشیار کیا گیا ہے کہ ایسے لوگوں سے بچ کر رہیں، انہی لوگوں نے مسجدِ ضرار بھی تعمیر کی تھی، جس کا ذکر آئندہ صفحات میں کیا جائے گا۔ (ان شاءاللہ)

دل اور زبان کی منافقت سے اللہ محفوظ و مامون رکھے اور ہر مسلمان کو رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرنے کی توفیق دے کہ وہ ہر وقت اپنا محاسبہ کرے اور دنیا و آخرت میں سربلند ہو، منافق انسان آخرت میں اپنے نفاق کی وجہ سے شدید عذاب اٹھائے گا اور دنیا میں اس رسوائی سے نہیں بچ سکتا جو اس کا نفاق ظاہر ہونے پر اسکو اٹھانا پڑے گی۔ اللہ تمام مسلمانوں بلکہ نوع انسانی کو اس برائی سے بچائے رکھے آمین ثم آمین۔

## منافقوں کا دھوکہ

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَ مَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَ مَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹﴾

منافق فریب دینے کی کوشش کرتے ہیں اللہ کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نہیں فریب دیتے مگر جانوں اپنی کو اور وہ نہیں سمجھتے۔ ﴿۹﴾

**تشریح:** اس آیت مبارکہ میں منافقوں کی بے وقوفی کا ذکر کیا گیا ہے وہ بظاہر ایمان لے آتے ہیں جس میں ان کا مقصود صرف یہ

ہوتا ہے کہ اس طرح ہم مسلمانوں کے درمیان رہ کر ان کے راز اور منصوبوں سے واقفیت حاصل کر سکتے ہیں اور وہ یہی کچھ کرتے تھے وہ تمام حالات سے کفار کو آگاہ کرتے رہتے اور کفار مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔

ان کا دوسرا مقصد یہ بھی ہوتا تھا کہ اس طرح مسلمانوں کی گرفت سے بھی بچنے کی کوشش کریں اور اس طرح دہرا عذاب اکٹھا کرتے کیونکہ اس طرح وہ کفر کے علاوہ دھوکہ دہی اور فریب کاری کے مرتکب بھی ہو رہے تھے اور خوش تھے کہ ہم اللہ اور مسلمانوں کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ حالانکہ اللہ کو دھوکہ دینا کسی صورت میں ممکن ہی نہیں۔ رہے مسلمان تو ان کو دھوکہ کم دے رہے تھے اور خود دھوکہ زیادہ کھا رہے تھے اور اس چیز سے بے خبر تھے کہ ہم اپنی دنیا و آخرت اس جرم کی وجہ سے خراب کر رہے ہیں، کیونکہ ایمان زبانی نہیں بلکہ ایمان بالقلب نجات کا ذریعہ ہے جو کہ منافقت میں ممکن ہی نہیں دنیا پر تو جھوٹ ظاہر ہو کر رہتا ہے جب کسی شخص کی منافقت ظاہر ہو جائے تو اس کی تمام عزت و وقار خاک میں مل جاتی ہے ظاہر ہے اس سے بڑی نادانی اور کیا ہو سکتی ہے کہ نادانی کو دانائی اور بے وقوفی کو عقلمندی سمجھ کر خوش ہو رہے ہیں کہ سب کو دھوکے میں ڈال رہے ہیں، حالانکہ ان کو معلوم ہی نہیں کہ وہ خود دھوکہ میں پڑ کر اپنی دنیا و آخرت خراب کر رہے ہیں ہر ایک کو سمجھ لینا چاہیے کہ دھوکہ دینا بہت بڑی معاشرتی برائی ہے اور خود اپنے لئے سوائے نقصان کے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ ہر حالت میں انسان کو اپنے آپ کو منافقت سے بچانا چاہئے۔

## منافقوں کا روگ

فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ ۙ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿10﴾

ان کے دلوں میں بیماری ہے چنانچہ اللہ نے ان کی بیماری بڑھا دی اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے، کیونکہ وہ جھوٹ کہتے تھے ﴿10﴾

**تشریح:** جیسا کہ سورہ بقرہ کی آیت نمبر 7 میں دل کے بارے میں تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے کہ انسان کی تمام کیفیات کا منبع دل ہی ہوتا ہے، منافقوں کے روگ کا ذکر یہاں روحانی بیماری کی صورت میں کیا گیا ہے۔ روحانی بیماری سے اخلاق بگڑ جاتے ہیں اور روح کو روگ لگ جاتا ہے اور یہ نفسیاتی روگ انسان کو جہالت، حسد، کینہ دنیا کی محبت اور جھوٹ جیسی برائیوں میں مبتلا کر کے اس کی دنیا و عاقبت کو تباہ کر دیتا ہے، جب وہ مسلمانوں کی کامیابیوں کو دیکھتے ہیں تو وہ حسد کے روگ سے اور بھی زیادہ تکلیف اٹھاتے ہیں۔ اللہ ان کا روگ اس طرح بڑھا دیتا ہے کہ اللہ تو ہر انسان کے لئے انہیں راستوں کو کشادہ کرتا چلا جاتا ہے جو انسان کو پسند ہوں، جو نیک فطرت انسان ہوتا ہے اس کے لئے نیکی کی راہیں کھلتی چلی جاتی ہیں جو بدفطرت ہیں ان کے لئے برائی کی راہیں کھلتی چلی جاتی ہیں تو جو لوگ اپنی عقل کا ٹھیک استعمال کرتے ہیں وہ انہیں حالات سے ہدایت بھی پا سکتے ہیں لیکن کافر اور منافق لوگ جھوٹ بولتے ہیں اور جھوٹ اس خبر کو کہتے ہیں جو حقیقت کے خلاف اور لوگوں کے لئے ضرر رساں ہو۔ اسی جھوٹ کی وجہ سے ان کو آخرت میں دردناک عذاب دیا جائے گا، ہر انسان کو ہر وقت اس بات کا دھیان رکھنا چاہیے کہ روحانی بیماریوں یعنی حسد، بغض،

کینہ،نفرت اور جھوٹ سے اپنے آپ کو بچا کر رکھے اور دنیا و آخرت میں کامیابیاں حاصل کرے۔ خالق کی خوشنودی اسی میں ہے اللہ اس خوشنودی کو حاصل کرنے کی توفیق عطا کرے اور دردناک عذاب سے بچائے۔ آمین

## منافقوں کی مفسدانہ چالیں

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿11﴾ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَ لٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿12﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ پھیلاؤ تو کہتے ہیں بلاشبہ ہم اصلاح کر رہے ہیں ﴿11﴾ سن رکھو یہی لوگ فسادی ہیں لیکن وہ احساس نہیں رکھتے۔ ﴿12﴾

تشریح: منافق لوگ جن کا تفصیلی ذکر ہو چکا ہے۔ جب ان سے کہا گیا کہ اپنی منافقت سے زمین میں فساد نہ پھیلاؤ بلکہ سیدھا راستہ اختیار کر کے اپنی اور لوگوں کی اصلاح کا سامان پیدا کرو تو وہ اپنی دانش اور مصلحت کے تحت یہی جواب دیتے ہیں کہ ہم اصلاح کر رہے ہیں، ان کا خیال تھا کہ دونوں فریقوں مسلمان اور کفار کو خوش رکھنا ہی عقلمندی ہے اور دونوں فریق انہیں اپنا دوست سمجھیں ان کے نزدیک یہی اصلاح کا راستہ تھا اور انہیں یہ خیال نہ رہا کہ اس طرح وہ اپنی دنیا و عاقبت خراب کر رہے ہیں سچائی، حسن سلوک اور اصلاحِ معاشرہ کا باعث بنتی ہے جبکہ منافقت سے تباہی اور بے سکونی پھیلتی ہے ان آیات میں منافقوں کی انہی مفسدانہ چالوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

## منافقوں کی بے عقلی

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَ لٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿13﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لے آؤ، جیسے لوگ ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کہ کیا ہم ایمان لائیں جیسا کہ بے وقوف ایمان لائے ہیں۔ سن رکھو کہ خود وہی لوگ بے وقوف ہیں۔ لیکن وہ شعور نہیں رکھتے۔ ﴿13﴾

تشریح: اس آیت مبارکہ میں کفار کی ہٹ دھرمی اور ناعاقبت اندیشی کا ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اسلام قبول کر کے اپنے آپ کو تکلیفوں اور مشقتوں میں مبتلا کرنا سراسر بے وقوفی ہے، محض ایمان کی خاطر اتنی بڑی طاقت یعنی کفار کی دشمنی مول لینا عقلمندی نہیں ان کا خیال تھا کہ حق و باطل کے چکر میں پڑ کر اپنے ذاتی مفادات کو نقصان پہنچانا ہوش مندی نہیں، وہ جانتے تھے کہ

مدینہ کے منافق طاقتور ہیں۔ان کے مقابلہ میں اجنبی اورغریب الوطن مسلمان زیادہ دیر ٹھہر نہ سکیں گے اور اسلام چند دنوں میں خود بخود ختم ہو جائے گا تو جو لوگ اس میں شامل ہو رہے ہیں وہ اپنے مفاد اور برے انجام سے بالکل بے خبر ہیں اس لئے وہ مسلمانوں کو بے وقوف خیال کرتے تھے آخرت کو ماننے سے اس دنیا کے عیش وعشرت کو کچھ کم کرنا پڑتا ہے۔جس کے بدلہ میں آخرت کا ہمیشگی کا عیش وآرام مل جاتا ہے۔منافق اسی ابدی نفع ونقصان سے غافل رہتے ہیں اس لئے مسلمان نہیں بلکہ منافق ہی اصل میں بے وقوف ہیں اوراسی فرق کا ان کوشعور نہیں۔اس آیہ میں منافقوں کی بے عقلی اور ناعاقبت اندیشی کا ذکر کیا گیا ہے۔

## منافقوں کا مذاق اڑانا

وَ اِذَا لَقُوا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۚۖ وَ اِذَا خَلَوۡا اِلٰی شَیٰطِیۡنِہِمۡ ۙ قَالُوۡۤا اِنَّا مَعَکُمۡ ۙ اِنَّمَا نَحۡنُ مُسۡتَہۡزِءُوۡنَ ﴿۱۴﴾ اَللّٰہُ یَسۡتَہۡزِئُ بِہِمۡ وَ یَمُدُّہُمۡ فِیۡ طُغۡیَانِہِمۡ یَعۡمَہُوۡنَ ﴿۱۵﴾

اور جب ان لوگوں سے ملتے ہیں جو ایمان لائے تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور جب اپنے شیطانوں کے پاس اکیلے ہوتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو (ان سے) محض مذاق کر رہے تھے۔﴿۱۴﴾ اللہ ان سے مذاق کرتا ہے اور انہیں ڈھیل دیتا ہے وہ اپنی سرکشی میں اندھے ہو رہے ہیں۔﴿۱۵﴾

**تشریح:** اس آیت مبارکہ میں منافقین کی حماقتوں، بے وقوفیوں اور نااہلی کا ذکر تفصیلاً بیان کیا گیا ہے کہ جب وہ مومنوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم تمہارے بھائی دوست اور مسلمان ہیں اور جب کفار سے ملتے ہیں تو انہیں یقین دلاتے ہیں کہ اصل میں تو ہم تمہارے ساتھ ہیں، مسلمان چونکہ سیدھے سادے سے لوگ ہیں ہم ان کی سادگی کا فائدہ اٹھا کر ان سے راز معلوم کر لیتے ہیں۔ان منافقوں کو اتنا نہیں معلوم کہ اللہ نے ان کی رسی دراز کر رکھی ہے اور ان کو اپنے گناہوں میں ڈھیل دے رہا ہے۔اللہ تو خود ان سے مذاق کر رہا ہے اور ان منافقوں کو نہ سمجھ ہے نہ عقل اور نہ ہی اپنے برے انجام کا علم ہے یہ اس دنیاوی کامیابی اور خوشی کو ہی سب کچھ سمجھ بیٹھے ہیں۔

## گمراہی وخسارہ

اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ اشۡتَرَوُا الضَّلٰلَۃَ بِالۡہُدٰی ۪ فَمَا رَبِحَتۡ تِّجَارَتُہُمۡ وَ مَا کَانُوۡا مُہۡتَدِیۡنَ ﴿۱۶﴾

یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے گمراہی لی ہدایت کے بدلے سو نہ تو ان کی تجارت ہی سود مند ہوئی نہ وہ ہدایت پانے والے ہوئے۔﴿۱۶﴾

**تشریح:** اس آیت مبارکہ میں پھر منافقوں کی حماقت کا ذکر کیا گیا ہے یہ اپنے آپ کو بڑا خوش نصیب اور کامیاب سمجھتے تھے اور اپنی عقل مندی پر بڑا گھمنڈ کرتے ہیں کہ ہم نے بڑا اچھا سودا کیا کہ منہ سے تو توحید کا کلمہ پڑھا اور دل میں کفر کی سیاہی رکھی اور یوں اپنی

پوری عمر صرف کر کے دنیا کی عارضی خوشیاں، کامیابیاں اور آرام حاصل کر لیا، جبکہ یہ بڑے گھاٹے کا سودا انہوں نے کیا۔ فائدے کی تجارت تو یہ تھی کہ اپنا مال اور جان اللہ کی راہ میں خرچ کرتے اور آخرت کی ابدی آسائش حاصل کرتے۔ لیکن منافق لوگ ہدایت پانے والے نہ ہوئے اور اس طرح گمراہی اور خسارے کو کامیابی سمجھتے رہے۔

## منافقوں کی مثال اور ان کا انجام

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّآ أَضَآءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُونَ ﴿17﴾ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿18﴾

ان کی مثال تو ان کی سی ہے جنہوں نے آگ جلائی پس جب آگ نے ان کے اردگرد کو روشن کر دیا تو اللہ نے ان کا نور بصارت سلب کر لیا اور انہیں اس حال میں چھوڑ دیا کہ تاریکیوں میں انہیں کچھ نظر نہیں آتا۔ ﴿17﴾ وہ بہرے گونگے اور اندھے ہیں۔ وہ نہیں لوٹیں گے۔ ﴿18﴾

تشریح: اس میں بھی منافقین کے بارے میں بات ہو رہی ہے۔ آنحضرت ﷺ کے زمانے میں منافق دو قسم کے تھے ایک وہ جو دل سے اسلام کے پکے دشمن تھے مگر زبانی مسلمان تھے دوسرے وہ جو ارادہ کے کمزور تھے اور مکمل طور پر ایک راستہ اختیار کرنے کا فیصلہ نہ کر سکتے تھے جس طرف ذاتی مفاد دیکھتے ادھر ہی جھک جاتے ان لوگوں کی مثال اللہ تعالیٰ نے یوں دی ہے کہ گویا ایک شخص آگ روشن کرتا ہے جب چاروں طرف روشنی پھیل جاتی ہے تو اچانک اس کی بصارت سلب کر لی جاتی ہے اور اسے کچھ دکھائی نہیں دیتا۔ منافق لوگوں کو چاروں طرف ایمان، اسلام اور سلامتی کی راہیں نظر آ رہی ہیں وہ دیکھتے ہیں مگر کفر کا پردہ اچانک آنکھوں کی بینائی ختم کر دیتا ہے اور وہ اپنی اغراض کی وجہ سے اسلام کی روشنی سے فائدہ اٹھانے سے محروم ہو جاتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے لئے اللہ نے فرمایا ہے۔ ''یہ لوگ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں یہ نہیں لوٹیں گے'' وہ لوگ یعنی منافق دنیاوی فائدوں، ذاتی غرضوں اور نفسانی خواہشات کی پیروی میں اس قدر گم ہو گئے ہیں کہ ان کو حق کی سچائی، اسلام کی برکت اور محمد ﷺ کی نصیحت کا کوئی اثر نہیں ہوتا ان کے چاروں طرف اسلام کا نور پھیلا ہوا ہے مگر نہ ان کے پاس وہ آنکھیں ہیں کہ اس سچائی کو دیکھ سکیں نہ کان ہیں کہ حق کی بات کو سن سکیں اور نہ ہی ایسی زبان ہے کہ حق کی تصدیق کر سکیں یا حق کو پھیلا سکیں۔ علم حاصل کرنے کے تین ہی ذریعے ہیں۔ کان، زبان اور آنکھ، ان کی یہ تینوں قوتیں کفر کے اندھیروں نے سلب کر دی ہیں۔ آیت میں آتا ہے کہ اللہ نے ان سے نورِ بصیرت چھین لی اور فرمایا کہ یہ لوگ کبھی ایمان کی طرف نہیں لوٹیں گے تو یہاں مسئلہ کھڑا ہوتا ہے کہ اس کا ذمہ اللہ پر ہے نہ کہ ان لوگوں پر ہے اس میں یہ مسئلہ تقدیر کا نہیں کہ اللہ نے ان کی تقدیر میں کفر و منافقت لکھ دی ہے۔ مسئلہ علم کا ہے اللہ کو معلوم ہے کہ یہ لوگ اس قدر ہٹ دھرم اور بے وقوف دنیا پرست انسان ہیں کہ یہ کبھی بھی ایمان کی طرف پلٹ نہیں سکتے۔

# منافق کی بے بسی اور تذبذب

اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّ رَعْدٌ وَّ بَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ؕ وَ اللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَهُمْ ؕ كُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ۙ وَ اِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَ اَبْصَارِهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾ ع 2 13 2

یا پھران کی مثال یوں سمجھو کہ آسمان سے زور کی بارش ہو رہی ہے۔ اوراس کے ساتھ اندھیری گھٹا کڑک اور چمک بھی ہے یہ بجلی کی کڑک سن کر اپنی جانوں کے خوف سے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں اور اللہ ان منکرین حق کو گھیرے میں لئے ہوئے ہے۔ ﴿۱۹﴾ (چمک سے ان کی حالت یہ ہو رہی ہے کہ) عنقریب بجلی ان کی بصارت اچک لے جائے گی جب ذرا کچھ روشنی انہیں محسوس ہوتی ہے تو اس میں کچھ (دور) چل لیتے ہیں اور جب اندھیرا چھا جاتا ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں اللہ چاہتا تو ان کی سماعت اور بصارت بالکل ہی سلب کر لیتا۔ یقیناً وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ ﴿۲۰﴾

**تشریح** جس طرح پچھلے اسباق میں منافقوں کے بارے میں بڑی وضاحت سے بتایا گیا ہے پھر مثال سے بھی سمجھایا گیا ہے تو اسی سلسلے میں دوسری قسم کے منافقین کی مثال اللہ تعالیٰ دیتا ہے یہ وہ منافقین ہیں جو دل سے مسلمان تو ہو جاتے ہیں لیکن صرف فائدہ دیکھنے کی حد تک جونہی قربانی اور آزمائش کا وقت آتا فوراً کفر کی طرف لوٹ جاتے، بارش کے فوائد سے تو لطف اندوز ہوتے ہیں مگر بادل کی کڑک اور چمک سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں گویا بجلی کے چمکنے کی طرح جب اسلام کی برکتیں، رحمتیں اور روشنی ان پر واضح ہوتی ہے تو مسلمان ہو جاتے ہیں جونہی آزمائش پڑتی ہے تو فوراً کفر کی طرف لوٹ جاتے ہیں۔

اس رکوع کی ابتداء سے منافقوں کا ذکر شروع ہوا تھا جو اب یہاں ختم ہو رہا ہے اللہ تعالیٰ نے انسان کو سننے دیکھنے کی قوتیں عطا کی ہیں مسلمان ان کو ٹھیک استعمال کر کے سربلندی اور نجات حاصل کرتا ہے جبکہ منافق ان قوتوں کو صرف دنیاوی فائدے جمع کرنے اور نفسانی خواہشوں کو پورا کرنے میں خرچ کر دیتا ہے، منافق اپنی تمام صلاحیتوں کو صحیح استعمال کرنے کی بجائے ہمیشہ غلط استعمال کرتا ہے اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو وہ ان تمام قوتوں اور صلاحیتوں کو بیک وقت سلب کر سکتا ہے وہ قدرت کاملہ رکھتا ہے لیکن وہ ایسا نہیں کرتا کیونکہ اس نے عالم کے انتظام کے لئے قاعدے، سبب اور وقت مقرر کر رکھے ہیں۔ چاہے تو وہ تمام ناپسندیدہ افراد کو نیست و نابود کر دے لیکن مقررہ قاعدوں کی وجہ سے کفار و منافقین کو ڈھیل مل جاتی ہے، تاکہ وہ غلط کاریوں سے باز آ جائیں اس کے باوجود یہ لوگ اپنی غلط حرکات سے باز نہیں آتے تو پھر ان کو اللہ تعالیٰ کے غیظ وغضب کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ اکثر

منافقوں کا حال ایسا ہی ہوا آخرت میں بھی وہ گھاٹے میں رہیں گے۔

اس پورے رکوع میں منافقوں، ان کے انجام اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا مکمل بیان ہے۔ انسان خواہ کسی بھی شعبہ سے تعلق رکھتا ہو اس کو منافقت جیسی لعنت سے بچ کر رہنا چاہیے کیونکہ یہ معاشرے کے امن وسکون کو دیمک کی طرح چاٹ جاتی ہے۔

## عبادت کا مطالعہ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾

اے لوگو! بندگی اختیار کرو اپنے اس رب کی جو تمہارا اور تم سے پہلے جو لوگ ہو گزرے ہیں ان سب کا رب ہے تا کہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔﴿۲۱﴾

تشریح: اس آیتِ مبارکہ میں پہلی دفعہ انسان کو مخاطب کر کے عبادت کے لئے کہا جا رہا ہے۔ اس سورت کے شروع میں متقین کی صفات بیان کی گئی ہیں۔ اس کے بعد کفار کے بارے میں بتایا گیا اور پھر منافق کی توضیح کی گئی ہے۔ اب پوری نوعِ انسانی کو مخاطب کر کے اللہ تعالیٰ عبادت گزاری کی دعوت دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ اپنے رب یعنی خالق و مالک کو اس کی صفات اور مصنوعات سے پہچانو، اس نے تمہیں پیدا کیا اور ان تمام لوگوں کو پیدا کیا جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اس میں دنیا کا فانی ہونا بھی بتایا گیا جب انسان خالقِ حقیقی کو پہچان لیتا ہے تو پھر وہ کامل عبد متقی کی راہ اختیار کر لیتا ہے جب نیکی کی راہ مل جاتی ہے تو پھر اللہ کے بتائے ہوئے راستہ پر چلنا بہت آسان ہو جاتا ہے عبد کا مطلب ہے اللہ کے احکامات کو عاجزی اور ادب سے ماننے والا، یوں تقویٰ اختیار کرنے کی راہ کھل جاتی ہے اور جو راہ انسان اختیار کرتا ہے اللہ اس کو آسان اور واضح کرتا چلا جاتا ہے اس کی راہ پر چلنے کے لئے سب سے پہلے توحید، پھر نماز، پھر روزہ، پھر زکوٰۃ، پھر حج یہ عقائد و عبادات اور احکامات ہیں جن کو پورا کرنے سے انسانِ مردِ کامل بن جاتا ہے اس سے اللہ تعالیٰ کا کوئی ذاتی فائدہ ہرگز نہیں بلکہ خود انسان کے لئے تقویٰ، روحانی ترقی، معرفت وسکون اور دنیا و آخرت کی سربلندیاں حاصل کرنے میں آسانیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اگر ہر انسان متقی بن جائے تو معاشرہ تمام برائیوں سے بالکل پاک صاف ہو جائے اور دنیا امن وسکون کا گہوارہ بن جائے۔

اب تک یہی معلوم ہوا کہ پورا قرآن پاک ایک مقصد سے دوسرے مقصد تک موتیوں کی طرح پرویا گیا ہے پہلے سورہ فاتحہ اور پھر سورہ بقرہ کی ابتداء ایک کے بعد دوسرا موضوع آتا جا رہا ہے۔

## شرک کی ممانعت

الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ

رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿22﴾

جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت بنا دیا۔ آسمان سے پانی اتارا پھر اس کے ذریعے تمہاری روزی کے لئے مختلف پھل نکالے۔ چنانچہ نہ ٹھہراؤ اللہ کے لئے کوئی شریک حالانکہ تم جانتے ہو۔ ﴿22﴾

تشریح: بلاغتِ قرآنی کا ایک عام اسلوب یہ بھی ہے کہ جزئیات احکام بیان کرتے کرتے برسبیل تذکرہ کوئی عام فائدہ یا اصولی نکتہ بیان کر دیا جاتا ہے جس کے اندر کوئی گہرا مقصد یا اصول ضرور پنہاں ہوتا ہے اس آیت میں انسانوں کو فراہم کردہ سہولیات پر غور کر کے اللہ کی شان کریمی پر دھیان دینے کی توجہ مبذول کرائی ہے۔ تاہم ساتھ ہی ایسے بیانات بھی ہیں جو جدید سائنسی نقطہ نظر سے دلچسپ اور چونکا دینے والے ہیں ایک طرف تو اس آیت میں سیدھے سادے خیالات کا بیان ہے جو جزیرہ نما عرب کے بدو لوگوں کو بآسانی سمجھ میں آ جائیں اور ساتھ ہی ساتھ ایسے رموز ونکات شامل ہیں کہ اگر مہذب اور ترقی یافتہ لوگ اس پر غور وفکر کریں تو بے شمار سبق آموز باتیں اور سائنسی نکات حاصل کر سکتے ہیں۔

جیسا کہ مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے گزشتہ آیت کے ساتھ ملاتے ہوئے انسان کو بتایا کہ میری عبادت کرو، کیونکہ تمہیں کوئی خالق ومالک ایسا نہیں ملے گا جیسا کہ میں نے پہلے تمہیں پیدا کیا اور پھر تمہاری آسانیوں اور پرورش کے لئے بے شمار ذرائع پیدا کر دیئے۔ جیسا کہ زمین جس پر ہم رہتے ہیں، اس کو فرش بنا دیا اور آسمان کو چھت بنا دیا پھر ہماری ضرورت کے لئے روشنی کا انتظام کر دیا، آسمان سے پانی برسا دیا پھر زمین سے طرح طرح کے پھول پھل اور مختلف اجناس پیدا کر دیں جن کو انسان کھاتا ہے اور پانی پیتا ہے ان تمام باتوں کو ایک بچہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ انسان کے وجود میں آنے میں اور زندگی کو قائم رکھنے کے لئے انسان صرف اور صرف اس اللہ کا محتاج ہے جو وحدہ لاشریک ہے۔ اس آیت میں انسان کو پوری طرح سمجھا دیا گیا ہے کہ میں ہی تمہارا رب ہوں اس لئے صرف میری عبادت کرو، کیونکہ مجھے لاشریک سمجھ کر یقین کے ساتھ اگر توحید پر قائم ہو جاؤ گے تو پھر تمہارے لئے تقویٰ اختیار کرنا بالکل آسان ہو جائے گا اور تقویٰ کیا ہے؟ پچھلے مضامین میں تقویٰ پر مکمل بحث ہو چکی ہے۔ بلکہ سورہ بقرہ کی ابتداء ہی اس موضوع سے ہوئی ہے۔

یہ تو ہوئیں عام باتیں اب خاص نکات اس میں جو بیان کئے گئے ہیں اور جو سائنس دانوں کی توجہ کا باعث بنے ہوئے ہیں وہ ہے زمین کی پیدائش، اس کی ساخت، اس کے اجزاء، بارش کا ہونا اور زمین سے اجناس کا پیدا ہونا اور پھر سب سے بڑا مسئلہ حل طلب خود انسان کی پیدائش، اس کی نشو ونما اور اختتام۔ یہ نکات غور وفکر کرنے والوں کے لئے بیان کر دیئے گئے ہیں جن پر بڑے سائنس دان دن رات سر دھن رہے ہیں۔ یہ نکات پھر کبھی زیر بحث لائے جائیں گے۔ بہر حال ہر وقت اور ہر صورت شرک جیسے ظلم سے اپنے آپ کو بچائے رکھنا چاہیئے۔ بس اللہ ایک ہے وہی ہمارا خالق اور پالنے والا ہے اس کا کوئی شریک ہو ہی نہیں سکتا اور اکیلا ہے

اور ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا قرآن میں شرک کی بڑی سخت ممانعت کی گئی ہے۔اللہ ہمیں ایمان کی مضبوطی عطا فرمائے۔(آمین)

## کلام اللہ کا چیلنج

وَ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَ ادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿23﴾

اور اگر تم کو اس کتاب میں شک ہے جو ہم نے اتاری اپنے بندے پر تو اس جیسی ایک سورت ہی بنا لاؤ اور اللہ کے سوا اپنے تمام مددگاروں کو بھی بلا لو۔اگر تم سچے ہو۔ ﴿23﴾

تشریح: اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ کفار اور منافقین کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ اگر تمہیں قرآن کی سچائی پر کسی قسم کا شک ہے یعنی تم نہیں مانتے کہ یہ نبی کریم ﷺ پر اتاری گئی ہے تو تم اس کے مقابلے میں اس جیسی سورت بنا لاؤ۔اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو کہ یہ انسانی کلام ہے، خدائی کلام نہیں یہ سب بیان کرنے کا مقصد محض یہ ہے کہ پچھلی آیات میں جو اللہ کی وحدانیت کا ذکر کیا گیا ہے کہ جس طرح وہ اپنی صفات میں یکتا اور لاشریک ہے اسی طرح اس کی بھیجی ہوئی کتاب بھی لاجواب اور یکتا ہے۔

قرآن مجید علم و ادب کا خزینہ اور کائنات کی تمام دانائیوں کا منبع ہے محکم اور معقول ہے اس کا ایک ایک لفظ، ایک ایک آیت، انسانی ہدایت کے لئے بحر بیکراں ہے۔سبحان اللہ! اس کا نازل کرنے والا اور جس پر نازل کیا گیا بے مثال ہیں، کیا یہ ثبوت کافی نہیں ہے کہ ایک ایسی قوم جو انتہائی پستیوں میں پڑی ہوئی تھی اور دنیا کی دوسری قوموں سے ہر لحاظ سے پیچھے تھی۔ جو اخلاقی، معاشی، معاشرتی اور مذہبی لحاظ سے بالکل کورے تھے۔صرف یہی صفت ان میں تھی کہ وہ بہادر اور مہمان نواز تھے مگر جہالت اور تعصب نے ان سے تمام اخلاقی اقدار چھین لی تھیں۔وہ جہالت اور خبیث رسوم و رواج میں جکڑے ہوئے تھے ایک ایسی قوم کو اللہ کی وحدانیت سے آگاہ کرنا اور پھر اس کو اقوام عالم کا پیشوا بنا دینا یہ اعجاز القرآن اور اعجاز رسول ﷺ نہیں تو اور کیا ہے؟ آنحضرت ﷺ پڑھے لکھے نہ تھے اور نہ ہی ان کو دنیا کے حالات کی خبر تھی تو کیا یہ معجزہ اور قرآن کی صداقت اور اللہ کی حکمت کا ثبوت نہیں کہ انہوں نے اپنی قوم کو اخلاق، روحانیت، معاشرت، معیشت، سیاست، سائنس اور حکومت و مذہب میں دنیا کی تمام قوموں کا امام بنا دیا اس تمام کام میں آنحضرت ﷺ نے جو مصائب برداشت کئے وہ کسی عام آدمی کے بس میں نہیں ہو سکتے تھے۔مزید دلیل کے لئے موریس بو کائیے کی کتاب بائبل، قرآن اور سائنس' سے اقتباس پیش خدمت ہے۔

''حضرت محمد ﷺ کے زمانہ کی معلومات کی نوعیت کو دیکھتے ہوئے یہ بات ناقابل تصور معلوم ہوتی ہے۔کہ قرآن کے بہت سے وہ بیانات جو سائنس سے متعلق ہیں کسی بشر کا کام ہو سکتے ہیں لہٰذا یہ بات مکمل طور پر صحیح ہے کہ قرآن کو ہی وحیٔ آسمانی کا اظہار سمجھا جائے لیکن ساتھ ہی اس استناد کے سبب جو اس سے فراہم ہوتی ہے۔نیز ان سائنسی بیانات کی وجہ سے جن کا آج بھی

مطالعہ کرنا بنی نوع انسان کیلئے ایک چیلنج ہے۔اس حقیقت کو ایک انتہائی خصوصی مقام حاصل ہے''۔

ثابت ہو گیا کہ قرآن ایک مکمل ضابطہ حیات ہے جو صرف اللہ تعالیٰ ہی وضع کر سکتا ہے اور پھر اس کو اپنے پیارے رسول ﷺ کے ذریعے سے انسانوں تک پہنچایا۔ یہ بے مثال ہے اور اس کی نظیر پیش کرنے سے تمام کائنات ہرگز ہرگز قاصر ہے۔ یہ کلام الٰہی آخری کتاب ہے آخری نبی محمد ﷺ پر نازل کی گئی حکمتوں کا خزینہ ہے اور بے مثال ہے اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ اس کو سمجھیں اور اس پر عمل کر کے دارین میں سرخرو ہو جائیں۔ (آمین)

## مخالفین کی بے بسی

فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَ لَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ ۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ (24)

پھر اگر تم یہ نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو تم اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں وہ کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے۔(24)

تشریح: جیسا کہ پچھلی آیت میں کفار و منافقین کو دعوت دی گئی ہے کہ اگر تم قرآن کی صداقت سے انکار کرتے ہو تو چلو تمام ملائکہ جن و انس سب عالم و فاضل جمع ہو جاؤ اور صرف ایک آیت، قرآن مجید کی آیات کی طرح جامع و مکمل، فصاحت و بلاغت سے بھرپور مضمون کی حامل بنا کر لے آؤ تو اس پر سب مخالفین لاچار ہو گئے تو اس بے بسی کے جواب میں اللہ تعالیٰ ان کو متنبہ کرتا ہے کہ تمہاری اس بے بسی سے ظاہر ہو گیا کہ تم غلطی پر ہو اور اللہ قادر مطلق ہے اس نے اپنے بندے حضرت محمد ﷺ پر رشد و ہدایت سے بھرپور کتاب نازل کی ہے جو تمام سچائیوں، خوبیوں، فصاحت و بلاغت اور راہنمائیوں کا مجموعہ ہے یہ کتاب تمام نوع انسانی کے مسائل حل کرتی ہے نجات کا ذریعہ بتاتی ہے اور دنیا و آخرت میں کامیاب ہونے کے گر سکھاتی ہے اور آخر میں اس آیت کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اس سزا کا ذکر کرتا ہے جو جہنم کی صورت میں مشرکوں اور کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے جہنم کی آگ کا تذکرہ خاص طور سے کیا گیا ہے کہ اس کا ایندھن انسان اور پتھر ہونگے۔ جیسا کہ قرآن کا طریقہ ہے کہ چھوٹے جملے میں بہت بڑا راز بیان کر دیتا ہے۔ ''انسان اور پتھر کا ایندھن'' اس میں انتہائی اہم سائنسی نکتہ بتایا گیا ہے یہ بات سائنسی تحقیق نے ثابت کی ہے کہ انسان اور پتھر کا ایندھن ممکن ہے انسان اور پتھر کیا ہیں؟ ان کو مادہ یا میٹر کہتے ہیں ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ مادہ کا سب سے ذرہ ایٹم کہلاتا ہے سب انسان، پتھر، پہاڑ وغیرہ ایٹم سے بنے ہوئے ہیں۔ توانائی کیا ہے؟ اسے عام الفاظ میں Energy کہتے ہیں توانائی نہ تو بنائی جا سکتی ہے اور نہ ہی تباہ کی جا سکتی ہے اسی لئے کہا جاتا ہے۔

Energy can never be created or destroyed= (Priniciple of conscruation of energy) it can only change into different forms. Potential energy, leinetic energy heat energy etc.

اگر ہم کسی چیز کی رفتار تیز کریں تو گویا ہم اس کو Energy دے رہے ہیں۔مگر وہ توانائی اس کے Mass حجم میں شامل ہو رہی ہے۔یہ بات آئن سٹائن کے مشہور فارمولے E=mc2 سے ثابت ہوتی ہے۔

E=energy, m = mass, e = speed of light 300, 000, 000 m P s, E = Mc 2

E=mc2 اس سے ثابت ہوتا ہے کہ توانائی اور ماس آپس میں بدل سکتے ہیں اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں ہر مادہ توانائی میں تبدیل ہو سکتا ہے اور چونکہ انسان اور پتھر بھی مادے سے بنے ہوئے ہیں تو یہ بھی توانائی دے سکتے ہیں نہ ختم ہونے والی توانائی اگر اسلامی سائنس دان البیرونی اور جابر جیسے لوگوں کو اس سنہری دور کو جاری رکھنے کا موقع مل جاتا تو ہم ایٹمی یا انکلائی فزن کو اب سے پانچ صدیاں قبل ہی دریافت کر چکے ہوتے۔

آیئے اب ہم پھر تشریح کی طرف آتے ہیں۔انسانوں اور پتھروں کا یک مشت اور وسیع پیمانے پر ایک عظیم توانائی اور مہیب مقدار کی تپش میں تبدیل ہو جانے کے عمل سے گزار کر ہی اللہ انسان کو اپنی قدرت کاملہ کے ذریعے نجات عطا کرے گا دوزخ ایک لیبارٹری کی طرح گمراہ اور گناہ گار لوگوں کو پاک صاف کر دے گی اصل حقیقت یہ ہے کہ اللہ کا پاک نظام ربوبیت انسان کو جو کائنات کا راہ گم کردہ بچہ ہے پاک اور صاف کر دینے کے ساتھ ساتھ اس کو سزا بھی دیتا رہے گا۔چنانچہ یہی وہ معنی ہیں جو انسان کے ایندھن ہونے کے راز میں پنہاں ہیں''۔یہ تمام تشریح ڈاکٹر ہلوک نور باقی صاحب کی کتاب سے اخذ کی گئی ہے امید ہے ایک اچھے اور ایک بگڑے ہوئے دونوں طرح کے انسانوں کے لئے نصیحت اور فضیحت کی یہ آیت کہ ''ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہونگے'' اپنے محاسبہ اور راہوں کے تعین کے لئے بہت بڑی اطلاع ہے اور یہ اطلاع خدائے واحد کی طرف سے بذریعہ نبی کریم ﷺ قرآن کی صورت میں دی گئی ہے جو برحق محکم اور نہ ٹلنے والی ہے جو ہو کر رہے گی اللہ اس مہیب اور شدید آگ سے ہمیں اپنی پناہ میں رکھے آمین۔حضرت ابوبکر کا قول ہے:

''گناہ کو نہ دیکھو کہ وہ کتنا چھوٹا ہے بلکہ اس اللہ کی بڑائی کو دیکھو جس کی نافرمانی کی جا رہی ہے''۔

اس کی عطاؤں پر الحمدللہ اور اپنی خطاؤں پر استغفراللہ کرتے ہی رہنا چاہئے۔اس کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تمام کافر اور وہ پتھر کے بت جن کی وہ پرستش کرتے ہیں جہنم کا ایندھن ہونگے۔

## مومنوں کو خوش خبری

وَ بَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَ اُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَ لَهُمْ فِيْهَاۤ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙۗ وَّ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿25﴾

اور ان لوگوں کو خوشخبری سنا دے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہونگی انہیں جب کوئی پھل کھانے کو دیا جائے گا تو وہ کہیں گے یہ تو وہی ہے جو ہمیں اس سے پہلے مل چکا ہے ان کے لئے وہاں پاکیزہ بیویاں ہونگی اور وہ وہاں ہمیشہ رہیں گے۔ (25)

**تشریح:** اس آیت میں جنت کی نعمتوں کا ذکر ہے اور مومنین کے لئے خوش خبری ہے۔ گزشتہ آیات میں کفار مشرکین اور منافقین کا ذکر خوب وضاحت سے کر دیا گیا ہے اور پھر ان کو عذاب جہنم سے بھی اچھی طرح آگاہ کر دیا گیا ہے۔ اب اللہ جل شانہ اپنے ان بندوں کے لئے خوشخبری کی وعید دیتا ہے جو نیکوکار ہیں، متقی ہیں، صابر ہیں، شاکر ہیں، اللہ کی وحدانیت کو دل سے مانتے ہیں جن کے دل ہر وقت نیکی بھلائی ذکر اللہ اور شکر سے معمور رہتے ہیں جو اللہ کی وحدانیت اور عظمت کا اقرار بالقلب کرتے ہیں، گناہوں سے بچتے ہیں اور محمد ﷺ کو آخری نبی دل کی گہرائیوں اور پورے یقین سے مانتے ہیں اور اس قرآن کو حق سمجھتے ہیں جو علم و حکمت، علوم وفنون، اخلاقیات، سیاسیات، معاشرت، معیشت اور سائنس کے تمام شعبہ ہائے حکمت کا خزینہ ہے۔ ایسا قرآن جو اپنی جامعیت میں لاجواب مگر ایسا کارگر کہ عرب کے بدوؤں کے سخت قلوب کو موم کرنے والا اور پڑھے لکھے علماء، فضلاء، ڈاکٹر، سائنس دان ہیئت دان اور مفکروں کے لئے ایسے علوم سے بھرپور خزانہ کہ ہر آیت اور ہر لفظ سے علم و حکمت کے چشمے ابلتے چلے جائیں۔ جتنی دفعہ پڑھیں نئے نئے نکات سامنے آتے چلے جائیں، سبحان اللہ کیا شان ہے قرآن نازل کرنے والے الہ العالمین کی اور کیا شان ہے قرآن حکیم کی اور کیا شان ہے رسول خدا ﷺ کی۔ جب انسان یہ سب کچھ جان جاتا ہے تو پھر وہ ان تمام احکامات پر دل و جان سے عمل بھی کرتا ہے اور فضل الٰہی بھی مانگتا ہے تو یہ عمل انسان کو دوزخ سے بچانے اور جنت میں پہنچانے کا سبب بن جائے گا۔ حضرت محمد ﷺ کو "نذیر و بشیر" اسی لئے کہا گیا ہے یعنی وہ ڈرانے والے بھی ہیں اور خوشخبری دینے والے بھی ہیں پچھلی آیت میں دوزخ کا بیان ڈرانے کے لئے کیا گیا اور اب اس آیت میں خوشخبری کا اہتمام کیا گیا ہے کہ ایمان والے جن کی تعریف اوپر کر دی گئی ہے اور نیک عمل کرنے والوں کی تعریف یہی ہے کہ جو قرآن کے احکامات کو دل و جان سے صرف عزیز ہی نہ رکھیں، بلکہ ان پر پوری طرح عمل بھی کریں، حقوق العباد اور حقوق اللہ کا پورا پورا خیال رکھیں تو اسی سے گھر، ملک اور دنیا جنت بن جاتی ہے۔

آخر میں جنت کا نقشہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ وہاں انسان کو ہر وہ سہولت میسر ہوگی جس کو انسان حاصل کر کے شاداں ہو جاتا ہے۔ مثلاً اچھا رہن سہن، اچھا کھانا پینا اور اچھا ساتھی اس کی تفصیل اللہ تعالیٰ نے یوں بیان کی کہ جنتی لوگوں کو ہر قسم کا رزق او رپھل دیئے جائیں گے اور جب ان کو یہ پھل دیئے جائیں گے تو وہ برملا کہہ اٹھیں گے کہ یہ تو ہم نے پہلے بھی کھائے ہیں، صاف شفاف اور شیریں مشروبات کی فراوانی ایسے ہوگی کہ نہریں بہہ رہی ہونگی اور ساتھی ایسے عطاء ہونگے کہ انسان پرسکون شاداں و فرحاں ہو جائے بیویاں ہونگی کہ روح و بدن کے لحاظ سے پاکیزہ اور خاوند ایسے ملیں گے کہ ہر ہر پہلو سے بہترین یہ سب کچھ انسان کو

ویسے ہی نہیں مل جائے گا، بلکہ عبادت، ریاضت، خلوص، نیک نیتی اور ایمان کامل اس کی قیمت ہے اللہ پر ایمان اور مکمل بھروسہ انسان کو ویسے بہت ساری رنجشوں، قباحتوں، فکروں اور پریشانیوں سے نجات دلوا دیتا ہے اور پھر جب جنت کا تصور کرتے ہیں تو پھر اور بھی روحانی سکون اور خوشی حاصل ہوتی ہے۔ اس آیتِ مبارکہ میں ایک واضح اشارہ جو ہمیں ملتا ہے وہ یہ ہے کہ انسان اس دنیا سے دوسری دنیا میں منتقل کیا جائے گا۔ انسان کا خاتمہ جسمانی طور پر تو ہو جاتا ہے مگر روحانی طور پر انسان کا خاتمہ ہرگز نہیں ہوتا اس لئے اگر اللہ نے دولت دی ہے تو اسراف نہ کرو بلکہ طریقہ وسلیقہ سے استعمال کرو اور اللہ سے کبھی غافل نہ ہو جاؤ ہر دم اس کو یاد کرو، صحت دی ہے تو اللہ کا شکر ادا کرتے رہو اس کے عائد کردہ فرائض کو خوش اسلوبی سے ادا کرتے رہو، اللہ سے غافل نہ ہو۔ اگر اولاد اللہ نے دے رکھی ہے تو اس کو اللہ کے بتائے ہوئے راستوں پر چلاؤ اولاد میں گم ہو کر اللہ کو مت بھولو۔ کیونکہ یہ زندگی ہمارے لیئے سفر کا چھوٹا سا وقفہ ہے اور آخرت کمانے کا صرف یہی چھوٹا سا وقفہ ہے اس لئے ہر دم اس زندگی کا خیال رکھنا چاہیے جو ہمیشہ کی زندگی ہوگی۔ قرآن میں کئی بار اس بات کا یقین دلایا گیا ہے کہ موت کے بعد کی زندگی ہمیشہ کی زندگی ہوگی اور جنت ہر قسم کی مادی اور روحانی خوشیوں کا گھر ہوگا۔ یہ وعدہ خدائے برتر وعظیم کا ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں، اللہ ہم پر رحم کرے اور ہمیں ہماری اولاد ہمارے والدین اور تمام مسلمانوں کو جنت کا وارث بنائے آمین ہر دم یاد رکھنا چاہیے کہ نماز جنت کی کنجی ہے۔

## ہدایت وگمراہی

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِ أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۖ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَّيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ﴿26﴾

(ہاں) اللہ اس سے ہرگز نہیں شرماتا کہ مچھر یا اس سے بھی کم تر کسی چیز کی تمثیلیں دے جو لوگ حق بات کو قبول کرنے والے ہیں وہ انہیں تمثیلوں کو دیکھ کر جان لیتے ہیں کہ یہ حق ہے جو ان کے رب ہی کی طرف سے آیا ہے اور جو ماننے والے نہیں ہیں وہ انہیں سن کر کہنے لگتے ہیں کہ ایسی تمثیلوں سے اللہ کو کیا سروکار؟ اس طرح اللہ ایک ہی بات سے بہتوں کو گمراہی میں مبتلا کر دیتا ہے اور بہتوں کو راہِ راست دیکھا دیتا ہے اور گمراہی میں وہ انہیں کو مبتلا کرتا ہے جو فاسق ہیں۔ ﴿26﴾

تشریح:۔ پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفار ومشرکین کو چیلنج کیا تھا کہ اگر وہ قرآن کی صداقت کو نہیں مانتے تو چلو ایسی چیز، کوئی آیت یا کلام ہی پیش کر دیں وہ ایسا نہ کر سکے اور نہ ہی ہرگز وہ ایسا کر سکیں گے تو اپنی خفت مٹانے کے لئے حیل وحجت سے کام لینے لگے اور فضول باتوں سے اپنی ناکامی پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرنے لگے اور کہنے لگے کہ لو دیکھو! اللہ کیسی باتیں کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جواب میں لوگوں کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ مثال دینے کے لئے ضروری نہیں کہ بہت بڑی چیز کو ہی بطور مثال بیان کیا جائے مطلب تو

مثال سے لوگوں کو سمجھانا ہوتا ہے اس صورت میں اللہ تعالیٰ کے لئے یہ کوئی شرمانے یا خفت میں پڑنے کی بات نہیں کہ وہ مثال دینے کیلئے مکھی، مچھر یا اس سے بھی کوئی حقیر یا چھوٹی چیز کی مثال دے۔ انسان کے سامنے مکھی معمولی چیز ہے لیکن اگر مکھی انسان کی کوئی چیز لے اڑے تو انسان اتنا بے بس ہے کہ وہ اس سے واپس لینے کی بھی قدرت نہیں رکھتا تو یہ مثال انسان کی بے بسی کے لئے اللہ نے دی تو اس مثال دینے کا مقصد انسانی بے بسی کو ظاہر کرنا ہے جو راہ ہدایت پانے والے ہیں وہ تو نفس مضمون کو سمجھ جاتے ہیں اور اس سے پوری طرح مستفید ہوتے ہیں لیکن جو گمراہ اور منکرین ہدایت ہیں وہ بجائے سبق حاصل کرنے کے اس دی ہوئی مثال پر اعتراض کرنا شروع کر دیتے ہیں اور مثال دینے والے کو ہی کم فہم (نعوذ باللہ) اور معمولی شخصیت کہنے لگتے ہیں تو ایسے لوگوں کے لئے تمثیلیں بجائے ہدایت کے گمراہی کا سبب بن جاتی ہیں اور وہ اپنے غلط خیالات اور گمراہی کے راستوں پر چلنے کے لئے اور بھی زیادہ مستعد ہو جاتے ہیں، جبکہ یہ تمثیلیں نیکوکار مخلص مومنین اور متقین کے لئے ان کے نیک اور سیدھے راستوں کو اور بھی واضح کر دیتی ہیں ان کے ایمان کو مزید مضبوط کر دیتی ہیں اور ان کے یقین کو اور بھی کامل بنا دیتی ہیں ایک ہی بات دو سننے والوں کے لئے مختلف اثر رکھتی ہیں ٹھیک ہے کہ برے کے لئے اس کے راستے کھلتے چلے جاتے ہیں اور نیک کے لئے اس کے راستے کھلتے چلے جاتے ہیں گمراہی کے راستے پر صرف وہی چلتے ہیں جو فاسق ہیں۔ فاسق کون؟ نافرمان، بدکردار، بداخلاق اور اطاعت کی حد سے نکل جانے والا۔ اللہ کے کلام سے بصیرت رکھنے والوں کو بصیرت مل جاتی ہے جبکہ مفسد لوگوں کو فساد کے راستے دکھائی دیتے ہیں کیونکہ برے لوگ اچھی بات میں بھی برائی نکال لیتے ہیں زندگی میں حکمت و دانائی اللہ سے مانگنی چاہیے وہ ضرور دیتا ہے۔

## گمراہ کون ہوتے ہیں

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَ يَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿27﴾

اللہ کے عہد کو مضبوط باندھ لینے کے بعد توڑ دیتے ہیں۔ اللہ نے جسے جوڑنے کا حکم دیا ہے اسے کاٹتے ہیں اور زمین میں فساد برپا کرتے ہیں حقیقت میں یہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔ ﴿27﴾

تشریح: یہ آیت پچھلی آیات کے ساتھ منسلک ہے۔ اس میں مزید وضاحت در وضاحت کی گئی ہے کہ منافق، مشرک اور نافرمان کیسے لوگ ہوتے ہیں پہلی نشانی تو یہ ہے کہ انہوں نے جو وعدہ خدائے برتر و بالا سے کیا ہے وہ اس سے منکر ہو گئے ہیں وعدہ کونسا ہے جو خالق کائنات سے کیا گیا؟ تو اس کے بارے میں اغلب خیال یہی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے تمام روحوں کو پیدا کیا تو ان سے سوال کیا کہ ''کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں'' سب نے جواب دیا کیوں نہیں، اللہ نے فرمایا میں اس اقرار پر زمین و آسمان کو گواہ کرتا ہوں پھر اس عہد کی یاد دہانی کے لئے مختلف وقتوں میں رسول او پیغمبر بھیجے گئے، تاکہ لوگ ہدایت کے راستہ سے بھٹک کر اپنے لئے،

لوگوں کے لئے اور دنیا کے لئے مشکلات اور تباہی کا سبب نہ بنیں پھر ضمیر کا عنصر انسانی فطرت میں رکھ دیا کہ وہ ہر وقت انسان پر پہرہ دے اور ہر برائی پر ہوشیار خبردار کا نعرہ لگائے۔ مگر مفسد کا ضمیر مردہ ہو جاتا ہے وہ اللہ سے کیئے ہوئے عہد کو توڑ کر ان تمام خوبیوں پابندیوں اور فرائض سے بالکل آزاد ہو جاتا ہے آپس کے رشتوں کو منافقت، حسد بغض نفرت اور شرارت سے کاٹ دیتا ہے اور یوں گھر، قوم، ملک اور دنیا میں امن وسکون کو غارت کر دیتا ہے۔ دوسروں کا حق مارنا، رشوت، سفارش اور دھوکہ دہی چوری، جھوٹ ڈاکہ زنی اور قتل وغارت گری کا بازار گرم کر دیتا ہے۔ یوں ملک میں فساد پھیلاتا ہے اور اپنے لئے اخلاقی اور روحانی پستیوں کا بندوبست کرتا ہے اور پھر سمجھتا ہے کہ وہ کامیاب ہو گیا ہے، حالانکہ درحقیقت اس نے خود کو دنیا وآخرت میں ذلیل وخوار کر لیا ہوتا ہے اور یہی دین ودنیا میں گھاٹا اٹھانے والی باتیں ہیں جو کہ مفسد اپنے لئے کماتا ہے۔ اللہ ان کو بھی ہدایت دے اور تمام مسلمانوں کو بھی ہر طرح سے اپنی حفظ وامان میں رکھے آمین حضرت فرید شکر گنج رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''جو سچائی جھوٹ کے مشابہ ہو اسے اختیار مت کرو''۔

## اللہ کا انکار کیسے

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿28﴾

تم اللہ کے ساتھ کفر کا رویہ کیسے اختیار کرتے ہو، حالانکہ تم بے جان تھے اس نے تم کو زندگی عطا کی پھر وہی تمہاری جان سلب کرے گا پھر وہی تمہیں دوبارہ زندگی عطا کرے گا پھر اسی کی طرف تمہیں پلٹ کر جانا ہے۔ ﴿28﴾

**تشریح:** بار بار اس بات کی تاکید کی جاتی ہے کہ کفر و بے یقینی سے باز آجاؤ اپنے خالق و مالک کو پہچان لو۔ پچھلی آیت میں گمراہوں کی صفات بیان کر کے ان کے برے انجام کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ انسان کو اس کی حیثیت اور مہربانی جو اس نے انسان کو زندگی عطا کر کے دی، یاد دلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ تم لوگ اگر اس حقیقت پر غور کرو تو کبھی کفر نہ کرو۔ اللہ فرماتا ہے کہ تم بالکل بے جان تھے یہ عالم ارواح کی طرف اشارہ ہے، ہم نے تمہیں مادی وجود دیکر دنیا میں بھیج دیا یہاں تم اپنے جسم کے ساتھ ایک زندگی گزار رہے ہو پھر تمہیں اس جسم سے جدا کر دیا جائے گا اور تم عالم برزخ میں منتقل کر دیئے جاؤ گے وہاں سے عالم حساب اور پھر ابدی زندگی جس طرح زندگی ایک تخلیقی امر ہے۔ موت بھی ویسے ہی ایک تخلیقی امر ہے۔ یہ بھی زندہ حقیقت ہے اور وہ بھی زندہ حقیقت ہے اس حقیقت کو سائنس نے بھی اپنے تجربات سے ثابت کر دیا ہے اس کے لئے میں سلطان بشیر محمود کی کتاب ''قیامت اور حیات بعد الممات'' میں سے کچھ مواد پیش کرنا چاہوں گی۔ مصنف موصوف لکھتے ہیں۔

''نفس اور روح کے علاوہ بھی جسم جن عناصر سے تشکیل پاتا ہے۔ وہ بھی انمٹ ہیں، قدرت کا اصول ہے کہ عام حالات میں مادہ نہ تباہ کیا جا سکتا ہے نہ پیدا۔ البتہ اپنی ترتیب ہیئت میں تبدیل ہوتا رہتا ہے اور بکھر کر تحلیل ہو جاتا ہے۔ لیکن اس کا ایک ایک

ایٹم قیامت تک محفوظ ہے۔ بلکہ ان کو اپنے ساتھی ایٹموں کے ساتھ گزری ہوئی زندگی بھی یاد رہتی ہے اور اگر کبھی انہیں قریب آنے کا اتفاق ہو تو وہ ایک دوسرے کو پہچان بھی لیں گے اس لئے قبر مٹی کی ہو، پانی کی ہو، ہوا کی ہو، دریا ہو، عناصر کی حد تک جسم قائم رہتے ہیں۔ جیسے ہم اپنے بچھڑے ہوئے دوستوں کو یاد رکھتے ہیں نفس بھی اپنے بکھرے ہوئے عناصر کو یاد رکھتا ہے اور جب حکم ہوگا وہ دوبارہ اکٹھے ہو کر محفوظ شدہ ڈیزائن کے مطابق زندگی کی محفل نشاط برپا کریں گے بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے''۔

مذکورہ آیت مبارکہ صرف عرب کے بدوؤں کے لئے ہی مخصوص نہیں، بلکہ قرآن کا ہر لفظ تمام انسانی برادری کے لئے ہر زمانے اور ہر طبقہ کے لئے وعظ ونصیحت کا منبع ہے۔ مقصد صرف اتنا ہے کہ انسان غور کرے کہ اس کی زندگی اور تمام وسیلے اللہ ہی کے اختیار میں ہیں، وہی زندہ کرنے والا، وہی مارنے والا، اور پھر وہی دوبارہ زندہ کرنے والا ہے۔ آخر میں انسان پھر اسی کی طرف لوٹ کر جانے والا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ انسان اللہ کی وحدانیت اور اس کی فرمابرداری سے انکار کرے۔ اللہ ہم سب کو اپنی عبودیت اور فرمابرداری کی توفیق عطا کرے آمین۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: ''ایام تمہاری عمروں کے صحیفے ہیں لہٰذا ان کو احسن اعمال سے پر کرو''۔

## اللہ کی نشانیاں

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰۤی اِلَی السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَ هُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿29﴾

ع 3/9/3

وہی تو ہے جس نے تمہارے لئے زمین کی ساری چیزیں پیدا کیں، پھر اوپر کا قصد کیا تو سات آسمان استوار کئے اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ ﴿29﴾

تشریح: یہ آیت بھی گزشتہ سے پیوستہ ہے۔ اس میں اللہ کی کبریائی، قدرت اور وحدانیت کو اس انداز سے ثابت کیا گیا ہے کہ اللہ وہی تو ہے جس نے انسان کے لئے زمین بنائی اور اس میں نباتات، جمادات اور حیوانات کے ڈھیر لگا دیئے کہ انسان اس سے بھرپور فائدے اٹھائے پھر اس میں دریا، سمندر، پہاڑ اور ہواؤں کا ایسا بندوبست کر دیا جو اللہ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا پھر انسان کے لئے سات آسمان بنا دیئے۔ اللہ کی دی ہوئی عقل وعلم کے زور پر سائنس دانوں نے اس کی تحقیق کی ہے۔ اس کے لئے ڈاکٹر ہلوک نور باقی صاحب کی کتاب ''قرآنی آیات اور سائنسی حقائق'' میں سے اقتباس پیش کرتی ہوں لکھتے ہیں۔

''جب آپ زمین سے یا کسی اور سیارے سے فضاء بسیط میں نظر کرتے ہیں تو آپ ان سات مقناطیسی میدانوں میں گھرے ہوئے ہوتے ہیں جو پیچھے ہٹتے ہوئے اور سمٹتے ہوئے فضاء بسیط کی لامتناہی (Infinity) تک پہنچتے ہیں۔ زمین پر سے نظام کائنات (Cosmos) کا مشاہدہ درج ذیل طریقہ سے ہے''۔

1 وہ فضائی میدان جو ہم اپنے شمسی نظام کے ساتھ مل کر بناتے ہیں ''پہلا آسمان ہے''۔

2 ہماری ثریا کا میدان فضائی ''دوسرا آسمان'' بناتا ہے۔ وہ مقناطیسی میدان جو ستاروں کی منور پٹی کے بالکل اندر ''مغز'' کو تشکیل دیئے ہوئے ہے ابھی حال ہی میں دریافت ہوا ہے۔

3 ثریاؤں کا ہمارا مقامی جھرمٹ تیسرا آسمان بناتا ہے۔

4 کائنات کا وہ مرکزی مقناطیسی میدان جو ثریاؤں کے جھرمٹوں کی یکجائی کو ظاہر کرتا ہے وہ ''چوتھا آسمان'' ہے۔

5 وہ کائناتی پٹی جو نیم نجمی ریڈیائی منبع کو ظاہر کرتی ہے۔ ''پانچواں آسمان'' ہے۔

6 پھیلتی ہوئی کائنات کا وہ میدان جو پیچھے ہٹتی ہوئی ثریاؤں کو ظاہر کرتا ہے۔ ''چھٹا آسمان'' ہے۔

7 سب سے باہر دوری والا وہ آسمان جو کائنات کی لامتناہی کا مظہر ہے ''ساتواں آسمان'' ہے مزید ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ اہم بات یہ ہے کہ قرآن سات آسمانوں کا محض ذکر کر کے ہی اس موضوع کو تشنہ نہیں چھوڑ دیتا، بلکہ کائناتی طبیعیات کے علم کے تناظر میں جدید ترین مادی تشریحات پر بھی روشنی ڈالتا ہے''۔ جو آئندہ متعلقہ آیات کی روشنی میں بیان کیا جائے گا۔ معذرت کے ساتھ، کچھ مفسرین نے سات آسمانوں کی تحقیق کو خلاف قانون کہا ہے، جبکہ میں اللہ کے حکم کے مطابق سائنسی تعلق رکھنے والی آیات پر تبصرہ جائز سمجھتی ہوں ہاں یہ ضرور ہے کہ تحقیقات اور نظریات بدل بھی سکتے ہیں، مگر اللہ نے جگہ جگہ دعوت دی ہے کہ غور وفکر کرو۔ کائنات کو سمجھو جب ہم اس فضاء بسیط میں گم ہو کر دیکھتے ہیں تو ہمارا ایمان اور بھی مضبوط ہو جاتا ہے اس لئے کہ پتہ چلتا ہے کہ اس کارخانہ حیات کو کوئی چلا ضرور رہا ہے اور وہ ہے اللہ الحیّ القیوم تمام قدرتیں اور ہر قسم کا علم خدائے علیم وحکیم کو ہی ہے۔ حقیقت کا جاننے والا تو بس اللہ ہی ہے اور کائنات کو چلانے کا علم اور قدرت صرف اور صرف خدائے عظیم کے ہی قبضہ قدرت میں ہے اس کو وحدہ لاشریک ماننے کے لئے بے شمار نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے جو کہ مندرجہ بالا آیت میں بیان کی گئی ہے۔ انسان کی جسمانی پرورش کے لئے زمین آسمان اور سب کچھ پیدا کیا اور روحانی پرورش کے لئے قرآن اور رسول محمد ﷺ کو بھیج دیا۔ اللہ ہمارے ایمان کو مضبوط کرے آمین۔

اس آیت کے ساتھ ہی تیسرا رکوع ختم ہوتا ہے۔ ابتدائی دو رکوع کافروں اور منافقوں کے متعلق تھے۔ تیسرا رکوع اس مضمون پر مشتمل تھا کہ انسان کو چاہیے کہ اللہ عزوجل کی کبریائی اور قدرت وعظمت کو سمجھ کر اس کے سامنے عاجزی سے جھک جائے اسی میں دنیا وآخرت کی بھلائی ہے۔ اب چوتھے رکوع میں نفس مضمون انسان کی تخلیق، مرتبہ انسان کی عظمت وشان ہے۔ تاکہ انسان اپنے مرتبہ کو پہچان کر اپنی زندگی گزارے اور دارین میں کامیابی وعظمت حاصل کرے اور اچھی طرح جان لے کہ اللہ علیم وخبیر ہے یعنی ہر چیز کا علم رکھنے والا اور ہر طرح کی خبر رکھنے والا ہے۔

# فرشتوں کی گزارش

وَ اِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا
وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿30﴾

جب تیرے رب نے کہا فرشتوں سے کہ میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے والا ہوں انہوں نے عرض کیا! کیا آپ زمین میں کسی ایسے کو مقرر کرنے والے ہیں جو اس کے انتظام کو بگاڑ دے گا اور خون ریزیاں کرے گا؟ آپ کی حمد وثناء کے ساتھ تسبیح تو ہم کر ہی رہے ہیں فرمایا! میں جانتا ہوں جو کچھ تم نہیں جانتے۔ ﴿30﴾

تشریح: اس آیت مبارکہ کا رابطہ پچھلی آیت سے ہے۔ زمین وآسمان کو تخلیق کر لینے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق کا ارادہ کیا۔ قرآن مجید میں مخاطب تبدیل ہوتا رہتا ہے، کبھی انسان مخاطب ہوتا ہے، کبھی محمد ﷺ اور کبھی اللہ خود ہی مخاطب ہوتا ہے تو یہاں اللہ آنحضرت ﷺ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ جب میں نے انسان کی تخلیق کے ارادے سے فرشتوں کو مطلع کیا کہ میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں تو فرشتوں نے باادب عرض کیا کہ کیا آپ زمین میں ایسی مخلوق کو مقرر کرنا چاہتے ہیں جو فساد پھیلائے گی، خونریزی کرے گی، یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فرشتوں کو انسانی فطرت کا علم کیسے ہوا کہ فساد پھیلانے والا ہے تو یہ اشارہ ملتا ہے کہ ضرور انہوں نے پہلے بھی کائنات میں کہیں ایسی با اختیار مخلوق کا حشر دیکھا ہوگا۔ اس خیال کی تائید سلطان بشیر محمود کی کتاب قیامت اور حیات بعد الموت میں ملتی ہے "کہ یہ خیال گزرتا ہے کہ ضرور کائنات میں کچھ اور ایسے سیارگان موجود ہیں جن میں انسانی خلق اور ہیئت رکھنے والی مخلوق موجود ہے یا رہ چکی ہے۔"

سائنس دان دن رات اس جستجو میں لگے ہوئے ہیں کہ دوسری کائنات کی مخلوق سے مل سکیں جو کہ کائنات کی وسعت کی وجہ سے فی الحال ناممکن ہے۔ کیونکہ قریب ترین شمسی نظام ہمارے شمسی نظام کے علاوہ ہم سے اتنے زیادہ فاصلہ پر ہے کہ وہاں جانے کے لئے روشنی کی رفتار سے تقریباً دس ہزار سال درکار ہیں جو مستقبل بعید میں تو شاید ممکن ہو مگر فی الحال نہیں۔ کیسے ممکن ہوگا یہ بھی نامعلوم ہے لیکن فرشتوں کے علم میں انسان کا جھگڑالو ہونا ضرور مشاہدہ کی نشاندہی کرتا ہے ویسے انسان سے پہلے ایک بااختیار مخلوق جن موجود تھی۔ ابلیس انہیں میں سے تھا اسی لئے اس نے سجدہ کرنے سے انکار کیا۔ اللہ بہتر جانتا ہے بہر حال یہاں انسان کی عزت افزائی کا نشان ضرور ملتا ہے یعنی خلیفۃ اللہ ہونا، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی صفات میں سے بہت سی تھوڑی تھوڑی خوبیاں عطا کر دیں، تاکہ دنیا میں آ کر انسان اللہ کی پہچان بنے اور اپنی صفات کی وجہ سے اللہ کا خلیفہ ہونے کا حق ادا کر سکے اور جو انسان نیک فطرت کا حامل ہے وہ تو دنیا میں انصاف، حکمت علم اور رحم وکرم سے دنیا کو جائے سکون بنائے گا۔ لیکن جو بدفطرت انسان ہوگا وہ اس کے الٹ کام کرے گا اور دنیا کو شر وفساد سے تباہ وبرباد کرے گا، یہ کسوٹی ہے انسان کے خلیفۃ اللہ ہونے

کی اوراس درجہ سے دستبردار ہونے کی۔فرشتوں نے اسی خیال کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ''انسان کو پیدا کرنے کی کیا ضرورت ہے کیونکہ وہ تو فساد کرنے والا ہے۔تسبیح وتوصیف کے لئے ہم ہروقت مستعد ہیں کہ کبھی سرمو بھی نافرمانی اور غفلت کرنے کے مجاز نہیں ہروقت تیرے فرمانبردار ہیں۔حالانکہ یہ دیکھا جائے تو فرشتوں کا اس میں کیا کمال ہے وہ تو بنے ہی فرمانبرداری اور تسبیح و توصیف کے لئے ہیں۔اصل امتحان تو انسان کا لیا جانا تھا کہ نیکی وبدی دونوں راستے اس کے سامنے رکھ دیئے اور اختیار دے دیا کہ جوراستہ چاہو اختیار کرلو اور پھر اچھی طرح بتا دیا کہ اس راستے کا انعام یہ ہوگا اور اس راستہ کا عذاب یہ ہوگا۔اللہ جانتا تھا کہ یہ مخلوق کس کس طریقہ سے دنیا میں رنگ بھرے گی اور نیکی وبدی کی اس جنگ میں کس طرح جیئے گی۔یہی فرق ہے انسان میں اور فرشتہ میں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''میں جانتا ہوں اور تم نہیں جانتے'' یعنی اللہ کا علم وہ ہے جو فرشتوں کا علم نہیں ہوسکتا وہ تو علیم وخبیر ہے جبکہ فرشتے محض محکوم و پابند ہیں جو اللہ کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرسکتے۔انسان کو خلیفہ بنا کر زمین کی حکومت سونپنے میں کیا مصلحتیں پوشیدہ ہیں یہ تو صرف باری تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

دعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں برائیوں سے بچنے کی توفیق دے اور موقعہ دے کہ ہم اس کے بہترین خلیفہ اس دنیا میں ثابت ہوں۔(آمین)

آخر میں یہی کہنے کی جرات کرتی ہوں کہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کا فرض جو اللہ نے انسان پر عائد کیا ہے۔یہی فرض انسان کو فرشتوں سے ممتاز کرتا ہے اور اچھے برے انسان کا فرق بھی اسی ادائیگی میں موجود ہے۔شاعر نے کیا خوب اس کی وضاحت کی ہے۔

''دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کروبیاں''

ڈاکٹر علامہ اقبال

## علم کی برتری

وَ عَلَّمَ اٰدَمَ الۡاَسۡمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمۡ عَلَى الۡمَلٰٓئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنۡۢبِـُٔوۡنِىۡ بِاَسۡمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿31﴾ قَالُوۡا سُبۡحٰنَكَ لَا عِلۡمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنۡتَ الۡعَلِيۡمُ الۡحَكِيۡمُ ﴿32﴾ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنۡۢبِئۡهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ ۚ فَلَمَّآ اَنۡۢبَاَهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ ۙ قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّكُمۡ اِنِّىۡٓ اَعۡلَمُ غَيۡبَ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ۙ وَ اَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَ مَا كُنۡتُمۡ تَكۡتُمُوۡنَ ﴿33﴾

(اس کے بعد) اللہ نے آدم علیہ السلام کو ساری چیزوں کے نام سکھائے پھر انہیں فرشتوں کے سامنے پیش کیا اور فرمایا۔اگر تمہارا خیال صحیح ہے تو ذرا ان چیزوں کے نام بتاؤ؟(31) انہوں نے عرض کیا نقص سے پاک تو آپ کی ہی ذات ہے ہم تو بس اتنا ہی علم رکھتے ہیں

جتنا آپ نے ہم کو دے دیا ہے۔ حقیقت میں سب کچھ جاننے اور سمجھنے والا آپ کے سوا کوئی نہیں۔ (32) پھر اللہ نے آدم سے کہا! تم انہیں ان چیزوں کے نام بتاؤ؟ جب آدم نے ان کو ان سب کے نام بتا دیئے تو اللہ نے فرمایا! میں نے تم سے کہا نہ تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی وہ ساری حقیقتیں جانتا ہوں جو تم سے مخفی ہیں، جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو، وہ بھی مجھے معلوم ہے اور جو کچھ تم چھپاتے ہو اسے بھی میں جانتا ہوں۔ (33)

تشریح: پچھلی آیت میں اللہ اور فرشتوں کا مکالمہ اس بات پر ختم ہوا کہ اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہے۔ فرشتے تو محض ایک مخلوق اللہ ہیں اور کام صرف وہی کر سکتے ہیں جو ان کے ذمہ لگا دیا گیا۔ علم بھی صرف اتنا ہی ان کے پاس ہے جتنا اللہ نے ان کو سکھا دیا۔ ظاہر ہوتا ہے کہ ہر فرشتہ اپنی ڈیوٹی کے علاوہ نہیں جانتا، ہوا اور پانی کا بندوبست اور انسانوں کی رہنمائی جتنی اللہ کی طرف سے ان کو اجازت ہے اس کو ثابت کرتے ہیں۔ اللہ علیم وحکیم ہے اور آدم کی پیدائش بیکار نہیں اور یہ کہ آدم علم میں فرشتوں سے برتر ہے۔ اللہ نے کچھ چیزیں فرشتوں کے سامنے رکھیں اور ان کے نام دریافت کیے۔ فرشتے نام نہ جانتے تھے معذوری کا اظہار کرتے ہوئے کہنے لگے۔ ”ہم نہیں جانتے پاک ہے تو ہم تو صرف وہی جانتے ہیں جو تم نے ہمیں سکھا دیا“ پھر حضرت آدم علیہ السلام سے ان تمام چیزوں کے نام پوچھے تو انہوں نے فوراً بتا دیئے کیونکہ اللہ نے ان کو علم میں فرشتوں سے برتر پیدا کیا تھا۔ انسان سوچتا ہے وہ کیا چیزیں تھیں جن کے نام ان کو سکھائے گئے؟ زمین و آسمان اور ان کے درمیان جو کچھ انسان کی ضروریات، نفع اور نقصان کے واقعات اور ہر قسم کے حالات سے نمٹنے کی تراکیب اور ترقی و کامیابی کی زندگی گزارنے کے تمام ذرائع یہ تمام چیزیں ان کے نام اور استعمال کے تمام طریقے آدم کو اللہ نے سکھا دیئے، کیونکہ ان تمام چیزوں کا جاننا آدم کے لئے اور بقاء انسانیت کے لئے بے حد ضروری تھا۔ فرشتوں کو تو ایسی چیز کی نہ ضرورت پڑتی ہے نہ حاجت ہوتی ہے ان کے مطلب کا علم ان کو دے دیا گیا۔ انسان جب پیدا ہوتا ہے تو نشوونما کے لئے خوراک کی اس کو ضرورت ہوتی ہے بغیر کسی تعلیم کے وہ جانتا ہے دودھ کیسے پینا ہے اس طرح کی ہزاروں مثالیں موجود ہیں۔ ثابت ہوا کہ دنیا کی ہر چیز کا علم آدمی کی فطرت میں اور ذہن میں رکھ دیا گیا ہے اور یہ علم اللہ علیم وخبیر نے ہی انسان کو سکھایا ہے۔

اس تمام بیان سے ایک تو فرشتوں کو اپنے سوال کا جواب مل گیا اور دوسرا یہ بھی واضح ہو گیا کہ اگر فرشتوں کو ہی زمین پر بھیج دیا جاتا تو اللہ کی نیابت نہ ہوتی کیونکہ فرشتے تو محض حکم کے تابع ہیں، جبکہ انسان کو اللہ نے نیابت عطا کی اور کچھ تھوڑی حد تک اختیار بھی دیا اور پھر نیک و بد کا فرق بھی سامنے رکھ دیا۔ پچھلی آیات میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق، ان کی برتری علم کے لحاظ سے اور دنیا میں ان کے خلیفۃ اللہ ہونے کا سبب، فرشتوں کو آدم کی تخلیق سے آگاہی، فرشتوں کا عاجزی اختیار کرنا اور اقرار کرنا کہ اللہ ہی علیم وحکیم اور بالاتر ہے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

”میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ میں جانتا ہوں آسمان کی چھپی ہوئی باتیں اور میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم

چھپاتے ہو''۔ بے شک علم الٰہی سب علموں پر فوقیت رکھتا ہے وہ خوب جانتا ہے کس کو کون سا درجہ دینا ہے اور کون کس ذمہ داری کا اہل ہے۔ یہ تو تھی حضرت آدم کی تخلیق کا ابتدائی حصہ جو کہ ابھی مکمل نہیں ہوا۔ آئندہ آیات میں اس پر دوسری نوعیت کی توضیح کی جائے گی۔

## فرشتوں کا سجدہ

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓىِٕكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَ اسْتَكْبَرَ ٝ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿34﴾

اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کے سامنے سجدہ کرو۔ سو وہ سب جھکے مگر ابلیس نہ جھکا اس نے انکار اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے ہو گیا۔ ﴿34﴾

**تشریح:** گزشتہ سے وابستہ آیت میں وضاحت اس بات کی کر دی گئی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام فرشتوں سے علم اور نیابت الٰہی میں بلند درجہ پر فائز ہو چکے ہیں تو پھر آدم علیہ السلام کی سربلندی کی وجہ سے تمام فرشتوں کو حکم دیا کہ تم آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو۔ یہ تو اللہ ہی جانتا ہے کہ اس سجدے کا حکم کیوں دیا گیا اللہ کے حکم کے سامنے کس کو اعتراض ہو سکتا تھا؟ سب فرشتے جھک گئے مگر ایک نہ جھکا جس کا نام ابلیس تھا۔ مختلف تفاسیر میں لکھا گیا ہے کہ یہ اصل میں ناری مخلوق یعنی جنوں کا سردار تھا۔ اس نے یہ اعتراض کیا کہ میں آگ سے بنایا گیا ہوں اور آدم مٹی سے بنائے گئے ہیں میں ان سے برتر ہوں میں ان کے آگے سجدہ نہیں کروں گا اس نے تکبر کیا اور اللہ کی نافرمانی کی اور اس طرح وہ اپنے درجہ سے گر گیا اور نافرمانوں کی جماعت میں داخل ہو گیا۔ اس بات کی تصریح قرآن مجید میں اتنی ہی کی گئی ہے اس لئے اس سے زیادہ کی بحث میں پڑنا میرے خیال میں مناسب نہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جن وانس دو مخلوقیں پیدا کی ہیں پڑھنے میں آیا ہے کہ انسان کی طرح جن بھی مسلم اور کافر ہوتے ہیں اور پھر انسان کی طرح ہی کچھ بدفطرت اور کچھ نیک فطرت ہوتے ہیں۔ (واللہ اعلم)

بہر حال ان آیات میں انسان کا درجہ و برتری فرشتوں پر ثابت کر دی گئی ہے اور اس کی بنیادی وجہ علم ہے۔ علم کا حاصل کرنا ہر مسلمان مرد اور عورت پر فرض ہے اس کو جتنا بھی بڑھایا جا سکے بڑھاتے رہنا چاہئے۔ معرفت انسانیت اور معرفت الٰہی سب اسی کی بدولت ہے، مولانا وحید الدین خان کی کتاب ''مذہب اور سائنس'' میں کتنا خوبصورت پیراگراف انہوں نے لکھا ہے۔ لکھتے ہیں۔ ''معرفت انسان کی اعلیٰ ترین آرزوؤں کو تسکین دیتی ہے، اندرونی قوت، روحانی روشنی، خدائی محبت، بے حد سکون اور مذہبی وجدان اتنا ہی حقیقی ہے جتنا جمالیاتی احساس''۔ ایک اور سبق جو اس آیتِ شریفہ میں ملتا ہے وہ تکبر کی برائی بیان کی گئی ہے۔ بیشک غرور کا سر نیچا ہوتا ہے۔ اس سے متعلقہ کئی آیات آئندہ مطالعہ میں ملیں گی۔ ویسے یاد رکھیں غرور کو کم کر لینا سب سے بڑی دولت ہے۔

## آدم کی لغزش اور وحی کی ضرورت

وَ قُلْنَا یٰۤاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَ زَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَ كُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَیْثُ شِئْتُمَا ۪ وَ لَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ (35) فَاَزَلَّهُمَا الشَّیْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِیْهِ ۪ وَ قُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَ لَكُمْ فِی الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِیْنٍ (36) فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَیْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِیْمُ (37) قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِیْعًا ۚ فَاِمَّا یَاْتِیَنَّكُمْ مِّنِّیْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَ لَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ (38)

پھر ہم نے آدم سے کہا! کہ تم اور تمہاری بیوی جنت میں رہو اور اس میں حسب منشاء جو چاہو وہ کھاؤ، مگر اس درخت کا رخ نہ کرنا ورنہ ظالموں میں شمار ہو گے۔(35) آخر کار شیطان نے ان دونوں کو اس درخت کی ترغیب دلا کر ہمارے حکم کی پیروی سے ہٹا دیا اور انہیں اس چیز سے نکلوا کر چھوڑا جس میں وہ تھے ہم نے حکم دیا! اب تم سب یہاں سے اتر جاؤ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو اور تمہیں ایک خاص وقت تک زمین میں ٹھہرنا اور فائدہ اٹھانا۔(36) اس وقت آدم نے اپنے رب سے چند کلمات سیکھ کر توبہ کی جس کو اس کے رب نے قبول کر لیا، کیونکہ وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔(37) ہم نے کہا! تم سب یہاں سے اتر جاؤ پھر جو میری طرف سے کوئی ہدایت تمہارے پاس پہنچے تو جو لوگ میری اس ہدایت کی پیروی کریں گے ان کے لئے کسی خوف اور رنج کا موقعہ نہ ہوگا۔(38)

تشریح: حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کے بعد حضرت حوا کو پیدا کیا گیا یہ واضح کر کے قرآن میں نہیں بتایا گیا مفسرین کا خیال ہے اور قرین قیاس بھی یہی ہے کہ آدم علیہ السلام کی تنہائی اور اداسی کو دور کرنے کے لئے اور ویسے بھی ہر چیز جوڑوں میں ہی ہوتی ہے جنت میں تمام نعمتیں تھیں بیوی کی نعمت بھی ان کو عطا کر دی گئی، اللہ نے ان دونوں کو جنت میں ٹھکانہ دیا ظاہر ہے یہ عارضی ٹھکانہ تھا اور پھر بندے کو بتانا تھا کہ یہ بھی تیری میراث ہے مگر فی الحال تم یہاں رہو کھاؤ پیئو اور اس درخت کے قریب مت جانا۔ معلوم ہوا کہ انسان کی آزمائش شروع سے ہے۔ فرمایا کہ ''اگر تم اس درخت کے قریب گئے تو نافرمانوں میں سے ہو جاؤ گے اور نافرمانی اپنے اوپر ظلم کرنے کے مترادف ہے۔'' شیطان نے بھی اپنا کام شروع کر دیا اور حضرت آدم علیہ السلام کو بہلانا پھسلانا شروع کر دیا روح وضمیر کی کشمکش شروع ہو گئی اور اس کشمکش میں شیطان غالب آ گیا اور آدم نے ممنوعہ درخت کا پھل کھا لیا یہ صریح نافرمانی تھی اور انسان کی آزمائش کی ابتداء تھی۔ نافرمانی کرنے کے بعد آدم علیہ السلام بے حد نادم ہوئے اور لگے آہ وزاری کرنے تو اللہ کو ان پر رحم آ گیا وہ تو ہے ہی رحیم وکریم۔ یہاں یہ نکتہ آشکارہ کیا جا رہا ہے کہ انسان غلطیوں کا پتلا ہے مگر غلطی کی معافی اگر سلیقہ وطریقہ اور خلوص سے مانگی جائے تو اللہ تعالیٰ ضرور معاف کر دیتا ہے اور انسان کو ضرور اس ظلم سے بچا لیتا ہے جو اس نے نادانی سے اپنے اوپر (نافرمانی کر کے) کر لیا ہو۔ لہٰذا آدم علیہ السلام اپنی نافرمانی کے ارتکاب پر بے حد نادم ہوئے تو اللہ نے ان کو معافی کے کلمات دعا کے لئے سکھا دیئے جو انہوں

نے سیکھ لئے۔ معافی مانگنے کی تین شرطیں ہیں: ایک تو اپنے گناہ کا اعتراف کر لے۔ دوسرا اس کو آئندہ کبھی نہ دہرانے کا پکا عزم کر لے۔ تیسرے توبہ پر قائم رہتے ہوئے گناہ پر پچھتائے اور دوبارہ کبھی نہ کرے۔ اللہ نے ان کو سمجھا دیا کہ آدم علیہ السلام کی جگہ جنت ہی ہے وہ دوبارہ جنت میں ضرور آئیں گے، لیکن شرط یہی ہے کہ نافرمانوں میں شامل نہ ہوں فرمانبرداری لازمی چیز ہے اس وقت ان کو حکم ہوا کہ تم سب جنت سے چلے جاؤ۔ زمین پر تمہارا عارضی ٹھکانہ ہے اور ساتھ ہی زمین کی زندگی کا نقشہ بھی سمجھا دیا گیا کہ وہاں کس کس چیز سے نمٹنا پڑے گا یہاں جنت میں تو صرف شجر ممنوعہ آزمائش کے لئے تھا۔ زمین پر تو قدم قدم پر آزمائش ہوگی یعنی دنیا میں حسد، بغض، کشمکش اور خود غرضی اور نہ جانے کیا کچھ راہوں میں موجود ہوگا۔ ان سب سے بچ کر تقویٰ اختیار کرنا ہوگا تو جنت میں دوبارہ داخل ہوسکو گے اور پھر یہ بھی واضح ہوگیا کہ دنیا کی زندگی عارضی ہے مگر آزمائش ہی آزمائش ہے اور عمل کرنے کی مہلت بس یہ دنیا کی زندگی ہی ہے جس نے نیک عمل کئے، شیطان کے دھوکے میں نہ آیا اپنے آپ کو بچائے رکھا وہ جنت کا حق دار ہوگا اور جو نافرمان ہوا شیطان کے راستے پر چلا تو گویا اس نے اپنے آپ پر بڑا ظلم کیا یعنی دنیا میں بے سکوں اور بے چین رہا اور آخرت میں جہنم کا عذاب اس کو ملے گا۔

اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی توبہ قبول کر لی لیکن دنیا میں اتر جانے کا حکم صادر کر دیا، کیونکہ آدم علیہ السلام کی تخلیق تو ہوئی ہی اس لئے تھی کہ ان کو زمین پر اللہ کا خلیفہ بنایا جانا تھا۔ سو آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوگئی اور اللہ نے تسلی دی کہ گھبراؤ نہیں کیونکہ وہاں بھی ہماری نظر عنایت تم پر رہے گی اور پھر یہ بھی بتا دیا کہ میری ہدایت بوقت ضرورت وحی اور نبیوں کے ذریعے تمہارے پاس پہنچتی رہے گی شرط یہ ہے کہ تم متقی بنو اور رسولوں کی بتائی ہوئی راہوں پر دل سے عمل کرو، شیطان اور دنیاوی آرام کو اپنے اوپر غلبہ نہ پانے دو، بھلائی صرف اور صرف نیکی اور تقویٰ میں موجود ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو نبوت ملی اور پھر کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء ورسل انسان کی ہدایت کے لئے وقتاً فوقتاً بھیجے گئے۔ اگلی آیت میں منکرین وحی اور ان کا انجام بیان کیا جا رہا ہے۔

## منکرین وحی کا انجام

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَاۤ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿39﴾ ع 4/10/4

اور جو لوگ کفر کریں گے اور ہماری آیتوں کو جھٹلائیں گے وہی دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ ﴿39﴾

**تشریح:** ازل سے ابد تک انسان کے لئے اللہ کی طرف سے یہ فرمان ہے کہ اس راستے کی پیروی کرے جو اس کا رب اس کے لئے تجویز کرے یوں بھی بندہ اور خلیفہ ہونے کی حیثیت سے لازم ہے کہ بندہ یا خلیفہ اپنے مالک کا دیا ہوا فرمان عمل میں لائے اور اس کے لئے صرف دو ہی راستے ہیں یا تو براہ راست بندے کو فرمان وحی کیا جائے اور یا فرمان کسی نبی یا رسول کے ذریعہ سے بھیجا جائے جس پر من وعن عمل کرنا بندے کا نہ صرف فرض ہی ہے بلکہ انسان کی اپنی بھلائی بھی اسی میں ہے کہ وحی الٰہی پر دل وجان سے

عمل کرے۔ ہمارے لئے یہ وسیلہ آخری نبی حضرت محمد ﷺ بنے اور ان پر آخری کتاب قرآن مجید نازل ہوئی جو رشد وہدایت کا سرچشمہ ہے۔ لہٰذا اللہ نے تنبیہ کی ہے کہ جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلائیں گے تو ایسے لوگوں کے لئے جہنم کا عذاب مقرر کر دیا گیا ہے، کفار اور منکرین اس عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑا سخت عذاب ہے۔ اللہ ہمیں شیطان کی شرارت سے محفوظ و مامون رکھے اور اس عذاب جہنم سے بچائے۔ (آمین)

## بنی اسرائیل کو تنبیہ

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَ اَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَ اِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿40﴾

اے بنی اسرائیل! ذرا خیال کرو میری اس نعمت کا جو میں نے تم کو عطا کی تھی، میرے ساتھ تمہارا جو عہد تھا اسے تم پورا کرو تو میرا جو عہد تمہارے ساتھ تھا اسے میں پورا کروں گا اور مجھ ہی سے تم ڈرو۔ ﴿40﴾

تشریح: اب پانچویں رکوع سے بنی اسرائیل کی تاریخ ہمارے لئے عبرت کا نشان ہے، کیونکہ پانچویں رکوع سے چودھویں رکوع تک مسلسل ایک تقریر جاری ہے جو اس قوم کو خطاب کرتے ہوئے کی جارہی ہے جس میں بنی اسرائیل کی شرانگیزیوں، لغزشوں، گناہوں، نافرمانیوں، ہٹ دھرمیوں اور سرکشیوں کا ذکر ہے اس کے بعد ان سے تمام فضیلتیں چھن جانے کا بیان ہے۔

اسرائیل کے معنی ہیں اللہ کا بندہ! یہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت اسحٰق علیہ السلام کے بیٹے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے تھے انہی کی نسل کو بنی اسرائیل کہتے ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دو بیٹے ہوئے۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت اسحٰق علیہ السلام۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام حجاز میں آباد ہوئے اور ان کی اولاد میں حضرت محمد ﷺ پیدا ہوئے، جبکہ دوسرے بیٹے حضرت اسحٰق علیہ السلام اور پھر ان کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام تھے جن کا لقب اسرائیل پڑا ان کی اولاد مصر میں آباد ہوئی یہ لوگ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہے جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ طاقت کے لحاظ سے نفاق و بدامنی کی وجہ سے کمزور ہو گئے اور کچھ عرصہ کے بعد اہل مصر نے ان کو غلام بنالیا۔ خوب ظلم وستم کیے۔ بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے انہوں نے اس قوم کو غلامی سے نکالا اور ان کو وادی سینا میں لے گئے کچھ عرصہ بعد پھر یہ لوگ اپنے وطن کنعان میں لوٹ آئے اس قوم کا بہترین زمانہ حضرت داؤد اور سلیمان علیہ السلام کا تھا کچھ عرصہ بعد یہ قوم باہمی رقابت، دینی مخالفت اور انبیاء کی دشمنی کی وجہ سے پھر مصائب کا شکار ہو گئی۔ دو مرتبہ اس قوم پر اتنی شدید تباہی آئی کہ یہ لوگ اپنا وطن چھوڑ کر بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔ لیکن انہوں نے اپنی شرارتیں آج تک نہیں چھوڑیں۔

اللہ تعالیٰ اپنی ان نعمتوں کا ذکر کرتے ہیں جو بنی اسرائیل پر کی گئیں۔ یعنی غلامی سے نجات دلانا، فرعون کی غرقابی ان کی نجات، من وسلویٰ جیسی خوراک بغیر مشقت کے عطاء کرنا اور ہمیشہ مصیبتوں میں غیبی مدد عطا کرنا ان تمام باتوں کی وضاحت آئندہ

آیات میں کی جائے گی۔ (ان شاءاللہ) پھر اس آیت میں اس عہد کا ذکر بھی کیا گیا جو عالم ارواح میں اللہ نے لیا:
''کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں''؟ تو تمام ارواح نے یک زبان ہو کر کہا ''کیوں نہیں آپ ہی ہمارے رب ہیں'' اس کے بعد دوسرا عہد جو حضرت آدم علیہ السلام کو دنیا میں بھیجنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان سے کیا اور فرمایا کہ میں وقتاً فوقتاً آدم کی اولاد کے لئے نبی اور پیغمبر بھیجتا رہوں گا، تاکہ لوگ راہ ہدایت سے بھٹکنے نہ پائیں اور پھر جنت کے وارث بنیں تو اللہ تعالیٰ یاد کرواتے ہیں کہ نبیوں، رسولوں اور پیغمبروں کی ہدایات پر عمل کرو۔ نیکی، راستی، توحید امن وسکون اور ہدایت کی راہیں اختیار کر کے اپنا وعدہ پورا کرو تو میں تمہیں جنت الفردوس کا تحفہ عطا کر کے اپنا وعدہ پورا کروں گا۔ آخر میں پھر تنبیہہ کی جارہی ہے کہ دنیا میں کسی سے مت ڈرو صرف اور صرف اللہ سے ڈرو اس اشارہ میں تمام اخلاقی روحانی اور مذہبی اقدار سمٹ آتی ہیں۔ ہدایت کے لئے پچھلے چار رکوعوں میں نوع انسانی کو جو کچھ کہا گیا تھا۔ اسی کے سلسلے میں ایک خاص قوم کی مثال دی جارہی ہے کہ جو قوم بھی اللہ کی بھیجی ہوئی ہدایات سے منہ موڑتی ہے اس کا یہ حال ہوتا ہے۔ پچھلے چار ہزار سال سے یہ قوم اخلاقی کمزوریوں، مذہبی غلط فہمیوں، اعتقادی وعملی گمراہیوں کی وجہ سے پوری دنیا کے سامنے نشان عبرت بنی ہوئی ہے۔ مسلمانوں کو یاد دلایا جارہا ہے کہ وہ اس مذکورہ قوم کی خامیوں اور ان کے نتائج سے سبق سیکھیں اور ان راہوں سے بچیں جو ان کو دنیا وآخرت کی نعمتوں برکتوں اور جنت سے محروم کر دیں۔ اس بات کو ذہن میں رکھیں۔ برے لوگ اچھی بات میں بھی برائی ڈھونڈتے ہیں۔ جس طرح مکھی سارے بدن کو چھوڑ کر زخم پر بیٹھتی ہے۔

## تقویٰ کی ہدایت

وَ اٰمِنُوْا بِمَاۤ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَ لَا تَكُوْنُوْۤا اَوَّلَ كَافِرٍۭ بِهٖ۪ وَ لَا تَشْتَرُوْا بِاٰیٰتِیْ ثَمَنًا قَلِیْلًا٘ وَ اِیَّایَ فَاتَّقُوْنِ ﴿41﴾ وَ لَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَ تَكْتُمُوا الْحَقَّ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿42﴾

اور مان لو اس کتاب کو جو میں نے اتاری ہے اسے سچ بتانے والی ہے جو تمہارے پاس ہے اور سب سے پہلے اس کے انکار کرنے والے نہ ہو جاؤ اور میری آیتوں پر تھوڑا مول نہ لو اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو۔﴿41﴾ اور صحیح میں غلط نہ ملاؤ اور تم جانتے بوجھتے سچ کو نہ چھپاؤ۔﴿42﴾

**تشریح:** اس آیت میں بھی بدستور یہودیوں کو مخاطب کیا جارہا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو کتاب ''قرآن مجید'' میں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمائی ہے اس کو دل وجان سے سچ مان لو کیونکہ اس کی تصدیق تمہاری کتابوں میں کی جاچکی ہے اور قرآن مجید تمہاری کتابوں کی تصدیق کرتا ہے کیونکہ بنی اسرائیل اہل کتاب ہیں اور مدینہ کے لوگ ان پڑھ جاہل ہونے کی وجہ سے بنی اسرائیل سے بہت مرعوب تھے اہل مدینہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کی تصدیق کے لئے یہودی علماء ومشائخ کے پاس جاتے تھے۔ وہ محض دنیاوی مصلحتوں کی بناء پر اسلام وقرآن کے بارے میں ٹھیک ان کو بتاتے نہ تھے، بلکہ بہت کچھ چھپاتے اور جو کچھ بتاتے وہ شک وشبہ میں ڈالنے کے لئے الٹا سیدھا بتاتے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کو مخاطب کر کے تنبیہہ کی کہ تم ہی سب سے

پہلے قرآن و محمد ﷺ کو جھٹلانے والے نہ بن جاؤ اور پھر ہماری طرف سے جس قدر زیادہ علم تم اپنی کتابوں کی وجہ سے حاصل کر چکے ہو اور کوئی نہیں رکھتا لہٰذا ان پر ایمان لاؤ اور ہماری آیات جو تم سے لوگ پوچھتے ہیں ان کے بارے میں ان کو ٹھیک بتاؤ، دنیاوی نفع اور دنیاوی فائدوں کی وجہ سے غلط راستے اور غلط معنی نہ بتاؤ اس طرح غلط و صحیح کو مت ملاؤ ٹھیک آیات کے ٹھیک مطلب بتاؤ سچ بات مت چھپاؤ جو کچھ تم آخری نبی ﷺ قرآن کے بارے میں اپنی کتابوں کے ذریعہ جانتے ہو سب کچھ پورے سچ اور حقیقت کے ساتھ لوگوں کو بتاؤ اور خود بھی سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں شامل ہو جاؤ اور لوگوں کی راہبری کا کام صداقت سے کرو، تم خوب اچھی طرح جانتے ہو کہ اسی میں تمہاری نجات ہے ورنہ اللہ کے غضب کا انتظار کرو تم خوب اچھی طرح علم رکھتے ہو کہ منکرین الٰہ کا انجام بہت برا ہوتا ہے اور ایسے لوگ دنیا و آخرت میں نقصان اٹھانے والے ہوتے ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''حق پر استوار رہو خواہ یہ تمہارے نفس کے خلاف ہو''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

''سچائی میں اگرچہ خوف ہے مگر نجات بھی ہے''۔

## نماز، زکوٰۃ اور اتحاد

وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ وَ ارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿43﴾

اور نماز قائم کرو، زکوٰۃ دو اور رکوع کرنے والے یعنی جھکنے والوں کے ساتھ جھکو۔ ﴿43﴾

تشریح: اس آیت میں یہودی علماء کو عمل و عبادت کی تلقین کی جاتی ہے، اسلام میں نماز اہم ترین ارکان اسلام میں سے ایک رکن ہے۔ انبیاء بنی اسرائیل کو بھی اس کی سخت تاکید کی گئی ہے کیونکہ یہودی نماز با جماعت سے بالکل دور ہو چکے تھے۔ نماز کی برکات پہلے بھی بیان کی جا چکی ہیں مزید دہرا دینا مناسب ہے۔ نماز بنیادی عبادت ہے اس سے جسمانی طہارت اور روحانی بلندی حاصل ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کا ایک ذریعہ ہے، دعا مانگنے کا ایک نادر موقعہ ہے۔ انسان کو نیکی کے قریب اور گناہوں سے دور کرتی ہے اور نماز انسان کو متقی بنا دیتی ہے۔ متقی کی تعریف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یوں کی ہے۔ فرماتے ہیں:

''متقی وہ ہے جو خاردار جھاڑیوں میں سے اپنا دامن بچا کر گزر جاتا ہے''۔

دنیا میں چاروں طرف گناہ، فریب، جھوٹ، فساد اور برائیوں کے جال بچھے ہوئے ہیں جو کہ انسانی فطرت کو اپنی لپیٹ میں لینے کے لئے ہر وقت موجود رہتے ہیں، مگر نماز ان تمام برائیوں سے انسان کو بچاتی ہے وہ اس طرح کہ وضو اللہ سے ملنے کی تیاری اور طہارت ہے، نیت نماز اللہ کے حضور حاضر ہونے کی اجازت، قیام، عرض داشت، رکوع عاجزی اور سجدہ مکمل طور پر اللہ کی حضوری میں گم ہو کر اپنی عاجزی اور بے اختیاری اللہ کی طاقت، عظمت اور قدرت کاملہ کے اظہار کا ذریعہ بنتی ہے اور ان تمام چیزوں کے علاوہ انسان

میں نظم وضبط، چستی، یک سوئی اور صحت وصفائی کا ذریعہ بنتی ہے۔ خاص طور سے نماز باجماعت تو بے حد فوائد کی حامل ہے جیسا کہ کہا گیا ہے کہ ''جھکنے والوں کے ساتھ جھکو'' دوسری بات کی تاکید یہ کی گئی کہ نماز کے ساتھ ساتھ زکوٰۃ بھی دو، زکوٰۃ مال کی طہارت کا ذریعہ بنتی ہے اس سے معاشی ناہمواری کم ہوتی ہے۔ انسان میں ایثار کا جذبہ بڑھتا ہے اور مال کی محبت کم ہوتی ہے نیکی اور سکون کی راہیں انسانی محبت کی صورت میں کھل کر سامنے آجاتی ہیں وہ حاجت مند کی ضرورت، مظلوم اور بیمار کی تکلیف، مسافر، یتیم، بیوہ اور محتاج کی مدد کر کے صرف مال کی ہی زکوٰۃ نہیں دیتا بلکہ اس تگ ودو میں وہ جسمانی زکوٰۃ، وقت کی زکوٰۃ بھی ادا کرتا ہے اور یوں ایک کامیاب، پرسکون اور مقبول اللہ انسان سچے مسلمان ہونے کے درجات حاصل کرتا ہے۔ اس کا حکم ہر مسلمان کے لئے ہے اس آیت مبارکہ میں یہود کو مخاطب کر کے یاد کروایا گیا ہے کہ نماز باجماعت پڑھو اور زکوٰۃ دو تا کہ تم میں اتحاد، تقویٰ اور نیکی کے جذبات پیدا ہوں اور تم اپنی کھوئی ہوئی ساکھ مضبوط کر سکو۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے۔ ''نماز مومن کی معراج ہے''۔

## دوسروں کو نصیحت، خود میاں فضیحت

اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَ تَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ اَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿44﴾

تم دوسروں کو تو نیکی کا راستہ اختیار کرنے کے لئے کہتے ہو، مگر اپنے آپ کو بھول جاتے ہو۔ حالانکہ تم کتاب کی تلاوت کرتے ہو کیا تم عقل سے بالکل ہی کام نہیں لیتے۔ ﴿44﴾

تشریح: اس آیت میں یہودی علماء کو نصیحت کے انداز میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمہیں کتاب دی جا چکی ہے جس میں تمام احکامات تفصیل سے بیان کئے جا چکے ہیں مگر تم نے دل سے ان کو نہ تو قبول کیا ہے اور نہ ہی خلوص سے ان پر عمل پیرا ہوئے ہو۔ ایسی حالت میں جب تم زبانی کلامی لوگوں کو نیکی کی ہدایت کرتے ہو تو بتاؤ تمہاری زبانی ہدایات کا دوسروں پر کیا اثر ہو سکتا ہے۔ صرف اپنی نیک نامی کے لئے تم لوگوں کو راہ دکھانے کا کام کرتے ہو۔ دراصل تم خود راست بازی اور نیکی سے مکمل غافل ہو چکے ہو۔ حالانکہ عقل کا تقاضہ یہ ہے کہ پہلے خود انسان اپنی اصلاح کرے خلوص نیت سے پاکی اور راست بازی کی راہ اپنائے اور عملی طور پر نمونہ بنے کہ اللہ کا مقبول اور مخلص متقی انسان کیا ہوتا ہے تو پھر وہ دوسروں پر ضرور اثر انداز ہو سکتا ہے اور بہترین نتائج بھی نکل سکتے ہیں۔ یہ آیت مسلمانوں کے لئے بھی رشد وہدایت پیش کرتی ہے اور اس بات کی نشاندہی کرتی ہے کہ دوسروں کو نصیحت کرنے سے پہلے اپنی اصلاح بہت ضروری ہے، کیونکہ قوموں کی تباہی کا ایک بہت بڑا ذریعہ یہ ہے کہ علماء وفقہاء منافق، لاپرواہ، عیش پرست اور ریاء کار ہو جائیں تو ایسی صورت میں قوموں کی تباہی وبربادی لازمی ہو جاتی ہے۔ لہٰذا مسلمانوں کے ہر طبقہ فکر کے ہر انسان کو پاکی، تقویٰ اصلاح اخلاق اور دینی احکامات پر سختی سے عمل پیرا ہونا چاہئے۔ اور دوسروں کو بھی نیکی کی ہدایت کرنی چاہیے خاص طور سے

علماء دین کوتو اس بات کا بے حد خیال رکھنا چاہیے ان تمام باتوں پر عمل کرنے کے لئے اللہ نے اگلی آیت میں مزید راہنمائی کی ہے۔

## صبر اور نماز سے مدد

وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ وَ اِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿45﴾ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَ اَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿46﴾ ع 5

صبر اور نماز سے مدد لو، بے شک نماز ایک مشکل کام ہے لیکن ان فرمانبردار بندوں کے لئے مشکل نہیں ہے۔﴿45﴾ جو سمجھتے ہیں کہ آخر کار انہیں اپنے رب سے ملنا ہے اور اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔﴿46﴾

**تشریح:** اس آیتِ مبارکہ میں اگر چہ یہود کو ہی مخاطب کیا گیا ہے، لیکن دراصل یہ پوری نوع انسانی کو بتایا گیا ہے کہ نیکی اختیار کرنے، نیکی کی راہ دکھانے اور دنیا وآخرت میں کامیابیاں حاصل کرنے کے لئے بہترین طریقہ یہ ہے کہ صبر اور نماز سے اللہ کی مدد طلب کرو، کیونکہ صبر کی برکات بے شمار ہیں۔ تفہیم القرآن میں کیا خوب تعریف کی گئی ہے صبر کی ملاحظہ ہو۔ ''صبر کے لغوی معنی ہیں روکنا اور باندھنا اور اس سے مراد ارادہ کی وہ مضبوطی، عزم کی وہ پختگی اور خواہشات نفس کا وہ انضباط ہے۔ جس سے ایک شخص نفسانی ترغیبات اور بیرونی مشکلات کے مقابلہ میں اپنے قلب وضمیر کے پسند کئے ہوئے راستہ پر لگا تار بڑھتا چلا جائے ارشاد الٰہی کا مدعا یہ ہے کہ اس اخلاقی صفت کو اپنے اندر پرورش کرو اور اس کو باہر سے طاقت پہنچانے کے لئے نماز کی پابندی کرو۔ نماز کی فضیلت اور قواعد کئی مرتبہ بتائے جا چکے ہیں۔ بہر حال مختصراً عرض ہے کہ نماز جسمانی اور روحانی طہارت کا اللہ سے ملاقات کا اس کے شکر ادا کرنے کا اور اس سے مدد مانگنے کا ایک بڑا ہی مستحکم ذریعہ ہے۔ مگر نماز کا ادا کرنا نافرمان لوگوں کے لئے بے حد مشکل اور تھکا دینے والا کام ہے اس کے برعکس نماز ان لوگوں کے لئے انتہائی پسندیدہ ہے اور سکون دینے والا فعل ہے جو اللہ پر مکمل ایمان رکھتے ہیں اور جو اس بات پر پختہ یقین رکھتے ہیں کہ وہ ضرور اس زندگی کے بعد اپنے رب سے ملاقات کریں گے تو ایسے لوگ جو آخرت پر یقین رکھتے ہیں ان کے لئے نماز چھوڑنا انتہائی بے سکونی اور بے چینی کا سبب بنتا ہے دراصل اس آیت میں یہ بھی واضح کیا گیا ہے کہ اسلام دین کی اس قدیم شکل کو پاک صاف اور واضح کرنے کے لئے آیا ہے جو کہ گزشتہ تمام مذاہب مثلاً عیسائیت، یہودیت اور دوسرے مذاہب میں بھی موجود تھی اس لئے بنی اسرائیل کے علماء کو مخاطب کر کے زور دیا گیا ہے کہ اپنی کتابوں کی روشنی میں دین اسلام کو پہچانیں اور لوگوں کو نیکی کی ہدایت کریں اور مذہب اسلام کی پوری پوری حمایت کریں۔ اپنی تمام کوتاہیوں، نافرمانیوں اور لاپرواہیوں کو بھول کر صبر وصلوٰۃ سے کام لیں اور بھر پور طریقہ سے اسلام کا ساتھ دیں یہ سب کچھ ہمارے موجودہ علماء کے لئے بھی فرمایا گیا ہے۔ لہٰذا سب کو چاہیے اس فرمان باری تعالیٰ پر عمل کریں اور نجات دارین حاصل کریں۔ محمد موسیٰ اپنی کتاب ''جنت القناعۃ'' میں لکھتے ہیں:

"انسان کے ذمہ عبادت ہے، فکر آخرت ہے، ذکر اللہ ہے اور احکام شریعت کی پابندی ہے لہٰذا ہر انسان اپنی ذمہ داری اور اپنے فرائض کی بجا آوری کا خیال رکھے۔ ازل میں جو رزق اللہ تعالیٰ نے کسی آدمی کے لئے متعین کیا ہے وہ اسے ضرور پہنچ کر رہے گا۔ رزق حلال کے لئے جدو جہد کرنا شرعاً جائز ہے مگر رزق کے لئے اتنا فکر مند ہونا کہ عبادت میں نقصان ہو جائے سنگین غلطی ہے"۔

## بنی اسرائیل کی فضیلت

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَ اَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿47﴾ وَ اتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّ لَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّ لَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿48﴾

اے بنی اسرائیل یاد کرو میری اس نعمت کو جس سے میں نے تمہیں نوازا تھا اور اس بات کو کہ میں نے تمہیں دنیا کی ساری قوموں پر فضیلت عطا کی تھی۔﴿47﴾ اور ڈرو اس دن سے جب کوئی کسی کے کچھ کام نہ آئے گا نہ کسی کی طرف سے سفارش قبول کی جائے گی نہ کسی کو فدیہ لے کر چھوڑا جائے گا اور نہ مجرموں کو کہیں سے مدد مل سکے گی۔﴿48﴾

**تشریح:** اس آیت میں بھی علماء بنی اسرائیل اور قوم کو مخاطب کر کے اللہ فرماتے ہیں کہ اس نعمت کو یاد کرو جس سے میں نے تمہیں نوازا۔ یہ اس وقت کو بیان کیا گیا ہے کہ جب اقوام عالم گناہ، بت پرستی، جہالت اور انتہائی بے راہ روی میں بھٹک رہی تھیں اس وقت اللہ نے بنی اسرائیل کو آسمانی ہدایت نامہ عطا کیا جس میں توحید کا تصور تھا اور بنی اسرائیل کو اقوام عالم کا امام اور راہنما بنایا گیا تھا۔ یہ بہت بڑی فضیلت تھی جو ان کو دی گئی اس لئے کہ وہ لوگوں کو راہ راست دکھائیں دنیا کو فسق و فجور اور جہالت سے نکالیں، مگر وہ رفتہ رفتہ راہ راست سے بھٹک گئے اور دین اسلام کی مخالفت کرنے لگے۔ حالانکہ دین اسلام خود انہی کے دین کی اصلاح شدہ شکل میں ظاہر ہوا تھا۔ مگر وہ بدستور گناہوں، خرمستیوں اور نافرمانیوں کے گڑھے میں گرتے چلے گئے اہل عالم کے لئے عبرت کا نشان بن گئے۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہیں دنیاوی عیش و آرام میں مست ہو کر ہرگز اس دن کو نہیں بھولنا چاہیے جب تم سب اللہ کے حضور حاضر کئے جاؤ گے یہ قیامت کے بعد یوم الحساب کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ "دن" ایسا دن ہو گا کہ کوئی بھی شخص کسی کی سفارش نہ کر سکے گا اور نہ ہی اس کو گناہوں کی سزا سے بچا سکے گا نہ وہاں مال کام آئے گا نہ رتبہ اور نہ ہی فدیہ و زر۔

بنی اسرائیل اس گمان میں تھے کہ ہمارے پاس علماء، فقہاء، اولیاء اور صلحاء موجود ہیں مالی طور پر بھی مستحکم ہیں بھلا ہم سزا کیونکر پائیں گے تو ان کے دعوؤں کو اللہ تعالیٰ نے بے بنیاد قرار دیتے ہوئے فرمایا کہ وہ انصاف کا دن ہو گا، اللہ تعالیٰ کے انصاف کا دن جس میں سوائے اعمال نیک کے اور کچھ کام نہ آئے گا۔ ہر پڑھنے اور سننے والے کو یہ ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ ہمیں اپنے اعمال کا حساب اللہ کو ضرور ضرور دینا ہے اور اس فانی زندگی کے بعد ابدی زندگی ملنی ہے۔ چاہیں تو جہنم کا سامان کر لیں یا جنت کا سامان کر لیں اس سے اگلی آیت میں اور بھی کئی رکوعوں میں بنی اسرائیل کے مشہور ترین واقعات اور نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ سب سے پہلی

نعمت جوان کو دی گئی اس کو تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔ بقیہ کا بیان جاری ہے۔

## بنی اسرائیل پر مصائب

وَ اِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِىْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿49﴾

اور اس وقت کو یاد کرو، جبکہ ہم نے تمہیں فرعون کے لوگوں سے رہائی دی جو تم پر بڑا عذاب کرتے تھے تمہارے بیٹوں کو ذبح کرتے اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑتے تھے اور اس میں تمہارے رب کی طرف سے بڑی آزمائش تھی۔ ﴿49﴾

تشریح: اس آیت کی تشریح ''درس قرآن'' سے ماخوذ ہے، مفسر لکھتے ہیں: ''فرعون مصر کے بادشاہوں کا لقب تھا حضرت یوسف علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو مصر میں لا کر آباد کیا تھا انہیں یہاں رہتے صدیاں گزر گئیں اور ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچ گئی۔ مصر کے بادشاہوں نے انہیں غلام بنالیا اور ان سے نہایت ذلیل اور ناروا سلوک روا رکھا۔ ایک دفعہ مصر کے بادشاہ نے خواب دیکھا۔ صبح کو تمام کاہنوں کو جمع کر کے ان سے اس کی تعبیر پوچھی کہ میں نے بیت المقدس کی طرف سے ایک آگ آتے دیکھی ہے جس نے تمام مصر کو گھیر لیا ہے اور چن چن کر ایک ایک قبطی کو جلا دیا ہے یہ سن کر کاہنوں نے کہا کہ بنی اسرائیل میں ایک شخص پیدا ہوگا جو آپ کی ہلاکت اور سلطنت کے زوال کا باعث بنے گا۔ فرعون نے ملک کی تمام دائیوں کو جمع کر کے حکم دیا کہ بنی اسرائیل میں جو لڑکا پیدا ہو فوراً قتل کر دیا جائے البتہ لڑکی کو زندہ چھوڑ دیا جائے۔ اس حکم کے مطابق بنی اسرائیل کے ہزاروں بچے پیدا ہوتے ہی قتل کر دیئے گئے۔ مصر کے سرداروں کو خیال پیدا ہوا اگر بنی اسرائیل یونہی قتل ہوتے رہے تو ہماری خدمت کون کیا کرے گا یہ سن کر فرعون نے حکم جاری کیا کہ ایک سال قتل جاری رہے اور دوسرے سال بند رہے۔ جس سال یہ قتل بند تھا اس سال حضرت ہارون علیہ السلام پیدا ہوئے جس سال قتل جاری تھا اس سال حضرت موسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی حسن تدبیر سے انہیں قتل ہونے سے بچالیا۔ اس آیت میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ فرعون کی قوم نے بنی اسرائیل کو سخت مصیبت اور مشقت میں ڈال رکھا تھا ان تمام مصائب سے آخر کار اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ نجات دی''۔

یہ بہت عبرت کا نشان ہے کہ بنی اسرائیل جو انتہائی مقبول اللہ قوم تھی محض اپنی گمراہی اور بدعملیوں کی وجہ سے اس حال کو پہنچی اللہ تعالیٰ ہمیں نیک اور سیدھی راہوں پر چلنے کی توفیق دے۔ (آمین)

آخر میں آزمائش کا ذکر ہے کہ یہ تمام تکالیف جو بنی اسرائیل کو پہنچائی گئیں یہ ایک موقعہ دیا گیا کہ دیکھیں ان آزمائشوں سے گزر کر بنی اسرائیل نیکی کی راہیں اختیار کرتے ہیں یا کہ نہیں؟

# فرعون کی غرقابی

وَ اِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَیْنٰكُمْ وَ اَغْرَقْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَ اَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿50﴾

یاد کرو وہ وقت، جب ہم نے سمندر پھاڑ کر تمہارے لئے راستہ بنایا۔ پھر اس میں سے تمہیں بخیریت گزار دیا، پھر وہیں تمہاری آنکھوں کے سامنے فرعونیوں کو غرق کر دیا۔ ﴿50﴾

تشریح: جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا کہ بنی اسرائیل مصریوں کی سختیاں کئی سال تک برداشت کرتے رہے بالآخر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم کو لے کر اپنے آبائی وطن شام ومصر کی طرف چل پڑے۔ اس پر مصری حکومت ان سے سخت ناراض تھی احتیاط کے طور پر بنی اسرائیل نے رات کے وقت سفر شروع کیا۔ اندھیرے کی وجہ سے راستہ سے بھٹک گئے پھر مصری فوج کا خوف بھی طاری تھا گھروں کو چھوڑنے کا دکھ بھی تھا ان تمام پریشانیوں کے ساتھ چل پڑے، سامنے مشرق کی طرف سمندر تھا اور معلوم ہوا کہ مصری فوج کو اطلاع ہو گئی ہے اور وہ ان کے تعاقب میں نکل پڑے ہیں۔ اب بنی اسرائیل کے لئے بہت بڑی مصیبت اور آزمائش پیدا ہو چکی تھی اس وقت اللہ نے ان کی مدد کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنی لاٹھی سمندر میں ماری تو پانی میں خشکی کا راستہ بن گیا۔ بنی اسرائیل بڑے آرام سے خشکی کے راستے سے سمندر کو عبور کرنے میں کامیاب ہو گئے، فرعونیوں نے جو راستہ بنا دیکھا تو پوری فوج راستہ پر چل پڑی مگر یہ راستہ تو صرف بنی اسرائیل کے لئے بنایا گیا تھا جونہی فوج سمندر کے درمیان میں پہنچی، پانی اپنے معمول کے مطابق بہنے لگا اور یوں بنی اسرائیل نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ فرعون اور اس کی پوری فوج سمندر میں غرق ہو گئی یہ ایک اور انعام، معجزہ یا مدد تھی جو اللہ کی طرف سے بنی اسرائیل کی کی گئی۔

یہ ایک بہت بڑی مدد تھی جو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے بنی اسرائیل کو عطا کی، مزید تفصیل یوں بیان کی جا سکتی ہے کہ بحیرہ قلزم جسے بحر احمر بھی کہتے ہیں۔ اسی کے ذریعہ مصر سینا اور شام سے ملتا ہے جزیرہ نمائے سینا میں داخل ہونے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسی بحیرہ قلزم کو معجزانہ طریقہ سے عبور کیا اور اپنی قوم کو فرعون کی غلامی سے نجات دلائی۔ یہ واقع حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے تقریباً 1447 برس قبل کا ہے۔ اگلی آیت میں بنی اسرائیل کی خود سری اور شرک کا بیان ہے۔

# بچھڑے کی پوجا

وَ اِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰۤى اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿51﴾

اور جب ہم نے موسیٰ سے چالیس راتوں کا وعدہ لیا پھر تم نے موسیٰ کے بعد بچھڑے کو معبود بنا لیا اس حال میں کہ تم ظالم تھے۔ ﴿51﴾

تشریح: جب بنی اسرائیل مصر سے آزادی حاصل کر چکے اور اس آزاد قوم کو عملی زندگی کے لئے قوانین اور شریعت کی ضرورت تھی تو

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ چالیس دن تک کوہ طور پر جا کر عبادت کریں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بڑے جلیل القدر نبی تھے۔ آپ کے والد کا نام عمران، بہن کا نام مریم اور بھائی کا نام ہارون تھا آپ کا زمانہ پندرہ سو یا تیرہ سو سال قبل مسیح بیان کیا جاتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارون کو اپنی جگہ سربراہ مقرر کیا کہ ان کی عدم موجودگی میں قوم کو سنبھالے رکھیں اور خود کوہ طور پر چلے گئے ان کے جانے کے بعد قوم نے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی اور اللہ کو بھول گئے۔ ہوا یوں کہ ایک شعبدہ باز سامری نے موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک سونے کا بچھڑا بنایا اس طرح سے کہ جب ہوا اس کے اندر سے گزرتی تو ایک آواز پیدا ہوتی بس اسی چالاکی کو بنی اسرائیل نہ سمجھ سکے اور طلائی بچھڑے کو الٰہ بنا بیٹھے بت پرستی تو ان پر ویسے حاوی تھی ہی بس حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عدم موجودگی میں قوم نے بچھڑے کی پوجا شروع کر دی حضرت ہارون علیہ السلام ان کو سمجھانے اور راہ راست پر رکھنے میں ناکام ہو گئے اور اس طرح قوم نے خود اپنے اوپر ظلم کیا اور اللہ کے نافرمان بندے ہو گئے مگر اللہ نے پھر بھی معافی کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا۔

## معافی کا اعلان

ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾

پھر ہم نے اس پر بھی تمہیں معاف کر دیا کہ شاید اب تم شکر گزار بنو۔ ﴿۵۲﴾

تشریح: حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے معافی کی درخواست کی جو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔ انسان غلطیوں کا پتلا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے، خطاؤں سے چشم پوشی کرتا اور معاف فرماتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے معافی مانگنے پر ان کو معاف کر دیا اور مزید احسان کا اعلان کیا اور فرمایا: یہ اس لئے ہے کہ تم نادم ہو جاؤ اپنے گناہوں پر اور بخشش خداوندی پر اس کے احسان مند بندے بن جاؤ۔

سمجھ یہی آتا ہے کہ انسان کو گناہوں سے بچنا چاہیے لیکن اگر گناہ سرزد ہو جائے تو اللہ سے معافی مانگ لینی چاہیے، وہ بڑا غفور الرحیم ہے، معاف کر دیتا ہے اور معافی کے اس احسان کو یاد رکھنا چاہئے۔ یہ نہیں کہ گناہ کرتے چلے جاؤ اور معافی مانگتے چلے جاؤ، اگلی آیت میں اس مقصد کو بیان کیا گیا ہے، جس کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کوہ طور پر طلب کیا گیا تھا۔

## شرک کی سزا اور موت کے بعد زندگی

وَ اِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ الْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾ وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْۤا اِلٰى بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾ وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ

لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿56﴾

اور جب ہم نے موسیٰ کو کتاب اور حق کو ناحق سے جدا جدا کرنے والے احکام دیئے، تاکہ تم سیدھی راہ پاؤ۔﴿53﴾ جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا تم نے بچھڑا بنا کر اپنا نقصان کیا ہے چنانچہ اب اپنے پیدا کرنے والے کے آگے توبہ کرو آپس میں ایک دوسرے کو قتل کرو یہ تمہارے خالق کے نزدیک تمہارے لئے بہتر ہے، پس اس نے تمہاری توبہ قبول کی، بے شک وہی معاف کرنے والا نہایت مہربان ہے۔﴿54﴾ جب تم نے کہا! اے موسیٰ ہم ہرگز تجھے نہ مانیں گے جب تک کہ اللہ کو کھلم کھلا نہ دیکھ لیں۔﴿55﴾ پھر تمہیں کڑک، گرج نے آلیا اور تم دیکھ رہے تھے پھر ہم نے تمہیں تمہاری موت کے بعد اٹھا کھڑا کیا تاکہ تم احسان مانو۔﴿56﴾

**تشریح:** جب بنی اسرائیل کی توبہ قبول ہوگئی تو وہ دوبارہ کوہ طور پر گئے تب اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمانی کتاب کا تحفہ دیا۔ جس کا نام تورات ہے۔ یہ شریعت، قانون، احکامات اور رشد و ہدایت کا مجموعہ تھا، اسی لئے اس کو فرقان کہا گیا ہے۔ یعنی فرق کرنے والی جھوٹ اور سچ، حق اور باطل کے درمیان اور اس، میں نیک و بد کو جدا جدا کر کے تفصیل سے بتا دیا گیا ہے تاکہ ہر ایک کو واضح طور پر سمجھ آسکے اور بنی اسرائیل پر مزید ایک احسان اللہ تعالیٰ نے اس آسمانی کتاب تورات کے ذریعہ کیا۔ اسی طرح قرآن مجید کو بھی فرقان کہا گیا ہے۔ تمام بنی نوع انسان کو چاہیے کہ وہ ان تمام قرآنی احکامات پر صدق دل سے ایمان لائیں جیسا کہ بنی اسرائیل کو اس آیت میں حکم دیا گیا ہے، کیونکہ فلاح دارین اسی میں ہے کہ حق و باطل کا فرق سمجھ کر اپنے اعمال وافعال کو صحیح سمت میں رکھ کر دنیا و آخرت میں کامیابیاں حاصل کریں اور عذاب الٰہی سے بچ سکیں۔ اگلی آیت میں بنی اسرائیل کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ تم نبی کی عدم موجودگی میں حق پر قائم نہ رہ سکے اور تم نے اللہ کی بجائے بچھڑے کی عبادت شروع کردی اور یوں تم نے اپنے آپ پر بہت ظلم کیا اس کی سزا یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے احکام سے پھر جانے والوں کو قتل کرو، تاکہ صفائی ہو جائے اور تمہاری توبہ قبول ہو جائے۔ بنی اسرائیل نے حکم کی تعمیل کی اور یوں ان کی توبہ قبول ہوگئی۔ بے شک اللہ تعالیٰ غفور الرحیم ہے۔

انسان سے بھول چوک ہو جائے تو معافی مانگ لینا انسان کے لئے بہترین ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر معافی مانگنے والے پر مہربانی فرماتا ہے، اور ہر ایک کو معاف کرنے والا ہے۔ اگلی آیت میں اس واقعہ کو بیان کیا گیا ہے، کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے احکامات الٰہی قوم کو دیئے تو کچھ شریر لوگ کہنے لگے کہ ہم تو خود اپنی آنکھوں سے اللہ کو دیکھنا چاہتے ہیں پھر ہماری تسلی ہوگی اور ہم ایمان لائیں گے۔ لہٰذا ستر منتخب آدمی لے کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر گئے۔ اللہ نے ان کو سزا دی کیونکہ اللہ تعالیٰ کو بے حجاب دنیا میں دیکھنے کی آرزو ایک گستاخی اور مجرمانہ فعل ہے۔ اللہ نے ان پر آسمان سے بجلی گرائی اور وہ تمام وہیں مر گئے پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی درخواست پر ان کو زندہ کیا اس آیت میں اسی احسان کا ذکر کیا گیا ہے کہ تمہیں سزا کے طور پر مار دیا گیا تھا لیکن پھر احسان کے طور پر دوبارہ زندہ کیا گیا اب تو تمہیں عقل آنی چاہیے کہ بے دینی، بے راہروی اور گمراہی کے بجائے نیکی، فلاح اور دین کا راستہ ہی نجات کا راستہ

ہے یہاں بھی پوری نسل انسان کو سبق ملتا ہے کہ دین حق میں نکتہ چینی، کٹ حجتی اور شکوک وشبہات کی گنجائش ہرگز نہیں ہونی چاہیے دین حق میں ہی انسان کی بھلائی ہے اور یہی نیکی اور فلاح کا راستہ ہے شریعت اور احکام الٰہی کو صدق دل سے قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا معراج انسانیت ہے اور رضا الٰہی حاصل کرنے کا ٹھیک راستہ ہے جو جنت کو جاتا ہے اور دنیا میں بھی امن وسکون کے پھول بکھیر دیتا ہے۔ اللہ ہمیں اپنی اطاعت وفرمانبرداری کی توفیق وہمت دے۔ (آمین)

صحیح بخاری وصحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ:

میں نے نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے سنا! میں جس چیز سے تمہیں روکوں اس سے بچو اور جس چیز کا حکم دوں اسے بجالاؤ بے شک تم سے پہلے لوگوں کو ان کے سوالات کی کثرت اور انبیاء سے اختلاف ہی نے ہلاک کیا''۔

کثرت سوال سے منع کیا گیا ہے اور اتباع رسول ﷺ کا حکم دیا گیا ہے۔

## اپنے آپ پر ظلم

وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَ مَا ظَلَمُوْنَا وَ لٰكِنْ كَانُوْۤا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿57﴾

ہم نے تم پر بادل کا سایہ کیا، من وسلویٰ کی غذا تمہیں فراہم کی اور تم سے کہا! جو پاک چیزیں ہم نے تمہیں عطا کی ہیں انہیں کھاؤ مگر تمہارے اسلاف پر ہم نے جو کچھ کیا وہ ان پر ظلم نہ تھا بلکہ انہوں نے خود اپنے اوپر ہی ظلم کیا۔ ﴿57﴾

**تشریح:** اس آیتِ مبارکہ میں ایک اور احسان کا ذکر کیا جارہا ہے۔ جزیرہ نمائے سینا میں کوئی جائے پناہ نہ تھی یعنی کوئی سایہ نہ تھا ہزاروں کی تعداد میں بنی اسرائیل وہاں ٹھہرے ہوئے تھے، اور لوگ دھوپ کی تپش سے بے چین ہورہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر ابر سے سایہ کا انتظام کردیا اور کھانے پینے کا سامان بھی کردیا کہ بڑی ہی معمولی محنت سے ان لاکھوں افراد کا پیٹ بھرتا رہا وہ خوراک من وسلویٰ کے نام سے مشہور ہے۔ ''من'' تو دھنیا کے دانوں کی طرح اوس کی شکل میں آسمان سے گرتی جسے وہ اکٹھا کرلیتے اور ''سلویٰ'' یہ چھوٹے بٹیر کی شکل میں ان کو دیئے گئے یہ نیچی پرواز کرتے اور بڑی آسانی سے پکڑ لئے جاتے تھے۔ بنی اسرائیل ان کو پکڑ لیتے اور اپنی خوراک کے طور پر استعمال کرتے یہ خوراک اللہ کی طرف سے چالیس سال تک بنی اسرائیل کو بغیر کسی اضافی محنت کے مہیا کی گئی۔ یہ بہت بڑا انعام تھا اس قوم پر جو اللہ تعالیٰ نے ان پر کیا ان کو یہ حکم دیا گیا تھا کہ ان خدائی نعمتوں کا ذخیرہ نہ کریں ہر روز ضرورت کے مطابق لے لیا کریں مگر ان لوگوں نے نافرمانی کی اور خوراک جمع کرنی شروع کردی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ خوراک اترنی بند ہوگئی اور اس طرح ان لوگوں نے حکم عدولی کرکے خود اپنے اوپر ظلم کیا اور یوں اس نعمت الٰہی سے محروم ہوگئے۔ اگلی آیت میں بنی

اسرائیل پر ایک اور احسان کا ذکر کیا گیا ہے مندرجہ بالا آیت میں ذخیرہ اندوزی سے منع کیا گیا ہے نبی ﷺ کا ارشاد ہے:

''بازار میں چیزیں لانے والے کو رزق ملتا ہے اور ذخیرہ اندوز لعنتی ہے''۔ ذخیرہ اندوزی کسب حلال کے منافی ہے قومی معیشت کی ایک بیماری ہے۔

## بنی اسرائیل کی شہری زندگی

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّ قُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ۭ وَ سَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿58﴾

اور جب ہم نے کہا اس شہر میں داخل ہو جاؤ پھر کھاؤ اس میں جہاں چاہو بافراغت اور دروازہ سے داخل ہو تو سجدہ کرتے ہوئے اور کہتے جاؤ بخش دے ہم تمہارے قصور معاف کر دیں گے اور عنقریب نیکی کرنے والوں کو ہم زیادہ دیں گے۔ ﴿58﴾

**تشریح:** اللہ تعالی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کنعان کی سرزمین دکھائی اور خوشخبری دی کہ بنی اسرائیل کو میں یہ ملک دیتا ہوں اور عنقریب تم شہر اریحا کو فتح کرو گے یہاں تمہیں بافراغت ہر وہ چیز ملے گی جس کی تم لوگ خواہش رکھتے ہو تو اس کا شکر یہ اس طرح ادا کرنا کہ جب شہر میں داخل ہو تو غرور اور گھمنڈ کی بجائے عاجزی وانکساری کی وجہ سے سر کو جھکائے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے داخل ہونا۔ اللہ ہمیں معاف کر دے اس طرح ہم تمہارے گناہ معاف کر دیں گے اور نیک بندوں کو اور بھی زیادہ انعامات دیں گے، مگر بنی اسرائیل نے نافرمانی کی اور عذاب کے مستحق ہوئے۔ آئندہ آیات میں اس کی تفصیل بیان کی جائے گی۔

## کلام الٰہی میں تحریف کی سزا

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿59﴾ ع 6 13 6

ظالموں نے اس بات کو اس کے خلاف بدل ڈالا جو ان سے کہی گئی تھی۔ پھر ہم نے ظالموں پر آسمان سے عذاب اتارا چونکہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔ ﴿59﴾

**تشریح:** اس آیت میں تحریف کلام الٰہی کی سزا کا ذکر کیا گیا ہے اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ جب حضرت یوشع علیہ السلام کا زمانہ آیا تب بنی اسرائیل نے اریحا شہر کو فتح کیا، مگر بتائے ہوئے لفظ کو بدل کر اور غرور ونخوت سے شہر میں داخل ہوئے۔ حکم ہوا تھا کہ شہر میں داخلہ کے وقت ''حِطَّةٌ'' یعنی استغفار کہنا مگر بنی اسرائیل نے اس کو ''حِنْطَةٌ'' کہنا شروع کر دیا مزید نافرمانی یہ کی کہ بجائے عاجزی وانکساری کے اکڑتے ہوئے نخوت وغرور کا اظہار کرتے ہوئے شہر میں داخل ہوئے اس صریح نافرمانی کی بدولت ان پر

عذاب الٰہی نازل ہوا، طاعون کی بیماری پھوٹ پڑی اور ستر ہزار اسرائیلی اس عذاب کا شکار ہو گئے۔ اس سے سبق یہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے انعام واکرام کا شکریہ ادا کرتے ہوئے سیدھی راہ اختیار کرنی چاہیے نہ کہ نافرمانی اور غرور کا مظاہرہ کریں تو ایسی صورت میں عذاب الٰہی ضروری ہو جاتا ہے جو لوگ تکبر کرتے ہیں۔ اللہ انہیں پسند نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ بڑا غفور الرحیم ہے بنی اسرائیل کے قصہ سے صاف عیاں ہے کہ اللہ تعالیٰ بنی نوع انسان کو سبق سکھا رہا ہے کہ وہ کس قدر کرم نواز ہے مگر اتنا بھی نہیں کہ بدکار، نافرمان اور ظالم انسانوں کو سزا ہی نہ دے۔ بار بار معاف کرنا اور سزا دے کر سمجھانا یہ شان کریمی نہیں تو اور کیا ہے، نخوت غرور بے راہ روی اور نافرمانی یقیناً قوموں کے زوال کا باعث بنتی ہے۔ استغفار کرتے رہنا چاہیے اور دعا مانگتے رہنا چاہیے انسان کی بھلائی اسی میں ہے کیونکہ گناہ اندھیرا ہے اور توبہ روشنی اور گناہوں پر نادم ہونا ان کو مٹا دیتا ہے۔

## بارہ چشموں کا معجزہ

وَ اِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَیْنًا ؕ قَدْ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ؕ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا مِنْ رِّزْقِ اللّٰهِ وَ لَا تَعْثَوْا فِی الْاَرْضِ مُفْسِدِیْنَ ﴿60﴾

اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لئے پانی مانگا تو ہم نے کہا پتھر پر اپنا عصا مارو، چنانچہ اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے اور ہر قبیلہ نے جان لیا کہ کونسی جگہ اس کے پانی لینے کی ہے۔ اس وقت یہ ہدایت کردی گئی تھی کہ اللہ کا دیا ہوا رزق کھاؤ پیئو اور زمین میں فساد نہ پھیلاتے پھرو۔ ﴿60﴾

**تشریح:** جزیرہ نمائے سینا میں بسیار تلاش کے بعد بھی جب بنی اسرائیل کو پانی نہ ملا، تو حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بگڑنے لگے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے ان پر ایک فضل اور کیا وہ اس طرح کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ فلاں پتھر پر اپنا عصا مارو جب انہوں نے عصا مارا تو اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ اس لئے کہ بنی اسرائیل کے بارہ قبیلے تھے مصلحت یہ تھی کہ اپنا اپنا چشمہ سنبھال لیں اور دنگا فساد نہ کریں۔ اللہ نے فرمایا کہ میرا دیا ہوا رزق کھاؤ اور پانی پیو، سکون سے رہو اور فتنہ وفساد نہ پھیلاؤ۔ سبق اس سے یہی ملتا ہے کہ جب کوئی سہارا نہ ملے تو اللہ کو سچے دل سے پکارو وہی مسبب الاسباب ہے۔ اس کی رحمت سے ناامید ہونا گناہ ہے مگر اس کی رحمتوں، برکتوں اور عنایتوں کا شکر ادا نہ کرنا بڑا گناہ اور عذاب الٰہی کو دعوت دینے کے برابر ہے اللہ کا پوری انسانیت کو یہی حکم ہے کہ اللہ کے فضل سے پوری طرح لطف اندوزی کرو مگر صبر، سکون نیکی، راست بازی، اللہ کی فرمانبرداری اور شکر کے ساتھ۔ یہ نہیں کہ فخر و غرور سے اکڑتے ہوئے دنگا فساد مچاؤ اور عذاب الٰہی کو دعوت دو۔ تفہیم القرآن میں ہے کہ ''مذکورہ چٹان اب تک جزیرہ نمائے سینا میں موجود ہے اور اس میں بارہ چشموں کے شگاف بھی پائے جاتے ہیں یہ سب کچھ انسان کی تربیت کے لئے بیان کیا جا رہا ہے کہ

سبق حاصل کریں۔اگلی آیت میں بنی اسرائیل کی بے صبری اور ناشکری کا بیان درج ہے۔

## بنی اسرائیل کی بے صبری

وَ اِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَ قِثَّآئِهَا وَ فُوْمِهَا وَ عَدَسِهَا وَ بَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِيْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَ ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَ الْمَسْكَنَةُ ۗ وَ بَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿61﴾ ع 7/2/7

اور جب تم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا! کہ ہم ایک ہی طرح کے کھانے پر صبر نہیں کر سکتے۔اپنے رب سے دعا کرو کہ ہمارے لئے زمین کی پیداوار ساگ، ترکاری، کھیرا، ککڑی، گیہوں، لہسن، پیاز دال وغیرہ پیدا کرے۔تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا! کیا ایک بہتر چیز کے بجائے ادنیٰ درجہ کی چیزیں لینا چاہتے ہو؟ اچھا کسی شہری آبادی میں جا رہو جو کچھ تم مانگتے ہو وہاں مل جائے گا آخر کار نوبت یہاں تک پہنچی کہ ذلت وخواری پستی وبدحالی ان پر مسلط ہوگئی اور وہ اللہ کے غضب میں گھر گئے یہ نتیجہ تھا اس کا کہ وہ اللہ کی آیات سے کفر کرنے لگے اور پیغمبروں کو ناحق قتل کرنے لگے یہ نتیجہ تھا ان کی نافرمانیوں کا اور اس بات کا کہ وہ حدود شرع سے نکل جاتے تھے۔﴿61﴾

**تشریح:** یہ آیت بنی اسرائیل کے ان اعمال کی طرف اشارہ کرتی ہے۔جو کچھ انہوں نے جزیرہ نمائے سینا میں کیا۔من وسلویٰ ایک طویل مدت تک وہ لوگ مزے سے بغیر کسی تکلیف کے کھاتے رہے۔آخر ان کی شرارت، ناشکری اور فساد کی عادت نے پھر سر اٹھایا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ ہمیں کہیں دوسری جگہ لے کر چلیں جہاں پر ہر قسم کے شہری ودیہاتی کھانے مثلاً سبزیاں، ترکاریاں وغیرہ موجود ہوں۔ہم یہ آسمانی خوراک کھاتے کھاتے اکتا گئے ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو سمجھانے کی کوشش کی کہ یہ چیزیں ان چیزوں سے کئی گنا بہتر ہیں ان کے حصول کیلئے تمہیں محنت کرنا پڑے گی جبکہ یہ مفت میں مل رہی ہیں جب بنی اسرائیل کسی صورت ماننے کو تیار نہ ہوئے تو پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اچھا جاؤ کسی بہتر شہر میں جا بسو وہاں تمہیں پسند کے کھانے مل جائیں گے اس ناشکری پر اللہ تعالیٰ بہت ناراض ہوئے اور ان پر ذلت چسپاں کر دی گئی۔چنانچہ یہ قوم ہمیشہ مسلمانوں اور نصاریٰ کے ماتحت رہی۔

مئی 1949ء میں اسرائیلی ریاست قائم ہوئی مگر وہ بھی مغربی حکومتوں کے سہارے اور ان کی بقاء بھی انہیں کی وجہ سے ہے۔ذلت کے علاوہ غربت اور محتاجی ان پر ڈال دی گئی، چند لوگ امیر ہیں مفلس اکثریت میں ہیں۔یہ لوگ دولت کی ہوس اور طمع میں زندگی گزار رہے ہیں یہ سب کچھ ان کے ساتھ محض نافرمانی، جہل وحجت اور ناشکری کی وجہ سے ہوا۔انسان کو اللہ کی رضا پر راضی

رہتے ہوئے ہمیشہ ذکر وشکر کے ساتھ پاکیزہ زندگی گزارنی چاہیے ورنہ نعمت بھی چھن جاتی ہے اور عذاب الٰہی سے دوچار بھی ہونا پڑتا ہے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ:

بنی اسرائیل دو جرموں کے عادی ہو چکے تھے، ایک یہ کہ وہ حکم اللہ وندی پر عمل نہ کرتے تھے ہر بات میں ایک نافرمان بگڑے ہوئے بچے کی طرح خواہ مخواہ کی حجتیں نکالتے اور ہر بات پر اعتراضات کرتے۔ دوسرا بہت بڑا اور سنگین جرم انہوں نے یہ کیا کہ جتنے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بھیجے گئے وہ کسی کو خاطر میں نہ لاتے بلکہ ان کے ساتھ کھلی دشمنی کرتے ان پر الٹے سیدھے بہتان باندھتے اور بعض کو تو انہوں نے قتل تک کروا دیا۔ اس آیت میں کھول کر بیان کر دیا گیا ہے کہ وہ نبی کی اطاعت اور اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے اصول بڑی ڈھٹائی سے توڑتے ان تمام حدود کو پار کرنے کی کوشش میں رہتے جو کتاب وشریعت نے ان پر عائد کر رکھی تھیں۔ ظاہر ہے ایک ایسی نافرمان منہ زور اور منکر قوم کا نتیجہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ ان پر عذاب الٰہی نازل ہو سو ان پر ذلت مسلط کر دی گئی اور غربت ان کے نصیب میں لکھ دی گئی ہمیں تمام مسلمانوں کو سبق سیکھنا چاہیے اور رشد وہدایت کو اختیار کر کے نجات دارین حاصل کرنی چاہیے یہ سب کچھ تمام قوموں پر بھی لاگو ہے۔ اور انفرادی حیثیت سے بھی ہر انسان پر بھی لاگو ہے عیش پسندی سے بچنا چاہیے کیونکہ اللہ کے پسندیدہ بندے عیش پسند نہیں ہوتے ناشکری اللہ کے غضب کو دعوت دیتی ہے۔

## ایمان اور عمل صالح کا اجر

إِنَّ الَّذِينَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَ النَّصٰرٰى وَ الصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ عَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿62﴾

بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صابی جو بھی ایمان لایا اللہ پر اور روز قیامت پر اور نیک کام کیے تو ان کے لئے انکے رب کے پاس بدلہ ہے۔ اور ان پر کچھ خوف نہیں اور نہ وہ غمگین ہونگے۔ ﴿62﴾

تشریح: اس آیت مبارکہ میں بنی اسرائیل کی اس غلط فہمی کو دور کر دیا گیا ہے جو وہ سمجھتے تھے کہ ہم تو اللہ تعالیٰ کی مقبول ترین قوم ہیں۔ ہمارے سوا تمام لوگ جہنم میں جائیں گے اور ہم تو بخشے ہوئے ہیں ہم تو اللہ کے بڑے قریبی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اعلان کیا ہے کہ اس کے نزدیک نام، خاندان، لقب، نسل اور کسی خاص قوم کو کوئی خاص امتیاز حاصل نہیں ہے۔ صرف ان لوگوں کی نجات ہوگی جن میں دو چیزیں موجود ہوں۔ اول یہ کہ وہ اللہ اور آخرت کو دل سے مانیں دوسرے یہ کہ نیک کام کریں ایسے لوگ چاہے یہودی ہوں نصاریٰ یعنی مسیح کی امت سے ہوں یا صابی ہوں۔ صابی ایک فرقہ تھا جو فرشتوں کی پرستش کرتے زبور پڑھتے اور عبادت میں کعبہ کی طرف منہ کرتے عرب انہیں صابی (بے دین) کہتے تھے تو اللہ کے مقبول بندے وہ ہیں جو اللہ کو مانیں اس

کے احکام کو مانیں رسول ﷺ کو مانیں، آخرت کو مانیں اور جزاء وسزا کو مانیں یہ سب ضروری ہے نہ کہ حسب نسب کی رعایت دی جائے گی صرف اور صرف ایمان بالیقین اور عمل صالح کا اجر اللہ تعالیٰ کے ہاں ملے گا۔ سورۃ الضحیٰ میں آتا ہے:

''اور بیشک آخرت کی زندگی بہتر ہے آپ کے لئے دنیا کی پہلی زندگی سے۔'' (آیت 4)

## قانون فطرت سے منہ موڑنے کی سزا

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَكُمْ وَ رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَاۤ اٰتَیْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اذْكُرُوْا مَا فِیْهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿63﴾ ثُمَّ تَوَلَّیْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۚ فَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَ رَحْمَتُهٗ لَكُنْتُمْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَ ﴿64﴾

اور جب ہم نے تم سے اقرار لیا اور تم پر کوہ طور بلند کیا کہ ہم نے جو کتاب تمہیں دی ہے اسے مضبوطی سے پکڑو اور اس میں جو کچھ ہے اسے یاد رکھو تاکہ متقی بن جاؤ۔ (63) پھر تم اس کے بعد پھر گئے سو اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی مہربانی نہ ہوتی تو تم ضرور تباہ ہو جاتے۔ (64)

**تشریح:** اس آیت میں بھی بنی اسرائیل کی ڈھٹائی کا ذکر اس انداز میں کیا گیا ہے کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بار بار اصرار کیا کہ ہمیں مستند کتاب لا کر دیجئے، جس میں زندگی گزارنے کے بہترین احکامات درج ہوں۔ اللہ نے ان کو تورات عطا کی، مگر اس پر انہوں نے یہ اعتراض لگا دیا کہ یہ تو بہت مشکل ہے اس پر عمل کرنا ہمارے بس میں نہیں۔ اللہ نے ان کو سیدھا رکھنے کے لئے کوہ طور کو اس انداز سے ان کے اوپر کر دیا کہ وہ خوف زدہ ہو گئے اور ڈر کے مارے تورات کے تمام احکامات کو ماننے لگے اور فرمانبردار بن گئے۔ بنی اسرائیل سے وعدہ لیا گیا کہ وہ تورات کے احکامات کو زندگی بسر کرنے کا قانون بنائیں گے اور پوری طرح اس پر عمل کریں گے تاکہ ان میں عذاب الٰہی اور عذاب آخرت کا ڈر پیدا ہو اور وہ لوگ تقویٰ کی زندگی بسر کریں گے۔ لیکن یہ لوگ پھر کتاب الٰہی سے منکر ہو گئے۔ اللہ نے ان کو پھر اپنے فضل سے معاف کر دیا۔ اللہ نے تو ہمیشہ ہی ان پر فضل و کرم کیا، فرعون کی غلامی سے نجات دلائی، پھر جزیرہ نمائے سینا میں ٹھکانہ دیا، آسمانی رزق نازل کیا، دھوپ سے بچایا، پانی عطا کیا، تورات عطا کی مگر وہ قوم تو شروع سے ہی ناشکری اور نافرمان تھی ہر بار اپنا عہد توڑ دیا اور نافرمان ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کو سخت سزا دے کر تباہ و برباد کر دیتا مگر اس نے مزید ان پر اپنا فضل کیا اور ہدایت کے لئے حضرت سموئیل علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت سلیمان علیہ السلام اور کئی دوسرے انبیاء بھیجے مگر وہ تو اپنی تباہی کا سامان تیار کر ہی چکے تھے انہوں نے نیکی کا راستہ اختیار نہ کیا یہ صرف اللہ کا فضل اور مہربانی تھی جو ان کو مہلت ملتی چلی گئی ورنہ وہ تو اپنی بربادی کا سامان مکمل کر چکے تھے۔

حدیث میں ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب اللہ نے مخلوق کو پیدا کیا تو اپنی کتاب (لوح محفوظ) میں یہ لکھ دیا کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب آئے گی اور یہ کتاب عرش پر اللہ کے پاس موجود ہے۔ (صحیح مسلم)

# صورتیں مسخ ہونا

وَ لَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِیْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِی السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕیْنَ ﴿65﴾ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهَا وَ مَا خَلْفَهَا وَ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِیْنَ ﴿66﴾

اور تم ان لوگوں کو خوب جان چکے ہو جنہوں نے تم میں سے ہفتہ کے دن میں زیادتی کی تھی تو ہم نے ان سے کہا ذلیل بندر ہو جاؤ۔﴿65﴾
پھر ہم نے اس واقعہ کو ان لوگوں کے لئے عبرت بنایا جو وہاں تھے اور جو پیچھے آنے والے تھے اور ڈرنے والوں کے لئے نصیحت بنایا۔﴿66﴾

تشریح: اس آیت میں ہفتہ کے دن کی حرمت اور حدود سے نکل جانے کی سزا کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانہ کا ہے آپ کا زمانہ مطابق 973 سے 1013 قبل مسیح تک رہا اور ساحل سمندر پر ایلہ مقام ہے اور موجودہ جغرافیہ میں اس کا نام خلیج عقبہ کی مشہور بندرگاہ عقبہ ہے۔ یہودیوں کی بہت بڑی تعداد ایلہ میں مقیم تھی۔ یہودیوں کے لئے ہفتہ کا دن مقدس قرار دیا گیا اور اس دن پابندی یہ لگائی گئی کہ کوئی کاروبار حتیٰ کہ کھانا پکانا بھی منع کر دیا گیا اور یہ دن صرف عبادت کے لئے مخصوص کر دیا گیا۔ خاص طور سے ہفتہ کے روز مچھلیاں پکڑنا بالکل ممنوع کر دیا گیا تھا۔ اصل میں قوم کی یہ آزمائش تھی، یہودیوں نے اللہ کے حکم کی ظاہری صورت برقرار رکھتے ہوئے حیلہ سازی سے ایک تدبیر نکالی وہ ہفتہ کے دن دریا کے قریب گڑھے کھود لیتے ان گڑھوں میں بڑی مقدار میں مچھلیاں جمع ہو جاتیں اگلے دن دریا کا راستہ بند کر کے تمام مچھلیاں پکڑ لیتے۔ اس مسلسل نافرمانی پر اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ سزا دی کہ وہ انسان سے بندر بنا دیئے گئے اس واقعہ کو خود اس قوم کے لئے اور تمام انسانوں کیلئے عبرت کا نشان بنا دیا گیا ہے کہ سب لوگ اللہ کی نافرمانی کے انجام سے آگاہ ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ کی پکڑ بڑی سخت ہے اس لئے ہر وقت اس کے غضب کو سامنے رکھتے ہوئے فرمانبرداری اور تقویٰ کی راہ اختیار کرنی چاہئے۔ تقویٰ ہی تمام نیکیوں کی جڑ ہے، تقویٰ کی تعریف متعدد بار بیان کی جا چکی ہے۔ آخر میں یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی یقیناً بڑے عذاب کا سبب بنتی ہے انسان کا بندر بن جانا تاریخ کا یہ واقعہ عبرتناک ہے اللہ کے غصہ اور عذاب سے ڈرتے رہنا چاہئے۔

# گائے ذبح کرنے کا حکم

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖۤ اِنَّ اللّٰهَ یَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْۤا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿67﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ یُبَیِّنْ لَّنَا مَا هِیَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ یَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّ لَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَیْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ﴿68﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ یُبَیِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ؕ قَالَ اِنَّهٗ یَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَآءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِیْنَ ﴿69﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ یُبَیِّنْ

لَنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ؕ وَ اِنَّاۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ﴿70﴾ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَ لَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ؕ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ؕ فَذَبَحُوْهَا وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿71﴾ ع 8/10/8

اور جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے کہا! کہ بے شک اللہ تمہیں فرماتا ہے کہ گائے ذبح کرو، وہ کہنے لگے کیا تم ہم سے ہنسی کرتے ہو؟ وہ بولے اللہ کی پناہ کہ میں جاہلوں میں سے ہوں۔ ﴿67﴾ وہ بولے کہ اچھا اپنے رب سے درخواست کرو کہ وہ ہمیں اس گائے کی کچھ تفصیل بتائے۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا! اللہ کا ارشاد ہے کہ وہ گائے ایسی ہونی چاہیے جو نہ بوڑھی ہو نہ بچھیا، بلکہ اوسط عمر کی ہو، لہٰذا جو حکم دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرو۔ ﴿68﴾ پھر کہنے لگے اپنے رب سے یہ بھی پوچھ دو کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا! وہ فرماتا ہے کہ زرد رنگ کی گائے ہونی چاہیے، جس کا رنگ ایسا شوخ ہو کہ دیکھنے والوں کا دل خوش ہو جائے۔ ﴿69﴾ پھر بولے کہ اپنے رب سے صاف صاف پوچھ کر بتاؤ کہ کیسی گائے مطلوب ہے، ہمیں اس کی تعیین میں اشتباہ ہو گیا ہے اللہ نے چاہا تو ہم اس کا پتہ پالیں گے ﴿70﴾ موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ اللہ فرماتا ہے ایسی گائے کہ جس سے خدمت نہ لی جاتی ہو، نہ زمین جوتتی ہو نہ پانی کھینچتی ہو صحیح سالم اور بے داغ ہو۔ اس پر وہ پکار اٹھے کہ ہاں اب تم نے ٹھیک کہا ہے ٹھیک پتہ بتایا ہے پھر انہوں نے اسے ذبح کیا، ورنہ وہ ایسا کرتے معلوم نہ ہوتے تھے۔ ﴿71﴾

**تشریح:** ان پانچ آیات میں بنی اسرائیل اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان وہ بات چیت بیان کی گئی ہے۔ جس میں بنی اسرائیل کو اللہ نے ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیا اور انہوں نے اس معمولی حکم کو اپنی کٹ حجتی کی وجہ سے کافی مشکل بنالیا ظاہر ہوا کہ اللہ کا حکم بلا چوں وچرا مان لینا انسان کا فرض ہے کیونکہ اللہ کے ہر حکم میں حکمت ہوتی ہے جو ضروری نہیں کہ انسان کی عقل میں آجائے بندے کی بندگی یہی ہے کہ اس کے ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرے اور بخوشی اس کو مان لے۔ گزشتہ آیات میں واقعہ بیان کیا جارہا ہے کہ بنی اسرائیل کو گائے ذبح کرنے کا حکم ملا مگر انہوں نے مسلسل کٹ حجتی سے اس مسئلہ کو مشکل ترین بنادیا۔ بالآخر اللہ نے بتادیا کہ وہ گائے نہ بہت بوڑھی ہو، نہ چھوٹی عمر کی ہو، اس کا رنگ زرد ہو۔ وہ دیکھنے والوں کو بہت بھلی معلوم ہوتی ہو اس پر پھر انہوں نے حجت بازی کی تو انہیں بتایا گیا کہ وہ گائے کاشتکاری کے کام نہ آتی ہو اس پر کوئی داغ دھبہ نہ ہو تب وہ بولے کہ ہاں اب ہمیں سمجھ آگیا ہے۔ غرض بے شمار حجتوں کے بعد انہوں نے گائے ذبح کی۔ اللہ کی حکمتیں تو انسان کے ادراک سے باہر ہیں مگر یہاں یہی سمجھ میں آتا ہے کہ ایک تو گائے کی حرمت بنی اسرائیل کے دلوں سے دور کرنا مقصود تھا، کیونکہ مصر کے ماحول سے ان میں بھی گائے پرستی تقریباً جڑ پکڑ چکی تھی اور دوسرے مقتول کو زندہ کر کے قاتل کا نام و پتہ معلوم کرانا مقصود تھا قاتل و مقتول کا ذکر آئندہ آیت میں کیا جارہا ہے ملاحظہ ہو۔ مگر زیادہ سوال و جواب کرنے کی ممانعت ہے۔ سورہ المائدہ کی آیت 101 میں اللہ نے فرمایا:

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو ایسی باتیں نہ پوچھا کرو جو اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں ناگوار ہوں"۔
گائے ذبح کرنے میں زیادہ سوالوں کی وجہ سے گائے کا انتخاب مشکل مسئلہ ہو گیا۔

## مردے کا زندہ ہونا

وَ اِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۚ وَ اللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۚ ﴿72﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ
بِبَعْضِهَا ۚ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَ يُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿73﴾

اور تمہیں یاد ہے وہ واقعہ جب تم نے ایک شخص کی جان لی تھی پھر اس کے بارے میں جھگڑنے لگے اور ایک دوسرے پر قتل کا الزام تھوپنے لگے تھے اور اللہ نے فیصلہ کر دیا تھا کہ جو کچھ تم چھپاتے ہو میں اسے کھول کر رکھ دوں گا ﴿72﴾ اس وقت ہم نے حکم دیا کہ مقتول کی لاش کو اس کے کسی حصہ سے لگاؤ دیکھو اس طرح اللہ مردوں کو زندگی بخشتا ہے اور تمہیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو ﴿73﴾

تشریح: بنی اسرائیل میں ایک شخص قتل ہو گیا تھا مگر اس کے قاتل کا سراغ ملنا مشکل ہو گیا تھا اس پر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ایک گائے ذبح کر و اس کا ایک ٹکڑا مقتول کے جسم پر مارو چنانچہ ایسا کرنے سے مقتول زندہ ہو گیا اس نے قاتل کا نام پتہ بتایا اور پھر مر گیا۔ اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت ظاہر ہوتی ہے کہ مردہ کو زندہ کرنا اس کے لئے آسان ہے اور پھر یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ دوبارہ زندہ کرنے کا اختیار رکھتا ہے حیات بعد الممات کی تصدیق ہوتی ہے ایک حکم سے کئی نکتے سامنے آ گئے۔ ایک تو قاتل و مقتول کا مسئلہ حل ہو گیا، دوسرے گائے کی عظمت و تقدیس کو ختم کیا گیا، تیسرے حکم خداوندی میں کٹ حجتی کا انجام کہ معمولی حکم بنی اسرائیل کی حجت بازی سے کافی مشکل صورت اختیار کر گیا اور بالآخر اسی گائے کی نشاندہی کر دی گئی جس کی وہ لوگ پرستش کرتے تھے۔ سبق یہ ملا کہ پچھلی قوموں کے حالات سے نصیحت حاصل کریں اللہ کے احکامات کی بلا حجت تعمیل کریں اللہ کی عظمت و کبریائی کو ہر وقت دل و دماغ میں پیوست رکھیں اس کے کسی حکم کو مذاق یا معمولی نہ سمجھیں جو سمجھ میں آئے ٹھیک جو سمجھ میں نہ آئے اس کو بلا چون و چراں مان لیں، اللہ کی حکمتیں انسان کی عقل سے باہر ہیں۔ یہود انہی تمام صفات سے عاری تھے اسی لئے مقبول ترین قوم ہونے کے باوجود اللہ نے ان کو ذلت و خواری سے دوچار کیا۔ یہ واقعات اور نصیحتیں اللہ تعالیٰ اس لئے بیان فرماتا ہے کہ لوگ ان میں غور کریں اور اپنی زندگیوں کو سنوار لیں اور گزشتہ اقوام کے حالات سے سبق حاصل کریں۔ اگلی آیت میں یہود کی سنگدلی کا ذکر مثالوں کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

## یہود

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۚ وَ اِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا

يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَ اِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾

مگر ایسی نشانیاں دیکھنے کے بعد بھی آخر تمہارے دل سخت پتھر ہو گئے، بلکہ سختی میں کچھ ان سے بھی بڑھ گئے کیونکہ پتھروں میں سے کچھ ایسے بھی ہوتے ہیں جن سے چشمے پھوٹ پڑتے ہیں، کوئی پھٹتا ہے اور اس میں سے پانی نکل آتا ہے اور کوئی اللہ کے خوف سے لرز کر گر بھی پڑتا ہے اللہ تمہارے کرتوتوں سے بے خبر نہیں۔ ﴿۷۴﴾

تشریح: اس آیت مبارکہ میں یہود کی ہٹ دھرمی، نااہلی اور ڈھٹائی کا ذکر کیا گیا ہے کہ ان کو بار بار اللہ کی رحمت، برکت اور معافی کا سبق دیا گیا اور ہر طرح سے سمجھانے کی کوشش کی گئی کہ نیکی کی راہ اختیار کریں۔ گمراہی اور شرک وکفر سے بچیں مگر وہ ماننے کو تیار نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کی سختی کے لئے پتھروں کی مثال دی ہے کہ ان میں بھی اتنا شعور اور خوف اللہ موجود ہے کہ وہ اپنی انتہائی سختی کے باوجود کبھی پانی کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ یعنی ان میں سے چشمے پھوٹ نکلتے ہیں، کبھی پھٹ جاتے ہیں اور ان میں سے پانی کا اخراج شروع ہو جاتا ہے اور یوں بہت سے لوگ اس پانی سے فیض یاب ہوتے رہتے ہیں اور بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ کوئی پتھر اللہ کے خوف سے لرز کر گر بھی پڑتا ہے۔ اللہ تنبیہہ کرتا ہے کہ تم کسی غلط فہمی میں مت رہنا اب بھی وقت ہے توبہ کر لو اور متقی بن جاؤ مگر اے بنی اسرائیل! نہ تو تم نے انبیاء کی تعلیمات سے فائدہ اٹھایا نہ نیک بندوں کی بات سنی تو پھر اپنے انجام اور سزا کے لئے تیار رہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ خبیر وعلیم ہے وہ ہر لحہ ہر ذرے اور ہر نفس کی خبر رکھتا ہے۔ رحم بھی کرتا ہے تو حساب بھی ضرور لیتا ہے۔ اور سزا بھی ضرور دیتا ہے۔ اس آیت میں پتھروں کے ذکر سے اللہ تعالیٰ نے اپنی پہچان، اپنا خوف اور قانون قدرت کی پابندی کے حقائق کی طرف واضح اشارہ کیا ہے۔ جیسا کہ سلطان بشیر محمود نے اپنی کتاب ''قیامت اور حیات بعد الموت'' میں لکھا ہے:

''قرآن حکیم سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ کائنات کی ہر چیز رضائے الٰہی کو سمجھتی ہے اور اس کے امر کی تابعدار ہے اگر رب کائنات کی مرضی کا شعور زندگی کی تعریف ہے تو پھر ہر چیز کسی نہ کسی سطح پر زندہ ہے اور یہ شعور ہی ان کی زندگی کی روح ہے۔''

سورۃ سجدہ میں ارشاد ہے:

''اے انسان! کیا نہیں دیکھا تم نے یہ کہ اللہ کو سجدہ کرتے ہیں وہ سب جو کہ آسمانوں کے بیچ میں ہیں اور جو زمین کے بیچ ہیں''۔

واقعی ہر چیز اللہ کے بنائے ہوئے قوانین جنہیں ہم سائنسی قوانین کہتے ہیں، ان کو مانتی ہے اور ان کے مطابق عمل کرتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ساری سائنس کا دارومدار اس بات پر ہے کہ اللہ کے قوانین اٹل ہیں اور کائنات کا ذرہ ذرہ ان سے آگاہ ہے اور ان کی اتباع کرتا ہے اور یوں اپنے مالک حقیقی کا عبد ہے۔ قرآن پاک سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ کائنات میں ہر چیز اللہ تعالیٰ کے لئے رطب اللسان ہونے کے علاوہ اس سے خوف بھی کھاتی ہے۔ حتیٰ کہ پتھر جنہیں ہم بے جان سمجھتے ہیں، وہ بھی اللہ سے لرزتے ہیں

جیسا کہ سورہ بقرہ کی آیت 74 میں ذکر ہو چکا ہے مصنف موصوف نے بڑے خوبصورت انداز میں ان تمام حقائق پر روشنی ڈالی ہے کہ اصل میں کائنات میں کوئی چیز مردہ نہیں ہر چیز زندہ ہے شعور رکھتی ہے اللہ کی تسبیح کرتی ہے اس کی فرمانبدار ہے اور اللہ کا خوف رکھتی ہے، ہر ذرہ باشعور اور فعال ہے لیکن بنی اسرائیل اس سے بھی گئے گزرے ہیں۔

قرآن مجید کی فصاحت و بلاغت اور جامعیت کے قربان جائیں کہ ذرا سی ایک آیت میں اتنے بڑے بڑے نکات بیان کردیئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور ہماری آئندہ نسلوں کو قرآن پڑھنے سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق دے۔ (آمین)

## کلام اللہ میں تحریف

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَ قَدْ كَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَ هُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿75﴾

اب کیا تم توقع رکھتے ہو کہ وہ تمہاری بات مانیں گے اور ان میں ایک گروہ اللہ کا کلام سنتا تھا پھر وہ جان بوجھ کر اسے بدل ڈالتے تھے حالانکہ وہ جانتے تھے۔ ﴿75﴾

تشریح: یہ خطاب مدینہ کے ان نومسلموں سے ہے جو یہودیوں کے ہمسایہ میں رہتے تھے وہ یہودیوں سے نبوت، ملائکہ، آخرت، شریعت اور نبی ﷺ کی نبوت کے بارے میں سن چکے تھے یہی وجہ تھی کہ وہ یہودیوں سے اسلام قبول کرنے کی توقع رکھتے تھے تو اللہ تعالیٰ ان نومسلموں کو سمجھاتے ہیں کہ جس قدر ان کے بارے میں بتایا جا چکا ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ پتھر دل اور ہٹ دھرم نافرمان قوم ہے، یہ کبھی بھی راہ راست پر آنے والے نہیں بلکہ ان میں ایک گروہ ایسا بھی ہے جو بڑے علماء اور فقہاء ہیں ان کا کام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانہ میں اور بعد میں بھی یہی تھا کہ وہ اللہ کا کلام سننے کے بعد حاملین شریعت ہونے کے باوجود حقائق کو چھپاتے اور احکامات یعنی کلام اللہ میں تحریف بھی کرتے تھے تحریف کا مطلب ہے کہ اصل کلام کے معنی و مفہوم کو بدل دینا یا الفاظ میں تغیر و تبدل کرنا یہ دونوں کام بنی اسرائیل نے خوب خوب کئے، پھر اخلاقی پستی بھی ان میں انتہاء کو پہنچ چکی تھی تو بھلا ایسے لوگوں سے یہ امید کیونکر ہو سکتی ہے کہ ایمان کی نعمت سے مستفید ہو سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے نومسلموں اور عام مسلمانوں کو تنبیہہ کی ہے کہ وہ یہودیوں کے قبول اسلام سے انکار کی وجہ سے نہ تو بددل ہوں اور نہ ہی پریشان ہوں کیونکہ یہ تو مدتوں کی بگڑی ہوئی قوم ہے سب کچھ جانتے ہیں مگر عمل کرنے کو تیار نہیں۔ مزید مسلمانوں کو خبردار بھی کیا گیا جس کا ذکر اگلی آیت میں کیا گیا ہے پچھلی آیات سے یہود کی ہٹ دھرمی کا ذکر ہی کیا جا رہا ہے اور پھر یہ بھی بتایا گیا کہ ایک فریق ایسا بھی تھا جو کلام اللہ کو جاننے کے بعد اس میں تحریف کرتا تھا اور منافق بھی تھا۔

## یہود کی منافقت

وَ اِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۚۖ وَ اِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْۤا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿76﴾ اَوَ لَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ﴿77﴾

اور جب وہ ایمان لانے والوں سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان والے ہیں اور جب آپس میں ایک دوسرے سے تنہائی میں بات چیت ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ بے وقوف ہو گئے ہو؟ ان لوگوں کو وہ باتیں بتاتے ہو جو اللہ نے تم پر کھولی ہیں تا کہ تم سے اس کے ذریعہ تمہارے رب کے آگے جھگڑا کریں کیا تم نہیں سمجھتے ﴿76﴾ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں۔ ﴿77﴾

تشریح: یہاں سے ان یہودیوں کے بارے میں بتایا جا رہا ہے کہ جو منافق تھے۔ یہ لوگ جب بھی مسلمانوں سے ملتے تو ان کو خوش کرنے کے لئے کہتے کہ ہم بھی ایمان لے آئے ہیں اور وہ تمام نشانیاں بیان کرتے جو ان کی آسمانی کتابوں میں آنحضرت ﷺ کے متعلق موجود تھیں، لیکن جب یہ لوگ آپس میں ملتے تو ایک دوسرے کو ملامت کرتے کہ تم کیوں ان کو وہ تمام دلائل بتا رہے ہو جو ہماری کتابوں میں محمد ﷺ کے بارے میں آ چکے ہیں، کل کو جب ہم اللہ کے سامنے حاضر ہونگے تو یہ مسلمان ہمارے خلاف اللہ کو بتائیں گے کہ ہم سب کچھ جان کر بھی حضرت محمد ﷺ پر ایمان نہ لائے اور ہم سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے دین اسلام کی طرف نہ گئے اللہ تعالیٰ ان کی اس خوش فہمی، بے علمی اور حماقت پر فرماتا ہے کہ اللہ کا علیم وخبیر ہونا کیا اتنا ہی محدود ہے کہ جو انسان بتائیں گے وہی اس کو معلوم ہوگا اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کو کچھ معلوم نہیں۔ اللہ تعالیٰ تو ظاہر اور پوشیدہ کا تمام علم بخوبی رکھتا ہے اور جو کچھ وہ چاہے نبی ﷺ اور مسلمانوں کو اپنی قدرت کاملہ کے ذریعہ بتا سکتا ہے۔ اس کے لئے یہ سب کچھ بالکل آسان ہے اس سے نہ تو کچھ چھپایا جا سکتا ہے اور نہ ہی ظاہر کرنے کی ضرورت ہے وہ ظاہر و پوشیدہ سب جانتا ہے۔

## جھوٹی آرزوئیں

وَ مِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّاۤ اَمَانِيَّ وَ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿78﴾ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۚ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ؕ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَ وَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿79﴾ وَ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗۤ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿80﴾

اوران میں بعض ان پڑھ ہیں کہ کتاب کی خبر نہیں رکھتے، جھوٹی آرزوؤں کے سوااوروہ صرف جھوٹے خیال رکھنے والے ہیں۔ (78) توان کے لیےخرابی ہے جو اپنے ہاتھ سے کتاب لکھتے ہیں پھر کہہ دیتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے، تاکہ اس پر تھوڑی سی قیمت لے لیں سوخرابی ہے ان کے لئے اپنے ہاتھوں سے لکھے ہوئے کی اور خرابی ہے ان کے لئے اس بناء پر جوانہوں نے کیا۔ (79) اور کہتے ہیں! ہم کو ہرگز آگ نہیں لگے گی مگر چند گنے چنے دن، کہہ دو! کیا تم اللہ کے ہاں سے اقرار لے چکے ہو کہ اللہ اب اپنے اقرار کے خلاف ہرگز نہ کرے گا یا اللہ پر جھوٹ جوڑتے ہو جو تم نہیں جانتے۔ (80)

تشریح: پچھلی آیات میں یہود کی منافقت کا ذکر ہو چکا ہے اوران آیات میں یہودیوں کی جھوٹی آرزوؤں کا ذکر کیا گیا ہے۔ان لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہودیوں میں کچھ ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو اَن پڑھ ہیں، انہوں نے کتاب نہیں پڑھی بلکہ اپنے بزرگوں سے سنی سنائی باتوں پر یقین کر کے یہ آرزو کئے بیٹھے ہیں کہ ہم کو تو ہمارے بزرگ ضرور بخشوالیں گے، نہ تو وہ کتاب کے قوانین سے واقف تھے اور نہ ہی فلاح وخسران کے بارے میں کوئی علم رکھتے تھے۔بس اپنی خواہشات اور توقعات کے مطابق اپنی زندگیاں گزار رہے تھے اور سمجھتے تھے کہ ہم تو بس بخشے بخشائے ہیں اگلی آیت میں یہودی علماء کے بارے میں بتایا گیا ہے۔انہوں نے یہ ظلم کیا کہ تھوڑے سے فائدہ کے لئے اپنی کتاب کے اصول وضوابط، فقہی قوانین اور فلسفہ زندگی کے اصول، غرض ہر مضمون کو اپنی مرضی کے مطابق بنا کر کتاب الٰہی میں خلط ملط کر دیا اور یوں ان علماء وفقہاء نے پہلے خود کو دھوکہ دیا اور پھر اپنے عوام کو دھوکہ دیا اور یوں ایک خود ساختہ کتاب، کتاب الٰہی کی صورت اختیار کر گئی۔یہ بڑی ہی سخت نادانی تھی جو انہوں نے کی۔اس پر خوش فہمی کا یہ عالم تھا کہ وہ لوگ اپنے آپ کو اللہ کا انتہائی محبوب طبقہ سمجھتے تھے۔جاہل و عالم سب کا یہ خیال تھا کہ ہم تو اللہ کے بڑے لاڈلے ہیں، ہم پر اللہ ہمیشہ بڑی مہربانیاں کرتا رہا،شروع سے ہی ہم اس کی مقبول ترین قوم ہیں اس لئے ہمیں تو جہنم کی سزا ہرگز نہ ملے گی اور اگر مل بھی گئی تو بس چند دنوں کے لئے سزا مل جائے گی اور پھر نجات ہو جائے گی اور جنت کی طرف بھیج دیئے جائیں گے۔اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے کہ:

ان سے پوچھو کیا انہوں نے اللہ سے کوئی معاہدہ کر رکھا ہے جو اللہ اس معاہدے کا پابند ہو کر ان کو سزا سے مبرا قرار دے دے گا؟ ہرگز ایسی کوئی بات نہیں اور نہ ہی ایسا کوئی مضمون ان کی کتاب مقدسہ میں لکھا گیا ہے۔یہ سب ان کی من گھڑت باتیں ہیں جو یہ بیان کرتے ہیں اور بڑی غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ یہ تو بس جنت کے ٹھیکیدار ہیں۔ایسا ہرگز نہیں ہے،اس کی وضاحت اگلی آیات میں یوں کر دی گئی ہے۔

## جنت اور دوزخ

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّ اَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـــَٔتُهٗ فَاُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿81﴾
وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿82﴾ ع 11

کیوں نہیں جس نے گناہ کمایا اور اسے اس کے گناہ نے گھیر لیا سو وہی دوزخ کے رہنے والے ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔﴿81﴾ اور جو ایمان لائے اور انہوں نے اچھے عمل کئے۔ وہی جنت کے رہنے والے ہیں، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔﴿82﴾

**تشریح:** ان آیات میں اللہ تعالیٰ جنت اور دوزخ کا ذکر فرماتا ہے اور یہود کی غلط فہمی دور کرتے ہوئے برملا اعلان کرتا ہے کہ یہاں بنی اسرائیل کی کوئی خاصیت نہیں، بلکہ ہر وہ شخص جو گناہ کرتا ہے۔ نبی پر ایمان نہیں لاتا اعمال بد میں گھر چکا ہے۔ اس کو جہنم میں ضرور ڈالا جائے گا اور وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا اور نجات صرف ان لوگوں کی ہوگی جو اللہ پر ایمان لائیں گے، صدق دل سے اس کے احکام کو مانیں گے اس کے بتائے ہوئے راستوں پر چلیں گے نیک عمل کریں گے اور شیطان کی راہوں پر نہ چلیں گے تو ایسے نیک اور صالح لوگوں کے لئے جنت کا داخلہ یقینی ہوگا۔ وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنت میں رہیں گے نہ کہ صرف یہودی ہونے کی بنا پر ان کو جنت میں داخل کر دیا جائے گا۔ بد کو برا ٹھکانہ ملے گا اور نیک کو اچھا ٹھکانہ ملے گا۔ یہ اللہ کا وعدہ ہے۔ اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ اس وعدے کا ذکر فرماتا ہے جو بنی اسرائیل سے کیا گیا۔

## میثاق بنی اسرائیل

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۟ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ ذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ قُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَ اَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿83﴾

اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے اقرار لیا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا۔ ماں باپ سے نیک سلوک کرنا، کنبہ والوں سے اور یتیموں اور محتاجوں سے اور سب لوگوں سے نیک بات کہنا اور نماز قائم رکھنا اور زکوٰۃ دیتے رہنا پھر چند کے سوا تم سب پھر گئے اور تم ہی (حق سے) پھر جانے والے ہو۔﴿83﴾

**تشریح:** یہ عہد بنی اسرائیل سے لیا گیا تھا۔ اس عہد کا ذکر قرآن مجید میں کئی بار آیا ہے۔ اس عہد کا ذکر تورات اور انجیل میں بھی کیا گیا ہے۔ وہ عہد کیا تھا جو اللہ نے بنی اسرائیل سے لیا تھا، عہد یہ تھا کہ بنی اسرائیل اللہ کے سوا کسی اور چیز کی پرستش نہ کریں گے یعنی

توحید پر قائم رہیں گے اور پھر حقوق العباد کا ذکر فرمایا کہ والدین، عزیز واقارب، یتیموں، بے کسوں محتاجوں اور لاوارثوں کے ساتھ نیک سلوک کریں گے۔ ہر ایک کے ساتھ خوش خلقی، نیکی، خلوص اور محبت سے پیش آئیں گے۔ علاوہ ازیں نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیتے رہیں گے، یہ لوگ اس عہد کو بھلا بیٹھے سوائے چند لوگوں کے سب لوگ اللہ سے کئے گئے اس عہد سے پھر گئے مزید وضاحت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم لوگ ہو ہی اس ذہنیت کے کہ تم کبھی بھی عہد و پیماں پر قائم نہیں رہ سکتے۔ کیونکہ ان کی تمام زندگی اسی الٹ پھیر میں گزر چکی تھی کہ وہ نیکی کی راہوں پر چلنا ہی نہ چاہتے تھے۔ گناہ و نافرمانی ان کی گھٹی میں پڑ چکی تھی مزید نافرمانی کا ذکر اگلی آیات میں کیا جاتا ہے۔

## بنی اسرائیل کی عہد شکنی اور نافرمانی

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَ لَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَ اَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿84﴾ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَ تُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ۫ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ ؕ وَ اِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَ هُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَ فَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَ تَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿85﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۫
ع 10/4/10 فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿86﴾

اور جب ہم نے تم سے وعدہ لیا کہ آپس میں خون نہ بہاؤ گے اور اپنوں کو اپنے وطن سے نہ نکالو گے پھر تم نے اقرار کر لیا اور تم اس پر گواہ بھی ہو۔﴿84﴾ پھر تم وہ لوگ ہو کہ آپس میں خونریزی کرتے ہو۔ اور اپنے ایک فرقہ کو ان کے وطن سے نکال دیتے ہو۔ ان پر گناہ اور ظلم سے چڑھائی کرتے ہو اور جب وہ لڑائی میں پکڑے ہوئے تمہارے پاس آتے ہیں تو ان کی رہائی کے لئے فدیہ کا لین دین کرتے ہو۔ حالانکہ ان کے گھروں سے نکالنا ہی سرے سے تم پر حرام تھا تو کیا تم کتاب کے ایک حصہ پر ایمان لاتے ہو اور دوسرے حصہ کے ساتھ کفر کرتے ہو، پھر تم میں سے جو لوگ ایسا کریں ان کی سزا اس کے سوا اور کیا ہے کہ دنیا کی زندگی میں ذلیل وخوار ہو کر رہیں اور آخرت میں شدید ترین عذاب کی طرف پھیر دیئے جائیں۔ اللہ تعالیٰ ان حرکات سے بے خبر نہیں ہے جو تم کر رہے ہو۔﴿85﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت بیچ کر دنیا کی زندگی خرید لی ہے۔ لہٰذا ان کی سزاء میں نہ کوئی تخفیف ہوگی اور نہ انہیں کوئی مدد پہنچ سکے گی۔﴿86﴾

تشریح: اللہ تعالیٰ نے یہودیوں سے دو اور باتوں کا وعدہ بھی لیا تھا۔ ایک یہ کہ وہ آپس میں خونریزی نہ کریں گے جو انہوں نے

کی۔ دوسرے یہ کہ وہ اپنی قوم کو ناحق جلاوطن نہ کریں گے۔ اس طرح قوم کا اتحاد ختم ہو جائے گا اور ان کی طاقت نہ رہے گی جس کی وجہ سے مخالفین موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان پر فتح حاصل کر کے ان کو محکوم بنالیں گے۔ ہوا یہ کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں بنی اسرائیل کے جو دو قبیلے بنو نضیر اور بنو قریظہ مدینہ اور اس کے آس پاس آباد تھے۔ وہ ہمیشہ خانہ جنگی میں مصروف رہتے۔ مشرکین مدینہ کے بھی دو قبیلے، اوس اور خزرج وہاں آباد تھے، یہودیوں کا ایک قبیلہ مشرکوں کے ایک جتھے کے ساتھ ہو جاتا اور دوسرا مشرکوں کے دوسرے جتھے کے ساتھ اور جب جنگ شروع ہوتی تو قتل و غارت گری بھی ہوتی اور جلاوطنی کا عمل بھی ہوتا اور یہ فعل صاف طور پر کتاب اللہ کے خلاف تھا جو وہ عہد شکنی کرتے ہوئے کر رہے تھے۔ پھر جب ایک یہودی قبیلہ کے اسیران جنگ، دوسرے یہودی قبیلہ کے ہاتھ آتے تھے تو غالب قبیلہ فدیہ لے کر انہیں چھوڑتا اور مغلوب قبیلہ فدیہ دے کر انہیں چھڑاتا تھا۔ یہ لین دین کرتے ہوئے وہ کتاب اللہ کا حوالہ دیتے تھے گویا کتاب کے اس حکم کو تو مانتے تھے مگر اس حکم کی پرواہ نہ کرتے تھے جو اللہ نے دیا تھا کہ آپس میں خونریزی مت کرو، کس قدر نااہلی اور بدنصیبی ہے کسی قوم کی کہ جس کی ہدایت وراہنمائی کے لئے اللہ تعالیٰ نے کتاب نازل فرمائی مگر قوم نے کچھ قوانین پر عمل کیا اور کچھ کو مسترد کر دیا۔ یہود کی اسی نااہلی اور نافرمانی کا ذکر اللہ اس آیت میں کرتا ہے اور پھر دہراتا ہے کہ یہود کسی خوش فہمی میں نہ رہیں کہ وہ مقبول اللہ ہونے کی وجہ سے عذاب سے بچ جائیں گے، بلکہ جو لوگ کتاب کے کچھ حصہ کو مانتے ہیں اور کچھ کو نہیں مانتے ان کو سخت عذاب دیا جائے گا آخرت میں اور دنیا میں ان کی رسوائی یقینی طور پر ہوگی۔ اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہے۔ وہ تمہارے تمام اعمال کو خوب جانتا ہے، کبھی مت سوچو کہ وہ تمہارے اعمال سے بے خبر ہے۔

آخر میں آیت نمبر 86 میں پچھلی آیات کا خلاصہ یوں بیان کیا گیا ہے کہ جن لوگوں نے اللہ کے احکام کی خلاف ورزی کی۔ اللہ سے عہد کرنے کے بعد اس سے پھر گئے۔ دین کو دنیا کے فائدوں پر ترجیح دی۔ آخرت کے ہمیشہ کے آرام وآسائش، لطف وکرم اور نعمتوں کے بدلہ میں دنیا کی عارضی نعمتوں کو ترجیح دی یعنی جنہوں نے آخرت کے بدلہ میں دنیا خرید لی تو انہوں نے گویا عذاب آخرت اپنے لئے چن لیا تو ایسے لوگوں کو اچھی طرح سوچ لینا چاہیے کہ آخرت کا عذاب بڑا سخت اور اٹل ہے نہ تو اس میں کمی کی جائے گی نہ کسی کی سفارش کام آئے گی اور نہ کسی کی مدد اور نہ ہی مال و دولت ہی عذاب آخرت میں کمی کر سکے گا۔ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ آخرت میں یعنی مرنے کے بعد صرف اور صرف نیک اعمال ہی انسان کے کام آئیں گے اور نجات کا ذریعہ بنیں گے۔ بنی اسرائیل کا قصہ جو اس قدر تفصیل سے بیان کیا گیا ہے تو اس کا مقصد عبرت دلانا ہے۔ اس لئے اللہ پر ایمان پورے یقین اور اعتماد کے ساتھ لانا چاہیے اس کے بتائے ہوئے تمام احکامات پر سختی سے عمل کرنا چاہئے۔ حقیقت میں اللہ اور آخرت پر ایمان ہی انسان کو بے راہ روی، سرکشی اور گناہ سے بچا سکتا ہے۔ جزا و سزا کا خیال ہر وقت مدنظر رکھنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں نیک راہوں پر چلائے اور یہود کی اختیار کردہ راہوں سے بچائے۔ (آمین ثم آمین)

# حضرت عیسیٰ کی آمد

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ قَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ؗ وَ اٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَ اَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ؗ وَ فَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿87﴾

ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، اس کے بعد پے در پے رسول بھیجے آخر کار عیسیٰ ابن مریم کو روشن نشانیاں دے کر بھیجا اور روح پاک سے اس کی مدد کی پھر یہ تمہارا کیا ڈھنگ ہے کہ جب بھی کوئی رسول تمہاری خواہشات نفس کے خلاف کوئی چیز لے کر تمہارے پاس آیا تو تم نے اس کے مقابلہ میں سرکشی ہی کی، کسی کو جھٹلایا اور کسی کو قتل کر ڈالا۔ ﴿87﴾

تشریح: پچھلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی تمام نافرمانیوں، سرکشیوں اور بداعمالیوں کا ذکر کیا ہے۔ اب اس آیت میں ان کی ایمان و یقین کی کمزوریوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب بنی اسرائیل کتاب اللہ کو بدلنے لگے اور احکامات الٰہی کی نافرمانی کرنے لگے تو پھر ہم نے حضرت موسیٰ کے بعد اور بھی بہت سے نبی بھیجے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد انبیاء کا سلسلہ جاری رہا۔ جن میں بعض مشہور نبی یہ ہیں۔ حضرت یوشع علیہ السلام، داؤد علیہ السلام، زکریا علیہ السلام، یحییٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے نبیوں میں سے آخری نبی ہیں، بنی اسرائیل میں حضرت عیسیٰ کے بعد کوئی نبی نہیں ہوا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد دنیا میں کوئی نبی نہیں آیا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد نبوت، بنو اسماعیل کی طرف چلی گئی۔ یہود کی ناراضگی اور دشمنی کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے بہت بڑے پیغمبر ہیں عیسیٰ ابن مریم اس لئے کہا گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور حکمت سے آپ علیہ السلام بن باپ پیدا ہوئے تھے اس لئے نسبت ماں سے دی گئی۔ آپ علیہ السلام کو متعدد معجزات عطا کئے گئے مثلاً اندھوں کو بینا، کوڑھیوں کو ٹھیک اور بیماروں کو صحت مند کرنے کی طاقت دی گئی۔ اس کے علاوہ آپ علیہ السلام کو جھولے میں بات کرنے کی طاقت عطا کی گئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل دی گئی۔ بنی اسرائیل کی سرکشی اس حد تک بڑھ چکی تھی کہ انہوں نے تمام نبیوں کی نافرمانی کی اور بعض کو تو قتل ہی کر دیا۔ حضرت عیسیٰ ان کے آخری نبی تھے، ان کی مدد کے لئے حضرت جبرائیل (روح القدس) کو مقرر کیا لیکن یہودی اپنی بدفطرت سے باز نہ آئے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے پر تل گئے۔

اب اللہ تعالیٰ ان سے فرماتا ہے: ''کہ تمہاری بھی عجیب حالت ہے، جب کبھی کوئی رسول ایسے احکام لایا جو تمہاری نفسانی خواہشوں اور ذاتی غرضوں کے مطابق نہ تھے تو تم نے ان کو مسترد کر دیا، چھوڑ دیا اور کچھ خود بنائے ہوئے اصول، کتاب اللہ میں شامل کر دیئے، کچھ احکام مانے اور کچھ نہ مانے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے تمام معجزات دیکھ کر بھی ان پر ایمان نہ لائے اور مسلسل ان کی مخالفت کرتے رہے اور ایذا رسانی کرتے رہے اور اپنے لئے مشکلات اور عذاب کا سامان کرتے رہے۔

## بنی اسرائیل کا تعصب

وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِیْلًا مَّا یُؤْمِنُوْنَ ﴿88﴾

اور وہ کہتے ہیں ہمارے دلوں پر غلاف ہے، بلکہ اللہ نے ان کے کفر کے سبب لعنت کی ہے چنانچہ وہ بہت کم ایمان لاتے ہیں۔ ﴿88﴾

تشریح: جب اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کو واضح طور پر غلط ثابت کر دیا اور ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا، ناراضگی کا حکم صادر کر دیا، تو یہود نے یہ عذر پیش کرنا شروع کر دیا کہ ہمارے دل تو غلاف میں محفوظ ہو چکے ہیں اور سوائے اپنے دین کے کوئی چیز ہمارے دل پر اثر نہیں کر سکتی، تو اس پر اللہ تعالیٰ نے صاف اعلان کر دیا کہ یہ لوگ بالکل جھوٹے ہیں۔ غلاف کی کوئی بات نہیں، بلکہ ان کے مسلسل کفر و نافرمانی کے باعث اللہ نے ان پر لعنت بھیج دی ہے، اپنی رحمت سے اللہ نے ان کو محروم کر دیا ہے، اسی لئے یہ نہ سچے دین کو مان سکتے ہیں اور نہ ہی آخری نبی ﷺ پر ایمان لا سکتے ہیں۔ ہاں البتہ کچھ تھوڑے سے لوگ ایسے ہیں جن پر اللہ کی رحمت ہے اور وہ نبی ﷺ پر ایمان لائے ہیں۔ اللہ ہمیں سب کو ان لوگوں میں شامل کرے جن پر اس کی رحمت نازل ہوتی ہے۔ ان لوگوں میں شامل نہ کرے جن سے وہ ناراض ہوا اور ان پر لعنت کر دے۔

## جان بوجھ کر کفر اختیار کرنا

وَ لَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ یَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِیْنَ كَفَرُوْا ۚۖ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۫ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِیْنَ ﴿89﴾

اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے کتاب پہنچی جو اس کتاب کو سچا بتاتی ہے جو ان کے پاس ہے اور پہلے وہ کافروں پر فتح مانگتے تھے پھر جب انہیں پہنچا جسے پہچان لیا تھا تو اس کے منکر ہو گئے تو منکروں پر اللہ کی لعنت ہے۔ ﴿89﴾

تشریح: اس آیت میں یہود کے تعصب، ہٹ دھرمی اور جان بوجھ کر کفر پر قائم رہنے کے بارے میں بیان کیا جا رہا ہے جب ان کے پاس قرآن مجید آیا جو کہ حضرت موسیٰ کی شریعت کی تصدیق کرتا تھا۔ قرآن مجید بار بار اعلان کرتا ہے کہ قرآن اللہ کی سچی کتاب ہے اور دوسری سابقہ آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور اس بات کی وضاحت قرآن میں ملتی ہے کہ ان تمام پچھلی کتابوں میں سب سے زیادہ مشہور تورات ہے جو کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی تھی۔ آخری نبی ﷺ کے آنے سے پہلے یہودی آپ ﷺ کی آمد کا بڑی بے چینی سے انتظار کرتے تھے اور جب اہل مدینہ سے شکست کھاتے تو کہتے کہ آخری نبی ﷺ ان کے لئے نجات دہندہ بن کر آئیں گے ان کو مان کر وہ غلامی سے نجات حاصل کر لیں گے۔ اتنا کچھ جاننے کے باوجود جب نبی آخر الزماں ﷺ تشریف لائے تو یہودی صاف انکار کرنے لگے۔ مدینہ کے لوگ جو آپ ﷺ پر فوراً ایمان لانے لگے تو اس کی وجہ یہ یہودی علماء ہی تھے،

کیونکہ اکثر و بیشتر یہ محمد ﷺ کی آمد اور ان کی نشانیوں کے بارے میں ذکر کرتے رہتے تھے۔اہل مدینہ کافی کچھ نبی ﷺ کے بارے میں جان چکے تھے۔مگر افسوس کہ یہودی جانتے بوجھتے ہوئے کفر کا شکار ہوئے اور آپ ﷺ پر ایمان نہ لائے اور اس طرح اپنے کفر کی وجہ سے مغضوب الٰہی ہوئے ان پر اللہ کی لعنت ہوئی اور وہ اللہ کے غضب کا شکار ہوئے۔یعنی یہود کے حسد اور تعصب و نافرمانی کی وجہ سے اللہ کی رحمت ان سے دور کر دی گئی۔

دن میں کئی مرتبہ مسلمان سورۃ الفاتحہ پڑھتے ہیں جس میں اللہ سے یہی دعا کی جاتی ہے کہ ہمیں ان لوگوں کی راہ پر چلانا جن پر تو نے اپنی رحمتیں نازل فرمائیں نہ کہ ان لوگوں کی راہ پر کہ جو تیرے غضب اور غصہ کا شکار ہوئے اللہ ہماری دعا کو قبول کرے اور ہمیں اپنی رحمتوں اور برکتوں سے مالا مال کر دے دنیا و آخرت میں کامیاب کرے آمین ثم آمین یہود کے تعصب، ضد اور نفس پرستی کے بارے میں اللہ تعالیٰ مزید وضاحت فرماتا ہے۔

## ضد اور تعصب کا نتیجہ

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿٩٠﴾

بری چیز ہے جس کے بدلہ میں انہوں نے اپنے آپ کو بیچا کہ جو ہدایت اللہ نے نازل کی ہے اس کو قبول کرنے سے صرف اس ضد کی بناء پر انکار کر رہے ہیں کہ اللہ نے اپنے فضل سے اپنے جس بندے کو خود چاہا نواز دیا۔لہٰذا اب یہ غضب بالائے غضب کے مستحق ہو گئے ہیں اور ایسے کافروں کے لئے سخت ذلت آمیز سزا مقرر ہے۔﴿٩٠﴾

تشریح: اس آیت میں یہودیوں کے تعصب، ضد، نفس پرستی اور حسد کا ذکر کھول کر بیان کیا گیا ہے۔وہ اللہ کے احکام کو بھی تجارتی نقطہ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ہمیشہ سے ان کا یہ کام رہا ہے کہ وہ احکام الٰہی کی پیروی میں ذاتی مفادات کو ترجیح دیتے تھے اگر ان کو ذاتی اغراض پوری ہوتی دکھائی نہ دیں تو وہ احکام الٰہی کو یا تو بدل دیتے ہیں یا ان سے بغاوت اختیار کرتے ہیں۔یہاں بھی یہی کہا گیا ہے کہ ذاتی منفعت اور حسد کی خاطر انہوں نے اپنی جانوں کو یعنی اپنے آپ کو بیچ ڈالا یعنی اپنی فلاح اور نجات کو اپنے غلط رویہ پر قربان کر دیا۔ہوا یہ کہ جب آنے والا نبی ان کے علاوہ دوسری قوم میں پیدا ہوا تو وہ اس کو ماننے سے انکار کرنے لگے ان کا مطلب یہ تھا، اللہ ان سے پوچھ کر انہی میں سے نبی بھیجتا۔اللہ نے اپنے فضل سے جس کو چاہا نواز دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بعد نبوت بنو اسماعیل کی طرف چلی گئی۔کیونکہ اس خاندان میں محمد ﷺ پیدا ہوئے۔اس بات سے حسد کی آگ یہودیوں میں بھڑک اٹھی کہ نبوت بنی اسرائیل سے نکل کر بنی اسماعیل میں کیوں چلی گئی۔ضد میں آ کر یہودیوں نے آپ ﷺ کو ماننے سے انکار کر دیا۔کیونکہ یہود ضدی اور حاسد ہیں اس لئے دنیا میں اللہ کا غضب ان پر نازل ہوا اور قیامت میں بھی ان پر ذلت و رسوائی والا عذاب ہوگا۔

## یہود کا انکار

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَ يَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۗ وَ هُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ؕ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۱﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو اللہ نے بھیجا ہے اسے مانو تو کہتے ہیں جو ہم پر اترا ہے ہم اسے مانتے ہیں اور اسے نہیں مانتے جو اس کے علاوہ ہے۔ حالانکہ وہ حق ہے اس کی تصدیق کرتا ہے جو ان کے پاس ہے۔ کہہ دو! پھر اللہ کے پیغمبروں کو پہلے کیوں قتل کرتے رہے ہو اگر تم ایمان رکھتے ہو۔ ﴿۹۱﴾

**تشریح:** جب آنحضرت ﷺ نے یہودیوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی تو انہوں نے یہ کہہ کر دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا کہ ہمارے پاس تو پہلے سے آسمانی کتاب تورات موجود ہے۔ ہمیں مزید کسی کتاب اللہ کی ہرگز ضرورت نہیں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یہ دعویٰ ان کا بالکل غلط ہے۔ کیونکہ انہوں نے تو اپنی کتاب پر بھی عمل نہیں کیا یہ تو صرف دعوت ایمان سے انکار کا ایک بہانہ ہے۔ کیونکہ یہ نہ تو احکام الٰہی کی پیروی کرتے ہیں اور نہ ہی راہ راست اختیار کرتے ہیں۔ انہوں نے نبیوں کو جھٹلایا، بلکہ بعض کو تو قتل بھی کر دیا۔ اللہ تعالیٰ ان کو تنبیہ کرتا ہے کہ تم راہ راست سے بھٹک چکے ہو۔ اپنی بہتری اور نجات کے لئے دین اسلام کو قبول کر لو، قرآن مجید آخری کتاب ہے اور تمہاری کتاب کی تصدیق بھی کرتی ہے اور تمہاری کتاب کی اصلاح شدہ شکل پیش کرتی ہے۔ اگر تم قرآن کو آخری کتاب نہیں مانتے تو تمہارا یہ دعویٰ کیسے ٹھیک ہے کہ تم اپنی کتاب پر ایمان رکھتے ہو، کیونکہ تمہاری کتابوں میں قرآن آخری کتاب ہے اور محمد ﷺ کا آخری نبی ہونا مذکور ہے۔ اگر تم تورات کو ماننے والے ہوتے تو پھر تم قرآن کو ضرور مان لیتے اور پھر تم ہمیشہ پیغمبروں کی نافرمانی کرتے رہے، بلکہ بعض کو تو قتل بھی کرتے رہے ہو۔ تمہارا دعویٰ غلط ہے اور دعوت ایمان سے انکار تمہاری ہٹ دھرمی اور نافرمانی کی دلیل ہے۔ اگلی آیات میں یہودیوں کی گزشتہ نافرمانیوں اور خاص طور سے گوسالہ پرستی (گائے کی پرستش) کا ذکر دہرایا گیا ہے۔

## یہود کی گوسالہ پرستی

وَ لَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ اَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾ وَ اِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَ رَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ؕ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّ اسْمَعُوْا ؕ قَالُوْا سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا ۗ وَ اُشْرِبُوْا فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ؕ قُلْ بِئْسَمَا يَاْمُرُكُمْ بِهٖۤ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۳﴾

تمہارے پاس موسیٰ علیہ السلام کیسی روشن نشانیاں لے کر آئے پھر بھی تم ایسے ظالم تھے۔ (92) کہ اس کے پیٹھ موڑتے ہی بچھڑے کو معبود بنا بیٹھے۔ پھر ذرا اس میثاق کو یاد کرو، جو طور کو تمہارے اوپر اٹھا کر ہم نے تم سے لیا تھا ہم نے تاکید کی تھی کہ جو ہدایات ہم دے رہے ہیں ان کی سختی کے ساتھ پابندی کرو اور کان لگا کر سنو۔ تمہارے اسلاف نے کہا کہ ہم نے سن لیا، مگر مانیں گے نہیں۔ اور ان کی باطل پرستی کا یہ حال تھا کہ دلوں میں ان کے بچھڑا ہی بسا ہوا تھا۔ کہ دیجئے! اگر تم مومن ہو تو یہ عجیب ایمان ہے جو ایسی بری حرکات کا تمہیں حکم دیتا ہے۔ (93)

تشریح: بینات سے مراد وہ معجزات ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئے مثلاً عصاء، ید بیضا دریا کا پھٹنا ان کا ذکر تفصیل سے گزشتہ آیات میں ہو چکا ہے۔ یہاں ذکر اس لئے کیا گیا یہ بھی تمہارے کفر کی دلیل ہیں۔ گائے کی پرستش کا واقعہ اگرچہ ان یہودیوں کے ساتھ پیش نہیں آیا تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں نزول قرآن کے وقت موجود تھے۔ مگر چونکہ یہ اپنے آباؤ واجداد کے حامی وطرف دار تھے اس لئے اس کو دہرایا گیا ہے اور اسی سے یہ بات نکلتی ہے کہ جن کے اسلاف نے موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کر کے کفر کیا وہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لائیں تو یہ کوئی عجیب بات نہیں، کیونکہ اس وقت کے یہودی ہر بات میں اپنے اسلاف کا ہی حوالہ دیتے ہیں جو ان کے کفر کی دلیل ہے۔ ان تمام حالات کے باوجود یہودی جھوٹی آرزوؤں میں مبتلا تھے کہ جنت کے وارث تو یہی ہونگے اگلی آیات اسی موضوع پر بحث کرتی ہیں۔

## لمبی عمر کی حرص

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ (94) وَ لَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًۢا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ (95) وَ لَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَ مِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَ مَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ (96) ع 11 10 11

ان سے کہو! اگر واقعی اللہ کے نزدیک آخرت کا گھر تمام انسانوں کو چھوڑ کر صرف تمہارے لئے ہی مخصوص ہے تب تو تمہیں چاہیے کہ موت کی تمنا کرو اگر تم اپنے اس خیال میں سچے ہو۔ (94) یقین جانو کہ یہ کبھی اس کی تمنا نہ کریں گے اس لئے کہ جو کچھ اپنے ہاتھوں کما کر انہوں نے آگے بھیجا ہے اس کا مطلب یہی ہے کہ یہ وہاں جانے کی تمنا نہ کریں، اللہ ان ظالموں کے حال سے خوب واقف ہے۔ (95) تم انہیں سب سے بڑھ کر جینے کا حریص پاؤ گے حتیٰ کہ یہ اس معاملہ میں مشرکوں سے بھی بڑھے ہوئے ہیں، ان میں سے ہر ایک یہ چاہتا ہے کہ کسی طرح ہزار برس جیئے، حالانکہ لمبی عمر اسے عذاب سے تو دور نہیں کر سکتی جو کچھ یہ اعمال کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ

تو انہیں خوب دیکھ ہی رہا ہے۔ (96)

تشریح: ان آیات میں یہودیوں کی جھوٹی آرزوؤں کی تردید کی گئی ہے۔ جس کا ذکر گزشتہ چند آیات میں ہو چکا ہے، یہاں ان کے سامنے دلیل پیش کی جاتی ہے کہ اگر تمہیں پورا یقین ہے کہ جنت تو صرف تمہارے لئے ہی بنائی گئی ہے تو پھر اپنے اس دعویٰ کو سچ ثابت کرنے کے لئے فوراً موت کی تمنا کرو، تاکہ جنت کی تمام نعمتوں کو تم جلد از جلد حاصل کر سکو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ لوگ ہرگز موت کی تمنا نہیں کریں گے، کیونکہ اول تو ان کو اپنے دعویٰ کے سچ ہونے کا یقین نہیں اور دوسرے وہ اپنی بداعمالیوں کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ برے اعمال کی سزا آخرت میں بھی ضرور ملے گی، جو بڑی سخت سزا ہوگی۔ اس لئے وہ موت کی تمنا نہیں کرتے، بلکہ ہزاروں سال عمر چاہتے ہیں تاکہ دنیا کی عارضی مگر بظاہر خوش کن لذتوں سے زیادہ سے زیادہ لطف اٹھاتے رہیں، اور یوں آخرت کے عذاب سے بچتے رہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ انہیں خبردار کرتا ہے کہ ان کی عمر چاہے کتنی ہی لمبی ہو جائے وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ہرگز نہیں بچ سکیں گے۔ کیونکہ وہ ان کے ہر عمل سے پوری طرح باخبر ہے۔

## حضرت جبرائیل سے دشمنی

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَ هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ (97) مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَ مَلٰٓئِكَتِهٖ وَ رُسُلِهٖ وَ جِبْرِيْلَ وَ مِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ (98)

آپ ﷺ کہہ دیجئے! جو کوئی جبرائیل کا دشمن ہو، اس نے تو یہ کلام تیرے دل پر اللہ کے حکم سے اتارا ہے اور یہ کلام تصدیق کرنے والا ہے اس کلام کی جو اس سے پہلے آچکا اور ہدایت وخوش خبری ہے ایمان والوں کے لئے۔ (97) جو کوئی اللہ اور اس کے فرشتوں کا دشمن ہو اور اس کے پیغمبروں کا اور جبرائیل کا اور میکائیل کا تو اللہ ان کافروں کا دشمن ہے۔ (98)

تشریح: ان آیات مبارکہ میں یہودیوں کی ایک اور دشمنی کا ذکر کیا گیا ہے، جو وہ آنحضرت ﷺ کے ساتھ اور بڑے بڑے فرشتوں کے ساتھ رکھتے تھے۔ مثلاً وہ کہتے تھے کہ جبرائیل ہمارا قومی دشمن ہے بقول ان کے جس قدر عذاب یہود کے آباؤ اجداد پر آچکے تھے ان کی خبر جبرائیل ہی لایا کرتے تھے۔ حالانکہ جبرائیل امین تو مقرب ترین فرشتوں میں شمار ہوتے ہیں اور ان کا کام یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحی (پیغام) اس کے پیغمبروں تک پہنچائیں۔ یہودیوں کا کہنا تھا کہ جبرائیل ہمارے بھید کی باتیں، سازشیں اور تدبیریں نبی ﷺ کو بتادیتے تھے۔ لہٰذا جبرائیل اور تمام فرشتے ہمارے دشمن ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس بات کا جواب اس آیت میں دیا ہے کہ جبرائیل کی حیثیت تو محض پیغام پہنچانے والے فرشتہ کی ہے تو اللہ نے آنحضرت ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ

ان لوگوں کو کہہ دو کہ جبرائیل نے تو اس کا کلام تیرے دل پر اتارا ہے۔ایسا کلام جو ان کی کتاب کی تصدیق کرتا ہے اور ایمان والوں کیلئے اس میں ہدایت ہے اور جنت کی خوشخبری ہے تو جو کوئی بھی اللہ کا دشمن ہو اس کے فرشتوں کا دشمن ہو پیغمبروں کا دشمن ہو جبرائیل اور میکائیل کا دشمن ہو تو ایسے لوگوں کو معلوم ہونا چاہیے کہ ایسے تمام لوگوں کا اللہ خود دشمن ہے اور اللہ کی دشمنی بڑی مہنگی پڑے گی۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی تین صفات بھی بیان کی ہیں۔

❶ قرآن پہلی تمام آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔

❷ یہ سیدھی راہ دکھانے والی کتاب ہے۔

❸ ایمان لانے والے لوگوں کو آخرت میں بڑے اچھے اجر اور دنیا میں کامیابی کی خوشخبری سنانے والی کتاب ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا کرے۔ (آمین)

## یہود کی عہد شکنی

وَ لَقَدۡ اَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ ۚ وَ مَا یَکۡفُرُ بِهَاۤ اِلَّا الۡفٰسِقُوۡنَ ﴿۹۹﴾ اَوَ کُلَّمَا عٰهَدُوۡا عَهۡدًا نَّبَذَهٗ فَرِیۡقٌ مِّنۡهُمۡ ؕ بَلۡ اَکۡثَرُهُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۰۰﴾

اور ہم نے تیری طرف روشن آیتیں اتاری ہیں اور ان کا انکار نہ کریں گے مگر وہی جو نافرمان ہیں۔ ﴿۹۹﴾ کیا جب بھی وہ کوئی اقرار باندھیں گے تو ان میں سے ایک جماعت اس کو پھینک دے گی۔ بلکہ ان میں اکثر یقین نہیں کرتے۔ ﴿۱۰۰﴾

**تشریح:** ان آیات میں یہودیوں کی عہد شکنی کا اعادہ کیا گیا ہے۔ یہود کی تاریخ عہد شکنی، نافرمانی، منافقت اور سرکشی سے بھری پڑی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے پیارے نبی ﷺ کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ ہم نے آپ کو بے شمار واضح نشانیاں عطا کی ہیں ایسی جو چھپی ہوئی یا دھندلی نہیں، بلکہ نمایاں، کھلی ہوئی اور واضح روشن نشانیاں عطا کی ہیں کہ جن کو دیکھ کر کوئی بھی معقول انسان انکار نہیں کر سکتا، سوائے ان لوگوں کے جو حکم عدولی، نافرمانی اور سرکشی کے عادی ہوں۔ یہ آیات یہود کے اس اعتراض کے جواب میں نازل ہوئیں جو انہوں نے کیا تھا کہ آنحضرت ﷺ کس قسم کے نبی ہیں کہ ان کے پاس تو کوئی معجزہ ہی نہیں۔ اللہ تعالیٰ مزید فرماتا ہے کہ یہ تو پرانے عہد شکن لوگ ہیں۔ یہ تورات میں اطاعت کا عہد کرنے کے بعد اپنے عہد سے پھر گئے مگر بہت تھوڑے کہ جو اپنے عہد پر قائم رہے۔ اسی پرانی عادت نے انہیں نبی کریم ﷺ پر ایمان لانے سے روکا۔ بعض کا ذکر اسی لئے کیا گیا کہ چند نے اپنا عہد پورا کیا اور پھر نبی ﷺ پر بھی ایمان لے آئے۔ مگر اکثر نے کھلم کھلا کتاب اللہ کی مخالفت کی اسی مخالفت کا ذکر اگلی آیت میں کیا گیا ہے۔

# سفلی عملیات کی خرابیاں

وَ لَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿101﴾

اور جب ان کے پاس اللہ کی طرف سے کوئی رسول اس کتاب کی تصدیق وتائید کرتا ہوا آیا جو ان کے پاس پہلے سے موجود تھی، تو ان اہل کتاب میں سے ایک گروہ نے کتاب اللہ کو اس طرح پس پشت ڈالا گویا کہ وہ کچھ جانتے ہی نہیں۔ ﴿101﴾

تشریح: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ یہود کے دین کو مٹانے کے لئے نہیں آئے، بلکہ وہ تو تمہارے دین کو نئی زندگی اور تازگی دینے کیلئے آئے ہیں۔ ان کی تعلیم بھی اصلاح انسانیت پر مبنی ہے توحید کا سبق دینا ہے، تمہارے دین کی اصل بنیاد بھی یہی ہے اس لئے اگر تم ان کی بات نہیں مانتے تو گویا تم اپنے دین کو نہیں مانتے۔ ان تمام وضاحتوں کے باوجود یہودیوں نے محمد ﷺ کی بھرپور مخالفت کی اور اس مخالفت میں انہوں نے ان تمام نشانیوں کو جو حضور ﷺ کے بارے میں تورات میں دی گئی تھیں بدل دیا، بلکہ اس کوشش میں تورات کے مضامین کو ہی بدل دیا اور محمد ﷺ سے متعلق تمام بشارتوں اور نشانیوں سے انجان ہو بیٹھے اور اسلام کی حد درجہ مخالفت کرنے لگے اور یوں اپنی نجات کی راہ خراب کر بیٹھے۔

## یہود کا گھاٹے والا سودا

وَ اتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَ مَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَ لٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ وَ مَاۤ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَ مَارُوْتَ ؕ وَ مَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَاۤ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَ زَوْجِهٖ ؕ وَ مَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَ يَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَ لَا يَنْفَعُهُمْ ؕ وَ لَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ؕ وَ لَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖۤ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿102﴾ وَ لَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿103﴾ ع 12/7/12

اور وہ ان چیزوں کی پیروی کرنے لگے جو شیاطین سلیمان علیہ السلام کی سلطنت کا نام لے کر کیا کرتے تھے حالانکہ سلیمان علیہ السلام نے کبھی کفر نہیں کیا کفر تو ان شیاطین نے کیا جو لوگوں کو جادوگری کی تعلیم دیا کرتے تھے وہ پیچھے پڑے اس چیز کے جو بابل میں دو فرشتوں ہاروت و ماروت پر نازل کی گئی تھی، حالانکہ وہ جب بھی کسی کو اس کی تعلیم دیتے تو پہلے صاف بتا دیا کرتے تھے کہ "ہم صرف ایک آزمائش ہیں، تو کفر میں مبتلا نہ ہو"۔ پھر بھی یہ لوگ ان سے یہ چیز سیکھتے تھے جس سے شوہر اور بیوی میں جدائی ڈال دیں۔ ظاہر تھا کہ

اذن الٰہی کے بغیر وہ اس ذریعے سے کسی کو بھی ضرر نہ پہنچا سکتے تھے، مگر اس کے باوجود وہ ایسی چیز سیکھتے تھے جو خود ان کے لئے نفع بخش نہیں، بلکہ نقصان دہ تھی اور انہیں خوب معلوم تھا کہ جو اس چیز کا خریدار بنا، اس کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ کتنی بری متاع تھی جس کے بدلے انہوں نے اپنی جانوں کو بیچ ڈالا، کاش انہیں معلوم ہوتا ﴿102﴾ اگر وہ ایمان اور تقویٰ اختیار کرتے، تو اللہ کے ہاں اس کا جو بدلہ ملتا، وہ ان کے لئے زیادہ بہتر تھا کاش انہیں خبر ہوتی۔ ﴿103﴾

تشریح: جب انسان چاروں طرف سے رسوائی، پستی جہالت، غلامی اور افلاس میں گھر کر مایوس ہو جاتا ہے تو پھر سفلی عملیات کا سہارا لیتا ہے۔ یہی حال بنی اسرائیل کا ہو گیا گو کہ وہ خود اپنی وجہ سے ذلیل وخوار ہوئے، مگر اب انہوں نے نجات کے لئے جادو کا راستہ اپنانا شروع کیا اور اس کا الزام بھی حضرت سلیمان پر دے دیا۔ اس آیت میں شیاطین کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ جن جو حضرت سلیمان کے تابع تھے مگر سرکش اور خبیث فطرت والے تھے، کچھ انسان بھی بری عادات والے ان کے ماتحت تھے جو آئے دن حضرت سلیمان علیہ السلام پر تہمتیں لگاتے رہتے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام بنی اسرائیل کے ایک مشہور پیغمبر گزرے ہیں اپنے زمانے کے بادشاہ بھی تھے۔ شام اور فلسطین کے علاوہ آپ کی حکومت مشرق کی طرف عراق تک اور مغرب میں مصر تک پھیلی ہوئی تھی۔ جادو اور سفلی عملیات وہ ہیں جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانے میں شیاطین نے عام کر رکھے تھے۔ یہ لوگ جادو اور کفر تو خود کرتے تھے مگر ان غلط عملیات کو حضرت سلیمان کی طرف منسوب کرتے تھے اور کہتے تھے یہ سفلی عملیات اور جادو ٹونے حضرت سلیمان سکھاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اعلان کر دیا کہ حضرت سلیمان اس عمل سے بری الذمہ ہیں اور یہ لوگ بالکل جھوٹ بولتے ہیں۔ ایک زمانہ تھا جب دنیا میں خصوصاً بابل میں جادو کا بہت چرچا تھا جادو کے عجیب اثرات کو دیکھ کر ضعیف الاعتقاد لوگ معجزہ اور جادو میں فرق نہ کر سکتے تھے یعنی معجزہ و جادو کو ایک ہی کمال سمجھنے لگے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس غلطی کو دور کرنے کے لئے بابل میں دو فرشتے انسانی شکل میں بھیج دیئے کہ وہ لوگوں کو معجزہ و سحر کا فرق بتائیں، کیونکہ انہوں نے انسانوں کی تربیت کرنی تھی اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو انسانوں کی شکل میں بھیجا۔ ان کا نام ہاروت اور ماروت تھا یہ شہر بابل عراق عرب کا قدیم نام تھا۔ اس زمانہ میں دارالخلافہ کا نام بھی بابل ہی تھا۔ یہ شہر موجودہ بغداد سے 60 میل جنوب کی طرف دریائے فرات کے کنارے پر واقع تھا۔ دجلہ وفرات اس شہر کو سیراب کرتے تھے۔ بہت ترقی یافتہ شہر تھا اس ملک میں سفلی عملیات اور جادو منتر کا بڑا چرچا تھا۔ یہودیوں نے اس راہ پر بڑی تیزی سے چلنا شروع کر دیا اور یہ راہ ان کو بڑی آسان دکھائی دی۔ لوگوں نے جادوگروں اور پیغمبروں کو ایک ہی صف میں کھڑا کرنا شروع کر دیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ہاروت اور ماروت دو فرشتوں کو بابل میں انسانی شکلوں میں بھیجا کہ وہ لوگوں کو ساحرین سے دوری اختیار کرنے کا سبق دیں۔ یہ دونوں فرشتے جادو بتانے سے پہلے لوگوں کو ضرور آگاہ کر دیتے تھے کہ اس عمل سے اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں کی آزمائش بھی مقصود ہے کہ کون لوگ جادو کے شر کو غلط استعمال کرتے ہیں اور اپنے دین کو خراب کرتے ہیں اور کون جادو کو اچھی نیت سے سیکھ کر

اچھے کام کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ غرض جو بھی ان سے عہد و پیاں کر لیتا وہ اس کو جادو کے تمام اصول بتا دیتے، کیونکہ ان کا کام ہی یہی تھا اب اگر کوئی عہد شکنی کرے اور جادو کو مخلوق کی ایذا رسانی (برائی) کے لئے استعمال کرے تو ایسے لوگ کافر و فاجر کہلاتے ہیں۔ عربی میں سحر دھوکہ کو کہتے ہیں۔ یعنی ایسی بات جس سے انسان کی نگاہ دھوکہ کھا جائے حقیقت کچھ اور ہو اور ظاہر کچھ اور ہو۔ سحر کے لئے مسئلہ یہ ہے کہ "چاہے قرآن وحدیث کے کلمات سے ہی کام لیا جائے مگر ناجائز مقصد کے لئے استعمال کریں تو وہ بھی جائز نہیں مثلاً کسی کو ناجائز ضرر پہنچانے کے لئے تعویز کیا جائے یا وظیفہ پڑھا جائے۔ اگر چہ وظیفہ اسماء الٰہیہ یا آیات قرآنیہ ہی کا ہو۔ وہ بھی حرام ہے" (فتاویٰ قاضی خان شامی) لیکن معجزہ ایسے حضرات سے ظاہر ہوتا ہے جن کے تقویٰ وطہارت اور پاکیزگی، اخلاق و اعمال کی سب گواہی دیں اس کے برعکس جادو کرنے والے ناپاک، عبادت وطہارت سے دور ہوتے ہیں۔ نبی جادو کرنا چاہے تو نہ چلے کیونکہ نبی تو اصلاح انسانیت کی بات کرتے ہیں، جبکہ ساحر اور بدفطرت انسان معاشرہ کو تباہ و برباد فتنہ وفساد اور تباہی و بربادی کا سوچتا ہے اور عمل بھی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ یہودیوں کی شرارت کے بارے میں مزید بتاتا ہے کہ یہ لوگ زیادہ تر ان عملیات کی مدد سے میاں بیوی میں جھگڑا ڈالواتے تھے۔ اخلاقی پستی کا یہ سب سے نچلہ درجہ ہے۔ کیونکہ یہ معاشرے کی تباہی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے ازدواجی تعلق دراصل انسانی تمدن کی جڑ ہے اگر کسی گھر میں امن سکون نہ ہو تو اس کے اثرات بچوں پر بہت برے پڑتے ہیں اور یوں ایک ماں اور باپ کی ناچاقی پوری نسل کو خراب، بے راہ رو اور پریشان کر دیتی ہے۔ میاں بیوی کا رشتہ معاشرے کے لئے اصلاح یا بگاڑ کا منبع ہے۔ ہاروت و ماروت یہود کو کفر وسرکشی سے بچنے کی تلقین کرتے رہے مگر وہ شیطانیت میں لگے رہے۔ اگر چہ وہ دوسروں کے نقصان کے لئے جادو کرتے تھے مگر اللہ کے حکم کے بغیر کوئی کسی کو ہرگز نقصان نہیں پہنچا سکتا اور اس طرح وہ خود اپنا ہی نقصان کر رہے تھے، کیونکہ برے اعمال میں پھنس کر وہ اپنی عاقبت کو خراب کر رہے تھے اور یوں عارضی فائدے کے لئے آخرت کی دائمی نعمتوں کو قربان کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر بری روش کی بجائے نیکی کی راہ یہ لوگ اختیار کرتے اللہ پر ایمان لاتے اور اس کے عذاب سے ڈرتے تو ضرور اللہ تعالیٰ ان کو بہتر اجر دیتا، لیکن وہ تو انتہائی نافرمان قوم تھی۔

## الفاظ کا غلط استعمال

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَ قُوْلُوا انْظُرْنَا وَ اسْمَعُوْا ؕ وَ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! " رَاعِنَا " نہ کہا کرو بلکہ " اُنْظُرْنَا " کہو اور توجہ سے بات کو سنو، یہ کافر تو دردناک عذاب کے مستحق ہیں۔ ﴿۱۰۴﴾

**تشریح:** اس رکوع اور اس کے بعد والے رکوع میں مومنین کو یہودیوں کی ان شرارتوں سے آگاہ کیا گیا ہے۔ جو وہ اسلام کے خلاف اکثر و بیشتر کرتے رہتے تھے، کیونکہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ پہنچے تو یہودی اپنے مفسدانہ کام میں تیزی سے مصروف ہو گئے کبھی تو وہ نومسلموں کو مذہبی بحثوں میں الجھانے کی کوشش کرتے اور کبھی نبی کریم ﷺ کی مجلس میں آ کر مکارانہ باتیں کرتے۔ اسی

مقصد کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کی شرارتوں سے مسلمانوں کو آگاہ کرتے ہوئے تنبیہ کی ہے کہ ان سے ہوشیار رہو اور ان کی مکاری میں مت آؤ۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو آپ ﷺ کی مجلس میں " رَاعِنَا " کہنے سے منع فرمایا اور اس کی جگہ "اُنْظُرْنَا" کہنے کی تاکید کی ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہودی محمد ﷺ کی مجلس میں جاتے تو اگر کوئی بات نہ سن سکتے یا جان کر نہ سنتے تو " رَاعِنَا " لفظ کو زبان مروڑ کر "رَاعِيْنَا" کہتے۔ " رَاعِنَا " کا مطلب ہے ہماری طرف توجہ کیجئے، جبکہ "رَاعِيْنَا" کا مطلب ہے "ہمارا چرواہا" اور ان کی عبرانی زبان میں اس کا مطلب بددعا بھی ہے۔ چونکہ عربی میں اس کا مطلب یہ نہ تھا اس لئے عام مسلمانوں نے بھی یہ لفظ استعمال کرنا شروع کر دیا، جس پر یہودی بڑے خوش ہوتے آپس میں تمسخرانہ انداز میں بات کرتے کہ دیکھو اب تو کھلم کھلا ہمیں شرارت کرنے کا ذریعہ مل گیا ہے، تو اس پر اللہ کی طرف سے " رَاعِنَا " کہنے کی بجائے " اُنْظُرْنَا " (یعنی ہماری طرف توجہ کیجئے) کہنے کی تاکید کی گئی، تاکہ مسلمان یہودیوں کی شرارت کا شکار نہ ہوں اور آنحضرت ﷺ کی تعظیم و تکریم میں بھی فرق نہ پڑے دوسری بات کی یہ ہدایت کی گئی کہ نبی ﷺ کی باتوں کو غور سے سنا کرو کیونکہ جو کچھ وہ کہتے ہیں وہ تمہارے لئے آخری اور قطعی فیصلہ ہوتا ہے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ نبی ﷺ کی بے ادبی کرتے ہیں وہ کافر ہیں اور ان کی سزا کے لئے اللہ تعالیٰ نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے اگلی آیت میں کفار کے تعصب کے بارے میں مزید کہا گیا ہے۔

## کفار کا تعصب

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَ لَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿105﴾

یہ لوگ جنہوں نے دعوت حق کو قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے، خواہ اہل کتاب میں سے ہوں یا مشرک ہوں، ہرگز یہ پسند نہیں کرتے کہ تمہارے رب کی طرف سے تم پر کوئی بھلائی نازل ہو، مگر اللہ جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے لئے چن لیتا ہے اور وہ بڑا افضل فرمانے والا ہے۔ ﴿105﴾

تشریح : اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو آگاہ کرتے ہیں کہ کافر یعنی اللہ اور رسول کو نہ ماننے والے اور مشرکین یعنی خدائے واحد کے سوا کسی دوسرے کی پرستش کرنے والے اور نہ ہی اہل کتاب یعنی یہودی اور عیسائی کیونکہ ان کو توریت و انجیل آسمانی کتابیں دی گئیں (اور بھی ہیں مگر یہ زیادہ مشہور اہل کتاب ہیں۔) یہ تینوں طبقہ کے لوگ مسلمانوں سے حد درجہ حسد کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں چھوڑ کر مسلمانوں پر نعمتیں اور برکتیں کیوں نازل کرتے ہیں تو رب العزت فرماتا ہے کہ وہ جسے چاہتا ہے اپنے فضل کے لئے چن لیتا ہے جیسا کہ پہلے تفصیل سے بیان ہو چکا ہے کہ پچھلی قوموں نے کیا کچھ خرابیاں کیں کہ جس وجہ سے نبوت ان سے چھین کر بنو اسماعیل کو دے دی گئی۔ اس لئے نہیں چھینی گئی کہ اللہ کو ان سے دشمنی تھی بلکہ ان قوموں کے اعمال بد کی وجہ سے ان کو اس نعمت سے محروم کر دیا گیا۔

# آیات کی تنسیخ

مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰیَۃٍ اَوۡ نُنۡسِہَا نَاۡتِ بِخَیۡرٍ مِّنۡہَاۤ اَوۡ مِثۡلِہَا ؕ اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ﴿106﴾ اَلَمۡ تَعۡلَمۡ اَنَّ اللّٰہَ لَہٗ مُلۡکُ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ وَ مَا لَکُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ مِنۡ وَّلِیٍّ وَّ لَا نَصِیۡرٍ ﴿107﴾

ہم اپنی جس آیت کو منسوخ کر دیتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں اس کی جگہ اس سے بہتر لاتے ہیں۔ یا کم از کم ویسی ہی، کیا تم جانتے نہیں ہو کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ ﴿106﴾ کیا تمہیں خبر نہیں ہے کہ زمین اور آسمانوں کی فرمانروائی اللہ ہی کے لئے ہے اور اس کے سوا کوئی تمہاری خبر گیری کرنے اور تمہاری مدد کرنے والا نہیں۔ ﴿107﴾

**تشریح:** یہ ایک خاص شبہہ کا جواب ہے جو یہودی مسلمانوں کے دلوں میں ڈالنے کی کوشش کرتے تھے۔ وہ کہتے تھے کہ اگر پچھلی کتابیں اور قرآن پاک ایک ہی اللہ کے بھیجے ہوئے ہیں تو پھر ان کے احکامات کیوں مختلف ہیں۔ یہ باتیں وہ تحقیق کی خاطر نہیں، بلکہ محض اس لئے کرتے تھے کہ مسلمان قرآن کو منجانب اللہ ماننے کے لئے شک وشبہہ میں پڑ جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے تنسیخ آیات کا جو ذکر کیا ہے، تو تمام بڑے بڑے مفسرین نے اس کے بارے میں مختلف تفاسیر بیان کی ہیں۔ ''درس قرآن'' کی تفسیر کے مطابق یہی قول صحیح معلوم ہوتا ہے کہ'' آیات کے منسوخ ہونے سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے پہلے احکام اور قدیم کتب کی جگہ قرآن مجید کے جدید احکام آگئے ہیں اور یہ احکام پہلے حکموں کو منسوخ کرتے ہیں واقعات اور تاریخ کی روشنی میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جب بھی کوئی کتاب انسانوں کے ذہن سے فراموش ہوئی یا منسوخ قرار پائی تو دوسری کتاب اس جیسی یا اس سے بہتر نازل ہوگئی اور اللہ کے بندے اللہ کی ہدایت سے محروم نہ رکھے گئے اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں مالک ہوں، میرے اختیارات غیر محدود ہیں، اپنے جس حکم کو چاہوں منسوخ کر دوں اور جس چیز کو چاہوں حافظوں سے محو کر دوں یعنی بھلا دوں، مگر جس چیز کو منسوخ کرتا ہوں یا بھلا دیتا ہوں۔ اس سے بہتر چیز اس کی جگہ پر لاتا ہوں''۔ اگلی آیت میں یہودیوں کی ایک اور سازش بیان کی گئی ہے جو آنحضرت ﷺ سے سوالات کرنے کے بارے میں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

# نبی ﷺ سے سوالات کی زیادتی

اَمۡ تُرِیۡدُوۡنَ اَنۡ تَسۡـَٔلُوۡا رَسُوۡلَکُمۡ کَمَا سُئِلَ مُوۡسٰی مِنۡ قَبۡلُ ؕ وَ مَنۡ یَّتَبَدَّلِ الۡکُفۡرَ بِالۡاِیۡمَانِ فَقَدۡ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِیۡلِ ﴿108﴾

کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے رسول ﷺ سے سوال کرو۔ جیسے اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام سے سوالات ہو چکے ہیں اور جس شخص نے ایمان کی راہ کی بجائے کفر کی راہ اختیار کرلی تو وہ راہ راست سے بھٹک گیا۔ ﴿108﴾

تشریح: یہودی مسلمانوں کو بھٹکانے کے لئے ان کے دلوں میں الٹے سیدھے خیالات بھرتے رہتے، تا کہ مسلمان نبی کریم ﷺ سے ہر وقت الٹے سیدھے سوالات کرتے رہیں اور اصل مقصد سے بھٹک جائیں اور اپنے مذہب سے بدگمان ہو جائیں۔ بعض مسلمان ان کی چال کے شکار ہو گئے اور بے خبری میں آنحضرت ﷺ سے الٹے سیدھے سوالات کرنے لگے تو ان کو اس حرکت سے منع کرنے کے لئے اللہ کا فرمان نازل ہوا اور اس حقیقت کو عیاں کیا گیا کہ جس طرح یہودیوں نے حضرت موسیٰ کے ہر فرمان پر اعتراضات کئے جیسا کہ گائے کے ذبحہ کرنے کا واقعہ گزر چکا ہے۔ سورۃ البقرہ کی آیات 67 تا 71 میں گائے کا واقعہ بڑی تفصیل سے بیان ہو چکا ہے۔ اس واقعہ سے یہی سبق ملتا ہے کہ رسول ﷺ سے بار بار سوال کرنے سے پابندی اور مشکلات میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ اور ایک آسان حکم، مشکل صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اس لئے جو حکم تمہیں دیا جاتا ہے اس پر عمل کرو اور جن کاموں سے منع کیا جاتا ہے ان سے پرہیز کرو اور صرف کام کی باتوں پر توجہ دو اور پوری طرح عمل کرو۔ کیونکہ اسی میں نیکی، بھلائی اور کامیابی ہے۔ اگلی آیت میں کفار کے حسد اور بغض کا اور بھی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے۔

## کفار کا حسد

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿109﴾ وَ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿110﴾

بہت سے اہل کتاب چاہتے ہیں۔ کاش تمہیں ایمان کے بعد کفر میں لوٹا دیں، اپنے دلی حسد کے سبب اس کے بعد کہ ان پر حق ظاہر ہو گیا تم درگزر کرو اور خیال میں نہ لاؤ جب تک اللہ کا حکم آئے بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔﴿109﴾ نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو، تم اپنی عاقبت کے لئے جو بھلائی کما کر آگے بھیجو گے اللہ کے ہاں اسے موجود پاؤ گے جو کچھ تم کرتے ہو وہ سب اللہ کی نظر میں ہے۔﴿110﴾

تشریح: مذکورہ آیات میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ خبردار کر رہے ہیں کہ یہود و نصاریٰ اپنی بدعملیوں کی وجہ سے کفر کی راہ اختیار کر چکے ہیں۔ وہ اپنی پوری کوشش صرف کر رہے ہیں کہ تم مسلمان اپنے دین سے بددل ہو جاؤ اور ان کی طرح غلط راہ پر چلنا شروع کر دو۔ حالانکہ وہ حق و باطل کا فرق جانتے ہیں مگر مارے حسد کے وہ تمہیں بدراہ کرنے کی پوری کوشش کر رہے ہیں۔ تم غصہ نہ کھاؤ درگزر کرو اور ان سے نمٹنے کے لئے اللہ کے حکم کا انتظار کرو۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ فی الحال تم اپنی طاقت کو مجتمع رکھو، نیکی اور بھلائی کی طرف توجہ دو اور ان دو بنیادی اصولوں پر جم جاؤ، اول نماز قائم رکھو دوسرے زکوٰۃ دیتے رہو۔ یہ دونوں اصول

کسی بھی گروہ یا قوم کو متحد اور مضبوط رکھنے کے لئے بے حد ضروری ہیں۔

نماز تنظیم، صحت و صفائی، پابندی اوقات اور اتحاد کی نشانی ہے۔ نماز کے ان گنت فوائد ہیں جو آئندہ بیان کئے جائیں گے۔ (ان شاءاللہ) اسی طرح زکوٰۃ، تقسیم دولت کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے اس سے باہمی نفرت، لالچ، حسد، بے سکونی اور خودغرضی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ زکوٰۃ بھی نماز کی طرح بے شمار فوائد کی حامل ہے تو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو تنبیہ کرتے ہیں کہ تم نیکی اور نیک اعمال کی طرف توجہ دو اور اللہ کے حکم کا انتظار کرو پھر ارشاد ہوتا ہے کہ نیکی کی راہ صرف دنیا میں کام نہیں آئے گی، بلکہ تمہاری ایک ایک نیکی اللہ کی نگاہ میں ہے اور ہر عمل کا اجر آخرت میں ضرور دیا جائے گا، بلکہ دنیا کو تو آخرت کی کھیتی کہا گیا ہے۔ یہ دنیا عارضی آزمائش گاہ ہے اس میں جو بھی اعمال کئے جائیں لوح محفوظ میں لکھے چلے جاتے ہیں۔

شاعر نے بھی خوب وضاحت کی ہے:

عمل سے زندگی بنتی ہے جنت بھی جہنم بھی ... یہ خاکی اپنی فطرت میں نہ نوری ہے نہ ناری ہے

(ڈاکٹر علامہ اقبال)

تو اللہ نے مسلمانوں کو حکم دیا اور تسلی بھی دی کہ یہودیوں کی شرارتوں سے نہ تو تم بددل ہو اور نہ ہی پریشان ہو، بلکہ صبر سکون اور مستقل مزاجی سے اللہ کے دیئے ہوئے ان دو اصولوں پر عمل کرو۔ یعنی سچے دل سے نماز قائم کرو اور باقاعدگی اور خلوص سے زکوٰۃ دیتے رہو۔ تمہارا کوئی عمل ضائع نہ جائے گا، بلکہ دنیا و آخرت میں تم فلاح پاؤ گے اور اس حکم اللہ وندی کا انتظار کرو۔ یعنی جہاد کا اگلی آیات میں یہود کی ان جھوٹی آرزوؤں کا دوبارہ ذکر کیا گیا ہے جو وہ جنت کے بارے میں کئے ہوئے تھے۔

## جنت کا مستحق کون؟

وَ قَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۱۱﴾ بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَ هُوَ مُحْسِنٌ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۪ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ ع 13 9 13

ان کا کہنا ہے کہ کوئی شخص جنت میں نہ جائے گا جب تک کہ وہ یہودی نہ ہو یا عیسائی نہ ہو یہ ان کی تمنائیں ہیں۔ ان سے کہو! دلیل پیش کرو اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔ ﴿۱۱۱﴾ (دراصل نہ تمہاری کچھ خصوصیت ہے نہ کسی اور کی) حق یہ ہے جو بھی اپنی ہستی کو اللہ کی اطاعت میں سونپ دے گا اور عملاً نیک روش پر چلے اس کے لئے اس کے رب کے پاس اس کا اجر ہے اور ایسے لوگوں کے لئے کسی رنج یا خوف کا کوئی موقعہ نہیں۔ ﴿۱۱۲﴾

**تشریح:** یہودی اور عیسائی یہ تمنا لئے ہوئے ہیں کہ ہم تو اللہ کے مقبول ہیں۔ اس لئے ہمارے سوا کوئی دوسری قوم یا شخص جنت

میں داخل نہ ہو سکے گا۔ جنت کے حق دار تو صرف ہم لوگ ہی ہیں ان کو اتنی بھی عقل نہیں کہ محض کسی مذہب سے تعلق رکھنے سے جنت نہیں مل جاتی، بلکہ مذہب کے قواعد پر عمل کرنے اور اللہ پر صحیح ایمان لانے اور نیک راہیں اختیار کرنے سے ہی جنت میں داخلہ ملے گا اور یہی بات سچ اور اٹل ہے اگر یہودی یا عیسائی اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو کسی دلیل سے اس کو ثابت کر دکھائیں۔ قرآن مجید میں بتایا گیا ہے کہ گروہ بندیوں اور بدمستیوں کی وجہ سے تمام گزشتہ مذاہب نے اپنا وقار خاک میں ملا دیا ہے اور پھر جنت کے وارث ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ مذہب اسلام سب کو متحد کرنے کے لئے اور نیکی کی تعلیم و تربیت کے لئے بھیجا گیا ہے۔ مذہب اسلام میں بار بار یہی تاکید کی گئی ہے کہ نیک راہ اختیار کرو، خود کو اللہ کی اطاعت میں سونپ دو اور اطاعت، فرمانبرداری اور عبادت کے وہی طریقے اختیار کرو جو دین میں بتائے گئے ہیں، اپنے بنائے ہوئے طریقوں پر نہ چلو یہ سب کچھ جنت میں داخل ہونے کے لئے ضروری ہے نسلی مسلمان ہو یا یہودی و نصرانی۔ اللہ کے ہاں اس کی کوئی قیمت نہیں۔ اصل میں ایمان اور نیک عمل ہیں جو انسان کو اجر عظیم کا وارث بناتے ہیں اور ایسے لوگ دنیا و آخرت میں بالکل مطمئن اور بے خوف ہوتے ہیں۔

## مذہبی گروہ بندیاں

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۪ وَّ قَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّ هُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿113﴾

یہودی کہتے ہیں عیسائیوں کے پاس کچھ نہیں اور عیسائی کہتے ہیں یہودیوں کے پاس کچھ نہیں۔ حالانکہ دونوں ہی کتاب پڑھتے ہیں اور اسی قسم کے دعوے ان لوگوں کے بھی ہیں جن کے پاس کتاب کا علم نہیں ہے، یہ اختلافات جن میں یہ لوگ مبتلا ہیں ان کا فیصلہ اللہ قیامت کے روز کر دے گا۔ ﴿113﴾

تشریح: یہودی بھی اہل کتاب ہیں اور عیسائی بھی اہل کتاب یعنی ان کو ہدایت نامہ مل چکا تھا۔ راہ ہدایت کے اصول وضوابط ملے ہوئے تھے مگر ان پر عمل کرنا ان کے لئے ناممکن رہا۔ خوب دل بھر کر نافرمانیاں اور ہٹ دھرمیاں کرتے ہیں، مگر دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم جیسا کوئی نہیں بس ہم تو بخشے بخشائے ہیں ادھر تیسرا گروہ بھی برتری کا دعویدار ہے۔ یہ وہ گروہ ہے جس کو کتاب نہیں دی گئی یعنی کفار و مشرکین۔ غرض ہر کوئی برتری اور کامیابی کا یقین کئے بیٹھا ہے۔ قرآن مجید میں اس بات کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ مذہبی فرقہ بندی کوئی حقیقت نہیں رکھتی اصل میں سیدھی راہ تو صرف یہ ہے کہ اللہ کا حکم مانو، نیک عمل کرو۔ اللہ قیامت کے دن اپنا فیصلہ سنا دے گا کہ کون برتر ہے اور کون بدتر ہے۔

## مساجد کو ویران کرنے والے

وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَ سَعٰى فِيْ خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ۬ؕ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَّ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿114﴾

اور اس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہوگا جو اللہ کے معبدوں میں اس کے نام کی یاد سے روکے اور ان کی ویرانی کے درپے ہو؟ ایسے لوگ اس قابل ہیں کہ ان عبادت گاہوں میں قدم نہ رکھیں اور اگر وہاں جائیں بھی تو ڈرتے ہوئے جائیں گے ان کے لئے دنیا میں رسوائی ہے اور آخرت میں عذاب عظیم۔ ﴿114﴾

تشریح: یہاں ان دو واقعات کا ذکر کیا جا رہا ہے جو یہودیوں اور عیسائیوں کے درمیان جنگ ہوئی۔ انہوں نے ایک دوسرے کی مقدس کتابوں کو جلایا اور بیت المقدس کو خراب کیا۔ دوسرا واقعہ 6 ہجری کا ہے جب مشرکوں نے مسلمانوں کو مسجد حرام یعنی خانہ کعبہ میں جانے سے روکا، دونوں واقعات اس بات کا واضح ثبوت ہیں کہ جب گروہ بندیاں بڑھ جائیں، لوگوں کے دل خوف اللہ سے خالی ہو جائیں۔ تعصب اور فرقہ بندی حد سے بڑھ جائے تو پھر سب سے بڑا کام یہی کیا جاتا ہے کہ ایک دوسرے کی عبادت گاہوں کو مسمار کیا جائے یا ایسا ماحول پیدا کیا جائے کہ لوگ عبادت گاہوں میں جاتے ہوئے ڈریں تو اس سے بڑا ظلم اور کیا ہوگا کہ عبادت گاہوں کی بے حرمتی کی جائے یا لوگوں کو وہاں جانے سے روکا جائے تو جو بھی لوگ اس قدر گری ہوئی حرکت کرتے ہیں ان کو دنیا میں رسوائی اور آخرت میں بہت سخت عذاب دیا جائے گا۔

## اللہ ہر طرف جلوہ گر ہے

وَ لِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ۗ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿115﴾

مشرق و مغرب اللہ ہی کا ہے تو جس طرف تم منہ کرو اللہ وہاں ہی متوجہ ہے۔ بے شک اللہ بخشنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ ﴿115﴾

تشریح: اس آیت میں واضح کر دیا گیا ہے کہ ہر طرف اللہ تعالیٰ موجود ہے۔ یہود و نصاریٰ اور مشرکین و کفار نے سمتیں مقرر کر رکھی تھیں کہ صرف اس طرف ہی اللہ موجود ہے، اس ایک خاص طرف وہ منہ کر کے اپنے عقیدہ کے مطابق عبادت یا پوجا کرتے تھے۔ اللہ نے صاف صاف بتا دیا کہ یہ خاص سمت والا عقیدہ یا جھگڑا بالکل بے کار ہے، کیونکہ اللہ تو ہر جگہ موجود ہے وہ صرف مشرق یا مغرب میں ہی مقید نہیں، بلکہ ہر جگہ اور ہر سمت اسی کی ہے۔ جدھر جاؤ، جدھر منہ کرو اللہ موجود ہے۔ بیت الحرام یا بیت المقدس کا تعین تو خاص مقاصد کے لئے کیا گیا ہے جو آئندہ بیان کیا جائے گا۔ (ان شاء اللہ) فی الحال یہ سمجھانا مقصود ہے کہ اللہ پوری کائنات کا احاطہ کئے ہوئے ہے وہ انتہائی بخشش کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ اس لئے مشرق و مغرب کا جھگڑا ختم کرو۔ دوسری

بات جو اس آیت میں بتائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ مسافر اور سوار کو یہ رعایت دی گئی ہے کہ خلوص نیت ضروری ہے، قبلہ کا رخ اگر نہ بھی ہو سکے تو جدھر رخ کر کے عبادت کرو گے قابل قبول ہوگی۔ بہرحال اس آیت میں اللہ کی قدرت کاملہ عظمت اور علم و آگہی کا ثبوت ملتا ہے۔ جس پر یقین کرنا ہر انسان کا فرض ہے۔ آیت الکرسی میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''اس کی (اللہ کی) حکومت آسمانوں اور زمین پر چھائی ہوئی ہے۔'' (سورۃ بقرہ آیت نمبر 255)

## اللہ کی کوئی اولاد نہیں

وَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿116﴾

وہ کہتے ہیں کہ اللہ نے بیٹا بنایا ہے، اللہ ان باتوں سے پاک ہے۔ اصل میں زمین و آسمانوں کی تمام موجودات اس کی ملک ہیں اور سب کے سب اس کے مطیع فرمان ہیں۔ ﴿116﴾

تشریح: یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو اور عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے، مشرکین عرب فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں کہتے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ وضاحت فرماتے ہیں کہ یہ سب بہت بڑا شرک ہے، کیونکہ اللہ کی ذات واحد ہے نہ اس کا کوئی بیٹا ہے نہ بیٹی، نہ بیوی وہ ان تمام چیزوں سے پاک ہے وہ قادر مطلق ہے، وحدہ لاشریک ہے، صمد ہے یعنی نہ اس کا کوئی شریک ہے اور نہ ہی اس کو کسی کی مدد درکار ہے، وہ اکیلا ہے اور ہر رشتہ، ہر مدد سے بے نیاز ہے۔ زمین اور آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان موجود ہے، ہر چیز اللہ کی فرمانبردار ہے اور ہر وقت اس کی تعریف میں مصروف رہتی ہے۔ کائنات کی ہر چیز اس کے حکم کے آگے سر جھکائے ہوئے ہے، مسلمان کا سب سے پہلا عقیدہ توحید ہے، شرک بہت بڑا ظلم اور بہت بڑا گناہ ہے اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اگلی آیت میں وضاحت سے بیان کی جارہی ہے۔

## رب کا حکم

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ اِذَا قَضٰۤى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿117﴾

وہ آسمان و زمین کا بنانے والا ہے اور جس بات کا وہ فیصلہ کرتا ہے اس کے لئے بس یہ حکم دیتا ہے کہ "ہو جا" اور وہ ہو جاتی ہے۔ ﴿117﴾

تشریح: "بَدِيْعُ" اللہ تعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے ایک نام ہے۔ یہاں خالق کا لفظ نہیں آیا، کیونکہ خالق کو مواد اور نقشہ کی ضرورت ہوتی ہے، جبکہ بدیع کا مطلب ہے بغیر مادے اور بغیر نمونے کے پیدا کرنے والا۔ یہ اس کی بہت بڑی شان ہے اور قدرت کاملہ بھی بھلا کون اس کی طرح ہو سکتا ہے انجینئر عمارت بناتا ہے تو اللہ کی پیدا کی ہوئی چیز استعمال کرتا ہے۔ کمہار برتن بناتا ہے، سنار زیور بناتا ہے، غرض انسان جو بھی چیز بناتا ہے اس کے لئے اس کو کسی نہ کسی مادے کی ضرورت ہوتی ہے جس کو وہ جوڑ کر

استعمال کر کے اور کسی نہ کسی نمونے نقشہ کی مدد سے کوئی چیز بناتا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کو اس کی ضرورت نہیں وہ ان تمام چیزوں کا محتاج نہیں، کیونکہ وہ جب بھی کچھ بنانا چاہتا ہے وہ صرف "کُنْ" (ہوجا) کا لفظ کہتا ہے اور وہ چیز وجود میں آجاتی ہے۔ اتنی بڑی کائنات، زمین وآسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے۔ مخلوقات، جمادات، حیوانات، ہوا، پانی غرض ہر وہ چیز جو ہمیں دنیا میں دکھائی دیتی ہے یہ سب اللہ تعالیٰ نے صرف "کُنْ" (ہوجا) کے ذریعے ہی پیدا کی اسی لئے اس کو بدیع کہا جاتا ہے مادہ پرست لوگ اس کا انکار کرتے ہیں تو ان سے پوچھا جائے کہ اپنی قدرت سے یعنی اللہ کی پیدا کی ہوئی کسی چیز کو استعمال کئے بغیر ایک چھوٹا سا تنکہ بنا کر دکھاؤ تو انکو اللہ کی قدرت کاملہ اور وحدانیت کا یقین آجائے گا۔ سبحان اللہ وہ بڑی قدرت والا ہے زمین وآسمان ہر چیز اس کی تابع فرمان ہے ہمیں بھی اسی کی اطاعت کرنی چاہیے یقین رکھیں کہ توحید حاصل اسلام اور روح دین ہے سورہ لقمان کی آیت 3 میں اللہ فرماتا ہے۔ "یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے" انسان کی سائنس میں ترقی اس یقین کو واضح کرتی جارہی ہے کہ یقیناً تمام نظام کائنات اور تخلیق کائنات کے پیچھے کوئی زبردست غیبی طاقت پوشیدہ ہے۔ مسلمان اسی غیبی طاقت پر ایمان رکھتا ہے۔ یہی تو "اللہ" ہے۔ بدیع السموات ہے۔ "کُنْ" (ہوجا) پر قادر ہے تمام کائنات پیدا کرنے والا ہے۔ بھلا اس کو کسی مددگار بیوی یا بیٹے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ سب تو انسان کے لئے اسباب اس نے بنا رکھے ہیں، اس کو کسی سبب کی ضرورت نہیں۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اگلی آیت میں مشرکوں کی حجت بازی کا جواب دلائل سے دیا گیا ہے۔

## واضح دلائل اور نبی ﷺ کی ذمہ داریاں

وَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْ لَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَاۤ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿118﴾ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّ نَذِيْرًا ۙ وَّ لَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ ﴿119﴾ وَ لَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَ لَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَ لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِيْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّ لَا نَصِيْرٍ ﴿120﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَ مَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿121﴾ ع 14/9/14

نادان کہتے ہیں کہ اللہ ہم سے خود بات کیوں نہیں کرتا، یا کوئی نشانی ہمارے پاس کیوں نہیں آتی، ایسی ہی باتیں ان سے پہلے لوگ بھی کیا کرتے تھے ان سب کی ذہنیتیں ایک جیسی ہیں یقین لانے والوں کے لئے تو ہم نشانیاں صاف صاف نمایاں کر چکے ہیں۔ ﴿118﴾ ہم نے آپ ﷺ کو علم حق کے ساتھ خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اب جو لوگ جہنم سے رشتہ جوڑ چکے ہیں ان کی

طرف سے تم ذمہ دار اور جواب دہ نہیں ہو۔﴿119﴾ یہودی اور عیسائی آپ ﷺ سے ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کے طریقے پر نہ چلنے لگو۔ صاف کہہ دو کہ راستہ بس وہی ہے جو اللہ نے بتایا ہے ورنہ اس علم کے بعد جو تمہارے پاس آچکا ہے تم نے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو اللہ کی پکڑ سے بچانے والا کوئی دوست اور مددگار تمہارے لئے نہیں ہے۔﴿120﴾ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اسے اس طرح پڑھتے ہیں جیسا کہ پڑھنے کا حق ہے وہ اس پر سچے دل سے ایمان لاتے ہیں اور جو اس کے ساتھ کفر کا رویہ اختیار کریں وہی اصل میں نقصان اٹھانے والے ہیں۔﴿121﴾

تشریح: کفار مکہ آنحضرت ﷺ سے کہتے تھے کہ اللہ خود ہمارے سامنے آکر ہم سے بات کیوں نہیں کرتا اور ہمیں کوئی نشانی کیوں نہیں دکھاتا کہ ہم آپ ﷺ کو آخری نبی مان لیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ کوئی عجیب بات نہیں۔ اس سے پہلے یعنی یہود و نصاریٰ نے بھی ایسی ہی باتیں کیں تھیں۔ بدنیت اور خراب لوگ ہر زمانے اور ہر قوم کے ایک ہی جیسی باتیں کرتے ہیں۔ بے کار حجت بازی کرتے ہیں اور ان کے دل عقلیں پاک بازی اور حق شناسی سے بالکل خالی ہیں۔ یہ آپ سے معجزہ کی فرمائشیں کرتے ہیں، حالانکہ آپ ﷺ کی شخصیت بذات خود ایک بہت بڑا معجزہ ہے آپ ﷺ کی امانت، دیانت، پاکبازی اور امی (ان پڑھ) ہونے کے باوجود حامل قرآن ہونا کسی معجزہ سے کم نہیں پھر واقعہ معراج شق القمر کیا یہ سب معجزات کافی نہیں؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہے کہ جن لوگوں نے ایمان لانا ہوتا ہے وہ لے آتے ہیں، مگر یہ سب تو بس سوائے ہٹ دھرمی اور شرارت کے اور کچھ نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ سے فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کو تو ہم نے سچی کتاب دین حق دے کر بھیجا ہے آپ کا کام صرف یہ ہے کہ لوگوں کو نیکی کی راہ دکھائیں ان کو نیک کام کرنے ایمان لانے اور راست بازی کے انعامات کے بارے میں بتائیں۔ کفار، مشرکین اور بداعمال لوگوں کو جہنم اور برے انجام کے بارے میں بتائیں جو ان کو برے اعمال کفر اور شرک کے بدلے میں آخرت میں دیا جائے گا۔ اگر وہ راہ راست اختیار نہیں کرتے تو اس کی ذمہ داری آپ کی نہیں اس بارے میں باز پرس ان لوگوں سے کی جائے گی نہ کہ آپ سے، آپ بالکل فکر مند نہ ہوں اور پھر اللہ تعالیٰ محمد ﷺ کو مخاطب کر کے فرماتا ہے۔ کہ آپ ﷺ چاہے کتنی ہی ہمدردی اور رعایت ان منکرین دین سے کیوں نہ کریں یہ حد سے بڑھنے والے انتہائی متعصب اور نافرمان لوگ ہیں یہ تو نیکی کی راہ اختیار کریں گے اور نہ ہی ایمان لائیں گے اور آپ سے ان کی دوستی اس وقت ہو سکتی ہے کہ جب آپ دین حق کو چھوڑ کر ان کی غلط راہیں اختیار کر لیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ حقیقی راہ ہدایت اور سچا دین تو صرف وہی ہے جو آپ ﷺ کو دیا گیا ہے۔ توحید اور نیک عملی ہی انسان کی نجات کا ذریعہ بن سکتی ہے اور جو شخص جان بوجھ کر سیدھی راہ سے ہٹ جائے گا تو اس کے لئے بڑی سخت سزا مقرر کی جا چکی ہے وہ ضرور ملے گی اور کوئی اس سے بچانے والا نہ ہوگا۔ واضح کر دیا گیا ہے کہ اہل کتاب کا دین بالکل بدل چکا ہے، جھوٹی آرزوؤں اور گروہ بندی کے سوا کوئی چیز ان لوگوں میں باقی نہیں رہی۔ دوسری طرف دین اسلام کی تعلیمات اور حق پرستی کی وضاحت کی گئی ہے پھر اللہ

تعالیٰ فرماتا ہے کہ اہل کتاب اگر اپنی ہٹ دھرمی چھوڑ کر نیک نیتی اور خلوص وصدق دل سے اپنی کتاب پڑھیں، غور کریں تو جو نشانیاں آنحضرت ﷺ کی ان کی کتاب میں بیان کی گئی ہیں۔ ان کو غور سے پڑھ کر وہ فوراً نبی کریم ﷺ پر ایمان لا سکتے ہیں۔ لیکن اول تو انہوں نے اپنی کتاب کو ہی تبدیل کر دیا ہے۔ دوسرے ان کا ارادہ ہی نہیں کہ وہ نیک راہ اختیار کریں۔ آپ ﷺ پر ایمان لائیں اور تعصب و گروہ بندی سے چھٹکارا حاصل کریں۔ لہٰذا وہ ہمیشہ کفر میں مبتلا رہیں گے اور یوں دنیا و آخرت میں نقصان اٹھائیں گے اور اللہ کے ناپسندیدہ انسان شمار کیے جائیں گے۔

## یوم آخرت میں گرفت

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَ اَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿122﴾
وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّ لَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّ لَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ
وَّ لَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿123﴾

اے بنی اسرائیل! یاد کرو میری وہ نعمت جس سے میں نے تمہیں نوازا تھا اور یہ کہ میں نے تمہیں دنیا کی تمام قوموں پر فضیلت دی تھی۔ ﴿122﴾ اور ڈرو اس دن سے جب کوئی کسی کے ذرا کام نہ آئے گا، نہ کسی سے فدیہ قبول کیا جائے گا، نہ کوئی سفارش ہی آدمی کو کوئی فائدہ دے گی اور نہ مجرموں کو کہیں سے کوئی مدد پہنچ سکے گی۔ ﴿123﴾

**تشریح:** گزشتہ آیات میں بنی اسرائیل کا ذکر بڑی تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے، ان کی ہر قسم کی کمزوریوں کو اچھی طرح بیان کیا جا چکا ہے۔ یہاں بنی اسرائیل کو تمام دیئے گئے انعامات یاد کروائے جا رہے ہیں اور پھر واضح کیا جا رہا ہے کہ اب اگر انہوں نے مزید ہٹ دھرمی، تعصب گروہ بندی اور ضد کا مظاہرہ کیا اور نبی آخر الزماں ﷺ پر ایمان نہ لائے، سیدھی راہ اگر اختیار نہ کی تو پھر آخرت میں ان کی گرفت یقیناً ہو گی اور آخرت کی گرفت بڑی سخت اور اٹل ہے۔ وہاں پر ہر شخص اپنے کئے کا بدلہ بڑے انصاف سے اور ضرور پائے گا۔ دنیا میں سزا سے بچنے کے لئے کسی کی سفارش، فدیہ (بدلہ) جرمانہ یا طاقت کام آسکتی ہے مگر آخرت میں نہ تو کوئی سفارش کام آئے گی، نہ مال، جرمانے میں قبول ہوگا اور نہ ہی کسی کی طاقت ہی کام آئے گی۔ بس اپنے کئے ہوئے تمام اعمال کا بدلہ پورا پورا ضرور بھگتنا پڑے گا کسی طرح سے بھی کوئی کسی کی ہرگز مدد نہ کر سکے گا۔ اللہ کا انصاف اور اس کی گرفت بڑی زبردست ہے۔ اللہ اس سے بچائے اور نیکی کی راہ پر چلنے کی توفیق عطا کرے۔ (آمین) اگلی آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قیادت اور امامت کا ذکر کیا گیا ہے۔

## حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قیادت وامامت

وَ اِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَ مِنْ ذُرِّیَّتِیْ ؕ قَالَ لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۲۴﴾

یاد کرو کہ جب ابراہیم علیہ السلام کو اس کے رب نے چند باتوں میں آزمایا اور وہ ان سب آزمائشوں میں پورے اترے تو اللہ نے کہا! میں تجھے سب لوگوں کا پیشوا بنانے والا ہوں، ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا! اور کیا میری اولاد سے بھی؟ (یہی وعدہ ہے) تو اس نے فرمایا: میرا وعدہ ظالموں سے متعلق نہیں ہے۔ ﴿۱۲۴﴾

تشریح: اللہ تعالیٰ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے درمیان بڑا پیارا مکالمہ بیان کیا جارہا ہے۔ سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تعارف ہو جائے یہ بڑے جلیل القدر نبی تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد تھے، آپ کا وطن بابل تھا، آپ کے والد کا نام آذر تھا، ان کی نسل میں دو سلسلے چلے۔ ایک حضرت اسحٰق علیہ السلام اور دوسرا حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے چلا۔ پہلے سلسلے کے نبیوں کو اسرائیلی انبیاء کہا جاتا ہے مثلاً حضرت سلیمان علیہ السلام، حضرت داؤد علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام، دوسرے خاندان میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جد الانبیاء کہلاتے ہیں، مسلمان، عیسائی اور یہودی سب ہی ان کی عزت کرتے ہیں، ان کی آزمائشوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ یہ امتحان اس لئے لیا گیا کہ پیغمبر بننے کے لئے بڑے ہی حوصلہ، عزم وارادہ کی مضبوطی اور ثابت قدمی کی ضرورت ہوتی ہے، یوں سمجھ لیجئے کہ مشق کے لئے ان کڑی آزمائشوں سے گزارا گیا اور یہ واضح کر دیا جائے کہ کون کون سی مشکلات ان پر ڈالی گئیں۔

سب سے پہلے تو وہ ایسے گھرانے میں پیدا ہوئے کہ جہاں بت پرستی اپنے عروج کو پہنچی ہوئی تھی۔ آپ نے بڑی جرات اور ہمت سے قوم کو اللہ وحدہ لاشریک کی طرف بلایا تو سب لوگ آپ کے دشمن ہو گئے۔ ایک دفعہ سب لوگ میلہ میں شریک ہونے کے لئے شہر سے باہر گئے ہوئے تھے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بڑی جرات سے تمام بتوں کو توڑ دیا اور سب سے بڑے بت کے کاندھے پر ہتھیار رکھ دیا، جب لوگ واپس آئے تو تحقیق ہونے لگی، سب نے حضرت ابراہیم علیہ السلام پر الزام دیا تو بادشاہ وقت نے آپ سے پوچھا تو آپ نے کہا: بڑے بت سے پوچھ لو؟ تو اس پر وہ لاجواب ہو گئے پوری قوم نے فیصلہ کیا اور نمرود نے حکم دیا کہ آپ کو آگ میں ڈال کر جلا دیا جائے آپ بالکل نہ گھبرائے۔

بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق

(علامہ ڈاکٹر اقبال)

آپ کو اللہ کی ذات پر مکمل بھروسہ تھا اس کی رضا کے لئے اطمینان سے آگ میں کود گئے آگ اللہ کے حکم سے ٹھنڈی اور سلامتی کا

ذریعہ بن گئی۔مگر آپ آزمائش میں پورے اترے۔

دوسری آزمائش ملکِ شام کی طرف ہجرت کر جانے کی تھی، اس میں بھی پورے اترے، قوم اور وطن دونوں کو اللہ کے حکم پر قربان کر دیا۔

تیسری آزمائش یہ ہوئی کہ بیوی اور شیر خوار بچہ کو ویران سنگلاخ علاقہ میں تنہا چھوڑ آنے کا حکم دیا گیا۔ آپ نے حکم کی تعمیل کی اور اللہ کے بھروسہ پر دونوں کو اللہ کی حفاظت میں اس جگہ چھوڑ آئے جہاں نہ پانی تھا، نہ سایہ اور آج وہاں آب زم زم اور دنیا کا مقدس ترین شہر مکہ آباد ہے اور وہیں اللہ کا گھر بنا۔ خانہ کعبہ جس کی زیارت اور حج کا فریضہ ادا کرنے کے لئے تمام دنیا سے لاکھوں کروڑوں لوگ وہاں آتے ہیں اور اس شہر کو بے شمار انعامات سے نوازا گیا۔

چوتھی آزمائش یہ تھی کہ جب آپ کا بیٹا حضرت اسماعیل علیہ السلام جوان ہوئے تو ان کو اللہ کی راہ میں قربان کر دینے کا حکم دیا گیا۔ یہ بڑا کڑا امتحان تھا، مگر باپ بیٹا دونوں اس امتحان کے لئے بخوشی تیار ہو گئے۔ بیٹے کو ذبح کرنے کے لئے منیٰ کے جنگل میں لے گئے اور جونہی ذبح کرنے لگے تو صداء آئی، خواب میں جو کچھ آپ نے دیکھا تھا آپ نے اس کو پورا کر دیا۔ یہ ذبح کا حکم اللہ نے خواب کے ذریعہ ہی دیا تھا، جنت سے ایک جانور فدیہ کے طور پر اتارا گیا جو قربان کر دیا گیا اور حضرت اسماعیل کو زندہ سلامت بچا لیا گیا۔ یہ دائمی سنت بن گئی جو عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر قربانی کی شکل میں ادا کی جاتی ہے۔

ابن کثیر نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے ایک روایت میں یہ بھی نقل کیا ہے کہ پورا اسلام تیس حصوں میں دائر ہے دس سورۃ برات، دس سورۃ احزاب اور دس سورۃ مؤمنون میں درج ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان پر پوری طرح عمل کیا اور تمام امتحانوں میں پورے اترے۔ ان تیس حصوں کا ذکر (ان شاء اللہ) آگے کیا جائے گا۔ ان تمام آزمائشوں میں پورا اترنے کے بعد اللہ نے ان کو خوشخبری دی ''کہ میں آپ علیہ السلام کو لوگوں کا امام اور پیشوا بنانے والا ہوں''۔ یہ پیشوائی صرف مذہبی اور روحانی ہی نہ تھی، بلکہ سیاسی برتری بھی تھی وہ واقعی بہت بڑے سردار اور باعزت امام بنے اور جدالانبیاء کہلائے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سوال کیا کہ کیا یہ امامت و پیشوائی ان کی اولاد کو بھی حاصل ہو گی اللہ کا جواب یہ تھا کہ یہ میرا وعدہ ظالموں اور سرکشی اختیار کرنے والوں کے لئے نہیں ہو گا۔ امامت کا درجہ بڑا مقدس اور ذمہ داری کا درجہ ہے۔ اولاد میں سے جو سرکش یا نافرمان لوگ ہونگے بھلا وہ اس کے حقدار کیسے ہو سکتے ہیں۔ اس طرح اللہ نے واضح کر دیا کہ یہ وعدہ ظالم و فاجر لوگوں کے لئے نہیں۔ مدت دراز تک امامت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد (بنی اسرائیل) میں رہی لیکن جب انہوں نے ظلم و نافرمانی کا راستہ اختیار کیا پوری طرح گمراہ ہو گئے تو پھر بالآخر ان سے امامت چھین لی گئی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد کو دے دی گئی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی ہی اولاد میں سے خاتم النبین بنا کر بھیجے گئے اور اب کسی اور دین یا شریعت کی نہ تو ضرورت ہے اور نہ ہی گنجائش ہے۔ مسلمانوں کو اس عزت اور اعزاز پر نہ صرف فخر کرنا چاہئے، بلکہ اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کرتے ہوئے نیک راہیں

اختیار کرنی چاہئیں۔اگلی آیت میں خانہ کعبہ کی تعمیر واہمیت کا بیان کیا جارہا ہے۔

## خانہ کعبہ کی اہمیت

وَ اِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَ اَمْنًا ؕ وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَ عَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآىٕفِیْنَ وَ الْعٰكِفِیْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿125﴾

اور جب ہم نے اس گھر یعنی خانہ کعبہ کو لوگوں کے لئے امن کی جگہ قرار دیا تو لوگوں کو حکم دیا تھا کہ ابراہیم علیہ السلام جہاں عبادت کے لئے کھڑے ہوتے ہیں اس مقام کو مستقل جائے نماز بنالو اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کو تاکید کی تھی کہ میرے اس گھر کو طواف، اعتکاف، رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لئے پاک رکھو۔﴿125﴾

تشریح: خانہ کعبہ، بیت اللہ اور قبلہ۔ یہ تینوں نام اس مسجد کے ہیں جس کو حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے تعمیر کیا۔ مکہ مکرمہ میں ایک بہت بڑی مسجد ہے جسے مسجد حرام یعنی حرمت والی مسجد کہا جاتا ہے۔ اس کے صحن میں خانہ کعبہ ہے، خانہ کعبہ ایک مربع نما عمارت ہے جو پتھروں کی بنی ہوئی ہے اور اس پر ایک خوبصورت غلاف چڑھا ہوا ہے۔ یہ عمارت سطح زمین سے کافی اونچی ہے، شرقی دیوار میں ایک دروازہ ہے، عمارت کے اندر ستون ہیں، جن پر چھت قائم ہے، یہ سب سے پہلا اللہ تعالیٰ کا گھر ہے جو زمین پر بنایا گیا اس کی عظمت و بزرگی یہ ہے کہ اس کو اللہ نے ''میرا گھر'' کہہ کر پکارا ہے اور پھر اس کو امن و مرکز قرار دیا ہے۔ امن اس طرح کہ کعبہ کی عمارت اور اس کے اردگرد شکار کرنا اور خونریزی بالکل منع ہے۔ مرکز اس طرح کہ تمام دنیا کے مسلمان صرف خانہ کعبہ کی طرف ہی منہ کر کے نماز قائم کرتے ہیں۔ یہ مسلمانوں کی تنظیم و یک جہتی کا بہت بڑا نشان ہے۔ حرمت کا یہ عالم ہے کہ قبل از اسلام مجرم اور قاتل کعبہ کی دیواروں میں آکر پناہ لیتے تھے اس وقت قریش نے کعبہ کے اندر بت رکھے ہوئے تھے اور اپنے طریقہ سے اس کا طواف بھی کرتے تھے جب مکہ فتح کیا گیا تو کعبہ کو بتوں کی نجاست سے پاک کر کے خالص اللہ کی عبادت اور مسلمانوں کی مسجد بنا دیا گیا۔ دنیا جہاں سے لوگ حج کا فریضہ ادا کرنے آتے ہیں اور خانہ کعبہ کا طواف اللہ کے بتائے ہوئے طریقہ سے کرتے ہیں، مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کے گھر (کعبہ) کی تعمیر کی۔ طواف کے بعد یہاں دو نفل ادا کئے جاتے ہیں اسی لئے اس کو مصلیٰ یعنی نماز ادا کرنے کی جگہ کہا گیا ہے اور اللہ نے حکم دیا ہے کہ اس کے بنانے والوں کو یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو کہ اس گھر کو پاک صاف رکھو۔ صرف ظاہری صفائی مراد نہیں، بلکہ کفر و شرک کی آلودگیوں سے بھی اس گھر کو پاک رکھو۔ حاجیوں کے لئے کعبہ کا طواف فرض کیا گیا ہے اور اس کے اندر اعتکاف کرنا، رمضان کے آخری عشرہ میں اعتکاف سنت ہے۔ اعتکاف کا مطلب ہے مسجد کے اندر عبادت کی نیت سے ایک مدت تک قیام کرنا۔ تو اللہ نے حکم دیا کہ میرے اس گھر کو پاک صاف رکھو اعتکاف کرنے والوں کے لئے اور رکوع و سجود

کرنے والوں کے لئے۔ تعمیر کعبہ کا اعزاز اور امامت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ان کی قربانیوں اور آزمائشوں میں پورا اترنے کے سبب دیا گیا جو بہت بڑا انعام ہے مگر یہ منصب ان کی نسل کے بدکار اور نافرمان لوگوں کو نہیں ملے گا۔ یہ اعلان قرآن مجید میں کر دیا گیا ہے اور پھر ایسا ہی ہوا، مکہ امن والا شہر کہلاتا ہے اس کی تفصیلات ہمیں اگلی آیت میں ملیں گی۔

## ابراہیم علیہ السلام کی دعا

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّ ارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَ مَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَ بِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿126﴾

اور ابراہیم علیہ السلام نے دعا کی اے میرے رب! اس شہر کو امن کا شہر بنا دے اور اس کے باشندوں میں سے جو اللہ اور آخرت کو مانیں، انہیں ہر قسم کے پھلوں کا رزق دے۔ جواب میں اللہ نے فرمایا: اور جو نہ مانے گا، دنیا کے چند روزہ زندگی کا سامان تو میں اسے بھی دوں گا مگر آخر کار اسے جہنم کے عذاب کی طرف گھسیٹوں گا اور وہ بدترین ٹھکانہ ہے۔ ﴿126﴾

**تشریح:** جب حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کعبہ سے فارغ ہو گئے تو انہوں نے اللہ جل جلالہ سے دعا کی کہ اے میرے رب! اس بے آب و گیاہ جگہ کو ایک بارونق شہر بنا دے۔ شہر بھی ایسا کہ جہاں مکمل امن و امان ہو، کوئی خونریزی اور دنگا فساد نہ ہو، بالکل پرامن شہر ہو۔ دوسری دعا یہ کہ یہاں رہنے والے جو مومن اور پاک باز ہوں ان کو پھل اور میوے کھانے کو دے۔ ثمرات سے مراد صرف پھل ہی نہیں بلکہ اس کا مطلب ہے تمام آسائش و آرام کی چیزیں جو انسان کے لئے ضروری ہیں سب ہی عطا کر دے۔ حق تعالیٰ نے ان کی دونوں دعائیں قبول کیں اور اب ہمارے سامنے شہر مکہ امن کا شہر ہے۔ قتل و غارت گری کا وہاں کوئی تصور بھی نہیں کر سکتا بلکہ شکار بھی منع ہے اور جانور امن و سکون سے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ جڑی بوٹیاں اور گھاس پھوس کو بھی اکھیڑنا منع ہے سرزمین مکہ مکمل بے آب و گیاہ زمین ہے، نہ پانی کی بہتات ہے اور نہ ہی زمین زرخیز ہے، زمین سخت پتھریلی اور ریتلی ہے کچھ وہاں نہ پیدا ہوتا ہے اور نہ ہی کچھ بنتا ہے مگر اللہ کی قدرت کہ دنیا جہاں کے بے موسمی پھل، ترکاریاں، انتہائی اعلیٰ قسم کی اور تروتازہ بے شمار ملتے ہیں پہننے کی، استعمال کرنے کی، ہر وہ چیز جو ترقی یافتہ ممالک میں استعمال ہوتی ہے وہاں موجود ہے، لوگ انتہائی آرام و آسائش کی زندگی گزارتے ہیں، امامت کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے لئے بھی دعا کی تھی۔ جس پر اللہ تعالیٰ نے امامت کو صرف صالحین و متقین کے لئے خاص کر دیا تھا اس لئے یہاں دعا میں رزق و آسائش کے لئے انہوں نے مومنین کا ذکر کیا جس پر رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ رزق میں مومن و کفار دونوں کو دوں گا۔ مگر کفار کو صرف دنیا ہی میں تھوڑے عرصہ کے لئے دوں گا اور پھر قیامت کے روز ان کو ان کے کفر کی وجہ سے جہنم میں ڈال دیا جائے گا اور یہ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔ تعمیر کعبہ کے دوران حضرت ابراہیم علیہ السلام

اوراسماعیل علیہ السلام دعائیں کرتے جاتے تھے جوامت مسلمہ کے لئے مقرر ہوچکی ہیں۔ بڑی ہی خوبصورت دعا ہے اگلی آیات میں وہی دعائیں بیان کی جاتی ہیں۔

## حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی دعائیں

وَ اِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَ اِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿127﴾ رَبَّنَا وَ اجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَ مِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَ اَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَ تُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿128﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿129﴾ ع 15/8/15

ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام جب اس گھر کی دیواریں اٹھا رہے تھے تو دعا کرتے جاتے تھے اے ہمارے رب! ہم سے یہ خدمت قبول فرمالے تو سب کی سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔﴿127﴾ اے ہمارے رب! ہم دونوں کو اپنا فرمان بردار بنا اور ہماری نسل سے ایک ایسی قوم اٹھا جو تیری مسلم یعنی فرمانبردار ہو اور ہمیں اپنی عبادت کے طریقے بتا اور ہماری کوتاہیوں سے درگزر فرما تو بڑا معاف کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔﴿128﴾ اور اے ہمارے رب! ان لوگوں میں خود انہیں کی قوم سے ایک ایسا رسول بھیج جو انہیں تیری آیات سنائے ان کو کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور ان کی زندگیاں سنوار دے تو بڑا زبردست بڑی حکمت والا ہے۔﴿129﴾

**تشریح:** حضرت ابراہیم واسماعیل علیہ السلام کعبہ کی دیواریں اٹھا رہے تھے، صاف کہا گیا ہے کہ بنیادیں موجود تھیں ان کے اوپر دیواریں اٹھا رہے تھے۔ اس کا مطلب ہے کہ بنیادیں حضرت آدم علیہ السلام اپنے زمانے میں رکھ گئے تھے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی مدد سے بنیادیں ڈھونڈ لیں اور پھر عمارت تعمیر کی، تعمیر کعبہ کے دوران دونوں باپ بیٹا دعائیں کرتے جاتے تھے کہ اے اللہ تبارک تعالیٰ ہماری فرمانبرداری اور اطاعت میں اور بھی اضافہ کردے اور ہمیں پکا مسلمان بنادے۔ بے شک اے اللہ تو ہی سب سے زیادہ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے اور ہماری اولاد میں سے ایک فرمانبردار جماعت بنا اور یہ دعا حضرت محمد ﷺ کی بعثت اور امت مسلمہ کی شکل میں پوری ہوئی۔ اور یہ دعا کی کہ ہم نے کعبہ بنالیا اور حج کرنے کے طریقے ہمیں سکھا۔ اور دین کے قاعدے ہمیں سکھا دے اور ہماری توبہ قبول کر کیونکہ تو ہی توبہ قبول کرنے والا، بے حد مہربان ہے۔ اللہ جل جلالہ نے ان کی دعا قبول کی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں حضرت محمد ﷺ پیدا ہوئے اور ان میں اللہ نے وہ چار خصوصیات بھی رکھ دیں جن کی دعا انہوں نے کی تھی اور وہ چار خصوصیات یہ ہیں کہ وہ یعنی محمد ﷺ کتاب اللہ (قرآن) سنائیں، پڑھائیں، سمجھائیں اور اس کے ذریعہ سے دلوں کو پاک کریں، یہ ساری صفات آنحضرت ﷺ میں موجود تھیں، بے شک انہوں نے قرآن سنایا، پڑھایا، سمجھایا اور اپنے اعمال سے

قرآن کی وضاحت کردی۔ آخر میں اللہ تعالیٰ کی بڑائی بیان کرتے کرتے کہا کہ بے شک اللہ جل جلالہ تو بڑا زبردست اور بڑی حکمت ودانائی والا ہے۔ اگلی آیت میں دین ابراہیمی کا ذکر ہے۔

## احمق کی نشانی، دینِ ابراہیم علیہ السلام سے انحراف

وَ مَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَ اِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿130﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗۤ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿131﴾

اور کون ہے جو ابراہیم علیہ السلام کے مذہب سے پھرے مگر وہی کہ جس نے اپنے آپ کو احمق بنالیا اور بے شک ہم نے اسے دنیا میں منتخب کیا اور آخرت میں نیکوں میں سے ہوں گے۔ ﴿130﴾ جب اس کے رب نے اس سے کہا مطیع ہو جاؤ تو اس نے فوراً کہا میں مالک کائنات کا مطیع ہو گیا۔ ﴿131﴾

**تشریح:** حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اخلاقی اور روحانی عظمت کو بیان کرتے ہوئے اللہ جل شانہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم انتہائی نیک اچھے اور مکمل انسان تھے اسی طرح جو اچھی تعلیمات، اچھے اخلاق، اچھے کردار اور اچھے دین کی انہوں نے دعوت دی ہے وہ ہر نیک، اچھا اور مکمل انسان فوراً قبول کر لیتا ہے سوائے ان لوگوں کے جو احمق، ہٹ دھرم اور انتہائی نافرمان ہیں۔ یہ اشارہ یہود و نصاریٰ کی طرف ہے ان کو بتایا جارہا ہے کہ جس جلیل القدر پیغمبر کو وہ اپنا پیشوا مانتے ہیں ان کا دین یہی تھا جو آنحضرت ﷺ پیش کر رہے ہیں ان کی تعلیمات بھی وہی ہیں اس لئے ان پر ایمان لانے میں انہیں کوئی مشکل پیش نہیں آنی چاہیے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی صفات بیان کرتے ہوئے رب جلیل فرماتا ہے کہ وہ اتنے برگزیدہ نیک، فرمانبردار اور اچھے انسان تھے کہ رب تعالیٰ نے ان کو دنیا میں پیغمبری عطا کی ان کو لوگوں کو ہدایت دینے کا درجہ عطا کیا اور آخرت میں ان کو بہترین انسانوں میں شمار کرکے ابدی سہولیات سے مالا مال کر دیا جائے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اتنے اچھے خوبصورت کردار اور اللہ کے فرمانبردار تھے کہ وہ تمام آزمائشوں میں پورے اترے، گھربار، بیوی بچے، ملک وقوم ہر چیز کو انہوں نے اللہ کی رضا پر قربان کر دیا اور جب اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ مطیع ہو جاؤ تو وہ فوراً بولے میں مالک کائنات کا مطیع ہو گیا، مسلم کا مطلب ہے جو اللہ کے آگے پوری طرح جھک جائے اللہ جل شانہ کو ہی اپنا مالک، آقا، حاکم اور معبود مان لے جو پوری طرح اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دے اور زندگی کا کوئی لمحہ کوئی کام اس کے بتائے ہوئے طریقہ سے ہٹ کر نہ کرے اسی طریقہ کا نام ''اسلام'' ہے اور اصل میں یہی دین ہے جو دنیا کے شروع ہوتے ہی مختلف ملکوں، قوموں کو مختلف انبیاء کے ذریعہ سکھایا گیا۔ آنحضرت ﷺ کی آمد بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعا کا ہی نتیجہ ہے حضرت محمد ﷺ کی فضیلت تمام انبیاء پر یہ ہے کہ وہ آخری نبی ہیں، آخری کتاب قرآن مجید لائے اور دین کو مکمل کر دیا۔

## حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نصیحت

وَ وَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَ يَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿132﴾

اور یہی وصیت ابراہیم اپنے بیٹوں کو کر گئے اور یعقوب کو بھی کہ اے بیٹو! بے شک اللہ نے تمہیں دین کے لیے چن لیا ہے لہٰذا مرتے دم تک مسلمان ہی رہنا۔ ﴿132﴾

تشریح: حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی اولاد کو سچے مسلمان بننے کی نصیحت کی، خاص طور سے حضرت یعقوب علیہ السلام کا ذکر اس لئے کیا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پوتے اور حضرت اسحٰق علیہ السلام کے بیٹے تھے۔ خود بھی نبی تھے آپ کا لقب ''اسرائیل'' تھا اسی لئے آپ کی اولاد بنی اسرئیل کہلائی۔ تمام اہل کتاب اور مشرکین اگر چہ اپنے بزرگوں کے دین کو ماننے کا دعویٰ کرتے تھے، مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہیں لاتے تھے قرآن مجید نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر کر کے یہی یاد کروایا ہے کہ جس دین کی پیروی کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تاکید کی ہے اور جس پر وہ خود بھی قائم تھے وہ دین یہی دین توحید ہی تو ہے جس کی دعوت اسلام قرآن اور آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں دے رہے ہیں۔ لہٰذا تم سب ایمان لے آؤ اللہ پر اور دین اسلام پر اور ایمان لانے میں جلدی کرو۔ موت کا کچھ پتہ نہیں کب آجائے تو تم مرو تو مسلم مرو۔ نیک اور صالح انسان بن جاؤ، دنیا و آخرت کی بھلائیاں اسی میں ہیں۔ اگلی آیت میں حضرت یعقوب علیہ السلام کی وصیت کا ذکر کیا گیا ہے۔

## حضرت یعقوب علیہ السلام کی وصیت

اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِيْ ؕ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَ اِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۖۚ وَّ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿133﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَ لَا تُسْئَلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿134﴾

کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوب علیہ السلام اس دنیا سے رخصت ہو رہے تھے اس نے مرتے وقت اپنے بیٹوں سے پوچھا! میرے بعد تم کس کی بندگی کرو گے؟ ان سب نے جواب دیا ہم اسی ایک معبود کی بندگی کریں گے جسے آپ نے اور آپ کے بزرگوں ابراہیم، اسماعیل اور اسحٰق نے الٰہ مانا ہے اور ہم اسی کے لیے مطیع ہیں۔ ﴿133﴾ وہ کچھ لوگ تھے جو گزر گئے جو کچھ انہوں نے کمایا وہ ان کے لئے ہے اور جو کچھ تم کماؤ گے وہ تمہارے لئے ہے تم سے یہ نہ پوچھا جائے گا کہ وہ کیا کرتے تھے۔ ﴿134﴾

تشریح: حضرت اسحٰق علیہ السلام حضرت سارہ کے بیٹے، حضرت اسماعیل علیہ السلام کے چھوٹے بھائی تھے حضرت اسحٰق علیہ السلام کے بیٹے حضرت یعقوب علیہ السلام تھے اس آیت میں اللہ جل شانہ یہودیوں کو خطاب کرتے ہوئے پوچھتے ہیں کہ تم جو من گھڑت باتیں بنا کر اسلام سے پھر رہے ہو اور غلط باتیں اپنے بزرگوں کے متعلق کہتے ہو تو کیا تم اس وقت موجود تھے جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے موت کے وقت اپنے بیٹوں سے سوال کیا کہ میرے بعد کس کی عبادت کرو گے تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم اسی اللہ کی عبادت کریں گے جس کی عبادت آپ کے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام آپ کے چچا حضرت اسماعیل علیہ السلام اور آپ کے والد حضرت اسحٰق علیہ السلام کرتے آئے ہیں دین ابراہیمی اور اسلام ایک ہی چیز کی طرف بلاتے ہیں۔ یعنی خدا پرستی اور نیک عملی، جو قوم یا افراد اس سے انکار کریں گے وہ چاہے کسی کے بھی بیٹے ہوں، عذاب سے بچ نہ سکیں گے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام کا ذکر خاص طور سے اس لئے کیا گیا کہ اگر انہوں نے اولاد کو رب العزت کی رضا کے لئے قربان کر دینا منظور کیا تو ان کے لئے نیک نصیحت اور نیک عملی کا ثبوت بھی دیا باپ کی محبت ان کو بھی اتنی ہی دی گئی تھی جتنی کسی دوسرے انسان کو دی جاتی ہے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے دنیا و آخرت کی بھلائیوں کے لئے دعا کی اور پھر موت کے وقت بھی ان کو یہی خیال رہا کہ اپنی اولاد کو دنیا کی سب سے بڑی دولت کی نصیحت کر جائیں اور وہ سب سے بڑی دولت کیا تھی؟ ایمان، عمل صالح اور اسلام۔ ان کے نزدیک اولاد کے لئے کوئی دولت، دین و اسلام سکھانے کے برابر نہیں۔ ''معارف القرآن'' میں کتنی پیاری بات لکھی گئی ہے:

''آج کل مسلمانوں میں بے علمی اور بے دینی پھیلنے کی بہت بڑی وجہ یہ ہے کہ والدین اگر خود دین سے واقف اور دیندار بھی ہیں تو اس کی فکر نہیں کرتے کہ ہماری اولاد بھی دیندار ہو کر ہمیشہ کی راحت پائے۔

عام طور پر ہماری نظریں صرف اولاد کی دنیوی راحت پر ہی ہوتی ہیں صرف اسی کے لئے ہی انتظام کرتے رہتے ہیں اللہ تعالیٰ ہم سب کو توفیق عطا فرمائے کہ آخرت کی فکر میں لگ جائیں اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے سب سے بڑا سرمایہ ایمان اور عمل صالح کو سمجھ کر اس کی کوشش کریں''۔ (آمین) اور جب بھی دعا کریں اپنے لئے اولاد کے لئے تو دنیا و آخرت کی بھلائی کے لئے دعا کریں جیسا کہ دعا موجود ہے۔ ''اے رب ہمارے ہمیں دنیا و آخرت میں بھلائی عطا کر''۔

آخر میں بتایا گیا ہے کہ آباؤ اجداد کے اعمال کی سزا و جزا، اولاد پر نہیں ہوگی اور نہ ہی نسب عذاب سے بچا سکے گا۔ اپنا کیا ہوا ہی کام آئے گا، جیسا کہ سورۃ یونس کی آیت-26 میں فرمایا گیا ہے۔ ''جن لوگوں نے بھلائی کا طریقہ اختیار کیا ان کے لئے بھلائی ہے اور مزید فضل'' اور ایک جگہ فرمایا: ''کسی کا بوجھ قیامت کے روز کوئی دوسرا نہیں اٹھا سکے گا''۔ اس لئے ہر وقت دھیان میں رکھنا چاہیے کہ یہ دنیا فانی ہے ہم سب مر جائیں گے۔ قیامت ضرور آئے گی اور اللہ رب العزت ہمارا حساب و کتاب ضرور لیں گے اور پھر وہ زندگی ہمیشہ کی زندگی ہوگی اس زندگی کی فکر کرنا ضروری ہے خود بھی نیکی کی راہ اختیار کریں اور اولاد کو بھی نیکی کی راہ پر چلنے کی تاکید کریں۔ اسی میں فلاح ہے نجات ہے اگلی آیت میں ملت ابراہیمی کا ذکر کیا گیا ہے۔

# ملتِ ابراہیمی

وَ قَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ؕ قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ؕ وَ مَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿135﴾

وہ کہتے تھے کہ یہودی یا نصرانی ہو جاؤ تو تم راہ راست پالو گے کہہ دیجئے کہ ہرگز نہیں بلکہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کی راہ اختیار کی جو مشرکوں میں سے نہ تھے۔ ﴿135﴾

تشریح: درس قرآن میں اس کی تفسیر بڑی جامع اور مختصر بیان کی گئی ہے ملاحظہ ہو: ''قرآن مجید نے اہل کتاب اور تمام مشرکوں کے جھوٹے عقیدوں کی تردید کر دی ہے، ان کی دلیلوں کو غلط ثابت کر کے روشن اور واضح دلائل کے ساتھ حق قبول کرنے کی دعوت دی، یہودیوں اور عیسائیوں کو چاہیے تھا کہ قرآن مجید کی سیدھی اور سچی تعلیم کو قبول کر لیتے۔ لیکن اس کے بجائے انہوں نے حسد اور ہٹ دھرمی سے کام لیا اور الٹا مسلمانوں کو یہودیت اور عیسائیت کی دعوت دینے لگے۔ مسلمانوں سے کہتے تھے کہ ہمارا دین قبول کر لو۔ تو تمہیں دنیا و آخرت کی کامیابی حاصل ہو جائے گی، اللہ تعالیٰ نے ان کی اس دعوت کے بارے میں رسول اللہ ﷺ کو ساری امت کی طرف سے یہ جواب دینے کو کہا کہ اے اہل کتاب تم نے اپنی کتابوں اور شریعتوں میں بے شمار تبدیلیاں کر دی ہیں اور ہمارا دین بس اسی قدیم دین توحید پر ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تھا ہم اسی دین پر قائم ہیں اور ہم نے اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی۔ دوسرا یہ کہ تم کس منہ سے اپنے دین کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جانب منسوب کرتے ہو وہ تو شرک کے قریب بھی نہیں گزرے تھے وہ خالص توحید پر قائم تھے اور تم لوگوں کا مذہب تو شرک کی گندگیوں سے بھرا پڑا ہے تم کس طرح دین حق اور نجات کے دعویدار ہو سکتے ہو''۔ اگلی آیت میں مسلمانوں کے تمام نبیوں پر ایمان لانے کا ذکر کیا گیا ہے۔

# تمام انبیاء پر ایمان لانا ضروری ہے

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَ مَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطِ وَ مَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَ عِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۫ وَ نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿136﴾

(مسلمانو!) کہو کہ ہم ایمان لائے اللہ پر، اس ہدایت پر جو ہماری طرف نازل ہوئی ہے، جو ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام، اسحٰق علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام اور اولاد یعقوب کی طرف نازل ہوئی تھی اور جو موسیٰ علیہ السلام عیسیٰ علیہ السلام اور دوسرے تمام پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے دی گئی تھی ہم ان کے درمیان کوئی تفریق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے لیے مطیع ہیں۔ ﴿136﴾

تشریح: اس آیت میں مسلمانوں کو کہا گیا ہے کہ تم یہود و نصاریٰ کو ان کی اصلیت بتا دو، کیونکہ یہ اپنے حسد، بغض اور ہٹ دھرمی میں

بری طرح پھنسے ہوئے ہیں، کسی نبی کو مانتے ہیں، کسی کو نہیں مانتے اور پھر ان کے خیال میں آخرت ونجات محض نسل اور قوم کی وجہ سے ہوگی، چاہے اعمال کتنے ہی برے کیوں نہ ہوں۔ اس کے برعکس ہم مسلمان نہ صرف محمد ﷺ پر اور قرآن پر ایمان رکھتے ہیں، بلکہ ہمارے عقیدہ کا ایک حصہ یہ بھی ہے کہ ہم تمام انبیاء ورسل ان کی کتابوں اور ان کی تعلیمات کو بھی سچا سمجھتے ہیں، کیونکہ تمام انبیاء ورسل نے سچائی اور توحید کا ہی پیغام دیا ہے اولاد یعقوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے یہ برکت عطا فرمائی ہے کہ (معارف القرآن صفحہ 353) دس انبیاء کے علاوہ باقی تمام انبیاء ورسل اولادِ یعقوب علیہ السلام میں پیدا ہوئے۔ بنی اسرائیل کے علاوہ باقی انبیاء حضرت آدم علیہ السلام کے بعد نوح علیہ السلام، شعیب علیہ السلام، ہود علیہ السلام، صالح علیہ السلام، لوط علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام، اسحٰق علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام اور محمد ﷺ ہیں۔

ہر مسلمان کا ایمان ہے کہ تمام انبیاء ورسول سچے ہیں اور پھر مسلمان کی شان اور تعریف ہی یہ ہے کہ وہ اللہ رب العزت کا فرمانبردار ہے اور مسلمان کا سب کچھ اللہ جل جلالہ کا ہے وہ اسی کی رضا کا طالب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سے ہمیشہ راضی رہے اور شیطان ہم سے ہمیشہ ناراض رہے آمین اگلی آیات میں مسلمان کی صفات ذرا اور وضاحت سے بیان کی گئی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ذکر ہے۔

## مسلمان کی وضاحت

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَ اِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿137﴾ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَ مَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّ نَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿138﴾ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي اللّٰهِ وَ هُوَ رَبُّنَا وَ رَبُّكُمْ ۚ وَ لَنَآ اَعْمَالُنَا وَ لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَ نَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿139﴾ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَ اِسْمٰعِيْلَ وَ اِسْحٰقَ وَ يَعْقُوْبَ وَ الْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَ مَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿140﴾

پھر وہ اگر اسی طرح ایمان لائیں جس طرح تم لائے ہو تو ہدایت پا جائیں گے۔ اگر اس سے منہ پھیریں تو کھلی بات ہے کہ وہ ہٹ دھرمی میں پڑ گئے ہیں لہٰذا اطمینان رکھو کہ ان کے مقابلہ میں اللہ تمہاری حمایت کے لئے کافی ہے۔ وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔(137) اللہ کا رنگ اختیار کرو، اس کے رنگ سے اچھا اور کس کا رنگ ہوگا اور ہم اسی کی بندگی کرنے والے لوگ ہیں (138) اے نبی ان سے کہو! کیا تم اللہ کے بارے میں ہم سے جھگڑتے ہو؟ حالانکہ وہی ہمارا رب بھی ہے اور تمہارا رب بھی ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں۔ تمہارے اعمال تمہارے لئے، ہم اللہ ہی کے لئے اپنی بندگی کو خاص کر چکے ہیں (139) یا پھر تمہارا کہنا یہ ہے کہ ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام، اسحٰق علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام اور اولاد یعقوب سب کے سب یہودی تھے یا نصرانی تھے؟ کہو تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ اس شخص سے بڑا ظالم

اور کون ہوگا جس کے ذمہ اللہ کی طرف سے ایک گواہی ہو اور وہ اسے چھپائے تمہاری حرکات سے اللہ تو غافل نہیں ہے۔ (140)

تشریح: ان آیات میں سب سے پہلے ایمان کی وضاحت کر دی گئی ہے کہ ایمان اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف وہی مقبول ہے جیسا ایمان آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرام کا تھا اس کے علاوہ اگر ذرا بھی نفاق، شرک اور نافرمانی کا اثر موجود ہو تو ایسا ایمان اللہ تعالیٰ کو نامنظور ہے۔ رب جل شانہ فرماتے ہیں: اے پیغمبر ﷺ آپ نے ہمارا پیغام پہنچا کر اپنا فرض ادا کر دیا ہے۔ اگر یہ لوگ اپنی نجات چاہتے ہیں تو اسلام قبول کر کے کامیاب ہو جائیں، ہم ان کے پچھلے تمام گناہ معاف کر دیں گے اور اگر یہ اپنی ضد، ہٹ دھرمی اور نافرمانی پر اڑے رہتے ہیں تو آپ ﷺ اس کی بالکل فکر نہ کریں ہم ان کے ظاہر و باطن سے پوری طرح آگاہ ہیں تو ہم ان سے بڑی اچھی طرح نمٹ لیں گے آیت کے آخر میں محمد ﷺ اور امتِ محمد ﷺ کو کتنی اچھی بشارت دی گئی ہے کہ تمہارے لئے تمہارا رب کافی ہے رب عظیم کے بعد کسی دوسرے سہارے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہ جاتی اس لئے بے فکر ہو جاؤ۔ آیت نمبر 138 میں اللہ کے رنگ کا ذکر کیا گیا ہے اس سے دو باتوں کی وضاحت ہو جاتی ہے، ایک تو وہ رسم ہے کہ جو نصاریٰ اپنے بچہ کو پاک کرنے کے لئے کرتے یعنی وہ ساتویں دن بچہ کو رنگین پانی سے غسل دے کر یہ ظاہر کرتے کہ یہ تمام آلائشوں سے پاک صاف ہو گیا ہے، جبکہ رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ اصل رنگ دین و ایمان کا رنگ ہے جو پاکی کی ضمانت بھی ہے اور ہمیشہ رہنے والا بھی ہے اسی لئے آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جونہی بچہ پیدا ہو اس کے دائیں کان میں اذان اور بائیں کان میں تکبیر کہی جائے، کیونکہ یہ سب سے پہلا بلاوا ہے دین فطرت کی طرف۔ دوسری بات جو اللہ جل شانہ فرماتے ہیں کہ دین، ایمان اور اعمال صالح ایک گہرا رنگ ہے جو انسان کے چہرہ سے نظر آ جاتا ہے، ایمان کی روشنی اور اللہ کا نور نیک اعمال کی وجہ سے صاف دکھائی دینے لگتا ہے اہل کتاب کو مخاطب کر کے کہا جا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں تمہارے اعتقادات غلط ہیں اور یہ عقیدہ تو بالکل ہی غلط ہے کہ تم یہودی یا نصاریٰ ہونے کی وجہ سے بخش دیئے جاؤ گے۔ اور اسی خیال میں تم بدعملی کو اختیار کئے ہوئے ہو، تمہارے اعمال تمہارے لئے ہیں اور ہمارے اعمال ہمارے لئے ہیں ہم جو کچھ کرتے ہیں خالصتاً اللہ کی خوشنودی اور اطاعت گزاری کے لئے کرتے ہیں، ان شاء اللہ ہمارے اعمال اللہ کے حضور قابل قبول ہونگے اور وہ ضرور ہماری بخشش کر دے گا، کیونکہ خلوص کو اللہ ہی جانتا ہے۔

آیت 140 میں یہود و نصاریٰ کی ایک اور بڑی غلط فہمی کا ذکر کیا گیا ہے ان کا خیال تھا کہ ان کے تمام بزرگ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام، اسماعیل علیہ السلام، اسحٰق علیہ السلام، یعقوب علیہ السلام اور ان کی تمام اولاد یہود و نصاریٰ کے دین کے پیروکار تھے یعنی وہ بھی (نعوذ باللہ) شرک و فرقہ بندی میں مبتلا تھے اس پر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ بے شک تمہارے پاس کتاب آ چکی ہے اور تمہیں وہ تمام نشانیاں بتا دی گئی ہیں جو آخری نبی ﷺ اور اسلام میں موجود ہیں اس کے باوجود تم ان تمام نشانیوں کو اور بھلائیوں کو غلط رنگ اور غلط انداز میں بیان کرتے ہو اور جو سچ بات ہے اس کو چھپاتے ہو، تمام انبیاء و رسل اور آخری نبی ﷺ ان کی تعلیمات تمہیں بتا دی گئی

ہیں پھر بھی تم ان پر ایمان نہیں لاتے بلکہ حق بات کو بھی چھپاتے ہو اس سے بڑا ظلم اور کیا ہوگا۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ جل شانہ کا علم اتنا بے حساب ہے کہ وہ تمہارے اعمال سے پوری طرح واقف ہے۔ ہر انسان کو ہر وقت اس خیال کو ذہن میں رکھنا چاہیے کہ اللہ کی نظر سے اس کا کوئی عمل اور نیت ہرگز چھپا ہوا نہیں وہ ہر جگہ موجود ہے انسان کے ظاہر و باطن سے خوب اچھی طرح واقف ہے انسان کے اپنے اعمال اور نیتیں ہی اس کو جنت یا جہنم میں لے کر جائیں گی یہ بات بالکل یقینی ہے آئندہ آیات میں اسی بات پر زور دیا گیا ہے۔

## اپنے اعمال کا بدلہ

تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَ لَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَ لَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿141﴾ ع 16/12/16

وہ ایک جماعت تھی جو گزر چکی ان کے لئے ہے جو انہوں نے کیا اور تمہارے لئے ہے جو تم نے کیا اور تم سے ان کے اعمال کے متعلق کچھ پوچھ نہیں ہوگی۔ ﴿141﴾

تشریح: اللہ جل شانہ یہودیوں اور عیسائیوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں کہ جو لوگ تم سے پہلے گزر چکے ہیں میں انکے بارے میں خوب جانتا ہوں وہ اصل توحید پر قائم تھے، ان کی نیکیاں ان کے کام آئیں گی تمہارے یا کسی اور کے کام نہیں آئیں گی اور تمہیں تمہارے بزرگوں کی نیکیاں نہ بچا سکیں گی۔ جیسا کہ تم اپنے بزرگوں کی نیکیوں پر بھروسہ کرتے ہوئے تمام برائیاں اور نافرمانیاں کرتے ہو۔ دوسروں کے اعمال پر بھروسہ رکھنا سخت نادانی اور بھول ہے، دنیا میں بہت سی قومیں اسی غلط فہمی کی وجہ سے تباہ و برباد ہو گئیں، حقیقت یہ ہے کہ ہمارے اعمال کا بدلہ ہمیں دیا جائے گا اور ان کے اعمال کا بدلہ ان کو دیا جائے گا۔ اپنے اعمال میں خلوص اور نیک نیتی کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔ دکھاوے اور بدنیتی سے تمام اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ معارف القرآن میں اخلاص کی تعریف یوں کی گئی ہے۔ ''بزرگوں نے فرمایا: کہ اخلاص ایک ایسا عمل ہے جس کو نہ تو فرشتے پہچان سکتے ہیں اور نہ شیطان یہ صرف بندے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک راز ہے۔ پارہ اول کو ہم نے اللہ تعالیٰ کی مدد کے ساتھ مکمل کیا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے۔

## خلاصہ پارہ اول

قرآن پاک مسلمانوں کی مقدس کتاب ہے، جو لوگوں کو ہدایت دینے کا ذریعہ ہے۔ اس میں انسان کی پیدائش سے لے کر قیامت تک کے تمام نکات واضح کر کے سمجھا دیئے گئے ہیں۔ غرض اصول اسلام میں توحید، رسالت، کتب سماوی، ملائکہ، قبر اور قیامت پر پوری طرح روشنی ڈال دی گئی ہے۔ مشہور مفسر قرآن حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمہ اللہ نے فرمایا:

''اللہ کی عبادت کر کے اس کو راضی کر لو، محمد ﷺ کی اطاعت کر کے ان کو راضی کر لو اور مخلوق خدا کی خدمت کر کے اس کو راضی کر لو۔''

پارہ اول: پہلی سورۃ فاتحہ میں ایک رکوع اور سات آیات ہیں، سورۃ الفاتحہ کو برکت، معانی اور مقاصد کے اعتبار سے سب سے بڑی سورۃ قرار دیا گیا ہے۔ یہ ایک دعا ہے جس کے جواب میں پورا قرآن مجید عطا کر دیا گیا ہے۔ سورۃ بقرہ سولہ رکوع پر مشتمل ہے، سورۃ البقرہ کے شروع میں مومن، کافر، منافق، ان تین جماعتوں کا ذکر ہے۔

پہلے رکوع میں اسلام کے بنیادی اصولوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

دوسرے رکوع میں گروہ منافقین کا ذکر ہے۔

تیسرے رکوع میں توحید کے دلائل دیئے گئے ہیں۔

چوتھا رکوع وحی الٰہی اور کمال انسان پر مشتمل ہے۔

پانچویں رکوع میں انعام یافتہ قوم یہود کا ذکر ہے۔

چھٹے رکوع میں بنی اسرائیل سے خطاب کیا جا رہا ہے۔

ساتویں رکوع میں بنی اسرائیل کے متعدد واقعات بیان کئے گئے ہیں۔

آٹھویں رکوع میں احسانات الٰہی جو یہود پر کئے گئے اور ان کی نافرمانیوں کا ذکر ہے۔

نویں رکوع میں گائے کا واقعہ بیان ہوا ہے۔

دسویں رکوع میں ایمان اور عمل صالح کا بیان ہے۔

گیارھویں رکوع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت، قوم کی نافرمانیوں اور عذاب الٰہی کا ذکر کیا گیا ہے۔

بارھویں رکوع میں یہود کی بے راہ روی، ملائکہ سے دشمنی، رسولوں سے دشمنی، قرآن مجید کے فضائل کا ذکر اور پھر یہود کی بدعہدی کا ذکر کیا گیا ہے۔

تیرھویں رکوع میں قرآن مجید کی تعلیمات، غیر ضروری قوانین کی منسوخی، مسلمانوں کو تعمیل رسول ﷺ کا حکم، نماز و زکوٰۃ کا حکم دیا گیا ہے اور یہود کی خوش فہمیوں کا جواب دیا گیا اور آخر میں مومنین کی شان اور ان کے اجر کا ذکر کیا گیا۔

چودھویں رکوع میں اللہ کی وحدانیت، رسول ﷺ کا مقام کہ وہ بشیر و نذیر ہیں کفار کے اعمال کے جوابدہ وہ نہیں ہونگے۔

پندرھویں رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں، تعمیر کعبہ اور منصب امامت کا ذکر ہے۔

سولھویں رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے فضائل، ان کی اور حضرت یعقوب علیہ السلام کی اپنے بیٹوں کو نصیحت اور اسکے فائدے، عقیدہ ابراہیمی کی وضاحت اور پھر یہ وضاحت کہ ہر شخص اپنے اعمال کا ہی فائدہ حاصل کر سکے گا حسب و نسب کسی کام نہ آئے گا۔ نیز قرآن مجید میں بار بار دہرایا گیا ہے کہ "ہر ایک نفس جو عمل کرتا ہے اس کی ذمہ داری اسی پر ہے کسی کا بوجھ قیامت کے دن کوئی دوسرا نہیں اٹھا سکے گا" (القرآن)۔

# سَیَقُوْلُ (دوسرا پارہ)

اس پارے کا نام "سَیَقُوْلُ" ہے اس میں بھی "سورۃ البقرہ" کا ہی بیان جاری ہے جو سب سے لمبی اور مدنی سورت ہے۔ مدنی سورتوں میں زندگی کے ہر قسم کی عبادات اور معاملات وضاحت سے بیان کئے گئے ہیں۔ مثلاً حلال وحرام، فرائض، واجبات، ممنوعات، غزوات، جہاد، مال غنیمت، خروج، جزیہ حدود اور قصاص۔ غرض دنیا و آخرت میں کامیابیاں حاصل کرنے کے لئے تمام طریقے بتا دیئے گئے ہیں جو کہ انتہائی آسان اور انسانی فطرت کے عین مطابق ہیں اسی لئے اسلام کو دین فطرت کہا گیا ہے۔

## مسلمانوں کا قبلہ

سَیَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِیْ كَانُوْا عَلَیْهَا ؕ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَ الْمَغْرِبُ ؕ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ﴿142﴾

نادان لوگ ضرور کہیں گے جس قبلہ پر یہ لوگ تھے اس سے کس چیز نے انہیں پھیر دیا؟ اے نبی ﷺ ان سے کہو مشرق اور مغرب سب اللہ کے ہیں وہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ دکھا دیتا ہے۔ ﴿142﴾

تشریح: "سُفَهَآءُ" کا مطلب ہے بے وقوف، یہ لفظ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کیلئے استعمال کیا ہے، کیونکہ یہی لوگ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے احکامات پر اعتراضات کیا کرتے تھے اور نبی کریم ﷺ کو بھی ہر لحہ تنقید کا نشانہ بناتے تھے۔ اس آیت کا نزول اس وقت ہوا جب نبی ﷺ نے اللہ کے حکم سے بیت المقدس کی بجائے خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنی شروع کی۔ کیونکہ ہجرت سے پہلے اور مدینہ میں آنے کے بعد بھی تقریباً 16 مہینے تک محمد ﷺ بیت المقدس کی طرف ہی رخ کر کے نماز پڑھتے رہے تھے۔ قبلہ اصل میں مرکزیت کے لئے متعین کیا جاتا ہے۔ قبلہ کا بدلنا اصل میں اس بات کا اعلان تھا کہ مسلمانوں کی مرکزیت یہود سے علیحدہ ہو چکی ہے۔ یہودیوں نے قبلہ کا رخ بدلنے پر معمول کے مطابق بہت شور مچایا اور طرح طرح کے اعتراضات کئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں فرمایا کہ ان بے وقوف لوگوں کو بتا دیجئے کہ یہ تبدیلی کسی حسد، بغض یا تعصب کی وجہ سے نہیں کی گئی، بلکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی وجہ سے کی گئی ہے اور دوسری یہ بات بھی کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مشرق یا مغرب میں قید نہیں ہے، بلکہ وہ تو ہر جگہ موجود ہے۔ اس کی وضاحت آیت 115-116 میں گزر چکی ہے ہر چیز کا علم اس کو ہر وقت ہوتا ہے، ہر شے اسی کے قبضہ قدرت میں ہے، ہدایت بھی اسی کے پاس ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ پر چلاتا ہے، نیک فطرت لوگوں کے لئے نیکی کی راہیں کھول دیتا ہے اور بدفطرت اس سے محروم رہتے ہیں۔

# معتدل امت

وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ؕ وَ مَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَ اِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴿143﴾

اور اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک ''امت وسط'' بنایا ہے، تا کہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول ﷺ تم پر گواہ ہوں اور ہم نے وہ قبلہ نہیں مقرر کیا تھا جس پر تو پہلے تھا۔ مگر اس واسطے کہ معلوم کریں۔ کون رسول کا تابع رہے گا اور کون الٹے پاؤں پھر جائے گا یہ معاملہ تھا تو بڑا سخت، مگر ان لوگوں کے لئے کچھ بھی سخت نہ ثابت ہوا جو اللہ کی ہدایت سے فیض یاب تھے۔ اللہ تمہارے اس ایمان کو ہرگز ضائع نہ کرے گا، یقین جانو کہ وہ لوگوں کے حق میں نہایت شفیق و رحیم ہے۔ ﴿143﴾

تشریح: یہودیوں کی بدعملیوں کی وجہ سے امامت ان سے چھین لی گئی اور نبوت محمد ﷺ کے سپرد کر دی گئی اور ان کی امت کو ''امت وسط'' کا اعزاز دیا گیا۔ ''وسطا'' کا مطلب ہے معتدل یعنی ہر لحاظ سے درمیانی روش اختیار کرنے والی امت۔ ہمارے رسول ﷺ ہر لحاظ سے ایک مکمل انسان تھے، انہوں نے جو کتاب اور جو اللہ تعالیٰ کا پیغام امت کو دیا وہ کسی لحاظ سے بھی قابل اعتراض یا انسان کو مشقت میں ڈالنے والا نہیں ہے اور یہ ہر قسم کی خرابی سے پاک صاف اور بہترین ہے۔ اسلامی تعلیمات، انسان میں ہر قسم کی خرابی دور کر کے اس کو ایک مکمل اور اللہ تعالیٰ کا مقبول ترین بندہ بنا دیتی ہیں۔ مثال کے طور پر سورۃ آل عمران میں امت محمد یہ ﷺ کے اسی اعتدال (مزاجی و روحانی) کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''یعنی تم سب امتوں میں بہتر ہو جو عالم میں بھیجی گئی ہو تم اچھے کاموں کا حکم کرتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو'' (آیت 110)۔ یعنی اس امت کا قومی نشان یہ ہے کہ لوگوں کو برے کاموں سے منع کرے اور نیک کاموں کی ہدایت کرے اور وہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے، جب ہم خود اعتقاد، عمل، عبادت، معاشرت، تمدن اور زندگی کے ہر ہر لمحہ کو قرآن و سنت کی روشنی میں گزاریں۔ اللہ تعالیٰ نے ہم پر بہت بڑا فضل کیا ہمیں تمام انبیاء علیہم السلام سے بہترین نبی، تمام آسمانی کتابوں سے بہترین کتاب (قرآن پاک) عطاء کی اور پھر ہمیں امت وسط کا اعزاز بھی دیا۔ اب اس اعزاز کو قائم رکھنے کے لئے امت مسلمہ کو پورے کا پورا اسلام میں داخل ہونا ہوگا۔ یعنی قرآن کو پڑھنا ہوگا، سکھانا ہوگا، اس پر عمل کرنا ہوگا اور دنیا کی تمام قوموں کے لئے نمونہ بننا ہوگا۔ اگر یہ ذمہ داری ہم نے پوری نہ کی تو دنیا و آخرت میں رسوائی کے سوا کچھ نہ ملے گا۔ جیسا کہ پہلی نافرمان قوموں کے ساتھ ہو چکا ہے۔

آخر میں گواہی کا ذکر ہے۔ ''تم لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہونگے'' مطلب یہ ہے کہ آخرت میں جب تمام انسانوں کو اکٹھا کیا جائے گا تو اس وقت رسول ﷺ تم پر گواہی دیں گے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا پیغام امت کو پورے کا پورا بغیر کسی کمی بیشی کے پہنچا دیا تھا اور امت اس بات کی گواہی دے گی جو پیغام ان کو دیا گیا، انہوں نے نہ صرف یہ کہ اس پر عمل کیا بلکہ اس کو دوسرے لوگوں تک پہنچایا بھی اور اس طرح اپنے عمل سے اپنے فرائض ادا کر کے امت وسط ہونے کا ثبوت دیا۔ یہ بہت بڑی ذمہ داری ہم پر لگائی گئی ہے۔ کیونکہ حساب کے دن ہم سے پوچھا جائے گا کہ جب دنیا میں گناہ، ظلم وستم اور قتل وغارت پھیلائی جارہی تھی تو تم کہاں تھے۔ اپنے اعمال وکردار سے ان سب برائیوں کو تم نے روکنے کی کوشش کیوں نہ کی تو ثابت ہوا کہ امت وسط ہونا بہت بڑی عزت ہے اور بہت بڑی آزمائش اور ذمہ داری بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو نبھانے کی توفیق اور آزمائش میں پورا اترنے کی طاقت عطا کرے۔ آمین۔

اسی سلسلہ میں صحیح بخاری کی حدیث ہے۔ ''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اسلام (کا قصر) پانچ (ستونوں) پر بنایا گیا ہے۔ اس بات کی گواہی دینا کہ خدا کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں اور نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا اور حج (کرنا) اور رمضان کے روزے رکھنا''۔

اسی طرح ابوداؤد میں حدیث ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''ہر مومن اپنے مومن بھائی کا آئینہ ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ امت وسط سے مراد ایک ایسی امت ہے جو زندگی میں ہر قدم پر اعتدال یعنی درمیانہ راستہ اختیار کرے اور مقصد اس کا یہ ہو کہ برائی سے منع کرنا ہے اور نیکی کو پھیلانا ہے۔ بھلا اس سے اچھی امت اور کونسی ہوسکتی ہے۔

جب تک صاف طور پر اللہ کا حکم قبلہ کے بارے میں نہ ہوا تھا تو نبی کریم ﷺ مکہ میں رہتے ہوئے بجائے کعبہ کے بیت المقدس کی طرف ہی منہ کر کے نماز پڑھتے رہے جب مکہ سے مدینہ تشریف لائے اس وقت بھی بیت المقدس ہی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ لیکن تقریباً 16 ماہ بعد بیت اللہ کو مسلمانوں کا قبلہ بنانے کا حکم ہوا۔ مقصد اللہ تعالیٰ یہ بتاتے ہیں کہ اس طرح سچے مسلمان کا فرق معلوم کرنا مقصود تھا۔ کیونکہ پہلے کفار قریش کے لئے بیت المقدس کو قبلہ تسلیم کرنا مشکل ترین کام تھا اور پھر یہود ونصاریٰ کا خانہ کعبہ کو قبلہ تسلیم کرنا انتہائی مشکل تھا۔ گویا ایک تو یہ سچے مسلمان کی آزمائش تھی اور دوسری پہچان تھی کہ کون اپنے پچھلے اعتقادات کو چھوڑ کر صرف اللہ ورسول ﷺ کی فرمانبرداری میں اپنا رخ بدلتا ہے اور اس طرح کچے اور سچے مسلمانوں کا فرق ظاہر ہوگیا۔ اللہ تعالیٰ سچے اور پکے مسلمانوں کی تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ میرے فرمانبردار بندوں کے لئے یہ آزمائش نہ مشکل تھی اور نہ ہی تکلیف دہ۔ انہوں نے خدا اور رسول ﷺ کے حکم کو بلا چون وچرا قبول کیا اور اطاعت میں سر جھکا دیا جب دوبارہ خانہ کعبہ کو قبلہ مقرر کیا گیا حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں کو وہم ہوا کہ جو یہ حکم آنے سے پہلے فوت ہوگئے تو ان کی نمازوں کا کیا بنے گا تو اس پر اللہ جل شانہ نے یہ نازل فرمایا ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ﴾ صحیح بخاری
یعنی اصل بات فرمانبرداری کی ہے، انہوں نے ہمارے حکم پر عمل کیا اس لئے ان کو پورا پورا ثواب مل چکا ہے۔

اللہ تعالیٰ تو انسانوں پر انتہائی مہربان اور مشفق ہے۔ وہ کسی کی ذرہ برابر نیکی کو بھی ضائع نہیں کرتا۔ اللہ کی شفقت اور مہربانی بے حساب اور بے مثال ہے۔ اس کا اندازہ کوئی انسان نہیں کر سکتا۔ اگلی آیت میں اس عظیم واقعہ کو ذرا اور بھی تفصیل سے بیان کیا جارہا ہے۔

## تحویل قبلہ

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۭ وَ حَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۭ وَ مَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿144﴾

تمہارے چہرے کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا ہم دیکھ رہے ہیں ہم اسی قبلہ کی طرف ضرور تمہیں پھیر دیں گے جسے تم پسند کرتے ہو۔ مسجد حرام کی طرف رخ پھیر دو۔ اب جہاں کہیں تم ہو، اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھا کرو، یہ لوگ جنہیں کتاب دی گئی تھی، خوب جانتے ہیں کہ (تحویل قبلہ کا) یہ حکم ان کے رب ہی کی طرف سے ہے اور برحق ہے۔ (مگر اس کے باوجود جو کچھ یہ کر رہے ہیں) اللہ اس سے غافل نہیں ہے۔﴿144﴾

تشریح: تحویل قبلہ کا حکم رجب یا شعبان 2 ہجری میں اس وقت نازل ہوا جب نبی ﷺ حضرت بشر بن براء بن معرور کے ہاں مدعو تھے وہیں پر ظہر کی نماز شروع کروائی تھی ابھی دو رکعت ادا کی تھیں کہ وحی کے ذریعے مذکورہ آیت نازل ہوئی جس پر تمام نمازیوں نے آپ کی پیروی کرتے ہوئے کعبہ کی طرف منہ پھیر لیا اور باقی دو رکعتیں مسجد حرام کی طرف منہ کر کے ادا کیں۔ مسجد حرام یعنی حرمت والی مسجد اس کے اندر ہی خانہ کعبہ واقع ہے اس کے چاروں طرف بڑے بڑے دالان ہیں، اکتالیس دروازے، چھ مینار اور 150 سے زیادہ گنبد ہیں۔ یہاں جنگ کرنا اور شکار کرنا حرام ہے یہ امن کی جگہ ہے۔ اصل میں یہود و نصاریٰ کے نکتہ چینی اور مرکز ابراہیمی کی وجہ سے آنحضرت ﷺ کی دلی خواہش تھی کہ مسلمانوں کا قبلہ یہود سے علیحدہ ہو، سو اللہ تعالیٰ نے آپ کی خواہش پوری کر دی اور حکم نازل فرمایا کہ اب سے تمہارا مرکز خانہ کعبہ ہے۔ اب تم لوگ دنیا کے کسی کونے میں بھی ہو تو نماز کے وقت اپنا رخ خانہ کعبہ کی طرف ہی کیا کرو۔ یہ مسلمانوں کے اتحاد اور یکجہتی کا ایک بہت بڑا ذریعہ اور نشان ہے۔

مسئلہ یہ ہے کہ اگر سفر میں ہوں تو پوری کوشش کرنی چاہیے کہ ٹھیک سمت کی طرف منہ کر کے نماز ادا کی جائے۔ لیکن اگر کسی بھی وجہ سے یہ ممکن نہ ہو تو پھر ممکنہ سمت کی طرف منہ کر لینا چاہیے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو تسلی دی کہ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کی تلخ کلامی اور حجت بازی کی پرواہ نہ کرو یہ تو اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ مسلمانوں کا قبلہ خانہ کعبہ ہی ہونا تھا یہ تو اپنی عادت سے مجبور ہیں۔ جان بوجھ کر شکوک و شبہات پیدا کر

رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہے وہ ان کے تمام اعمال کو خوب اچھی طرح جانتا ہے وہ ان لوگوں کی ضرور پوچھ گچھ کرے گا۔ اگلی آیت میں اہل کتاب کی مزید نافرمانیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

## اہل کتاب کی ہٹ دھرمی

وَ لَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَ مَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ۭ وَ لَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿145﴾

تم ان اہل کتاب کے پاس خواہ کوئی نشانی لے آؤ ممکن نہیں کہ یہ تمہارے قبلہ کی پیروی کرنے لگیں اور نہ تمہارے لئے یہ ممکن ہے کہ ان کے قبلہ کی پیروی کرو، اور ان میں سے بھی کوئی گروہ دوسرے کے قبلے کی پیروی کرنے کے لئے تیار نہیں ہے اور اگر تم نے اس علم کے بعد جو تمہارے پاس آچکا ہے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو یقیناً تمہارا شمار ظالموں میں ہوگا۔ ﴿145﴾

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی محمد ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ یہود اتنے ضدی، ہٹ دھرم اور نافرمان ہیں کہ آپ جو چاہے نشانیاں ان کو دکھا دیں یہ خانہ کعبہ کو ہرگز قبلہ نہ مانیں گے کیونکہ آپ ﷺ کو افضل ترین قبلہ دیا گیا ہے۔ جو آپ کے جدامجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بھی قبلہ ہے۔ اس لئے آپ اس پر ہمیشہ قائم رہیں بھلا آپ اپنے قبلہ سے کیونکر پھر سکتے ہیں اور پھر اللہ جل شانہ آپ ﷺ کو تنبیہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ آپ کو تو اصل قبلہ کا علم اللہ کی طرف سے ہو چکا ہے اس لئے آپ کو ان کی خوشنودی حاصل کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ آپ اپنے قبلہ پر قائم رہیں۔ لیکن اگر خدانخواستہ (جو کہ ناممکن ہے) آپ نے ان کی پیروی کرتے ہوئے ان کا قبلہ اختیار کر لیا تو یقیناً آپ بھی ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔ اس سے بتانا یہ چاہتے ہیں کہ جھوٹے دین کی پیروی بہت بڑا گناہ ہے۔ اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کے کرنے پر عظیم ترین پیغمبر ﷺ کو بھی تنبیہ کر دی گئی اور اصل میں سبق امت کو دیا گیا ہے کہ حق واضح ہونے پر بھی باطل کی اتباع کرنا قابل گرفت جرم ہوگا۔ اس لئے ہر وقت اپنے آپ کو گناہ اور نافرمانی سے بالکل بچا کر رکھنا چاہئے اور اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے احکامات پر عمل کر کے دنیا و آخرت میں نجات حاصل کرنی چاہئے۔

## اہل کتاب کا حق کو چھپانا

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۭ وَ اِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ
وَ هُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿146﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿147﴾ ع 17/6/1

جنہیں ہم نے کتاب دی ہے۔ وہ اسے ایسی اچھی طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو اور بے شک ان میں سے ایک فرقہ ہے جو

حق کو جان بوجھ کر چھپاتا ہے۔(146) حق تیرے رب کی طرف سے ہے پھر تو شک کرنے والا نہ ہو۔(147)

تشریح: اللہ جل شانہ نبی کریم ﷺ کو یقین دلا رہے ہیں کہ اہل کتاب آپ کو مانیں یا نہ مانیں آپ بالکل پریشان نہ ہوں اور نہ ہی آپ کی رسالت اور امامت میں کوئی فرق آئے گا۔ آپ اپنے کام میں لگے رہیں۔ ''یہود و نصاریٰ کو آپ کی آمد، آپ کی خصوصیات اور قرآن مجید کے بارے میں سب کچھ بتا دیا گیا ہے۔ آپ کو انہوں نے خوب اچھی طرح پہچان لیا ہے کہ آپ ﷺ ہی آخری نبی ہیں، اتنی اچھی طرح پہچان لیا ہے جیسا کہ باپ اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہے۔ مگر افسوس کی بات ہے کہ پھر ان لوگوں نے آپ کی نشانیوں کو چھپانے کی کوشش کی اور سب کچھ جانتے بوجھتے آپ ﷺ پر ایمان نہ لائے۔

## نیکی میں سبقت کرنا

وَ لِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (148)

ہر ایک کے لئے ایک جہت ہے جس کی طرف وہ متوجہ ہوتا ہے پس تم بھلائیوں کی طرف سبقت کرو جہاں بھی تم ہو گے اللہ تمہیں اکٹھا کر لائے گا۔ اس کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں۔(148)

تشریح: اس آیت میں سمت یعنی قبلہ کی اہمیت بتاتے ہوئے ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا گیا کہ ٹھیک ہے یکجہتی اور نظم وضبط کے لئے قبلہ کا تعین ضروری ہے مگر سب سے اہم بات یہ ہے۔ نیکی، بھلائی اور سیدھی راہ اختیار کرنے میں تم ایک دوسرے سے زیادہ نمبر حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ کیونکہ اگر امت نیکی پر ایکا کر لے اور اپنی زندگیاں نیک کاموں کے لئے وقف کر دے تو نیکی، بھلائی اور راست بازی میں اتنی طاقت ہے کہ خدا کے فضل سے تمام لوگ ایک ہی مرکز پر جمع ہو جائیں گے آپس کی تمام مخالفتیں اور ناچاقیاں ختم ہو جائیں گی۔ دراصل قبلہ کا تعین اسی چیز کے لئے کیا گیا ہے کہ تمام لوگ سچائی کی راہ پر اکٹھے ہو کر چلیں اور نیکی میں ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی کوشش کریں۔ کیونکہ اصل چیز نیکی اور سچائی ہے۔ پھر یہ بھی بتا دیا کہ تم جہاں کہیں بھی ہو گے وہ تمہیں اکٹھا کر لائے گا اور معارف القرآن میں اس کو یوں بیان کیا گیا ہے۔ ''عنقریب وہ دن آنے والا ہے جس میں اللہ تعالیٰ تمام اقوام عالم کو ایک جگہ جمع کر کے حساب لیں گے۔ عقل مند کا کام یہ ہے کہ اپنے اوقات اس کی فکر میں صرف کرے''۔

بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور اس کے لئے کوئی کام بھی مشکل نہیں۔

## خانہ کعبہ، محمد ﷺ کی خصوصیات اور ذکر و شکر

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَ اِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ ؕ وَ مَا اللّٰهُ

بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿149﴾ وَ مِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَ حَيْثُ مَا
كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ ۙ اِلَّا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا مِنْهُمْ فَلَا
تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِيْ ۙ وَ لِاُتِمَّ نِعْمَتِيْ عَلَيْكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿150﴾ كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا
مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَ يُزَكِّيْكُمْ وَ يُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا
لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿151﴾ فَاذْكُرُوْنِيْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِيْ وَ لَا تَكْفُرُوْنِ ﴿152﴾ ع 18

تمہارا گزر جس مقام سے بھی ہو وہیں سے اپنا رخ مسجد حرام کی طرف پھیرا کرو اور یہی حق ہے تیرے رب کی طرف سے اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کام سے ﴿149﴾ اور جہاں بھی تم ہو اسی کی طرف منہ کر کے نماز پڑھو۔ تاکہ لوگوں کو تمہارے خلاف کوئی حجت نہ ملے، ہاں ان میں سے جو ظالم ہیں (ان کی زبان کسی حال میں بند نہ ہوگی) تو ان سے تم نہ ڈرو بلکہ مجھ سے ڈرو اور اس لئے کہ میں تم پر اپنی نعمت پوری کر دوں (اور اس توقع پر کہ میرے اس حکم کی پیروی سے) تم فلاح کا راستہ پاؤ گے ﴿150﴾ جس طرح میں نے تمہارے اندر خود تم میں سے ایک رسول بھیجا جو تمہیں میری آیات سناتا ہے۔ تمہاری زندگیوں کو سنوارتا ہے، تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے ﴿151﴾ لہٰذا تم مجھے یاد رکھو میں تمہیں یاد رکھوں گا۔ میرا شکر ادا کرو، کفران نعمت نہ کرو ﴿152﴾

**تشریح:** درس قرآن میں آیت 149 اور 150 کی تشریح ان الفاظ میں کی گئی ہے: "ان آیات میں بھی قبلہ کی تبدیلی کا حکم مذکور ہے اور ساتھ ہی ارشاد ہے کہ ایسا نہ ہو لوگوں کو تمہارے عمل سے حجت بازی کا موقع ملے اور مکہ کے کافر و مشرک یہ کہہ سکیں کہ یہ دین ابراہیمی کے اچھے پیروکار ہیں جو ان کے کعبہ کو قبلہ بھی نہیں مانتے، جہاں تک ڈر کا تعلق ہے وہ صرف اللہ کا چاہیے۔ فضل و کرم کی تکمیل اور ہدایت و کامرانی اسی کے اختیار میں ہے"۔

جیسا کہ پہلے اکثر اسباق میں اسلام کی فضیلتوں اور نبی کریم ﷺ کی خصوصیات، تعلیمات اور مسلمان کی فضیلتوں کا ذکر بڑی تفصیل سے ہو چکا ہے۔ آیت 151 میں انہی تمام نعمتوں کا ذکر مختصراً کیا گیا ہے کہ تمہیں میں سے آپ ﷺ کو تمہارے لیے نبی بنا کر بھیجا گیا ہے۔ جن کی خصوصیات یہ ہیں۔

1۔ اللہ کی آیات پڑھ کر سناتے ہیں۔
2۔ لوگوں کو نیکی کی تعلیم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں۔
3۔ کتاب الٰہی صرف سناتے ہی نہیں بلکہ عمل بھی کر کے دکھاتے ہیں اور کتاب کی تمام حکمتیں اور نکات اچھی طرح سمجھاتے ہیں۔
4۔ تمہیں ہر وہ بات بتلاتے ہیں جس کی تمہیں پہلے خبر نہ تھی۔

تمہارے اخلاق و کردار اور زندگیاں سنوارنے اور زندگی گزارنے کے اتنے اچھے اصول و ضوابط بتائے کہ جن پر عمل کر کے تم واقعی

تمام قوموں سے اچھی اور اعلیٰ قوم بن سکتے ہو پھر بار بار تاکید اس بات کی ہوتی رہی ہے کہ اسلام کو پوری طرح قبول کرو اس سے ذرا بھی ادھر ادھر نہ چلو۔ کیونکہ اس طرح مخالفین کو اعتراض کرنے کا موقعہ ملے گا۔ مگر یاد رکھو کہ نیکی پر چلنا صرف اس ڈر سے ضروری نہ سمجھو کہ لوگ کیا کہیں گے، بلکہ اس ڈر سے نیکی اختیار کرو کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے اور وہ ناراض نہ ہو جائے۔

آیت 152 میں ذکر و شکر کی فضیلت کو بڑے خوبصورت انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ ''پس یاد کرو مجھے میں یاد کروں گا تم کو اور میرا شکر کرو اور کفر مت کرو'' جناب سلطان بشیر محمود صاحب نے اپنی کتاب ''قیامت اور حیات بعد الموت (ص ۵۱۰)'' میں بڑی خوبصورت بات کی ہے۔ فرماتے ہیں۔ ''یہی وہ براہ راست طریقہ ہے جس پر عمل کر کے آدمی اپنے خالق سے اپنے تعلق کو بڑھا سکتا ہے اور اپنے مقام کو پا سکتا ہے۔ اگر اس ذکر کے ساتھ فکر بھی ہو تو کائنات کی تسخیر کی راہیں خود بخود اس پر کھلنے لگ جاتی ہیں اور اپنے مقام کی پہچان ہو جاتی ہے''۔

ذرا سوچا جائے کہ اللہ تعالیٰ کو ہماری اس بات کا کوئی فائدہ نہیں کہ ہم ہر دم اس کو یاد کریں، بلکہ اس میں فائدہ انسان کا اپنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو تو ہر وقت اپنے بندے کی بھلائی درکار رہے تو اپنے رب کو یاد رکھنے میں بھی خود بندے کی ہی بھلائی ہے۔ وہ اس طرح کہ جب انسان اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے غرض ہر وقت اللہ کو یاد رکھے گا تو انسان کی توجہ شیطان اور شیطانی کاموں سے ہٹ کر صرف اور صرف رب کریم کی طرف لگی رہے گی تو اسے اندر ہی اندر دل کی صفائی اور روح کی بلندی حاصل ہوتی چلی جائے گی اور یوں انسان میں وہ تمام سماجی و دینی، اخلاقی خوبیاں اور شکر و رضا کی تمام صفات پیدا ہو جائیں گی جو اس کو عام انسان سے خاص طور پر کافر و مشرک سے ممتاز کر دیں گی اور یوں اللہ کی نعمتیں، برکتیں اور فضل و کرم کی بارشیں اس پر ہوتی رہیں گی۔ ایک شکر گزار انسان اللہ کا پسندیدہ انسان ہوتا ہے اس لئے اس کی نعمتوں میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ''جو شخص حقیقی طور پر اللہ کو یاد کرتا ہے وہ اس کے مقابلہ میں ساری چیزوں کو بھول جاتا ہے تو اس کے بدلہ میں اللہ تعالیٰ خود اس کے لئے ساری چیزوں کی حفاظت کرتے ہیں اور تمام چیزوں کا عوض اس کو عطا کر دیتے ہیں''۔

اسی طرح حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''انسان کا کوئی عمل اس کو اللہ کے عذاب سے نجات دلانے میں ذکر اللہ کے برابر نہیں''۔ غرض اللہ کا ذکر نجات حاصل کرنے کا بہترین طریقہ ہے۔

## صبر اور نماز

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿153﴾

اے مسلمانوں مدد لو صبر اور صلوٰۃ نماز سے بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ ﴿153﴾

تشریح: سورہ البقرہ کی آیت 45 میں صبر و نماز کی مکمل تفصیلات بیان ہو چکی ہیں۔ بہر حال اللہ جل شانہ مومنین کو مخاطب کرتے

ہوئے اکثر ان دو اعمال کا ذکر کرتے ہیں ظاہر ہوا کہ یہ دونوں عمل یعنی نماز اور صبر مشکلات اور مصیبتوں کا مقابلہ کرنے کے لئے بہترین ہتھیار ہیں جو مسلمان کو دیئے گئے ہیں۔صبر وسکون سے جو نماز پڑھی جائے وہ انسان کو اللہ کے بالکل قریب کر دیتی ہے اور انسان کو اللہ جیسا مضبوط سہارا مل جائے تو پھر اس کو پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔ہمیں اپنے اندر یہی دو صفات پیدا کر لینی چاہئیں اور بے خطر ہو کر دعوت و تبلیغ میں مشغول ہو جانا چاہئے۔'' حضرت عائشہ بیان کرتی ہیں: ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کسی مومن کو کوئی کانٹا بھی چبھ جائے یا اس سے بھی کم کوئی تکلیف ہو تو اللہ اس کے بدلے میں اس کا ایک درجہ بلند کر دیتا ہے اور اس کا ایک گناہ معاف کر دیتا ہے۔(ترمذی) اسی طرح اس کتاب میں نماز کی اہمیت کے بارے میں حدیث نقل کی گئی ہے:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ کو جب کوئی اہم معاملہ پیش آتا تو آپ نماز پڑھنے لگتے''۔

ثابت ہوا کہ صبر وصلوٰۃ نجات کے بہت بڑے ذرائع ہیں جو اللہ تعالیٰ نے مومنین کو عطا کر رکھے ہیں۔تسلیم ورضا اور فرمانبرداری کا ایک بہت بڑا کام شہادت ہے جس کی فضیلت، اہمیت اور تعریف اگلی آیت میں بیان کی جارہی ہے۔

## شہادت کی موت

وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ وَّ لٰكِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ﴿154﴾

اور جو اللہ کی راہ میں مارے گئے انہیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تم شعور نہیں رکھتے۔﴿154﴾

**تشریح:** اللہ تعالیٰ کی راہ میں جو مارا جائے اس کو شہید کہتے ہیں اور اللہ فرماتا ہے کہ جو شخص اللہ کی راہ میں مارا جائے وہ دراصل مرتا نہیں بلکہ وہ زندہ رہتا ہے اور رزق سے نوازا جاتا ہے، اس کا شعور واقعی انسان کو ہرگز نہیں ہوسکتا، مگر مجاہد کے اوصاف اتنے اعلیٰ، لازوال اور بلند ہوتے ہیں کہ جن کو دیکھ کر سوچا جا سکتا ہے کہ اسے انسان تو کیا موت بھی شکست نہیں دے سکتی۔مجاہد کے اوصاف اس کو ایک عام انسان سے بہت بلند کر دیتے ہیں چنانچہ ایک مجاہد مندرجہ ذیل صفات کا حامل ہوتا ہے۔

خلوص، شوق آخرت، شجاعت، صبر واستقامت، ظلم سے پرہیز، اطاعت امیر اور سب سے بڑھ کر اللہ اور رسول ﷺ کی محبت میں فنا ہوتا ہے، جو شخص یہ تمام صفات اپنے اندر لے کر میدان جہاد میں نکلے گا تو بھلا ایسے شخص کو شکست کیونکر ہوسکتی ہے اور پھر جس مقصد کے لئے بھی وہ نکلے یعنی دین کی سربلندی، اسلام کی تبلیغ، اپنے ملک وقوم اور نسل کی حفاظت کے لیے تو یہ تمام جذبات محض خلوص اور قربانی پر ہی مبنی ہیں۔بھلا جو اتنی بڑی قربانی دے اور اپنی جان عزیز کو بھی داؤ پر لگا دے اللہ جل شانہ اس کو ضرور ابدی انعامات سے نوازے گا اور نوازتا بھی ہے جو بھی شخص حق کی پاسداری میں جان دیتا ہے اس کا اجر بھی حق کی طرح کبھی ختم نہ ہونے والا ہوتا ہے۔ اس کی نوعیت رب العزت کے پاس کیا ہے اس سے انسان بے خبر ہے۔بس یہی جان سکتا ہے کہ شہید کبھی مرتا نہیں ہمیشہ زندہ رہتا ہے۔البتہ عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ حقیقت میں ایک مجاہد جب میدان جنگ کی طرف جاتا ہے تو اس کو اپنے

خالق پر اس قدر اعتماد اور توکل ہوتا ہے کہ انتہائی مشکل حالات میں بھی وہ صبر، بہادری اور امید کی چٹان ہوتا ہے۔ موت بھی اسے خوفزدہ نہیں کر سکتی ہے اس وقت اسے، بیوی، بچے، والدین اور دنیاوی ساز وسامان کا کوئی خیال نہیں آتا ہے۔ بس ایک دیوانگی، ایک لگن اور ایک شوق شہادت ہوتا ہے، جس میں وہ جھوم رہا ہوتا ہے یہ سب میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا اور سنا ہے، کیونکہ 1965ء اور 1971ء کی جنگ پاکستان اور ہندوستان کے درمیان جو خالصتاً کفر واسلام کی جنگ تھی۔ وہ کوئی زیادہ دور کی بات نہیں تو جو انسان یوں اللہ تعالیٰ اس کے رسول، اس کی کتاب اور اس کے دین کے لئے بے خود ہو کر جان دے دے گا تو بھلا اس کا اجر بے حساب اور بے اندازہ کیوں نہ ہوگا؟ اس کا شعور واقعی انسان کی عقل سے باہر ہے۔ حدیث میں یہاں تک آیا ہے۔

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''کہ جس نے صدق دل سے اللہ کی راہ میں قتل ہو جانے کی دعا کی، اللہ اسے شہید کا اجر عطا فرمائے گا'' (ترمذی۔ از حاشیہ بنت اسلام اسوہ حسنہ ص۲۰۲) صرف دعا ہی سے اتنا اجر مل سکتا ہے تو پھر شہید کا اجر تو بے مثال ہی ہوگا۔ یہ شوق شہادت، جان نثاری اور محبت الٰہی ہی تو ہے جو مسلمان کو بے خوف اور بہادر بنا دیتا ہے اور پھر ہمارے سو جوان کافروں کے ہزار جوانوں پر بھاری ہوتے ہیں، جیسا کہ علامہ اقبال فرماتے ہیں:

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

دو عالم سے کرتی ہے بیگانہ دل کو
عجب چیز ہے لذت آشنائی

اسی طرح ایک مرتبہ فرمایا:

موت کو سمجھتے ہیں غافل اختتام زندگی
ہے یہ شام زندگی، صبح دوام زندگی

اقبال کے اس دعائیہ شعر کے ساتھ اختتام کرتی ہوں۔

دل مرد مومن میں پھر زندہ کر دے
وہ بجلی کہ تھی نعرۂ لا تذر میں

شعر کا مطلب یہ ہے کہ شاعر نے طارق (مجاہد) کا ہم زبان ہو کر دعا کی ہے کہ یا اللہ مسلمان کے دل اور ضمیر میں وہ بجلیاں بھر دے جو کفر کی ساری قوتوں کو جلا کر راکھ کر دیں اور دنیا میں اللہ کا کوئی ایک منکر بھی نہ رہے۔ (آمین)

# آزمائش، صبر اور اجر

وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ ؕ وَ بَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ﴿155﴾ الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿156﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ رَحْمَةٌ ۟ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿157﴾

اور ہم ضرور تمہیں خوف وخطر، فاقہ کشی، جان و مال کے نقصانات اور آمدنیوں کے گھاٹے میں مبتلاء کر کے ضرور آزمائش کریں گے۔ ان حالات میں جو لوگ صبر کریں گے خوشخبری سنا دو ان کو۔ ﴿155﴾ اور جب کوئی مصیبت پڑے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں پلٹ کر جانا ہے۔ ﴿156﴾ انہیں خوشخبری دے دو ان پر ان کے رب کی طرف سے بڑی عنایات ہونگی اس کی رحمت ان پر سایہ کرے گی اور ایسے ہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں۔ ﴿157﴾

**تشریح:** ان آیات میں اللہ تعالیٰ پوری امت کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ یہ دنیا بڑی بڑی آزمائشوں کا گھر ہے۔ پوری زندگی ایک ہی طرح نہیں گزرتی، بلکہ زندگی میں ہر قسم کا اتار چڑھاؤ آتا رہتا ہے اور مجھ پر ایمان لانے والو! تمہیں بھی ان تمام نقصانات اور آزمائشوں کے لئے پوری طرح تیار رہنا چاہیے اور ان آزمائشوں میں بڑی بہادری سے پورا اترنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ آزمائشیں مختلف صورتوں میں آئیں گی۔ مثلاً دشمن کا خوف، قید و بند، جلاوطنی، قحط سالی، اموال و جائیداد کا نقصان، عزیزوں کا اللہ کی راہ میں شہید ہو جانا، میوؤں، پھلوں اور اناج کا نقصان ہو جانا۔ غرض ہر قسم کی مصیبت اور پریشانی کا سامنا تم لوگوں کو کرنا پڑے گا اور یہ آزمائش ہوگی رب العزت کی طرف سے اور اس طرح تم لوگوں کے صبر اور ثابت قدمی کا امتحان لیا جائے گا اور اللہ تعالیٰ صبر کی تلقین کرنے کے ساتھ ساتھ ایک ایسا نسخہ بھی بتاتا ہے کہ جو انسان کو بہت ساری پریشانی سے بچا لیتا ہے اور وہ نسخہ یہ ہے کہ تم نقصان کے وقت یہ پڑھو۔

﴿ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ﴾ ''ہم تو اللہ کے لئے ہیں اور ہم تو اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں۔''

اگر پورے ایمان و یقین کے ساتھ آیت کے معنی پر غور کیا جائے تو پھر انسان کو نا قابل بیان سکون ملتا ہے۔ کیونکہ اس آیت میں ہمیں تین باتوں کا درس دیا گیا ہے۔

1 ہم سب اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں ہیں۔

2 ہم اور ہماری تمام املاک سب فانی ہیں۔ آخر مالک حقیقی کو ملنا ہے جب اسی کی طرف چلے جانا ہے تو پھر گھبرانا کیا۔

3 آزمائشیں بیکار نہیں جاتیں ان کا اجر و ثواب ہمارے صبر و ثابت قدمی کے مطابق ضرور ملے گا اس کا وعدہ اللہ رب العزت نے کیا ہے کہ:

''صبر کرنے والوں کا اجر بہت بڑا ہے صبر اور استقامت پر قائم رہنے والے لوگوں پر دنیا و آخرت میں ہماری خاص عنایتیں ہونگی ہم ان پر اپنی خاص نعمتیں بھیجیں گے اور ان پر ہماری مہربانی جاری رہے گی۔'' اور پھر فرماتا ہے کہ ایسے ہی صابر و شاکر لوگ سیدھی راہ پر ہیں اور دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران ہونے والے ہیں بنت اسلام کی کتاب سے حدیث ہے۔

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے سنا کہ جس بندے کو بھی کوئی مصیبت پہنچے اور وہ یوں کہے۔ ''بے شک ہم اللہ ہی کے لئے ہیں اور اللہ ہی کی طرف ہمیں لوٹ کر جانا ہے اے اللہ مجھے میری مصیبت میں اجر و ثواب عطا کر اور جو چیز مجھ سے چھن گئی ہے اس سے بہتر چیز مجھے عنایت فرما تو اللہ اسے اس کی مصیبت میں اجر و ثواب عطا فرماتا ہے اور اس سے بہتر چیز اسے عنایت کرتا ہے''۔ (صحیح مسلم)

یہ صبر کرنے والوں کا صلہ ہے اس لئے کبھی بھی کسی نقصان پر پریشان نہیں ہونا چاہئے بلکہ اللہ رب العزت کے فضل و کرم کا امیدوار رہنا چاہئے اور پریشانی کے وقت ''اِنَّا لِلّٰهِ ...... پڑھنا چاہیے یہ تسکین قلب کا بہترین علاج ہے۔ اگلی آیت میں حج کے مراسم کا بیان ہے۔

## حج کے مناسک

اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَ مَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿158﴾

بے شک صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں تو جو کوئی بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ ان دونوں کا طواف کرے اور جو کوئی اپنی خوشی سے کوئی نیکی کرے تو اللہ یقیناً قدردان اور سب کچھ جاننے والا ہے۔﴿158﴾

تشریح: صفا اور مروہ یہ دو پہاڑیاں ہیں جن کے درمیان سو فرلانگ کا فاصلہ ہے اور یہ دونوں مسجد حرام کے قریب ہی ہیں ''صفا'' بیت اللہ کے جنوب مشرق اور ''مروہ'' شمال مشرق میں واقع ہیں۔ ان کی اہمیت اس وجہ سے ہے کہ اللہ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے دودھ پیتے بچے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ان کی ماں حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے ساتھ وادی فاران میں چھوڑ گئے تھے۔ جب ان کا کھانا پانی ختم ہو گیا تو بچہ کی پیاس کی وجہ سے برا حال ہونے لگا تو حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا پانی کی تلاش میں کبھی ایک پہاڑی پر چڑھتی تھیں اور کبھی دوسری پر ان کے اسی عمل کی یادگار میں سعی کو حج و عمرہ کے مناسک میں شامل کیا گیا ہے۔ سعی کا مطلب ہے دونوں پہاڑیوں کے درمیان سات دفعہ چکر لگانا۔

حج اسلامی عبادات میں چوتھا رکن ہے اور ذوالحج میں مقررہ تاریخ پر خاص طریقہ سے خانہ کعبہ کی زیارت، طواف اور قربانی کے علاوہ کچھ دیگر مناسک بجالانے کو حج کہا جاتا ہے اور یہ مکہ میں مسجد حرام میں ہی ادا کیا جاتا ہے۔ بیت اللہ کو صرف نماز کے لئے ہی نہیں بلکہ حج و عمرہ کی وجہ سے بھی اہمیت حاصل ہے حج کا معنی ہے قصد کرنا، اسی طرح عمرہ کیا جاتا ہے اس کے لئے کوئی خاص مہینہ اور

تاریخ مقرر نہیں کسی بھی وقت کیا جا سکتا ہے۔ عمرہ کا مطلب ہے زیارت مگر شرع میں اس کا مطلب ہے مسجد حرام کی حاضری اور طواف وسعی کرنا۔

''ان آیات میں حج اور اس کے بعض مراسم کا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ یہ محض رسمیں نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے نشانات ہیں مقصد یہ ہے کہ انسان میں نیکی کا جذبہ پیدا ہو۔ وہ گناہوں سے پاک ہو کر اللہ کے حضور میں سربسجود ہو جائے (درس القرآن ص 184)

## اللہ کی لعنت، توبہ کی شرائط

إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ﴿159﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَ اَصْلَحُوْا وَ بَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَ اَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿160﴾

جو لوگ ہماری نازل کی ہوئی روشن تعلیمات اور ہدایات کو چھپاتے ہیں۔ حالانکہ ہم انہیں سب انسانوں کی رہنمائی کے لئے اپنی کتاب میں بیان کر چکے ہیں۔ اللہ بھی ان پر لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے بھی ان پر لعنت بھیجتے ہیں۔﴿159﴾ البتہ جو اس روش سے باز آجائیں اور اپنے طرز عمل کی اصلاح کر لیں اور جو کچھ چھپاتے تھے اسے بیان کرنے لگیں ان کو میں معاف کر دوں گا اور میں بڑا درگزر کرنے والا اور رحم کرنے والا ہوں۔ ﴿160﴾

**تشریح:** اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حق اور کتاب اللہ کی تعلیمات کو چھپانے والے سے سخت ناراضگی کا اظہار کیا ہے جس طرح علماء یہود کی کتاب میں جو ہدایات انسان کی بہتری کے لئے دی گئیں تھیں وہ لوگوں سے چھپا دی گئیں بلکہ لوگوں کو اپنے مفاد کی خاطر ایسی غلط راہیں بھی دکھائی گئیں جو سوائے گمراہی کے اور کچھ فائدہ نہ دیتی تھیں۔ اسی برائی سے بچنے کی تاکید مسلمانوں کو بھی کی جارہی ہے کہ ہر وہ بات یا علم جو تمہیں قرآن کی بدولت مل چکا ہے اس کو مت چھپاؤ، بلکہ اس کو زیادہ سے زیادہ پھیلاؤ، کیونکہ چھپانے والے پر اللہ نے لعنت کی ہے۔ لعنت کا مطلب ہے رحمت الٰہی سے محرومی ایسے شخص پر اللہ بھی اور اللہ کی دوسری مخلوق بھی لعنت بھیجتی ہے۔ لہٰذا خیال رکھا جائے کہ علم دین کا پھیلانا ہر شخص پر واجب ہے اور اس کا چھپانا حرام ہے۔

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم میں سے سب سے زیادہ فضیلت والا وہ ہے جس نے خود قرآن کا علم حاصل کیا اور دوسروں کو اس کی تعلیم دی۔'' (بخاری)

علم کا پھیلانا تو ویسے ہی بڑا درجہ رکھتا ہے دین و مذہب کی تعلیم تو بہت ہی فضیلت کا باعث ہے مگر جو اس علم کو حاصل کرے اور آگے نہ پھیلائے تو ایسے شخص پر اللہ تعالیٰ لعنت بھیجتا ہے۔ پھر آیت کے دوسرے حصہ میں اللہ تعالیٰ وضاحت کرتا ہے کہ جو اپنی اس گزشتہ غلطی کا اعتراف کرتے ہوئے اپنی عادت کو بدل لیتا ہے اور اللہ کے دین کی نشر و اشاعت میں بھرپور حصہ لینے لگتا ہے، نیکی کی

ہدایت کرتا ہے برائی سے منع کرتا ہے اور ایمان کامل کی تلقین کرتا ہے اور اپنی گزشتہ عادت پر نادم ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں اس کے پچھلے گناہ معاف کر دوں گا اور اس پر اپنی رحمتیں برسادوں گا۔ کیونکہ رب العزت تو ہے ہی مجسم رحیم و کریم گناہ کو معاف کرنا اور درگزر کرنا اس کی شان کریمی ہے اسی لئے تو اس کو "اَلْغَفَّارُ، اَلرَّحْمٰنُ" کہا جاتا ہے "الغفار" کی فضیلت یہ ہے کہ اس کا باقاعدگی سے ورد کرنے سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مغفرت حاصل ہوتی ہے اسی طرح "الرحمٰن" کا 100 دفعہ ہر نماز کے بعد پڑھنا دل سے غفلت اور سختی دور کرتا ہے اور حافظہ قوی ہو جاتا ہے۔ (از 99 Names of Allah By Vega Comunication) اس کی رحمت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے معافی مانگ لینے میں ہی عاقبت ہے۔ لیکن جو لوگ کفر کی ہی حالت میں مر جاتے ہیں وہ گھاٹے میں رہتے ہیں اس کی تفصیلات اگلی آیت میں بیان کی جاتی ہیں۔

## حالت کفر میں موت

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَ مَاتُوا وَ هُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَ الْمَلَٰئِكَةِ وَ النَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿161﴾
خَٰلِدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَ لَا هُمْ يُنظَرُونَ ﴿162﴾

جن لوگوں نے کفر کا رویہ اختیار کیا اور کفر کی حالت ہی میں مر گئے۔ ان پر اللہ، فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے ﴿161﴾ اسی لعنت کی حالت میں وہ ہمیشہ رہیں گے نہ ان کی سزا میں تخفیف ہوگی اور نہ انہیں کوئی دوسری مہلت دی جائے گی۔ ﴿162﴾

تشریح: انسان غلطیاں کر لیتا ہے کیونکہ انسان تو ہے ہی غلطیوں کا پتلا تو اس کے مقابلہ میں رب العزت کی رحمت، مغفرت ہر وقت موجود ہے۔ وہ ہر پکارنے والے کی پکار، ہر مانگنے والے کی درخواست اور ہر توبہ کرنے والے کی توبہ سنتا ہے اور عطا کرتا ہے لیکن جو لوگ اس کی ان عنایات سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور اپنے کفر کو نہیں چھوڑتے، سیدھی اور ایمان کی راہ اختیار نہیں کرتے ہمیشہ بدکاری اور گناہ گاری کی زندگی بسر کرتے ہیں اور پھر اسی حالت کفر میں ہی مر جاتے ہیں تو ایسے ہی لوگ اللہ کی رحمتوں، فرشتوں کی برکتوں اور انسانوں کی شفقتوں سے دور ہو جاتے ہیں۔ سب ان پر لعنت بھیجتے ہیں اس کے علاوہ رب العزت فرماتا ہے کہ ایسے لوگ ہمیشہ کے لئے دوزخ میں رہیں گے ان پر ہمیشہ لگاتار عذاب نازل ہوتا رہے گا اور اس شدید عذاب سے بچ نکلنے کی مہلت ان کو ہرگز نہ ملے گی۔ اللہ جل شانہ اگر غَفُوْرٌ ورَحْمٰنٌ ہے تو اسی طرح اَلْمُذِلُّ (ذلت دینے والا) اَلْقَهَّارُ (سب کو قابو میں رکھنے والا) اَلْجَبَّارُ (سب سے زبردست) یہ تمام صفات بھی اسی رحیم و کریم کی ہیں اس نے انسان کے لئے معافی اور سزا کے دونوں راستے کھول رکھے ہیں جو چاہے معافی مانگ کر رحمتوں کا حق دار ہو جائے جو چاہے گناہ، کفر اور نافرمانی کی دلدل میں پھنسا رہے اور اللہ کی رحمتوں سے نہ صرف محروم ہی ہو جائے، بلکہ مرنے کے بعد جہنم کی سزا بھی پائے جو بہت برا ٹھکانہ ہے۔ اللہ اس سے اپنی پناہ میں رکھے۔ (آمین) اس سے بچاؤ کا یہی طریقہ ہے کہ عقیدہ توحید کو اپناؤ جس کا ذکر اگلی آیت میں کیا گیا ہے۔

# توحید الٰہی

19 ع 11 3

وَ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿163﴾

اور تم سب کا ایک ہی معبود ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں وہ بڑا مہربان ہے نہایت رحم والا ہے۔ ﴿163﴾

**تشریح:** توحید کی وضاحت جس قدر بہترین اور موثر انداز میں اس چھوٹی سی آیت میں کی گئی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے یوں تو توحید کے بارے میں قرآن پاک میں کئی دفعہ مختلف انداز میں وضاحت آ چکی ہے مثلاً۔

1۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (اللہ کے سوا کوئی الٰہ (معبود) نہیں ہے) قرآن پاک میں یہ 12 مرتبہ آیا ہے۔

2۔ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (اس اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں) یہ قرآن پاک میں 30 دفعہ آیا ہے۔

3۔خود اللہ نے اپنے لئے فرمایا: لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنَا (میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے)۔ یہ قرآن پاک میں تین جگہ آیا ہے۔

4۔اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (تم سب کا معبود ایک ہی ہے) یہ قرآن میں چھ دفعہ آیا ہے۔

5۔اسی طرح اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (بات صرف یہ ہے کہ اللہ ہی اکیلا معبود ہے) متعدد بار آیا ہے۔ اسی طرح اللہ اسم جلالت شمار ہوتا ہے، یہ 2696 دفعہ آیا ہے اور لفظ اِلٰہ 125 اور لفظ اِلٰہ کی جمع اٰلِهَةٌ 361 بار آیا ہے۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ توحید پر کس قدر تفصیل اور زور سے بات کی گئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ دین اسلام کا سب سے پہلا اور بنیادی اصول توحید ہی ہے۔ اسلام کا پورا نظام، توحید کے گرد گھومتا ہے۔ اسلامی زندگی شروع سے آخر تک توحید سے ہی وابستہ ہے۔ توحید کیا ہے؟ قرآن پاک میں توحید کا لفظ استعمال تو نہیں ہوا۔ لیکن واحد اور احد سے توحید کی اصطلاح اختیار کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید یعنی وحدانیت مختلف حیثیتوں سے ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً وہ ایک ہے۔ پوری کائنات میں اس کے برابر کا کوئی بھی نہیں ہو سکتا، کیونکہ جب ہم اپنے آپ پر نظر ڈالتے ہیں اور اپنے اردگرد پھیلی ہوئی کائنات پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہو جاتا ہے کہ کوئی نہ کوئی پوشیدہ بہت بڑی طاقت موجود ہے جس کو ہم آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتے مگر اس کی کاریگری، اس کے انتظام اور اس کی خلقت سے اس کو پہچان سکتے ہیں۔ جوں جوں سائنس ترقی کر رہی ہے اس کا وجود اور اس کی وحدانیت زیادہ عیاں ہوتی چلی جا رہی ہے اور پھر اللہ کا وجود اس کی بڑائی ہر قوم، مذہب اور فرقہ کے انسان کی فطرت میں قدرت کی طرف سے ڈال دی گئی ہے۔ کسی بھی عقیدہ والے شخص سے آپ پوچھیں ''تمہیں کس نے پیدا کیا ہے''؟ وہ بے اختیار بولے گا ''اللہ نے'' کوئی اللہ کو کسی بھی نام سے پکارے، دیوتا کہے، ایشور یا God کہے مطلب اس کا یہی ہوگا ''وہی چھپی ہوئی طاقتور ہستی ہے'' جس کو مسلمان الٰہ، اللہ کہہ کر (پکارتے ہیں) اللہ کے صفاتی نام تقریباً 99 ہیں اور ان کو اسماء حسنیٰ کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں آیا ہے۔ ''اور اچھے اچھے نام اللہ ہی کے لیے ہیں تم اسے ان ناموں سے پکارا کرو'' قرآن مجید میں دعاؤں میں اللہ پاک کو ان ناموں سے پکارنے کا حکم دیا گیا ہے۔ (الاعرف-180)

توحید کا جس قدر ثواب اور اہمیت ہے شرک کا اسی قدر زیادہ عذاب اور ظلم ہے۔ اللہ رب العزت توحید پر ہمیشہ قائم رکھے اور شرک سے محفوظ رکھے آمین عقیدہ توحید کی برکات مندرجہ ذیل ہیں۔

1 آدمی توحید پر یقین کرنے سے بے خوف اور نڈر ہو جاتا ہے، کیونکہ اس کو یقین ہوتا ہے کہ اللہ کے سوا اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

2 آدمی ایک اللہ کے سامنے جھکنے سے جگہ جگہ منت سماجت کرنے سے بچ جاتا ہے، اس میں خود اعتمادی اور انسانیت کی بلند ترین صفات پیدا ہو جاتی ہیں۔

3 عقیدہ توحید سے انسان میں بنی نوع انسان کی وحدت و مساوات کا تصور پیدا ہو جاتا ہے۔

4 ایک اللہ کے بندے ہونے سے طبقاتی، علاقائی اور نسلی امتیازات ختم ہو جاتے ہیں شاعر نے کیا خوب کہا ہے:

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا نہ کوئی بندہ نواز

اگلی آیت توحید کی وضاحت کا جیتا جاگتا مضمون ہے۔ ملاحظہ ہو۔

## اللہ کی نشانیاں

اِنَّ فِیْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ وَ الْفُلْكِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِمَا یَنْفَعُ النَّاسَ وَ مَاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ بَثَّ فِیْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ۪ وَّ تَصْرِیْفِ الرِّیٰحِ وَ السَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَیْنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ﴿164﴾

جو لوگ عقل سے کام لیتے ہیں ان کے لئے آسمانوں اور زمین کی ساخت میں، رات اور دن کے پیہم ایک دوسرے کے بعد آنے میں ان کشتیوں میں جو انسان کے نفع کی چیزیں لئے ہوئے دریاؤں اور سمندروں میں چلتی پھرتی ہیں، بارش کے اس پانی میں جسے اللہ اوپر سے برساتا ہے پھر اس کے ذریعہ سے زمین کو زندگی بخشتا ہے اور اپنے اسی انتظام کی بدولت زمین میں ہر قسم کی جاندار مخلوق کو پھیلاتا ہے ہواؤں کی گردش میں اور ان بادلوں میں جو آسمان اور زمین کے درمیان تابع فرمان بنا کر رکھے گئے ہیں بے شمار نشانیاں ہیں۔﴿164﴾

تشریح: جیسا کہ پہلے بھی بتایا گیا ہے کہ اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت اور طاقت کی بے شمار نشانیاں بتائی ہیں۔ اگر انسان ان پر غور وفکر کرے تو ضرور وہ اللہ کی وحدانیت کا قائل ہو جائے۔ غور کیجئے زمین وآسمان کی پیدائش، دن رات کا چکر، دریا اور سمندروں میں کشتیوں اور جہازوں کا چلنا، آسمان سے بارش کا اترنا، مُردہ زمین میں جان پڑ جانا، زمین میں طرح طرح کے جانوروں کی موجودگی، ہواؤں اور بادلوں کا زمین آسمان کے درمیان چلنا کیا یہ سب کچھ اللہ کے سوا اور کوئی کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

پوری کائنات کا وجود اور اس میں موجود ہر چیز اس بات کی گواہی دے رہی ہے کہ ہمارا خالق و مالک ہمیں ایک نظام کے تحت چلانے والا صرف اور صرف ''اللہ'' ہے جو اپنی صفات و برکات اور قوت و تدبر میں لاثانی ہے وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا، جبکہ کائنات کی ہر چیز فانی ہے۔یعنی پیدائش کے بعد ختم ہونے والی ہے بس اللہ وحدہ لاشریک ہمیشہ قائم ہے گا اور اس کو کبھی زوال نہیں۔اس کی قدرت اور حکمت کی ایک چھوٹی سی مثال بیان کرتی ہوں اللہ ارشاد فرماتا ہے:

''یعنی ہم نے ہی پانی کو زمین کے اندر ٹھہرا دیا ہے اگر چہ ہم میں اس کی بھی قدرت تھی کہ بارش کا پانی برسنے کے بعد بہہ کر ختم ہو جاتا ہے''۔(سورۃ المومنون 18)

قدرت نے انسان و جانور کے لئے پانی کو کہیں تو تالابوں اور حوضوں میں جمع کر دیا اور کہیں پہاڑوں کے اندر پھیلی ہوئی خفیہ رگوں کے ذریعہ زمین کے اندر اتار دیا اور یوں وہ پانی زمین میں پھیل کر محفوظ ہو جاتا ہے اور جو چاہتا ہے زمین کو کھود کر پانی نکال لیتا ہے اسی طرح پانی کا ایک بہت بڑا ذخیرہ منجمد کر کے پہاڑوں پر لاد دیا برف کی صورت میں کہ نہ وہ خراب ہو اور نہ ضائع ہو، بلکہ آہستہ آہستہ پگھل کر پورے عالم میں بغیر کسی پائپ لائن کے پھیلتا رہے۔اسی طرح سمندر کا پانی کس خوبی اور سائنسی طریقہ سے صاف ستھرا ہو کر بادلوں اور ہواؤں کے ذریعہ بغیر کسی خرچہ کے دور دراز علاقوں میں پہنچا دیا جاتا ہے، بارش ہوتی ہے یا برف پڑتی ہے تو کیسے انداز سے آہستہ آہستہ کہ کسی نقصان کے بغیر پانی اور برف پہنچا دی جائے۔سبحان اللہ یہ سب کچھ کیا کوئی انسان، سائنس دان یا بڑے سے بڑا اعقل مند کر سکتا ہے؟ ہرگز نہیں یہ تو صرف وحدہ لاشریک لہ رب العزت ہی کا کمال ہے۔طاقت ہے قدرت اور اختیار ہے اس سب کے باوجود اس ترقی یافتہ دنیا میں ابھی ایسے بے وقوف لوگ موجود ہیں جو غیر اللہ سے محبت کرتے ہیں۔اگلی آیت میں انہی لوگوں کا ذکر ہے۔

## غیر اللہ سے محبت کا انجام

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ وَ لَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْۤا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۙ وَّ اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿165﴾

اور بعض وہ لوگ ہیں جو اوروں کو اللہ کے برابر بناتے ہیں اور ان کے ساتھ ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے محبت کی جائے اور مومنوں کو سب سے زیادہ محبت اللہ سے ہے اور اگر وہ ظالم لوگ عذاب کے وقت کو دیکھ لیں تو سمجھ جائیں کہ ساری قوت اللہ ہی کے لئے ہے اور یہ کہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔﴿165﴾

**تشریح:** اس آیت میں ان مشرکین کا ذکر کیا گیا ہے جو عقل رکھتے ہوئے اور سب کچھ جانتے ہوئے بھی اللہ کے سوا کی عبادت

کرتے ہیں۔ مثلاً یہودی، عیسائی، بدھ، ہندو، سکھ وغیرہ یہ سب کہتے ہیں ہمیں اللہ نے پیدا کیا مگر عبادت کرنے میں کسی کو خدا کا بیٹا بناتے ہیں۔ کہیں تین خدا بنائے ہوئے ہیں، کہیں بتوں سے محبت کر کے ان کے آگے سر جھکایا جاتا ہے، کہیں آگ کو، کہیں گائے کو اور کہیں سورج کو پوجا جاتا ہے اور تو اور کئی کمزور عقیدہ کے مسلمان بھی پیری فقیری کے چکر میں توحید کو بھول جاتے ہیں۔ بجائے اللہ وحدہ سے مرادیں مانگنے کے پیروں کے قدموں میں گر کر مرادیں مانگتے ہیں۔ رب العزت نے فرمایا کہ محبت صرف اللہ تعالیٰ سے ہونی چاہئے ایک مومن کامل صرف وہی کہلوانے کا حق رکھتا ہے جو اللہ کی محبت سے سرشار ہو۔ کسی سے بھی اگر محبت کرے تو فقط اللہ کی خوشنودی کے لئے کرے۔ ''حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ افضل ترین عمل یہ ہے کہ اللہ کے لئے ہی دوستی رکھی جائے اور اللہ ہی کے لئے دشمنی رکھی جائے''۔ (ابوداؤد)

اللہ کے سوا کسی سے سوال کرنا، کسی کے سامنے جھکنا، کسی کو اپنا حاجت روا سمجھنا یہ سب کفر و شرک کے ہی زمرہ میں آتا ہے اور یہ بہت بڑا ظلم ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ''یقیناً شرک بہت بڑا ظلم ہے'' (سورۃ لقمان 3)

آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کاش یہ اس عذاب کا اندازہ کر سکیں کہ جو شرک و کفر کی وجہ سے ان کو آخرت میں ملنے والا ہے تو یہ لوگ اس عذاب شدید کو دیکھ کر فوراً کہہ اٹھیں گے کہ واقعی اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں وہی قادر مطلق ہے اور کوئی طاقت ان کو اس عذاب سے بچا نہ سکے گی تب وہ اپنے جھوٹے معبودوں کو بھلا دیں گے اور معافی کے لئے پکاریں گے مگر وہ بالکل بے بس ہونگے ان کی بے بسی کا ذکر اگلی آیت میں کیا گیا ہے۔

## شرک کا بُرا انجام

اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَ رَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿166﴾ وَ قَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَ مَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿167﴾ ع 20/4/4

جب وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی تھی ان سے بیزار ہو جائیں گے جنہوں نے پیروی کی تھی اور وہ عذاب دیکھ لیں گے (اور ان سے سب) اسباب کٹ جائیں گے۔ ﴿166﴾ اور پیروکار کہیں گے: کاش ایسا ہوتا کہ ہمیں دنیا کی طرف لوٹ کر جانا مل جائے تو پھر ہم بھی ان سے بیزار ہو جائیں جیسے یہ ہم سے بیزار ہو گئے ہیں۔ اسی طرح اللہ انہیں دکھلائے گا ان کے کام، حسرت دلانے کے لئے اور وہ آگ سے ہرگز نکلنے والے نہیں۔ ﴿167﴾

تشریح: ان آیات میں قیامت کے دن کا بڑا ہولناک منظر بیان کیا گیا ہے۔ کاش انسان جو بھٹک چکا ہے ان آیات سے سبق سیکھ سکے اور راہ راست اختیار کر لے، کیونکہ اس دن ان کے جھوٹے معبود ان سے دور ہو چکے ہونگے اور لاعلمی کا اظہار کریں گے تب وہ

لوگ حسرت سے کہیں گے کہ کاش ہم دوبارہ دنیا میں جاسکیں تو پھر ہم بھی اپنے مرشدوں سے لاتعلقی کا اظہار کر کے اس عذاب سے بچ سکیں، لیکن اس وقت افسوس وندامت کچھ بھی کام نہ آئے گی اور وہ آگ کے عذاب سے کسی صورت بھی نجات نہ پاسکیں گے۔ اس لئے ہر وقت خیال کرو کہ جہاں بھی کوئی نیک راستہ یا نیکی کا عمل کرنے کو مل جائے اس کی طرف لپکو کیونکہ یہی دنیا عمل کا گھر ہے۔ معافی مانگنی ہے تو زندگی میں مانگ لو۔ موت کے وقت اور موت کے بعد معافی کا دروازہ اور عمل کا دفتر بند ہو جاتا ہے، مسلمان کو اللہ تعالیٰ اپنی کتاب کے ذریعے زندگی کے ہر نیک عمل کا طریقہ سکھاتا ہے جیسا کہ اگلی آیت میں حلال اور پاکیزہ غذاء کا ذکر وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

## کسب حلال اور شیطان کی سعی

يَاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿168﴾ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَ الْفَحْشَآءِ وَ اَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿169﴾

لوگو! زمین میں جو حلال اور پاک چیزیں ہیں انہیں کھاؤ اور شیطان کے بتائے ہوئے راستوں پر نہ چلو۔ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ ﴿168﴾ تمہیں بدی اور فحش کا حکم دیتا ہے اور یہ سکھاتا ہے کہ تم اللہ کے نام پر وہ باتیں کہو جن کے متعلق تمہیں علم نہیں ہے۔ ﴿169﴾

**تشریح:** ان آیات میں حلال و پاکیزہ چیزوں کو کھانے کا حکم دیا گیا ہے۔ مگر وہ چیزیں جن سے کراہت آئے یا جسم کے لئے نقصان دہ ہوں یا ناجائز طریقہ سے حاصل کی گئی ہوں ان کے کھانے کی ممانعت کی گئی ہے مگر بغیر وجہ کے حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام نہیں کرنا چاہئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ لوگ حلال اور پاکیزہ کو اپنے اوپر حرام نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جو لوگ حلال اور پاکیزہ کی پرواہ کئے بغیر کھاتے پیتے ہیں وہ شیطان کی پیروی کرتے ہیں اور شیطان انسانوں کا کھلا دشمن ہے، وہ کبھی بھی انسان کی خیر خواہی نہیں کرتا اس آیت میں شیطان کی دو خصلتیں بیان کی گئی ہیں۔ پہلی یہ کہ وہ برائی اور بے حیائی سکھاتا ہے امن و امان کو خراب کرنا، باہمی محبت اتحاد اور خلوص کو تباہ کرنا اور فساد پھیلانا اس کا من پسند کام ہے اور شیطان کا دوسرا کام یہ ہے کہ وہ انسان کو ہر وقت اس بات پر اکساتا ہے کہ وہ اپنی طرف سے بنائی ہوئی باتیں یہ کہہ کر لوگوں کو بتائے کہ یہ تو اللہ کا حکم ہے، حالانکہ اللہ کبھی بھی کسی غلط کام کا حکم نہیں دیتا، لیکن شیطان کی پیروی کرنے والے لوگ دنیاوی فائدہ کے لئے لالچ اور حرص کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں ایسے ہی لوگوں کو تنبیہ کی گئی ہے کہ یہ بہت نقصان کا کام ہے۔ اس کی مثال یہودی علماء کی دی جاسکتی ہے جنہوں نے اپنے مطلب کی باتیں اللہ کی طرف منسوب کر کے لوگوں کو بتائیں اور کتاب اللہ کو تبدیل ہی کر دیا اور نتیجہ یہ نکلا کہ وہ ہمیشہ کے لئے ناکام اور ذلیل ہو کر رہ گئے اس آیت کے ذریعہ مسلمانوں کو خبردار کیا گیا ہے کہ نہ تو بدی اور بے حیائی میں حصہ لیں اور نہ ہی دنیاوی فائدہ کے لئے اللہ کے احکام غلط بیان کریں، کیونکہ یہ دونوں کام قوموں کی تباہی کا باعث ہیں اور مکمل طور پر شیطانی کام ہیں۔ لہٰذا

ان سے خود بھی بچنا چاہئے اور دوسروں کو بھی بچانے کی کوشش کرنی چاہئے۔

## اندھی تقلید

وَ اِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّ لَا يَهْتَدُوْنَ ﴿170﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تابعداری کرو اس حکم کی جو اللہ نے نازل فرمایا تو کہتے ہیں کہ ہم تو اس کی تابعداری کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔ بھلا اگرچہ ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں اور نہ سیدھی راہ جانتے ہوں۔﴿170﴾

تشریح: اس آیت میں کفار و مشرکین کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان لوگوں کو نافرمانی اور سیدھی راہ سے دور رہنے کے لئے یہی بہانہ ملتا ہے کہ بھئی ہم کچھ نہیں جانتے بس ہم تو وہی کام کریں گے وہی طریقے اختیار کریں گے جو ہمارے باپ دادا نے اختیار کر رکھے تھے۔ حالانکہ ان کے آباؤ اجداد کے پاس نہ ہدایت تھی اور نہ عقل و شعور۔ ہدایت سے مراد وہ احکامات ہیں جو زندگی گزارنے کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے صاف طور پر نازل کئے گئے اور عقل سے مراد وہ فہم و فراست ہے جو کسی کسی کو نصیب ہوتی ہے۔ مثلاً: حضرت ابراہیم علیہ السلام جن کا باپ بت تراش تھا اور تمام کنبہ قبیلہ بت پرست تھا مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عقل نے ان کی نہ تو تقلید پسند کی اور نہ ہی ان خداؤں کو مانا جن کی وہ پرستش کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

ہم نے ایسے ہی طور پر ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمین کی مخلوقات دکھائیں (سورہ انعام آیت 76)

بلکہ ان کی عقل نے ان کو راستہ دکھایا اور انہوں نے جستجو کی اور اللہ کو معبود حق کی صورت میں ڈھونڈ لیا۔ حالانکہ ہدایت یعنی احکامات ان کے پاس بعد میں آئے۔ مگر یہ لوگ خوش قسمت ہیں کہ ان کو نیکی، راستی اور زندگی کے تمام اصول، اچھائی اور برائی کا فرق کھول کر بتایا جا رہا ہے لیکن یہ خود ایمان لانا پسند نہیں کرتے اس لیے یہ عذر پیش کرتے ہیں کہ ہمارے باپ دادا کفر و شرک کی راہیں اپنائے ہوئے تھے اس لئے ہم ان راہوں کو چھوڑ نہیں سکتے۔

یاد رکھیں! انسان کی ترقی اور کامیابی میں سب سے بڑی رکاوٹ اندھی تقلید اور پرانی غلط رسم و رواج ہی بنتی ہیں اس لیے ہر انسان کو اپنی عقل سے کام لے کر اپنی راہیں سنوارنی چاہئیں۔ علامہ اقبال نے ان لوگوں کی حالت زار کو یوں بیان کیا:

آئین نو سے ڈرنا، طرز کہن پہ اڑنا
منزل یہی کٹھن ہے قوموں کی زندگی میں

اگلی آیت میں انہی کفار کی بے جا تقلید کو اللہ تعالیٰ مثال دے کر واضح کر رہا ہے۔

## اندھی تقلید کی مثال

وَ مَثَلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا کَمَثَلِ الَّذِیْ یَنْعِقُ بِمَا لَا یَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّ نِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُکْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ (171)

اور ان کافروں کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص اپنے جانوروں کو پکارے اور وہ سوائے چلانے اور پکارنے کے کچھ نہیں سمجھتے یہ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں اس لئے کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔ (171)

**تشریح:** اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ کفار و مشرکین بالکل جانوروں کے اس ریوڑ کی طرح ہیں جن کو چرواہا ہانک لگاتا ہے اور جانور آواز سنتے ہیں مگر آواز کا ادراک نہیں رکھتے اس لئے آواز کی اہمیت وہ نہیں سمجھتے کہ کہنے والا دراصل ان کو کیا سمجھا رہا ہے، اس طرح مشرک نہ ہدایت کی بات سنتے ہیں، نہ بولتے ہیں اور نہ ہی ہدایت کی راہ دیکھتے ہیں اس لئے وہ انسان نہیں بلکہ جانوروں کی طرح زندگیاں گزار رہے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”کہ جس شخص نے اپنی قوم کی ناحق پر مدد کی اس کی مثال ایسے ہے جیسے اونٹ کنوئیں میں گر جائے تو اسے اس کی دم پکڑ کر کھینچا جائے“۔

(اسوہ حسنہ جلد سوم صفحہ 284 بحوالہ ابوداؤد)

## حرام غذائیں اور مجبوری کی صورتیں

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ (172) اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَیْكُمُ الْمَیْتَةَ وَ الدَّمَ وَ لَحْمَ الْخِنْزِیْرِ وَ مَاۤ اُهِلَّ بِهٖ لِغَیْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّ لَا عَادٍ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَیْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ (173)

اے ایمان والو! کھاؤ ان پاکیزہ چیزوں سے جو ہم نے تمہیں دے رکھیں ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم اسی کے بندے ہو۔ (172) اس نے حرام کیا ہے تم پر مردہ جانور اور خون، سور کا گوشت اور جس پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام لیا جائے، پھر جو کوئی بے اختیار ہو جائے نافرمانی اور زیادتی کرنے والا نہ ہو تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ بے شک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔ (173)

**تشریح:** اس آیت میں اللہ جل شانہ بڑے ہی واضح انداز میں مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہیں کہ جو کچھ تمہیں نعمتیں دی گئی ہیں ان میں سے ہر پاکیزہ چیز کھاؤ پیو اور ہر وقت اللہ کا شکر ادا کرتے رہو، تاکہ تم میں غرور پیدا نہ ہو جائے اور اس لیے بھی کہ اللہ شکر گزار لوگوں کی نعمتوں میں اضافہ کرتا ہے اور ان سے راضی ہوتا ہے، کیونکہ شکر گزاری انسان اور اللہ کے درمیان رابطے کو مضبوط کرتی ہے اسی مہربانی اور شفقت کی بناء پر اللہ ان کو حرام قرار دیتے ہیں جو دنیا میں موجود ہیں مگر انسانی صحت کے لئے مضر ہیں تو ان چیزوں کو

حرام قرار دیا ہے اور آج کی سائنس نے تسلیم کیا ہے کہ واقعی یہ حرام شدہ چیزیں بڑی خوفناک حد تک انسان کو نقصان پہنچاتی ہیں۔ ڈاکٹر ہلوک نور باقی اپنی کتاب ''قرآنی آیات اور سائنسی حقائق'' صفحہ 292 پر رقم طراز ہیں۔''اس آیت کے ذریعہ ایک اور اہم سبق یہ ملتا ہے کہ سور کے گوشت کو خون اور مردار گوشت کے ساتھ ہی حرام قرار دیا گیا ہے کہ ان دونوں میں جراثیم سے آلودہ گندگی پائی جاتی ہے اور خون سے اس لئے ملایا گیا ہے کہ دونوں کے البومن میں نقصان دہ رطوبت پائی جاتی ہے جو کہ انسانی نشوونما اور صحت کے لئے زہر ثابت ہو چکی ہے۔

سور کے گوشت میں بہت زیادہ چربی ہوتی ہے جو کہ انسان میں چربی اور کولیسٹرول (Cholesterol) کی مقدار خطرناک حد تک بڑھا دیتی ہے اور دل کی شریانیں تنگ ہو جاتی ہیں۔ دوسرا نقصان یہ ہے کہ انسانی جسم میں وٹامن ای اے کی کمی ہو جاتی ہے جو کہ جلدی امراض اور آنکھوں کی بیماریوں میں اضافہ کرتی ہے، کیونکہ خنزیر مسلسل گندگی کھانے کی وجہ سے خود بہت سی بیماریوں کا شکار رہتا ہے اس لئے یہ ناممکن ہے کہ اس کے گوشت کو کھانے اور ہضم کے ذریعے سے نقصان دہ سفید چربی والی البومنز جنہیں انٹی بوڈی (Anti Body) کہتے ہیں وہ بھی انسانی جسم کے اندر داخل نہ ہو جائے۔ چنانچہ آیت کریمہ میں سور کے گوشت کو مردار کے گوشت سے اس لئے ملا دیا گیا ہے کہ ان دونوں میں جراثیم سے آلودہ گندگی پائی جاتی ہے اور خون سے اس لئے ملایا گیا ہے کہ دونوں کے البومن میں نقصان دہ رطوبت پائی جاتی ہے۔ یہی تمام وجوہات ہیں کہ قرآن پاک میں چار مختلف جگہوں پر سور کے گوشت، خون اور مردار کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ سورہ البقرہ کی آیت: 173 سورہ المائدہ آیت: 3 سورہ الانعام آیت: 145 اور سورہ النحل آیت: 115 اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر شخص اس مسئلہ پر پوری توجہ کرے۔ قرآن مجید نے حکم دیا ہے اور سائنسی تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے کہ یہ خوراک انسان کے لئے بے حد خطرناک ہے۔''

اندازہ کیجئے کہ اللہ جل شانہ کس قدر مہربان اور خیر خواہ ہے اسی آیت کے آخر میں فرمایا کہ اگر انسان کو بے حد مجبوری میں یہ حرام چیزیں کھانی پڑ جائیں تو اجازت ہے صرف اس صورت میں کہ کھانے کی وجہ صرف مجبوری ہو نہ لیکن قانون شکنی اور حد سے بڑھنے کی نیت نہ ہو۔ کیونکہ یہ نافرمانی میں شمار ہوتا ہے اور مجبوری میں اللہ معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

اسلام کے ہر قانون اور اصول سے پتہ چلتا ہے کہ یہ دین فطرت ہے انسان کی بھلائی اور ترقی فلاح و بہبود کا دین ہے۔ اس میں پوری طرح داخل ہو جانا اور اس کے حکموں کو مان لینا کوئی مشکل نہیں۔ بلکہ دنیا و آخرت کی بھلائیاں حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ اللہ ہمیں اس کی توفیق دے اور انہی اعتقادات کی وجہ سے یہ بھی فرمایا گیا کہ جو جانور غیر اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے وہ بھی مسلمان کے لئے حرام ہے۔ کیونکہ اس سے ایمان میں فرق آتا ہے چنانچہ ثابت ہو گیا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے چار چیزوں کے حرام ہونے کا ذکر کیا ہے۔ مردار، خون، سور اور وہ جانور جس پر ذبح کرتے ہوئے اللہ کا نام نہ لیا جائے، بلکہ کسی اور کا نام لے کر ذبح کیا جائے یہ کیوں حرام کئے گئے ہیں اس کی وضاحت اوپر ہو چکی ہے۔

# علم کو چھپانے کی سزا

إِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَ يَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَ لَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ لَا يُزَكِّيْهِمْ وَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿174﴾

(حق یہ ہے کہ) جولوگ ان احکام کو چھپاتے ہیں جو اللہ نے اپنی کتاب میں نازل کئے ہیں اور تھوڑے سے دنیوی فائدوں پر انہیں فروخت کرتے ہیں وہ دراصل اپنے پیٹ آگ سے بھر رہے ہیں قیامت کے روز اللہ ہرگز ان سے بات نہ کرے گا نہ انہیں پاکیزہ ٹھہرائے گا اور ان کے لئے دردناک سزا ہے۔﴿174﴾

تشریح: معارف القرآن میں بڑی مختصر اور جامع تفسیر بیان کی گئی ہے۔ لکھتے ہیں ''اس سے پہلی آیات میں ان حرام چیزوں کا ذکر تھا جو محسوسات میں سے ہیں، اگلی آیات میں ایسے حرام کاموں کا ذکر ہے جو محسوس نہیں بلکہ وہ باطنی و ظاہری اعمال شر ہیں مثلاً علمائے یہود میں یہ مرض تھا کہ عوام سے رشوت لے کر ان کے مطلب کے مطابق غلط فتوے دے دیتے تھے اور تورات کی آیات میں تحریف کر کے ان کے مطلب کے موافق بناتے تھے۔ اس میں امت محمدیہ کے علماء کو بھی تنبیہ ہے کہ وہ ایسے افعال سے اجتناب کر لیں کسی نفسانی غرض سے احکام حق کے اظہار میں کوتاہی نہ کریں''۔

کیونکہ یہ بہت ہی بڑا گناہ ہے اور جو معاوضہ وہ غلط بیان کا لیتے ہیں وہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں اور ان کے لئے صرف یہی ایک سزا نہیں بلکہ اس آیت میں ان سزاؤں کا ذکر کیا گیا ہے جو غلط بیانی یا غلط مسائل بتانے والے علماء کو قیامت کے دن ملیں گی۔ ان میں سب سے پہلی سزا تو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے علماء سے غصے کا اظہار کریں گے اور ان کو رحمت الٰہی سے محروم کر دیا جائے گا۔

دوسری سزا یہ دی جائے گی کہ ان کو دوزخ میں ڈالا جائے گا۔ اس طرح کہ ہمیشہ وہیں سڑتے جلتے رہیں گے، کبھی بھی معاف کر کے جنت میں نہ بھیجے جائیں گے۔ تیسری سزا یہ ہوگی کہ ان کی سزا جسمانی، روحانی اور ذہنی بھی ہوگی جس سے وہ ہرگز چھٹکارا نہ پا سکیں گے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک اچھے عالم کا درجہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلند ترین ہے تو برے اور جھوٹے عالم کا درجہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بدترین ہے اور ایسے عالم کو بدترین عذاب میں ڈالا جائے گا جو نہ ختم ہوگا نہ کم ہوگا۔

محترم قارئین یہ بات سمجھنی بڑی آسان ہے۔ زندگی کا اگر کوئی مسئلہ سمجھ نہ آئے تو ضروری سمجھا جاتا ہے کہ کسی عالم سے پوچھ لیا جائے تو اگر عالم ٹھیک حل بتائے تو اس کا مطلب ہے کہ اس نے معاشرے کو ایک بہت بڑے بگاڑ سے بچا لیا لیکن اگر عالم کسی کے دباؤ میں آ کر یا کسی سے رقم وصول کر کے یا شیطان کی خوشنودی کے لئے مسئلہ کا حل اپنے پاس سے غلط بتا دیتا ہے تو عالم کی کہی ہوئی بات سے جس قدر بگاڑ، خرابی یا بے سکونی پوری قوم، معاشرے یا لوگوں میں پھیلے گی اس کا ذمہ دار یقیناً عالم ہی ہوگا جس نے غلط بات کی

اوراس طرح تمام خرابی، بے سکونی اور بے حیائی کا عذاب صرف لوگوں پر ہی نہیں، بلکہ عالم پر سب سے زیادہ ہوگا اور جب تک برائی باقی رہے گی، پھیلے گی اس عالم کا عذاب بڑھتا چلا جائے گا، لوگ اس پر عمل کرنے کے لئے یوں مجبور ہونگے کہ بات ایک صاحبِ علم نے کہی ہے غلط نہیں ہوسکتی تو سوچیں ایسے عالم کا عذاب کیونکر کم یا ختم ہوسکتا ہے جو لوگوں کو دنیاوی منفعت کی وجہ سے گمراہی کا راستہ دکھائے۔ اگلی آیت میں ایسے لوگوں کے بارے میں ذرا اور بھی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

## گھاٹے کا سودا

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿175﴾ ذَٰلِكَ
21 بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿176﴾ ع 5

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے ضلالت خریدی اور مغفرت کے بدلے عذاب مول لیا، کیا عجیب ہے ان کا حوصلہ کہ جہنم کا عذاب برداشت کرنے کے لئے تیار ہیں۔ (175) یہ اس لئے ہے کہ اللہ نے تو ٹھیک ٹھیک حق کے مطابق کتاب نازل کی تھی مگر جن لوگوں نے کتاب میں اختلافات نکالے وہ اپنے جھگڑوں میں حق سے بہت دور نکل گئے۔ (176)

تشریح: ان آیات میں غلط کار علماء کے بارے میں اللہ تعالیٰ اور بھی وضاحت سے فرماتا ہے کہ غلط بیانی کرنے والے اور تھوڑی سی دنیاوی اجرت کے بدلہ میں گمراہی پھیلانے والے کس قدر بے وقوف اور نقصان دہ تجارت کرنے والے ہیں۔ ان لوگوں کو یہ خیال ذرہ برابر بھی نہیں آتا کہ اس طرح یہ لوگ ہدایت کے بدلے گمراہی خرید رہے ہیں، روشنی کی بجائے تاریکی میں جارہے ہیں، آخرت کی بجائے دنیا کو پسند کررہے ہیں اور یوں یہ لوگ عارضی فائدوں کی بجائے ہمیشہ کے آرام کو چھوڑ رہے ہیں ان کو یہ خیال بھی نہیں آرہا ہے کہ یہ اتنے بڑے جرم کی سزا میں پھنس رہے ہیں کہ جو سزا مرنے کے بعد ہمیشہ ان کو ملتی رہے گی یہ سب اس لئے ہے کہ حق تعالیٰ نے تو بہترین حق پر مبنی اور سچائی کے راستے دکھانے والی کتاب نازل کی تھی مگر ان جھوٹے اور بے وقوف علماء نے آپس کے اختلافات اور جھگڑوں میں پڑ کر حق سے دور کی راہیں اختیار کرلیں اور لوگوں کو بھی بھٹکا دیا تو ظاہر ہے اس اتنے بڑے جرم کی سزا بھی تو اتنی ہی بڑی، سخت اور ہمیشہ رہنے والی ہوگی اس لئے اس جرم سے بچنے کے لئے خدا کی پناہ مانگنی چاہئے اور بے حد احتیاط سے کام لینا چاہئے۔ مسلمان علماء کو یہودی علماء سے عبرت حاصل کرنی چاہئے۔ ویسے تو زندگی کے ہر شعبہ میں اچھے برے انسان ضرور ہوتے ہیں مگر علماء و مشائخ کا گمراہ ہوجانا، سب سے زیادہ نقصان دہ اور تباہی کا باعث ہوتا ہے۔ جیسا کہ منظور الحق ڈار صاحب اپنی تصنیف ''ہمارا سنگین ترین مسئلہ'' کے صفحہ نمبر 82 میں لکھتے ہیں۔ ''ایک طرف ہم میں جو تھوڑا بہت اسلام پایا جاتا ہے اس میں محترم علماء ربانی اور حق پرست مشائخ کی کوششوں کا بھی حصہ ہے اور دوسری طرف جو برائیاں پائی جاتی ہیں ان میں علمائے سوء (برے) اور غلط قسم کے پیروں، سجادہ نشینوں کی پھیلائی ہوئی ضلالت و گمراہی کا خاصا عمل دخل ہے'' ان کو سخت ترین عذاب دیا

جائے گا اسی طرح ہادی برحق ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

میں اپنی امت کے متعلق گمراہ آئمہ سے شدید ترین خطرہ محسوس کرتا ہوں''۔(ابوداؤد)

شیطان نے روز اول اللہ تعالیٰ سے کہا تھا۔''میں تیرے بندوں کو ضرور بہکاؤں گا''۔(سورہ نساء 119)''اسی طرح انسانوں میں بھی شیطان ہوتے ہیں اور جنات میں بھی'' (سورہ انعام 112) اس لئے علماء بھی شیطان کا شکار ہو سکتے ہیں اس لئے ہر انسان کو چاہئے کہ آنکھیں بند کر کے بھٹکے ہوئے پیروں اور غلط قسم کے رہنماؤں اور لیڈروں کی باتوں میں آ کر اپنی عاقبت ہرگز خراب نہ کریں۔رہے دنیا پرست علماء سوء تو ان سے اللہ تعالیٰ خوب اچھی طرح حساب لے لیں گے۔

شروع سورت سے آیت 176 کے آخر تک سورہ البقرہ کا تقریباً نصف حصہ ہو جاتا ہے۔یہاں تک اکثر منکرین و مشرکین اور قرآن پاک کا ذکر ہے پھر توحید و رسالت پھر اولاد ابراہیم علیہ السلام پر انعامات پھر قبلہ کا تذکرہ اور اس کے بعد صفا و مروہ کا بیان پھر توحید و شرک کی وضاحت پر ختم ہو جاتا ہے۔گزشتہ حصے میں زیادہ تر خطاب مشرکین کو کیا گیا ساتھ ساتھ مسلمانوں کو بھی خطاب کیا گیا۔اب بقیہ سورہ البقرہ میں زیادہ تر مسلمانوں کو ہی خطاب کیا گیا ہے۔

## اصل نیکی، اچھے عقائد، معاملات، نماز، زکوٰۃ اور عہد

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَ اٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَ السَّآئِلِيْنَ وَ فِى الرِّقَابِ ۚ وَ اَقَامَ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَ الصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ حِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿177﴾

نیکی یہ نہیں ہے کہ تم نے اپنے چہرے مشرق یا مغرب کی طرف کر لو بلکہ نیکی یہ ہے کہ آدمی اللہ، یوم آخر، ملائکہ اور اللہ کی نازل کی ہوئی کتاب اور اس کے پیغمبروں کو دل سے مانے اور اللہ کی محبت میں اپنا دل پسند مال رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں، مسافروں، مدد کے لئے ہاتھ پھیلانے والوں اور غلاموں کی رہائی پر خرچ کرے اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ دے اور نیک وہ لوگ ہیں کہ جب عہد کریں تو اسے پورا کریں اور تنگی و مصیبت اور (حق و باطل کی) جنگ میں صبر کریں یہ ہیں راست باز لوگ اور یہی لوگ متقی ہیں۔﴿177﴾

**تشریح:** سب سے پہلے تو مشرکین و مسلمانوں کو مخاطب کر کے رب العزت فرماتا ہے کہ نیکی یہ نہیں کہ مشرق کی طرف منہ کر لینا یا مغرب کی طرف۔اس بات پر تفصیلی بحث گزشتہ اسباق میں ہو چکی ہے۔اب یہاں ''بِرّ'' یعنی نیکی کو واضح کیا جا رہا ہے۔

تمام ظاہری اور باطنی بھلائیاں اس ایک لفظ ''بِرّ'' میں جمع ہو گئی ہیں اس کی تفصیل یہ ہے شریعت کے کل احکامات تین

چیزوں پر مشتمل ہیں۔

1 عقائد۔ :2 اعمال۔ :3 اخلاق۔

اس کے بعد سورہ البقرہ کے اختتام تک تمام احکام شرعیہ کا ذکر آ گیا ہے جو آئندہ بیان کئے جائیں گے۔

سب سے پہلے اعتقادات کا ذکر ہے جس میں توحید الٰہی، آخری نبی اکرم ﷺ، قرآن مجید، یوم آخرت، فرشتے اور تمام وہ کتابیں جو قرآن پاک سے پہلے نازل ہو چکیں اور تمام رسول جو بھیجے جا چکے ان سب پر ایمان رکھنا ضروری ہے یہ نیکی ہے اور تکمیل ایمان ہے، نیکی کا دوسرا اجزاء مالی قربانی ہے۔ یعنی اپنے مال کو اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے بندوں پر خرچ کرنا جن میں قرابت دار، یتیم، مسکین، مسافر، فقیر، مجبور اور محکوم انسان شامل ہیں۔ مالی قربانی کے بعد بدنی عبادت یعنی نماز کا ذکر کیا گیا ہے۔ نماز اور زکوٰۃ کا ذکر قرآن پاک میں ساتھ ساتھ بہت زیادہ دفعہ آیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نیک اور اچھے مسلمان کے لئے نماز بھی بے حد ضروری عبادت ہے، نماز بدی اور بے حیائی سے روکتی ہے، انسان کو روحانی، اخلاقی اور سماجی لحاظ سے مضبوط بناتی ہے۔ آئندہ اس پر تفصیل سے بحث ہوگی (انشاء اللہ)۔ عقائد، معاملات اور عبادات کے بعد اب نمبر آتا ہے اخلاقیات کا اس میں سب سے پہلے عہد کی پابندی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ سے کیا گیا عہد پورا کرنا، حقوق اللہ اور حقوق العباد پورا کرنا، مالی، جسمانی اور ہر قسم کی پریشانی ہر قسم کی مشکل میں صبر و سکون سے کام لیتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے مدد کی درخواست کرنا۔ یہ سب کچھ نیکی کے دائرے میں آتا ہے جو بھی ان سب پر خلوص سے عمل کرے گا وہی پکا مسلمان کہلائے گا اور وہ متقی اور پرہیزگار انسان کہلائے گا معاشرتی قوانین کا پاس کرنا بھی اعلیٰ اخلاق کی علامت ہے تو ان آیات میں قانونی مسائل سے بھی آگاہ کیا گیا ہے اور اگلی آیت میں قصاص کا ذکر تفصیل سے آ رہا ہے۔

## قانون قصاص

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَ الْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَ الْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَ اَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ رَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿178﴾ وَ لَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿179﴾

اے ایمان والو! تمہارے لئے قتل (کے مقدموں میں) قصاص کا حکم لکھ دیا گیا ہے۔ آزاد آدمی نے قتل کیا ہو تو اس آزاد ہی سے بدلہ لیا جائے، غلام قاتل ہو تو غلام ہی قتل کیا جائے اور عورت اس جرم کی مرتکب ہو تو اس عورت ہی سے قصاص لیا جائے ہاں اگر کسی قاتل کے ساتھ اس کا بھائی کچھ نرمی کرنے کے لئے تیار ہو تو معروف طریقہ کے مطابق (خون بہا کا تصفیہ) ہونا چاہئے اور قاتل کو لازم ہے کہ راستی

کے ساتھ خوں بہا ادا کرے۔ یہ تمہارے رب کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے اس کے بعد جو زیادتی کرے اس کے لئے دردناک سزا ہے۔(178) عقل وخرد رکھنے والو! تمہارے لئے قصاص میں زندگی ہے۔امید ہے کہ تم (اس قانون کی خلاف ورزی سے ) پرہیز کروگے۔(179)

**تشریح:** اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں قتل وغارت گری عروج پر تھی پھر یہ بھی کہ اگر کوئی اونچے خاندان کا غلام قتل ہو جاتا تو اس کے بدلہ میں آزاد کو قتل کرتے اور کئی دفعہ تو ایسے بھی ہوتا کہ ایک کے بدلے کئی آدمی قتل کر دیئے جاتے اسلام نے اس بے انصافی اور فرق وامتیاز کو بالکل ختم کرنے کا حکم دیا اور اصول بنا دیا کہ جو شخص جان بوجھ کر کسی کو قتل کرے اس کو بدلہ میں قتل کر دیا جائے جیسے۔آزاد کے بدلہ میں آزاد، کیونکہ جانیں سب برابر ہیں ان میں اونچ ، نیچ ، امیر ، غریب ، شریف ، بدمعاش ، عالم ، جاہل ، عورت ، مرد ، آزاد ، غلام ، جوان ، بوڑھے اور بیمار وتندرست کا لحاظ نہیں رکھا جائے گا اگر کوئی عورت مرد کو قتل کر دے تو اس قتل کرنے والی عورت کو ہی قتل کیا جائے گا اسی طرح سب کے لئے حکم ہے جو قتل کرے اس کو بدلہ میں قتل کیا جائے لیکن اگر مقتول کے وارث خون بہا کی رقم یعنی قاتل کو قتل معاف کر کے اس کو رقم ادا کرنے کے لئے کہیں یا اس میں بھی کچھ معاف کر دیں تو یہ اپنے بھائی کے حق میں مہربانی ہوگی اور خون بہا لینے میں اور ادا کرنے میں دونوں فریقوں کو شرافت اور انصاف سے کام لینے کا حکم دیا گیا ہے، تا کہ امن وسکون میں خلل واقع نہ ہو اور خوش اسلوبی سے معاملہ طے پا جائے لیکن اس معاملہ کو طے کرنے میں اگر کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے بتائے ہوئے قوانین کی خلاف ورزی کرے گا تو یقیناً دردناک عذاب کا حق دار ہوگا۔آخر میں اللہ جل شانہ فرماتے ہیں کہ قصاص میں زندگی ہے یہ اس طرح کہ جب کوئی قتل کرنے کا ارادہ کرے گا تو اس کو معلوم ہوگا کہ قتل کرنے پر وہ خود بھی قتل کیا جائے گا، کیونکہ قصاص کا قانون موجود ہے۔لہٰذا وہ اپنی جان کی فکر یا ڈر سے قتل کرنے سے رک جائے گا تو اس طرح قصاص میں زندگی دکھائی دیتی ہے۔جب انسان کو یہ معلوم ہو کہ کوئی بات نہیں ، پیسہ دے کر یا اپنی عزت ووقار کے زور پر چھوٹ جاؤں گا تو پھر دوبارہ قتل کرنے سے باز نہیں رہ سکتا۔ثابت ہو گیا کہ قصاص کا قانون عدل وانصاف ، نظم وضبط ، راستی اور اعتدال کا بہترین ذریعہ ہے۔مخالفین اسلام شور مچاتے ہیں کہ اسلام نے سزائیں بہت سخت رکھی ہیں ، حالانکہ سخت جرائم سے روکنے کے لئے سزا بھی سخت ہی ہونی چاہیے تا کہ جرائم کی روک تھام ہو سکے ورنہ تو مجرم بےخوف وخطر زیادہ سے زیادہ بدامنی پھیلانے کا ارادہ کر سکتے ہیں۔سزا ایسی ہونی چاہئے کہ جو خود مجرم کے لئے سخت ترین اور دوسروں کے لئے عبرت کا نشان بنے بس یہی حکمت ہے ’’قصاص میں زندگی ہے۔‘‘

اسلام پر اعتراض کرنے والے غیر مسلم کبھی اپنے گریبان میں منہ ڈال کر بھی دیکھیں کہ معمولی شکوک وشبہات پر ایسی سزاؤں سے دوچار کرتے ہیں کہ سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور ایسی سزائیں وحشی جانور کو بھی نہیں دی جاسکتیں جو انسان کے ساتھ روا رکھی جاتی ہیں اور اگر اسلام نے اصلاح معاشرہ کیلئے مناسب سزاؤں کا قانون دیا تو بڑی انسانی ہمدردی کے لیے ہی دیا ہے تا کہ انسان اس معاشرے میں امن وسکون کے ساتھ زندگی بسر کر سکے اور قتل وغارت نہ ہو۔

## وصیت

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَ الْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿180﴾

تم پر فرض کیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت آئے اور وہ اپنے پیچھے مال چھوڑ رہا ہو تو والدین اور رشتہ داروں کے لئے معروف طریقے سے وصیت کرے یہ حق ہے متقی لوگوں پر۔ ﴿180﴾

تشریح: یہ حکم اس زمانے میں دیا گیا تھا، جبکہ وراثت کیلئے ابھی کوئی قانون مقرر نہیں کیا گیا تھا۔ اس وقت ہر شخص پر لازم کیا گیا کہ وہ اپنے چھوڑے ہوئے مال کو بذریعہ وصیت اپنے وارثوں میں تقسیم کر جائے، تاکہ اسکے بعد خاندان میں جھگڑا نہ ہو۔ بعد میں تقسیم وراثت کا قانون خود اللہ تعالیٰ نے بیان کر دیا جو سورہ نساء میں آئے گا۔ فی الحال مذکورہ آیت کے مطابق تین اصول وضع کئے گئے ہیں۔

1۔ ایسے رشتہ دار جن کے حصے کتاب وسنت میں مذکور نہیں ان کے لیے وصیت کر سکتا ہے۔

2۔ رشتہ داروں کے لیے وصیت کرنا جائز ہے فرض نہیں ہے۔

3۔ ایسی وصیت جو کتاب وسنت کے خلاف نہ ہو کر سکتا ہے۔

جس شخص کے ذمہ لوگوں کے حقوق واجب ہوں یا اس کے پاس کسی کی امانت رکھی ہو۔ اس پر ان تمام چیزوں کی ادائیگی کے لئے وصیت واجب ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"جس شخص کے ذمہ لوگوں کے کچھ حقوق ہوں اس پر تین راتیں ایسی نہ گزرنی چاہئیں کہ اس کی وصیت لکھی ہوئی اس کے پاس موجود نہ ہو"

آدمی کو اپنی زندگی میں وصیت بدلنے کا یا بالکل ختم کرنے کا حق حاصل ہے اور تہائی مال سے زیادہ کی وصیت نہیں کر سکتا۔ مزید وضاحت اگلی آیات میں بیان کی گئی ہے۔

## وصیت میں تبدیلی

فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿181﴾

ع 22 6 فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿182﴾

پھر جنہوں نے وصیت سنی اور اسے بدل ڈالا تو اس کا گناہ ان بدلنے والوں پر ہوگا اللہ سب کچھ سنتا ہے اور جانتا ہے۔ ﴿181﴾ البتہ جس کو یہ اندیشہ ہو کہ وصیت کرنے والے نے (نادانستہ یا قصداً) حق تلفی کی ہے اور پھر معاملے سے تعلق رکھنے والوں کے درمیان وہ

اصلاح کرائے تو اس پر کچھ گناہ نہیں ہے۔ اللہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ (182)

تشریح: اس آیت میں ان لوگوں کو خبردار کیا گیا ہے جو مرنے والے کے پاس موجود ہوں اور اپنے کسی فائدہ یا ناجائز غرض کے لئے مرنے والے کی وصیت کو بدل ڈالیں یہ سوچ کر کہ کون جاننے والا ہے۔ مرنے والا تو مر گیا تو ایسے لوگوں کو خیال رکھنا چاہئے کہ اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ اس سے تو کوئی بھی بات چھپی ہوئی نہیں وہ اصل وصیت کو بھی جانتا ہے اور بدلنے والوں کو ان کی نیتوں کو بھی بڑی اچھی طرح جانتا ہے۔ مگر ایک صورت وصیت بدلنے والوں کے لئے جائز بتائی گئی ہے وہ یہ کہ اگر کوئی شخص یہ دیکھے کہ وصیت میں کسی کی حق تلفی اور ترکہ کی ناجائز تقسیم کی گئی ہے یا وصیت گناہ اور ناانصافی پر مبنی ہے تو ایسی صورت میں وارثوں سے مشورہ کرنے کے بعد وصیت تبدیل کی جاسکتی ہے اس پر کوئی گناہ نہیں، نیک نیتی اور اخلاص کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور وہ بڑا ہی بخشنے والا اور نہایت مہربان ہے۔ حدیث ہے۔ ''عمل کی بہتری سچی نیت میں ہے''۔ (حکیم ترمذی)

## روزے کی فرضیت اور مسائل

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (183)
اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ (184)

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! تم پر روزے فرض کر دیئے گئے ہیں جس طرح تم سے پہلے (انبیاء کے پیروؤں) لوگوں پر فرض کر دیئے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بنو۔ (183) چند مقرر دنوں کے روزے ہیں اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو دوسرے دنوں میں اتنی ہی تعداد پوری کرے جو لوگ روزے رکھنے کی قدرت رکھتے ہوں (پھر نہ رکھیں) تو وہ فدیہ دیں اور روزے کا فدیہ ایک مسکین کو کھانا کھلانا ہے اور جو اپنی خوشی سے کچھ زیادہ بھلائی کرے تو یہ اسی کے لئے بہتر ہے۔ اگر تم سمجھو تو تمہارے حق میں اچھا یہی ہے کہ روزے رکھو۔ (184)

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ بندوں کو مخاطب کرتا ہے کہ تم پر روزے فرض کئے گئے ہیں، ارکان اسلام میں سے ایک اہم رکن رمضان کا روزہ ہے اس کا حکم 2 ہجری جنگ بدر سے پہلے نازل ہوا۔ تفصیل والی آیات ایک سال بعد نازل ہوئیں مگر انہیں ان کے ساتھ ہی جمع کر دیا گیا ہے۔ روزے کا مطلب ہے کہ نیت کے ساتھ ساتھ سحری سے لیکر سورج غروب ہونے تک کھانے پینے، بیوی کے ساتھ ہم بستری اور اخلاقی برائی (غیبت، فحش کلامی، بدکلامی، لڑائی جھگڑا) سے اپنے آپ کو (اللہ کی رضا کیلئے) بچائے رکھنا۔

یہ عبادت خالصتاً اللہ اور بندے کے درمیان ہوتی ہے اور رمضان کا مہینہ اس پاکیزہ عبادت کے لئے اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا ہے

تا کہ اس سے مسلمانوں کی یکجہتی اور اتحاد کا اظہار ہو۔ یہ عبادت پہلی قوموں پر بھی فرض کی گئی تھی۔ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، ابراہیم علیہ السلام ۔...........

روزوں کا فائدہ بیان کرتے ہوئے رب العزت فرماتا ہے کہ یہ ایک ماہ کی ریاضت تمہیں جسمانی اور روحانی دونوں طرح سے مضبوط کرتی ہے۔ نفس اور جسم کی تمام خرابیاں اور غلاظتیں بالکل دھل جاتی ہیں اور ایک متقی کے ساتھ ساتھ صحت مند انسان بن جاتا ہے۔ واقعی روزہ روحانی اور طبی معجزہ ہے۔ روحانی اس طرح کہ عبادت، خشوع وخضوع اور اللہ کے سامنے جھک جانے سے ہماری روح پاکی محسوس کرتی ہے جس کی وجہ سے تمام کدورتیں ختم ہوجاتی ہیں پریشانیاں مٹ جاتی ہیں اور گناہ جھڑ جاتے ہیں اور واقعی ہم اپنے آپ کو ایک نور کے ہالے میں ہلکا پھلکا اڑتا ہوا محسوس کرتے ہیں۔

اور طبی اس طرح کہ روزہ اور وضو کے مشترکہ اثر سے دوران خون کا دماغ پر زبردست اثر پڑتا ہے اور یوں اعصابی تناؤ اور بے کار الجھنوں سے مکمل طور پر نجات مل جاتی ہے اسی طرح بے شمار فوائد ہیں جو آئندہ بیان کئے جائیں گے یہاں پر ہم کچھ روزوں کے مسائل کی وضاحت کرتے ہیں۔

انسان کی سہولت اور آسانی کے لئے اللہ جل شانہ نے کچھ رعایت انسان کو دے رکھی ہے وہ یہ کہ اگر کوئی بیمار ہو یا سفر پر ہو تو روزہ قضاء کرسکتا ہے۔ یعنی پورے سال میں کسی بھی وقت چھوڑے ہوئے روزے رکھ سکتا ہے اور اگر کوئی اس قدر بیمار یا لاغر ہو کہ شفایابی کی امید نہیں رکھتا یا بہت بوڑھا ہو تو ایسے لوگوں کے لئے یہ رعایت دی گئی ہے کہ وہ ہر روز ایک مسکین کو کھانا کھلائیں اگر اس سے زیادہ دے سکیں تو اور بھی اچھا ہے، کیونکہ صدقہ وخیرات، حسن سلوک اور نیک برتاؤ تو ویسے ہی مسلمان کی نشانی ہے۔ رمضان میں تو اس کی اہمیت اور بھی بڑھ جاتی ہے ویسے بھی روزہ رکھنے سے اپنی خوشحالی کے لئے شکر اور غریب کی بدحالی کے لئے فکر کے جذبات پوری طرح ابھر آتے ہیں اور یوں انسان انسانیت کے قریب ہوجاتا ہے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تمام رعایتیں ایک طرف اور روزے کی فضیلتیں ایک طرف اس لئے رمضان کے روزے اپنے اندر رحمتیں، برکتیں، فضیلتیں اور فائدے اس قدر زیادہ رکھتے ہیں کہ اگر تم جان جاؤ تو کبھی روزے قضاء نہ کرو۔ اس عبادت کو صرف اور صرف اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کیا جانا چاہئے یہ تو ایک پنتھ دو کاج والی بات ہے کہ خود انسانی صحت کے لئے بھی ایسے ہی ہے جیسے کسی برتن کو خالی کرکے خوب اچھی طرح رگڑ کر صاف کردیا جائے۔ روزے مستقل رکھنے سے انسانی جسم کا ہر عضو اسی طرح صاف ستھرا اور مضبوط ہوجاتا ہے۔ ڈاکٹر ہلوک نور باقی صاحب نے کچھ یوں بیان کیا ہے جس کو میں اختصار سے لکھونگی۔ لکھتے ہیں۔ ''مہربان قاری! آیئے اب دوبارہ آیت (184) کے آخری حصہ کو یاد کریں اور قرآن پاک کے معجزے کی مسرت سے لطف اندوز ہوں۔ ''اگر تم سمجھو'' یعنی اگر تم جسم کے حیاتیاتی علم کو سمجھو تو تمہارے حق میں یہ اچھا ہے کہ تم روزہ رکھو'' (چاہے اس میں تمہیں مشکلات بھی نظر آئیں)

جسم کے حیاتیاتی علم کو انہوں نے کچھ یوں بیان کیا ہے۔ نظام ہضم بڑے اہم اعضاء پر مشتمل ہے۔ مثلاً منہ، جبڑے، لعابی غدود،

زبان، گلا، مقوی نالی، معدہ، جگر، لبلبہ اور آنتوں کے مختلف حصے یہ سب اس نظام کا اہم حصہ ہیں۔ سب کو روزے کی وجہ سے آرام اور سکون مل جاتا ہے۔ جگر کو کھانا سٹور کرنے کے عمل میں سے رہائی مل جاتی ہے معدے کے پٹھے آرام کرتے ہیں، تزابیت میں رکاوٹ آجاتی ہے انتڑیوں کو آرام ملتا ہے۔

دوسرا فائدہ کہ: دوران خون پر اثرات روزے سے خون میں کمی آجاتی ہے۔ لہٰذا دل کو فائدہ مند آرام ملتا ہے، روزے ڈائسٹالک پریشر کو کم کرتے ہیں، خون کی شریانیں بالکل صاف ستھری ہو جاتی ہیں ان کا تنگ ہونا اور سکڑ نا بند ہو جاتا ہے۔ ذرات اور چربی سب روزے کی وجہ سے ڈھل کر صاف ہو جاتے ہیں، گردوں کو بھی آرام اور صفائی کا موقعہ مل جاتا ہے۔

تیسرا خلیہ سیل: خلیوں کے عمل میں بڑی حد تک سکون پیدا ہو جاتا ہے، لعاب بنانے والے غدود، گردن کے غدود اور لبلبہ کے غدود سب کو آرام مل جاتا ہے۔

چوتھا اعصابی نظام پر اثر کہ: انسانی تحت الشعور جو رمضان میں عبادات کی مہربانیوں کی بدولت صاف شفاف اور تسکین پذیر ہو جاتا ہے اعصابی نظام سے ہر قسم کا تناؤ اور الجھن کو دور کرنے میں مدد دیتا ہے۔

پانچواں خون کی تشکیل اور روزے کی لطافتیں کہ: خون ہڈیوں کے گودے سے بنتا ہے جب روزے سے خون میں کمی آتی ہے تو گودے کی سست روی تیزی میں بدل جاتی ہے اور یوں ایک لاغر اور کمزور انسان اپنے اندر زیادہ خون پیدا کر سکتا ہے ظاہر ہے اس طرح روزے کی برکات سے ایک دبلا پتلا انسان موٹا ہو سکتا ہے جبکہ ایک موٹا انسان مناسب جسم والا بن سکتا ہے۔

یہ سب کچھ بتانے کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا دین اسلام ایک فطری دین ہے جس کے اعتقادات، اصول، قوانین اور ارکان بڑے آسان، فائدہ مند اور روح و جسم کو مضبوط بنانے والے ہیں۔ مگر عبادات کو صرف اور صرف اللہ کی خوشنودی اور دین کی پابندی کے لئے ہی کیا جانا چاہئے۔ اگر ذرا سا بھی اس نکتہ سے ہٹ گئے تو وہ عبادت نہ رہے گی اور یوں عبادت کی تمام فضیلتوں، برکتوں، رحمتوں اور فضل و کرم سے محروم ہو جائیں گے۔ خلوص نیت اور اللہ کی طرف یکسوئی ہی ہمارے لیے سکون، ثواب، نجات، اور صحت و تندرستی کا باعث ہے۔

## رمضان کی فضیلت، روزے کے مقاصد

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَ لَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ؗ وَ لِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَ لِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿185﴾

رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو انسانوں کے لئے سراسر ہدایت ہے اور ایسی واضح تعلیمات پر مشتمل ہے جو راہ راست دکھانے والی اور حق و باطل کا فرق کھول کر رکھ دینے والی ہیں۔ لہٰذا اب سے جو شخص اس کو پائے تو اس کو لازم ہے کہ پورے مہینے کے روزے رکھے اور جو کوئی مریض ہو یا سفر پر ہو تو وہ دوسرے دنوں میں روزوں کی تعداد پوری کرے۔ اللہ تمہارے ساتھ نرمی کرنا چاہتا ہے، سختی کرنا نہیں چاہتا اس لئے یہ طریقہ تمہیں بتایا جا رہا ہے۔ تاکہ تم روزوں کی تعداد پوری کرسکو اور جس ہدایت سے اللہ نے تمہیں سرفراز کیا ہے۔ اس پر اللہ کی بڑائی کا اظہار و اعتراف کرو اور شکر گزار بنو۔ (185)

تشریح: اس آیت میں سب سے پہلے رمضان کی فضیلتبیان کی گئی ہے اور پچھلی آیت کا بیان بھی ہے۔ رمضان کی فضیلت یہ ہے کہ اللہ نے اس مہینہ کو آسمانی کتابوں کے نزول کے لئے منتخب کر رکھا ہے۔ قرآن بھی اسی ماہ میں نازل ہوا، مسند احمد میں حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفے رمضان کی پہلی تاریخ میں نازل ہوئے تورات چھ رمضان میں انجیل تیرا رمضان میں اور قرآن پاک چوبیس رمضان میں نازل ہوا۔ قرآن مجید رمضان کی پہلی رات میں پورا لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر نازل کر دیا گیا تھا مگر نبی کریم ﷺ پر اس کا نزول 23 سال میں رفتہ رفتہ ہوا، پورا قرآن لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر لیلۃ القدر کی رات میں اترا تھا اسی فضیلت کی یادگار قائم رکھنے کے لئے اس ماہ مبارک میں روزے فرض کئے گئے۔ رمضان اسلامی سال کے نویں مہینے کا نام ہے۔ اسلامی سال، شمسی نظام کی بجائے قمری نظام سے چلتا ہے اسی لئے رمضان بھی مختلف موسموں میں آتا ہے۔ قرآن پاک ہدایت نامہ ہے، جبکہ روزے زندگی کو پاکیزہ بنانے کا ذریعہ ہیں۔

قرآن مجید کی خصوصیات پہلے بھی بیان ہو چکی ہیں۔ کچھ وضاحت دوبارہ ہو جائے، اللہ تعالیٰ نے قرآن کی تین واضح خصوصیات بیان کی ہیں۔

هُدًى لِّلنَّاسِ: لوگوں کے لئے ہدایت ہے کہ کیونکہ ٹھیک منزل کی راہنمائی قرآن پاک میں ہی موجود ہے۔

بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى: یعنی ہدایت کی روشن دلیلیں، قرآن پاک کے اصول اس قدر آسان، سادہ اور قابل عمل ہیں کہ کوئی بھی بات انسان کی فطرت کے خلاف نہیں ہے۔

اَلْفُرْقَانِ: یعنی حق کو باطل سے جدا کرنے والا۔ بڑے آسان طریقہ سے سچائی کو جھوٹ سے علیحدہ کر دیا گیا ہے۔

آگے چل کر روزے کی فرضیت کا ذکر دوبارہ کیا گیا ہے۔ اس ذکر کے بارے میں بڑی تفصیل سے بیان پچھلی آیات میں کیا جا چکا ہے۔ مزید یہ ہے کہ جو بھی رمضان کے مہینہ کو پائے اسے چاہیئے روزے رکھے اور اپنی اخلاقی، جسمانی اور روحانی قوتوں سے رمضان و قرآن کی خوبیوں اور برکتوں کو اجاگر کرے۔ جیسا کہ پہلے بھی بتایا جا چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے لئے ہر طرح سے آسانیاں ہی آسانیاں چاہتا ہے اسی لئے رب العزت نے مریض اور مسافر کے لئے یہ سہولت دی ہے کہ وہ اگر رمضان میں مجبوری

سے روزے نہ رکھ سکے تو مجبوری ختم ہونے پر سال میں کسی بھی وقت روزے رکھ کر تعداد پوری کرلے اور پھر ہدایت کی گئی کہ اللہ جل شانہ کی دی ہوئی تمام نعمتوں برکتوں اور فضل وکرم اور ہدایتوں کا شکرادا کرو جو کہ قرآن کی صورت میں تمہیں دی گئیں ہیں۔ تمام ہدایات پر عمل کرو دنیا وآخرت میں کامیابی حاصل کرو اور ہر صورت رب العزت کا شکر ادا کرو۔

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اللہ پسند کرتا ہے کہ اپنی نعمت کا اثر اپنے بندے پر دیکھے۔ (ترمذی)

شکر ادا کرنے سے ایک تو نعمت میں اضافہ ہوتا ہے دوسرے انسان کو سکون اور خوشی ملتی ہے۔

سورہ نحل کی آیت نمبر 53 میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''تم کو جو نعمت بھی حاصل ہے اللہ ہی کی طرف سے ہے''۔

روزے کی بے شمار فضیلتوں کے علاوہ صبر، شکر اور ہدایت بھی بہت بڑی نعمتیں ہیں جو انسانی زندگی کو چار چاند لگاتی ہیں۔

اگلی آیت میں دعا کا طریقہ دعا کی برکت اور فائدے بتائے گئے ہیں۔

## دعا اور اس کی قبولیت کی شرائط

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ ﴿186﴾

اور اگر میرے بندے میرے متعلق تم سے پوچھیں تو انہیں بتادو کہ میں ان سے قریب ہی ہوں، پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے میں اسکی پکار سنتا ہوں اور جواب دیتا ہوں لہٰذا انہیں چاہئے کہ میری دعوت پر لبیک کہیں اور مجھ پر ایمان لائیں (یہ بات تم انہیں سنادو) شاید کہ وہ راہ راست پالیں۔ ﴿186﴾

تشریح: پچھلی تین آیتوں میں روزہ کے بارے میں بتایا گیا ہے اور اس آیت میں دعا کی فضیلت کا بیان ہے۔ کچھ دعا کی قبولیت کے بھی اوقات ہیں جن میں افطار کا وقت بھی شامل ہے اور اس آیت کا شان نزول امام ابن کثیر رحمہ اللہ نے یوں بیان کیا ہے کہ کسی گاؤں والوں نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ ''ہمارا رب اگر ہم سے قریب ہے تو ہم دعا آہستہ آواز سے مانگا کریں اور دور ہو تو بلند آواز سے پکارا کریں''۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اللہ جل شانہ نبی کریم ﷺ کو مخاطب مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ میرے بندوں کو بتادو کہ میں زمان ومکان میں اپنی قدرت کاملہ کے ساتھ موجود ہوتا ہوں، کوئی دل میں بھی مجھے پکارے تو میں اس کو بھی سن لیتا ہوں۔ اور اللہ تو بندے کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہوتا ہے۔ البتہ دعا مانگنے کا طریقہ آنا چاہئے اور اس کی دو شرطیں ہیں۔ پہلی یہ کہ مانگنے والا میرا حکم ماننے والا ہو۔ دوسری یہ کہ وہ مجھ پر ایمان رکھنے والا ہو۔ ویسے دعا مانگنے کا بنیادی اصول یہ ہے کہ خلوص نیت، خشوع وخضوع اور پورے یقین وتوجہ سے دعا مانگی جائے۔ ظاہر ہے کہ جب ہم کسی سے سوال کرتے ہیں تو ہمارے پیش

نظر اس کی بڑائی، طاقت اور قدرت ضرور ہوتی ہے۔اس لئے اللہ سے دعا مانگتے ہوئے اس بات کا بھی خیال رکھیں کہ اللہ تعالیٰ ہماری دعا کو سن رہا ہے اور وہ اس کو قبول بھی ضرور کرے گا۔ایک حدیث میں آتا ہے۔اللہ تعالیٰ اس درجہ باحیا اور کریم ہے کہ وہ کسی دعا کرنے والے کو خالی ہاتھ واپس نہیں کرنا چاہتا۔اس لئے یہ ذہن میں رہنا چاہئے کہ اگر دعا فوراً قبول نہیں ہوئی تو یقیناً اس میں انسان کی بہتری ہی ہوگی، کیونکہ انسان خود اپنی بھلائی کو جانچ نہیں سکتا اور دوسری بات یہ ہے کہ وہی دعا کسی اور شکل میں عطا ضرور ہو جاتی ہے۔کیونکہ دعا کی قبولیت کی مختلف صورتیں ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

1 طلب یا دعا کی گئی چیز کا فوراً مل جانا۔

2 طلب کی ہوئی چیز کچھ عرصہ بعد مل جانا۔

3 اس کے عوض کوئی اور چیز دے دینا۔

4 آنے والی مصیبت کو ٹال دینا۔

5 اس کی گئی دعا کو آخرت کے لیے ذخیرہ کر دینا۔

اس لئے اللہ رب العزت سے ہر وقت مانگتے رہنا چاہیئے اور دعا نہ مانگنے والے سے رب ناراض ہوتا ہے اس کو پورے یقین اور ایمان کے ساتھ ہر وقت بلاتے رہنا چاہیئے یعنی اس کا ذکر اور دعا کرتے رہنا چاہیے کیونکہ اسی میں نجات ہے اور یہی سیدھی راہ ہے اور پھر جب انسان اپنی تمام مشکلات اور پریشانیوں کو اللہ کے سامنے بیان کر کے اس کا حل اس کے حوالے کر دیتا ہے تو ذہنی طور پر بالکل آسودہ اور مطمئن ہو جاتا ہے اور یوں دو فائدے حاصل کرتا ہے ایک اللہ کی خوشنودی اور دوسرا اطمینان قلب اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

دعا عبادت کا مغز (روح) ہے'' (ترمذی)

ایک حدیث میں آتا ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ کے نزدیک کوئی شے دعا سے زیادہ بزرگی والی نہیں ہے''۔(ترمذی)

اس لئے ذکر و شکر اور دعا سے کبھی غافل نہیں ہونا چاہئے۔اگلی آیت میں مزید روزے کے احکام وضاحت سے بیان کئے گئے ہیں۔

## میاں بیوی کا تعلق اور اللہ کی حدود

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَ عَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْئٰنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۪ وَ كُلُوْا وَ اشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ

الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ وَ لَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَ اَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِي الْمَسٰجِدِ ۗ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿187﴾

تمہارے لئے روزوں کے زمانے میں راتوں کو اپنی بیویوں کے پاس جانا حلال کر دیا گیا ہے۔ وہ تمہارے لئے لباس ہیں اور تم ان کے لئے۔ اللہ کو معلوم ہے کہ تم لوگ چپکے چپکے اپنے آپ سے خیانت کر رہے تھے مگر اس نے تمہارا قصور معاف کر دیا اور تم سے درگزر فرمایا۔ اب تم اپنی بیویوں کے ساتھ شب باشی کرو اور جو لطف اللہ نے تمہارے لئے جائز کر دیا ہے اسے حاصل کرو نیز راتو کو کھاؤ پیو یہاں تک کہ تم کو سیاہی شب کی دھاری سے سپیدہ صبح کی دھاری نمایاں نظر آ جائے تب یہ سب کام چھوڑ کر رات تک اپنا روزہ پورا کرو اور جب تم مسجدوں میں معتکف ہو، تو بیویوں سے مباشرت نہ کرو یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں (لہٰذا تم) ان کے قریب نہ پھٹکنا اس طرح اللہ اپنے احکام لوگوں کے لئے صراحت کے ساتھ بیان کرتا ہے توقع ہے کہ (وہ غلط رویہ سے) بچیں گے۔ ﴿187﴾

تشریح: اس آیت مبارکہ میں بعض ان پابندیوں اور آسانیوں کا ذکر کیا گیا ہے جو روزوں میں میاں بیوی کے آپس میں تعلقات پر شک کا باعث تھیں۔ مثلاً یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ میاں بیوی روزے کے دوران آپس میں بے تکلفی سے نہ ملیں البتہ روزہ افطار کرنے کے بعد مل سکتے ہیں کیونکہ میاں بیوی کو اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے کا لباس قرار دیا ہے۔ مطلب یہ کہ میاں بیوی لباس کی طرح ایک دوسرے کے راز دان ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کی پردہ پوشی بھی کرتے ہیں اچھے میاں بیوی ہمیشہ ایک دوسرے کے لئے سکون، راحت اور آرام کا موجب ہوتے ہیں، مگر روزے کے دوران جس طرح کھانے پینے، بے حیائی کی باتیں کرنے سے منع کیا گیا ہے اسی طرح رمضان کے مہینہ میں صرف دن کے وقت روزے کے دوران بے تکلفی سے منع کیا گیا ہے جو اس کی خلاف ورزی کرے گا تو اس کی سزا تب معاف ہوگی جب وہ غلام آزاد کرے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو لگاتار ساٹھ روزے رکھے اور اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے ورنہ سزا اور گناہ کا موجب ہوگا۔ میاں بیوی کو واضح طور پر حکم دیا گیا ہے کہ اپنے تعلقات سے اولاد حاصل کریں جو کہ تمہاری زندگیوں کا پھل ہے۔ سحر و افطار کا وقت دوبارہ واضح کیا جا رہا ہے، کیونکہ اس کے بارے میں بھی لوگوں کو شک وشبہ تھا۔ لہٰذا بتایا کہ صبح صادق تک سحری کا وقت ہوتا ہے۔ یعنی آسمان پر مشرق کی طرف رات کی سیاہ دھاری صبح کی سفید دھاری سے جدا ہو جائے اور افطار کا وقت اس طرح بیان کیا گیا کہ سورج غروج ہو جائے اور تاریکی پھیلنی شروع ہو جائے یہی روزے کے اوقات ہیں، رمضان میں اعتکاف کرنا سنت کفایہ ہے یعنی محلّہ میں سے ایک بھی کرے تو دوسروں کی ذمہ داری ختم ہو جاتی ہے۔ اعتکاف کا مطلب ہے کہ ثواب کی نیت سے اپنے آپ کو چند روز مسجد میں روک رکھنا تا کہ عبادت و ریاضت کی جائے اعتکاف کے دوران اپنے آپ کو دنیاوی معاملات سے بالکل علیحدہ رکھنا چاہیے صرف ضروری حاجات کے لئے ہی مسجد سے باہر نکلنا چاہئے یہاں پابندی یہ ہے کہ پورے اعتکاف کے دوران عورتوں کے پاس نہ جائیں، اعتکاف کا مقصد یا فوائد یہ ہیں

کہ اس طرح انسان پوری یکسوئی، خلوص اور مکمل توجہ اور بے فکری سے اللہ کی عبادت کرتا ہے۔ جس کے نتیجے میں اس کو ایمان کی روشنی، روحانی قوت اور خاص قسم کی پاکیزگی حاصل ہوتی ہے۔ جو کہ اس کے دل دماغ اور روح کو پاک صاف اور خوبصورت بنا دیتی ہے۔ چونکہ دوران اعتکاف مسجد کے اندر ہی کھانا پینا اور سونا ہوتا ہے اس لیے یہ عبادت کا ایک منفرد انداز اور اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کا بہترین طریقہ بن جاتا ہے۔

اب آخر میں تنبیہ کی گئی ہے کہ یہ تمام حدیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی بہتری، خوشی، صحت وسلامتی، پاکیزگی اور ایمان کی مضبوطی کے لئے مقرر کر دی ہیں اور ان پر قائم رہنا ان کی پابندی کرنا ہر مسلمان مرد عورت پر فرض ہے۔ اگر کوئی ان حدود کے قریب بھی جائے گا تو غلطی کا امکان ہوسکتا ہے اس لئے ان حدوں کے اندر رہ کر اپنی زندگیاں گزارنی چاہیں۔ ہر وقت ذہن میں رکھنا چاہیئے کہ خدائے واحد جو کہ انسان کا خالق، رہبر، مشفق اور مہربان ہے جو بھی فرماتا ہے بندے کی بھلائی، ترقی اور نجات کے لئے ہی فرماتا ہے انسان کی عقل اس کی قدرت، طاقت، مصلحت اور برتری کو کبھی بھی نہیں سمجھ سکتی اس لئے انسان کو چاہیئے کہ پورے خلوص، نیک نیتی اور محبت سے اس کے بتائے ہوئے اصولوں کو اپنائے رکھے اور ان کی پابندی بھی کرے اسی میں انسان کی نجات ہے۔ شیطان سے بچنے کا بہترین ذریعہ یہی ہے کہ اللہ کی قائم کی ہوئی حدود کو کبھی بھی پار نہ کریں پچھلے احکامات وعبادات کے بعد اب اگلی آیت میں مال ناحق یعنی رشوت اور حرام مال کھانے کی حدیں مقرر کر دی گئی ہیں۔

## رشوت کی مذمت

وَ لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَ تُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَ اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿188﴾ ع 23 6 7

اور تم آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق طریقہ سے مت کھاؤ اور نہ حاکموں کے آگے ان کو اس غرض کے لئے پیش کرو کہ تمہیں دوسروں کے مال کا کوئی حصہ قصداً ظالمانہ طریقے سے کھانے کا موقع مل جائے۔ ﴿188﴾

**تشریح:** یہاں ان اموال کا ذکر ہے جو ناجائز طریقہ سے حاصل کئے جائیں۔ جیسے سود، لوٹ مار، جعلسازی، دھوکہ فریب، بددیانتی، جوا اور ناجائز کاروبار سے حاصل شدہ مال، اسی طرح ہر وہ طریقہ کہ جس پر ہمارا ضمیر مطمئن نہ ہو ناجائز مال کہلائے گا۔ مقصد یہ ہے کہ صرف رمضان میں ہی نہیں بلکہ تمام عمر حلال مال کھانے کی کوشش کرنی چاہیے کیونکہ مال کی حرص تو کبھی ختم ہی نہیں ہوتی اور مال نعمت بھی ہے اور زحمت بھی ہے۔ حدیث میں آتا ہے حضرت کعب بن عیاض رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ''کہ ہر امت کے لئے ایک فتنہ ہوتا ہے اور میری امت کا فتنہ مال ودولت ہے''۔ آج کل یہی دیکھنے میں آرہا ہے کہ ہر شخص مال کے پیچھے دیوانہ ہوا جا رہا ہے بس یہی حرص ہی ایک ایسی بری عادت ہے کہ جو انسان کو حلال وحرام کی تمیز سے بھی

دور کر دیتی ہے۔یہی تاکید کی جا رہی ہے کہ حلال مال کے بہت سے طریقوں میں ایک طریقہ تحفہ لینے دینے کا بھی ہے اس میں بڑی احتیاط کی ضرورت ہے آپس میں تحفہ لینا اور دینا محبت دوستی اور خلوص کو بڑھاتا ہے مگر یہی طریقہ اگر ملازم اور افسر کے درمیان ہو جائے تو یہ رشوت کہلائے گا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔''ہدیہ حاکم کے لئے خیانت ہے'' (طبرانی) ایک اور جگہ آیا ہے۔''ملازم کا ہدیہ سب کا سب حرام ہے'' (بخاری) یہ ہدیہ چاہے کسی شکل میں ہو۔''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے والے اور رشوت لینے والے دونوں پر لعنت فرمائی ہے'' (ترمذی)

سب سے ضروری بات جس کا ذکر آیت کے آخر میں کیا گیا ہے وہ ہے انسان کا اپنا ضمیر (اور تم جانتے ہو) مطلب یہ ہے کہ ایک شخص جج یا حاکم کو غلط بیانی سے یقین دلا دیتا ہے اور جج غلط انسان کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہے تو اس کا گناہ، وبال اور سزا اس شخص کو ملے گی جس نے حق چھپا کر غلط بیانی سے کام لے کر حق دار کا حق مارا یا کسی کو غلط سزا دلوائی۔حالانکہ اس کو معلوم تھا کہ سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا ہے اس میں جھوٹی گواہیاں بھی شامل ہیں اللہ تعالیٰ حکم دیتے ہیں کہ ضمیر کا پہرہ جو ہر انسان پر بٹھایا گیا ہے بڑا زبردست پہرہ ہے خود کو دھوکہ دینا اور دوسرے کو دھوکہ دینا یہ آسان بات ہے مگر اللہ کو دھوکہ دینا ناممکن ہے اس لئے ضمیر کی آواز سنو اور اس کو دبا دبا کر ختم نہ کرو تو اس طرح تم بے شمار برائیوں، قباحتوں، مشکلوں، عذابوں اور تباہیوں سے بچ سکتے ہو۔

حدیث میں آتا ہے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ فرمایا:

میں ایک انسان ہوں تم میرے پاس جھگڑے لے کر آتے ہو یہ ہوسکتا ہے کہ تم میں سے کوئی ایک دوسرے کی نسبت اپنی دلیل اچھی طرح پیش کرے اور میں جو کچھ سنوں اس کے مطابق فیصلہ کر دوں اور اگر میں کسی کو اس کے بھائی کے حق میں سے کچھ دینے کا فیصلہ کر دوں تو اسے چاہئے کہ وہ نہ لے کیونکہ میں اسے آگ کا ٹکڑا دے رہا ہوں۔(صحیح البخاری کتاب الاحکام)

قرآن مجید نے دو باتوں پر زور دیا ہے ایک تو یہ کہ کوئی فرد اپنے مال سے حاکم کو ورغلانے کی کوشش نہ کرے دوسری یہ کہ ضمیر کی آواز پر توجہ دے اور ضمیر کو کبھی بھی مردہ نہ ہونے دے بلکہ ضمیر کو زندہ رکھے اور اس کی آواز سنے۔

## چاند کا حساب اور غلط رسم

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِیَ مَوَاقِیْتُ لِلنَّاسِ وَ الْحَجِّ ؕ وَ لَیْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَ لٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰی ۚ وَ اْتُوا الْبُیُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾

لوگ تم سے چاند (کی گھٹتی بڑھتی صورتوں) کے متعلق پوچھتے ہیں۔کہو یہ لوگوں کے لئے تاریخوں کا تعین اور حج کی علامتیں ہیں۔نیز ان سے کہو یہ کوئی نیکی کا کام نہیں ہے کہ تم اپنے گھروں میں پیچھے کی طرف سے داخل ہو۔نیکی تو اصل میں یہ ہے کہ آدمی اللہ کی ناراضگی سے بچے۔لہٰذا تم اپنے گھروں میں دروازے ہی سے آیا کرو البتہ اللہ سے ڈرتے رہو، شاید کہ تمہیں فلاح نصیب ہو جائے۔﴿۱۸۹﴾

تشریح: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ لوگ آپ سے چاند کے گھٹنے بڑھنے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ وجہ یہ تھی کہ اسلام سے قبل لوگ چاند کے بڑھنے کو مبارک اور گھٹنے کو منحوس سمجھتے تھے اور پھر اسی توہم پرستی کی وجہ سے اپنے بہت سے کام کرتے تھے۔ بعض اس کو دیوتا مان کر اس کی پرستش کرتے تھے تو انہی شکوک وشبہات کی وجہ سے مسلمانوں نے چاند کے بارے میں آنحضرت ﷺ سے میں سوالات کئے تو وحی کے ذریعہ سے حکم ہوا کہ لوگوں کو بتاؤ کہ چاند کے گھٹنے بڑھنے میں فائدہ یہ ہے کہ لوگوں کو تاریخوں، مہینوں اور سالوں کا حساب کرنے میں مدد ملتی ہے۔ جن پر اسلامی عبادات اور شرعی احکام موقوف ہیں گویا چاند کا عمل ایک قدرتی کمپیوٹر ہے جو آسمان پر ظاہر ہو کر تمام دنیا کے لوگوں کو تاریخوں کا حساب کتاب بتاتا رہتا ہے۔ حج کا ذکر چاند کے ساتھ اس لئے کیا گیا کیونکہ عرب میں ہر طرح سے حج کی بڑی اہمیت تھی۔ سال کے تین مہینے حج کے لئے مقرر تھے ان میں بھی کاروبار خوب فروغ پاتا کیونکہ ان مہینوں میں امن وامان اور ہر طرف سکون رہتا تھا۔

قرآن مجید میں شمسی حساب پر قمری حساب کو ترجیح دی گئی ہے۔ وجہ یہ ہے کہ سورج کا گھٹنا بڑھنا اور طلوع وغروب کے ہلکے سے تغیر کو جانچنا عامۃ الناس کے لیے ممکن نہیں۔ بلکہ اس کے لئے مہارت، خاص علم اور آلات کی ضرورت ہوتی ہے۔ جبکہ چاند میں بڑا واضح تغیر ہوتا رہتا ہے اور اس ردوبدل کو سمجھنا ہر جاہل وعالم کے لئے بے حد آسان اور سادہ ہے اور چاند کے طلوع وغروب کا موسم پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ قرآن مجید کے اس آسان اور مفصل بیان نے اوہام پرستی اور شکوک وشبہات کی جڑ کاٹ دی۔ اسی طرح جاہلیت کے زمانے کی ایک اور غلط رسم یہ بھی تھی کہ وہ لوگ احرام باندھنے کے بعد یا حج سے واپسی پر اپنے گھر میں داخل ہونے کے لئے دروازہ استعمال نہ کرتے تھے، بلکہ پچھلی دیوار سے اندر داخل ہونے کے لیے سوراخ کر لیتے یا چھت پر چڑھ کر اندر پھلانگ جاتے تھے۔ کیونکہ وہ اس بات کو بڑی عبادت سمجھتے تھے تو اس غلط فہمی کو بھی اس آیت میں دور کیا گیا ہے اور صاف بتایا گیا ہے کہ اپنے پاس سے بنائے ہوئے اصول وقوانین پر عمل کرنا ہرگز نیکی میں شمار نہیں ہوتا۔ بلکہ نیکی یہ ہے کہ اللہ کے بتائے ہوئے احکامات پر عمل کیا جائے۔ اس کی بنائی ہوئی حدود کا سختی سے خیال رکھا جائے۔ حکم دیا گیا کہ احرام باندھنے کے بعد اپنے گھروں میں دروازوں سے داخل ہوں، پچھواڑے سے داخل ہونا یہ کوئی عبادت اور فرمانبرداری نہیں بلکہ فرمانبرداری اور تقویٰ اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی منع کی ہوئی باتوں سے بچتے رہنا اور اس کے بتائے ہوئے احکامات پر سختی سے عمل کرنا یہی تقویٰ ہے اور اس میں دنیا وآخرت کی تمام بھلائیاں ہیں۔

## اللہ کی راہ میں جنگ اور احترامِ کعبہ

وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَ اقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَ اَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَ الْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ۭ كَذٰلِكَ جَزَآءُ

الْكٰفِرِيْنَ ﴿191﴾ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿192﴾

اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو، جو تم سے لڑتے ہیں مگر زیادتی نہ کرو کہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔﴿190﴾ ان سے لڑو جہاں بھی تمہارا ان سے مقابلہ پیش آئے اور انہیں نکالو جہاں سے انہوں نے تمہیں نکالا ہے، اس لئے کہ اگرچہ قتل برا ہے، لیکن فتنہ اس سے بھی زیادہ برا ہے اور مسجد حرام کے قریب جب تک وہ تم سے نہ لڑیں، تم بھی نہ لڑو، مگر جب وہ وہاں لڑنے سے نہ رکیں تو تم بھی بے تکلف انہیں مارو کہ ایسے کافروں کی یہی سزا ہے۔﴿191﴾ پھر اگر وہ باز آجائیں تو جان لو کہ اللہ رحم کرنے والا ہے اور معاف کرنے والا ہے۔﴿192﴾

**تشریح:** اس حکم سے مسلمانوں کو پہلی دفعہ کفار سے لڑنے کی اجازت ملی۔ اس سے پہلے تیرہ برس مکہ میں مسلمانوں کو صبر وسکون کی ہی تلقین کی گئی تھی۔ کیونکہ اس وقت تک صرف تبلیغ وتلقین کا سلسلہ ہی جاری تھا۔ اب چونکہ مدینہ میں چھوٹی سی شہری ریاست بن گئی تھی تو اپنی حفاظت، دین کی حفاظت اور اسلام کے فروغ کے لئے پہلی دفعہ حکم ہوا کہ جو تم سے لڑیں تم ان سے لڑو اس کے بعد ہی جنگ بدر پیش آئی اور پھر فلاح و بہبود اور اسلام کی تبلیغ کے لئے جنگوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ مگر جنگ میں بھی حدود بندی کا سلسلہ جاری رہا اور مسلمان کو کبھی ظلم وزیادتی کی اجازت ہرگز نہیں دی گئی۔ کیونکہ مسلمان لڑتا ہے تو اللہ کے لئے، مرتا ہے تو اللہ کے لئے، جیتا ہے تو اللہ کے لئے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ جنگ میں پہل نہ کرو، مدافعت میں لڑو، صرف ان کو قتل کرو جو تمہارے خلاف جنگ میں شریک ہوں جو جنگ میں شریک نہ ہوں ان کو قتل نہ کرو۔ مثلاً راہب، پادری، کفار کے ملازمین، بیمار، عورتیں معذور اور بچے اور پھر حکم ہے زیادتی نہ کرو حد سے نہ گزرو یعنی کھیتوں کو برباد کرنا، پھل دار درخت ضائع کرنا، مویشیوں کو مار دینا یا اور کوئی ایسا وحشیانہ عمل کرنا جس کو انسانیت کے خلاف سمجھا جائے وغیرہ۔ مقصد صرف اور صرف اللہ کی زمین پر اللہ کا نظام قائم کرنا اور اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا ہو، ہر مسلمان کو ہر وقت ہر فعل میں خیال رکھنا چاہیئے کہ ہمارا دین، ہمارا خدا، ہمارا رسول کبھی بھی ظلم وزیادتی کی اجازت ہرگز نہیں دیتا۔ ہمارا مذہب امن وسلامتی کی ہی تلقین کرتا ہے۔ اس لئے جنگ کے بدلے جنگ کی اجازت دی گئی ہے، حد سے بڑھنا اللہ تعالیٰ کو ہرگز پسند نہیں اور نہ ہی اس کی اجازت دی گئی ہے۔ البتہ اللہ کا حکم ہے کہ ایسے کافر جو تم سے شرارت کرنے سے باز نہ آئیں اور ظلم و زیادتی کریں تو ان کو جہاں بھی تم پاؤ قتل کر دو اور پھر جس طرح انہوں نے تمہیں تکلیفیں دے دے کر اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا تھا تم بھی اپنا آبائی وطن اور روحانی مرکز ان سے واپس لے لو اور ان کو وہاں سے نکال دو اور پھر حکم ہے فتنہ کو ختم کرنے کے لئے اگر کچھ لوگ قتل کرنے پڑیں تو ضرور قتل کر دو۔ کیونکہ فتنہ قتل سے بڑا اور خطرناک فعل ہے۔ یعنی معاشرے کو فساد، برائی، بدامنی اور شرک سے بچانے کے لئے قتل کی اجازت ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے گلے سڑے حصہ کو آپریشن کر کے جسم سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے اسی طرح معاشرے کو پاک صاف رکھنے کے لئے غلط کار لوگوں کو ختم کر دینا ضروری ہے اور یہ انسانیت پر بہت بڑا احسان ہے۔ جیسا کہ جنگ

میں پہل کرنے ، بے جاقتل وغارت اور فتنہ فساد سے ہمیشہ مسلمان کو منع کیا گیا ہے۔اس جگہ بھی یہی حکم دیا گیا ہے کہ مسجد حرام میں لڑائی فساد بالکل منع ہے۔جیسا کہ پچھلے اسباق میں تفصیلاً بیان ہو چکا ہے۔مگر یہاں اللہ تعالیٰ اجازت دے رہا ہے کہ اگر کوئی مسجد حرام میں تم سے لڑے، قتل وغارت گری کرے تو تم جواب میں بے شک اس کو قتل کرو۔کیونکہ کفار سے مقابلہ کرنا نہ صرف ضروری ہی ہے بلکہ ان کی سزا بھی یہی ہے پھر فرمایا گیا کہ پھر جب وہ توبہ کرلیں۔بدعملی، فتنہ وفساد اور گمراہی سے باز آجائیں تو پھر تم بھی ان پر ہرگز تلوار نہ اٹھاؤ۔بلکہ ان کے ساتھ پیار ومحبت شفقت اور حسن سلوک سے پیش آؤ۔کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور وہ خود نہایت مہربان اور معاف کرنے والا ہے۔''غفور رحیم'' اللہ کے صفاتی ناموں میں سے ہیں اور ان کی یہ فضیلت ہے کہ الغفور۔(بہت بخشنے والا) کا ورد کرنے والا درد بخار اور مایوسی سے نجات پاتا ہے اور بخشش حاصل کرلیتا ہے۔الرحیم (بڑا مہربان) ہر نماز کے بعد سو دفعہ پڑھنے سے دنیاوی آفتوں سے محفوظ اور مخلوق مہربان ہو جاتی ہے۔(بحوالہ شرح اسماء الحسنیٰ تاج کمپنی لمیٹڈ)

مقصد یہ ہے کہ ہمارا رب جس پر ہم ایمان لاتے ہیں۔بے حد مہربان ہے اسی طرح ہمیں بھی ظلم کو روکنے کے لئے قتل کرنا جائز ہے جب کوئی راہ راست پر آجائے تو اس کو فوراً معاف کردو کہ مسلمان کی یہی شان ہے۔

## جنگ کی آخری حد

وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّ يَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾

تم ان سے لڑتے رہو۔یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لئے ہو جائے پھر اگر وہ باز آجائیں تو سمجھ لو کہ ظالموں کے سوا اور کسی پر دست درازی جائز نہیں۔﴿۱۹۳﴾

تشریح: اس آیت میں لڑائی کی آخری حد بیان کردی گئی ہے۔اسلام زبردستی اور ظلم کی اجازت نہیں دیتا، بلکہ اسلام کا مطلب ہے امن وسکون۔یعنی قانون اللہ کا نافذ ہو دوسرے مذاہب سے تعلق رکھنے والے لوگ امن وسکون سے رہیں، ان کی عبادت گاہیں بالکل محفوظ رہیں، اسلام کی راہ میں کسی قسم کی کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو، امن وسکون کو برقرار رکھنے کے لئے اسلام کے پاس تین راہیں کھلی ہیں۔(درس قرآن)

1۔ لوگوں کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دے۔اگر ایمان لے آئیں تو اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف فرما دے گا۔

2۔ اگر لوگ اسلام قبول کرنے کو تیار نہ ہوں۔البتہ اسلام کی مخالفت سے باز آنے کا اقرار کرلیں تو شوق سے وہ اسلامی سلطنت میں رہیں اس صورت میں ان کی حفاظت کی ذمہ داری مسلمانوں کے سپرد ہوگی۔

3۔ اگر ان دونوں باتوں پر راضی نہ ہوں اور وہ اللہ کے قانون کی خلاف ورزی کرتے رہیں تو پھر ان کا فیصلہ تلوار سے کردینا چاہیئے ان کی سزا قتل کے سوا اور کوئی نہیں۔کیونکہ فتنہ ناقابل معافی ہے اور یہ قتل وغارت کی جڑ ہے، اسکو ختم کردینا لازمی ہے۔

مطلب یہ ہے کہ ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی روا نہیں رکھی جا سکتی۔ یعنی ظالموں کو ان کے ظلم کا بدلہ ضرور دیا جانا چاہیے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''کہ میری امت کا ایک گروہ حق کے لئے لڑتا رہے گا، جو ان سے دشمنی کریں گے وہ ان پر غالب رہے گا یہاں تک کہ ان میں سے آخری لوگ مسیح دجال سے لڑیں گے''۔ (ابوداؤد)

## حرمت والے مہینے

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَ الْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿194﴾

ماہ حرام کا بدلہ ماہ حرام ہی ہے اور تمام حرمتوں کا لحاظ برابری کیساتھ ہوگا۔ لہٰذا جو تم پر دست درازی کرے تو تم بھی اسی طرح اس پر دست درازی کرو البتہ اللہ سے ڈرتے رہو اور یہ جان رکھو کہ اللہ انہی لوگوں کیساتھ ہے جو اسکی حدود توڑنے سے پرہیز کرتے ہیں ﴿194﴾

تشریح: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اجازت دی ہے کہ حرمت والے مہینوں اور حرم میں جنگ کر سکتے ہیں وہ بھی صرف اس خاص صورت میں جبکہ کفار ان سے جنگ کرنے پر تل جائیں ورنہ پہلے گزر چکا ہے کہ حرمت والے مہینوں میں حرمت والی مسجد میں اور اس کے آس پاس جنگ و جدل کرنا بالکل منع ہے۔ اس آیت میں یہ اجازت دی گئی ہے واقعہ یہ ہے کہ اہل عرب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے اس بات کے پابند تھے کہ چار مہینوں میں جنگ و جدل ہرگز نہ کیا جائے گا۔ تاکہ لوگ امن و امان سے حج و عمرہ ادا کر سکیں۔ ذی القعدہ، ذی الحجہ اور محرم حج کے لئے اور رجب کا مہینہ عمرے کے لئے مختص تھا ہوا یہ کہ ذی قعدہ 7ھ میں رسول اللہ ﷺ چند صحابہ کے ساتھ عمرہ کی غرض سے مدینہ سے مکہ کی طرف روانہ ہوئے تو وہاں کے مشرک آپ سے جنگ کرنے کو تیار ہو گئے انہوں نے نہ تو مسلمانوں کے احرام باندھنے کا خیال کیا اور نہ ہی اپنے معاہدے اور نہ حرمت والے علاقے کا خیال کیا۔ مسلمانوں کی پریشانی پر اللہ کا حکم نازل ہوا کہ حرمت والے مہینوں اور حرم کا احترام اس وقت تک کرو جب تک مخالف فریق بھی کرے اگر وہ معاہدہ سے پھر جائے اور لڑائی پر آمادہ ہو جائے تو تم بھی ہتھیار اٹھا لو اور ان کے ساتھ دفاعی جنگ کر دو۔ اگر وہ زیادتی کریں تو تم بھی زیادتی کرو۔ یہ محاورتاً استعمال ہوا ہے۔ مطلب صرف یہ ہے کہ زیادتی سے بچتے ہوئے ان کو قتل بھی کرو اگر وہ قتل کریں اور ان کو سزاء بھی دو اگر وہ سزا دیں۔ مگر ہر وقت، ہر صورت اور ہر عمل میں تقویٰ کو ہرگز مت بھولو۔ اللہ سے ڈرتے رہو تقویٰ کا ذکر تقریباً 14 دفعہ آ چکا ہے۔ تقویٰ کا مفہوم یہ ہے۔

قناعت، بے طمعی، بے نفسی، جذبات پر قابو، سعادت شعاری، عدل، خودداری، غیرت مندی، حدود اللہ کی حفاظت غرض سیرت و کردار کی تمام خوبیاں منفرد طور پر یا جماعت کے طور پر سب تقویٰ کے لفظ میں آ جاتی ہیں۔ اسی لئے آیت کے آخر میں یہی یاد کروایا گیا ہے کہ تقویٰ کو یاد رکھو، کیونکہ تقویٰ پر قائم رہنے والے لوگ ہی اللہ کے پسندیدہ لوگ ہیں۔ یوں سمجھ لیں کہ اسلام کی روح

تقویٰ میں ہی ہے۔اگلی آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ اپنا مال بھی جہاد میں خرچ کرو۔

## اللہ کی راہ میں خرچ

وَ اَنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ وَ اَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۹۵﴾

اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے آپکو ہلاکت میں نہ ڈالو۔احسان کا طریقہ اختیار کرو یقیناً اللہ احسان کرنیوالوں کو پسند کرتا ہے۔﴿۱۹۵﴾

تشریح: گزشتہ آیات میں جہاد کا حکم دیا گیا تھا کہ دشمنوں سے لڑو اور اللہ کی راہ میں اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنی جانیں بھی قربان کرو، شہادت کی سعادت حاصل کرو۔اس آیت میں اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔کیونکہ جنگ میں مال کی بے حد ضرورت ہوتی ہے۔اسلحہ کے لئے، شہیدوں کے رشتہ داروں کی دیکھ بھال کے لئے، زخمیوں کے علاج کے لئے اور خورد و نوش کے لئے۔غرض جانوں کے ساتھ ساتھ مال کی بھی بے حد ضرورت ہوتی ہے۔اگر یہ سب تم پوری کرنے کی کوشش نہ کرو گے تو خدانخواستہ شکست ملک و قوم کی ہو گی۔نقصان دین کا ہو گا تو گویا یہ خود تمہارا نقصان ہو گا کیونکہ ملک و قوم بھی تمہارا ہی ہے اور دین بھی تمہارا ہی ہے۔اس لئے اس کی سلامتی کے لئے مال و دولت خوش دلی اور خلوص سے خرچ کرو۔یہی احسان ہے۔اللہ اس طرح کے خلوص، محبت اور خوشی کے ساتھ خرچ کئے ہوئے مال کو قبول کرتا ہے اور خرچ کرنے والے کو بے حد پسند کرتا ہے۔''احسان انسانی زندگی کا حسن ہے۔لہٰذا زندگی کو حسین بنانے کے لئے احسان سے کام لینا ضروری ہے''۔

مولانا مودودی صاحب لکھتے ہیں۔''پہلا درجہ محض طاعت کا درجہ ہوتا ہے جس کے لئے صرف تقویٰ اور خوف کافی ہو جاتا ہے اور دوسرا درجہ احسان کا درجہ ہے جس کے لئے محبت اور گہرا قلبی لگاؤ درکار ہوتا ہے''۔

## حج اور اسکے مسائل

وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ وَ لَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَ سَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۹۶﴾ ع 24 8 8

اللہ کی خوشنودی کے لئے حج اور عمرہ مکمل کرو اور اگر کہیں گھیر لیے جاؤ تو جو قربانی میسر آئے، اللہ کی جناب میں پیش کرو اور اپنے سر نہ مونڈواؤ جب تک کہ قربانی اپنی قربان گاہ نہ پہنچ جائے مگر جو شخص مریض ہو یا جس کے سر میں کوئی تکلیف ہو (اور اس بناء پر اپنا سر نہ منڈوا

سکے تو اسے چاہیے کہ) فدیہ کے طور پر روزے رکھے، صدقہ دے یا قربانی کرے پھر اگر تمہیں امن نصیب ہو جائے تو تم میں جو شخص حج کا زمانہ آنے تک عمرے کا فائدہ اٹھائے وہ حسب مقدور قربانی دے اور اگر قربانی میسر نہ ہو تو تین روزے حج کے زمانے میں اور سات گھر پہنچ کر رکھے، اس طرح پورے دس روزے رکھ لے۔ یہ رعایت ان لوگوں کے لئے ہے جن کے گھر بار مسجد حرام کے قریب نہ ہوں۔ اللہ کے ان احکام کی خلاف ورزی سے بچو اور خوب جان لو کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے۔ (196)

**تشریح:** حج: اسلام کا پانچواں رکن ہے۔ جو شخص مالی و جسمانی لحاظ سے حج کی استطاعت رکھتا ہو اس پر زندگی میں ایک دفعہ حج فرض ہے ورنہ وہ گناہ گار ہوگا۔ حج مساوات اور یکجہتی کا سبق دیتا ہے۔ ایک ہی لباس میں سب لوگ ایک ہی طریقہ سے اللہ کے سامنے جھکتے ہیں اور ارکان حج ادا کرتے ہیں۔ حج کے دوران احرام باندھنا ضروری ہے۔ سر منڈانا، ناخن تراشنا، شکار کرنا، خوشبو لگانا، میاں بیوی کا آپس میں تعلق قائم کرنا، آرائش کرنا یہ سب منع ہوتے ہیں۔

تمام حاجی بیت اللہ کا طواف کرتے ہیں، حجر اسود کو بوسہ دیتے ہیں، آب زم زم پی کر دعائیں کرتے ہیں، صفاء مروہ کے درمیان سعی کرتے ہیں، میدان عرفات میں جمع ہو کر خطبہ سنتے ہیں، دعائیں مانگتے ہیں، گناہوں کی بخشش مانگتے ہیں، منیٰ میں قربانی دیتے ہیں، گناہ معاف کرواتے ہیں، جمرات پر کنکریاں مارتے ہیں، مگر یہ سب کچھ خلوص، خشوع و خضوع توجہ اور عشق الٰہی میں ڈوب کر کرنا چاہیے ورنہ سب بیکار ہے۔

''اور عمرہ اللہ کے لئے پورا کرو''۔ عمرہ بھی بڑی سعادت ہے مگر اس کے لئے مہینہ اور تاریخ کی کوئی قید نہیں۔ یہ عبادت خالصتاً اللہ کی رضاء کے لئے ہونی چاہئے۔ البتہ اس میں جائز تجارت، تاریخی مقامات کی زیارت اور سیر و سیاحت کی اجازت ہے۔ اس میں ایک رعایت اللہ نے دے رکھی ہے کہ کوئی شخص یا جماعت حج یا عمرہ کے لئے احرام باندھے اور پھر راستہ میں بیمار ہو جائے یا کسی بھی قسم کی رکاوٹ راستہ میں حائل ہو جائے جس کی وجہ سے سفر جاری رکھنا ممکن نہ رہے تو ان تمام صورتوں میں یہ حکم ہے کہ اپنا قربانی کا جانور کسی طریقہ سے بیت اللہ بھجوا دے اور جب تک جانور حرم میں نہ پہنچ جائے اس وقت تک وہ سر نہیں منڈوا سکتا اور احرام نہیں کھول سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے ایک رعایت اور بھی معذور لوگوں کو دے رکھی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی بیماری کی وجہ سے سر نہ منڈوا سکے تو اسے چاہئے کہ اس کے بدلے تین روزے رکھے یا چھ مسکینوں کو صدقہ فطر کے برابر غلہ دے یا جانور کی قربانی دے۔

بعد ازاں ایسے حاجی کا حکم بیان کیا گیا ہے جو حج اور عمرہ دونوں ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو جسے حج تمتع کہتے ہیں ایسے حاجی پر قربانی واجب ہے جو ایک بکرا، چھترا یا پھر اونٹ یا گائے کا ساتواں حصہ ہے۔ یہ قربانی اس پر واجب نہیں جو صرف حج ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اور اس کے ساتھ عمرہ نہ ادا کرنا چاہتا ہو۔ جو لوگ تمتع کریں، لیکن افلاس یا کسی اور خاص مجبوری کی وجہ سے قربانی نہ کر سکیں تو ان کے لئے ضروری ہے کہ تین روزے حج کے دنوں میں اور سات روزے گھر واپس پہنچ کر یعنی دس روزے پورے کریں۔ یہ حکم

اس لئے دیا گیا ہے تاکہ نفس پاکیزہ اور نیت صاف رہے۔ طبیعت میں بغاوت اور نافرمانی پیدا نہ ہو۔

اب قربانی کے حکم کی وضاحت کی جاتی ہے۔ حج اور عمرہ ملا کر کرنے کی اجازت صرف ان کے لئے ہے۔ جن کے گھر مکہ معظمہ یا قریبی بستیوں میں نہ ہوں۔ اس حکم کے ساتھ ایک دفعہ پھر وضاحت کر دی گئی ہے کہ اصل چیز تقویٰ ہے۔ ہر عبادت اور ارکان پورا کرتے وقت اللہ کی خوشنودی، اخلاص اور اللہ کا خوف ہی پیش نظر ہونا چاہیئے۔ یہ تمام احکامات اور عبادات اللہ جل شانہ کی طرف سے نافذ کئے گئے ہیں اور ہماری تمام زندگی، ہمارا مذہب اور عقائد ان پر ہی کھڑے کئے گئے ہیں۔ اس لئے ان کا بدلنا یا ان سے انکار کرنا بڑی سخت سزا کا موجب ہوگا۔ چنانچہ اگلی آیت میں حج اور کچھ مزید حدود کا ذکر ہو رہا ہے۔

## حج کے دوران ذکر واذکار

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَ لَا فُسُوْقَ ۙ وَ لَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؔ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۟ وَ اتَّقُوْنِ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿197﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَاۤ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَ اذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَ اِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿198﴾ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَ اسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿199﴾

حج کے مہینے معلوم ہیں جو شخص ان مقرر مہینوں میں حج کی نیت کرے (اسے خبردار رہنا چاہیے کہ) حج کے دوران اس سے کوئی شہوانی فعل، کوئی بدعملی اور کوئی لڑائی جھگڑے کی بات سرزد نہ ہو جائے۔ اور جو نیک کام تم کرو گے وہ اللہ کے علم میں ہوگا۔ سفر حج کے لئے زادراہ ساتھ لے جاؤ اور سب سے بہتر زادراہ پرہیزگاری ہے۔ پس اے ہوش مندو میرا خوف اختیار کئے رکھو۔﴿197﴾ حج کے ساتھ ساتھ اگر تم اپنے رب کا فضل بھی تلاش کرتے جاؤ تو اس میں کوئی حرج نہیں پھر جب عرفات سے واپس آؤ تو مشعر حرام (مزدلفہ) کے پاس ٹھہر کر اللہ کو یاد کرو اور اس طرح یاد کرو جس کی ہدایت اس نے تمہیں دی ہے یقیناً اس سے پہلے تم لوگ بھٹکے ہوئے تھے ﴿198﴾ پھر جہاں سے باقی سب لوگ پلٹتے ہیں وہیں سے تم بھی پلٹو اور اللہ سے معافی چاہو، یقیناً وہ معاف کرنے والا، رحم کرنیوالا ہے۔ ﴿199﴾

**تشریح:** ان آیات میں حج کی ضروری حدود کا بیان ہے۔ حج کے اصل ارکان ذی الحجہ کے دوسرے ہفتہ میں شروع ہوتے ہیں۔ چنانچہ احرام میقات کی حدود میں داخل ہوتے ہی ہر حاجی پر واجب ہو جاتا ہے۔ حج کی نیت کی عملی نشانی احرام باندھ لینا ہے۔ احرام دو بغیر سلی چادریں ہوتی ہیں جو مرد حضرات ایک تہہ بند کے طور پر باندھ لیتے ہیں اور دوسری چادر اوپر اس طرح ڈال لیتے ہیں کہ سر ننگا رہے، جبکہ عورتیں سر اور جسم کو اس طرح چادر اور سلے ہوئے لباس میں ڈھانپ لیتی ہیں کہ ستر پوشی مکمل ہو جائے۔ حج کے دوران تین باتوں سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔ یہ پہلی آیت میں بھی بیان آچکا ہے دوبارہ بیان کیا جا رہا ہے۔

1۔ خاوند و بیوی کے آپس میں خاص تعلقات قائم کرنا منع ہے۔

2۔ ہر قسم کے چھوٹے بڑے گناہ سے بچا جائے۔

3۔ ہر قسم کے لڑائی جھگڑے، فساد، بدکاری اور گالی گلوچ سے بچنا ضروری ہے۔

اس کے بعد حج کے لئے زادِ راہ لے کر جانے کا حکم دیا گیا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں یہ رواج تھا کہ حج پر جاتے ہوئے کچھ ساتھ نہ لے جاتے ان کے خیال میں یہ عبادت کا اعلیٰ درجہ تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ نیتوں کو اللہ خوب جانتا ہے، نیک نیتی، پاکیزگی اور خلوص ضروری ہے لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ راستہ کے لئے مناسب رقم اور ضروریات کی چیزیں ساتھ ضرور رکھو کہ سفر میں بھیک نہ مانگنی پڑے اور کسی قسم کی پریشانی نہ اٹھانی پڑے اس کے ساتھ ساتھ دوسرے بہترین زادِ راہ (تقوی) کا بھی پورا پورا خیال رکھو۔ تقوی کی تعریف کئی بار بیان کی جا چکی ہے، قرآن پاک میں بار بار حکم آتا ہے کہ تقویٰ اختیار کرو، تقویٰ اور خوفِ الٰہی سے دور ہونے کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان نام کا ہی مسلمان رہ جاتا ہے اور ایسے انسان کی زندگی پریشانیوں، ناکامیوں اور بے چینیوں سے بھر جاتی ہے۔ ایمان، توکل اور یقین کی روشنی اور مضبوطی سے ایسا انسان بالکل دور ہو جاتا ہے اس لئے تقویٰ میں کمال حاصل کرنے کے لئے دل کو اللہ کے خوف اور ذکر سے خالی نہیں رکھنا چاہیے اور حج تقویٰ حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اللہ جل شانہ اجازت دیتا ہے کہ تم حج وعمرہ کے ساتھ دنیا کا فضل یعنی جائز تجارت بھی کر سکتے ہو۔ اسلام سے پہلے حج کے زمانہ میں لوگ خوب تجارت کرتے تھے۔ اسلام کے بعد مسلمانوں نے سوچا کہ حج کے ساتھ تجارت کرنا عبادت میں کمی کا باعث ہو سکتی ہے اس لئے انہوں نے خود ہی تجارت کو ناجائز سمجھنا شروع کر دیا تو اس پر اللہ جل شانہ نے یہ آیت نازل فرمائی اور ہمیشہ کے لئے اس بات کی اجازت کو دے دی گئی کہ تجارت ضرور کرو۔ محنت کر کے اللہ کا فضل یعنی منافع حاصل ضرور کرو البتہ نیت یہ رکھو کہ تم اللہ کی خوشنودی اور ثواب حاصل کرنے کیلئے حج پر آئے ہو، خدا کے خوف اور آخرت کی زندگی حساب و کتاب سے ہرگز غافل نہ ہو۔ اسلام کا کوئی بھی رکن ایسا نہیں جو انسانی بھلائی کے خلاف ہو یا جو انسانی ترقی چاہے دنیاوی ہو یا اخروی ہونے کے لئے رکاوٹ بنے۔ اسلام تو عین دینِ فطرت ہے جس کا ثبوت خود ہماری عبادات ہیں۔ یعنی توحید، نماز، زکوٰۃ روزے اور حج، ہر رکن اپنی جگہ انسانی بہتری اور ترقی، فلاح و بہبود اور صحت وصفائی کا ضامن ہے۔ اسی طرح دور دراز سے آنے والے مسلمان حج کے موقعہ پر جمع ہوتے ہیں اور یوں بے شمار تجارتی اور معاشی فائدے حاصل کر سکتے ہیں اسی لئے حج کے ساتھ اللہ نے تجارت کی اجازت ضرور دی ہے مگر جائز تجارت کی شرط ہے اور مقصد اول حج کی شرط ہے۔ حج کے تمام اعمال میں سے فرض تین ہیں۔

1۔ احرام باندھنا۔

2۔ ذوالحجہ کی 9 تاریخ کو عرفات میں حاضر ہونا جسے وقوفِ عرفہ بھی کہا جاتا ہے۔

3۔ طوافِ کعبہ۔

اس آیت میں یہی بتایا گیا ہے کہ جب عرفات سے واپس آؤ تو مزدلفہ میں قیام کر کے اللہ تعالیٰ کو یاد کرو، تو بہ استغفار کرو اور اللہ جل شانہ کی عبادت میں مصروف رہو۔

عرفات مکہ سے 12 میل کے فاصلہ پر ایک میدان ہے جس میں ایک پہاڑی ہے جو سطح سمندر سے 200 گز بلند ہے۔ یہ میدان پورا سال سنسان پڑا رہتا ہے۔ 9 ذی الحجہ کو حاجیوں کی آمد سے یہاں خوب رونق ہو جاتی ہے، حاجی 8 ذی الحجہ کو دو پہر تک منیٰ میں آجاتے ہیں، اگلے روز سورج نکلتے ہی عرفات کو روانہ ہو جاتے ہیں۔ دو پہر سے عصر تک حاجیوں کو وہیں رہنا پڑتا ہے اس کو وقوف عرفہ کہا جاتا ہے، عرفات میں قیام، حج کا سب سے اہم کام ہے۔ اس قیام کے دوران ذکر وفکر، تو بہ استغفار اور تسبیح و تقدیس کا حکم ہے۔ سورج غروب ہونے کے بعد مزدلفہ کی طرف روانہ ہونا چاہیے۔ اس روز ظہر وعصر کی نمازیں اکٹھی عرفات کی مسجد نمرہ میں ظہر کے وقت ادا کی جاتی ہیں۔ مغرب وعشاء کی نمازیں مزدلفہ پہنچ کر عشاء کے وقت ادا کی جاتی ہیں۔

المشعر الحرام یہ مزدلفہ کی دو پہاڑیوں کے درمیان ہے۔ مکہ سے تقریباً 6 میل کے فاصلہ پر ہے۔ حاجی 9 تاریخ کو اسی راستہ سے جاتے ہیں۔ لیکن واپسی کے لئے دوسرا راستہ اختیار کرنے کا حکم ہے۔ حاجیوں کے قافلے رات یہیں گزارتے ہیں، پہاڑی کے اوپر مسجد میں سارا وقت عبادت الٰہی میں گزارتے ہیں، عبادت الٰہی کے وہی طریقے بہترین مستند اور باعث بخشش ہیں جو طریقے اللہ تعالیٰ نے انسان کو بتا دیئے ہیں اور جن کی وضاحت آنحضرت ﷺ نے اپنے اسوہ حسنہ سے کر دی ہے۔ اس کے علاوہ جتنے طریقے اسلام سے پہلے اختیار کئے جاتے رہے ہیں۔ سب باطل اور غلط طریقے ہیں اس آیت میں ان پچھلے تمام طریقوں کو بالکل غلط اور گناہ قرار دیا گیا ہے اور صرف ان طریقوں پر چلنے کا حکم دیا گیا ہے جو خود اللہ تعالیٰ نے بندوں کے لئے بنا دیئے ہیں مقرر کر دیئے ہیں اور وہ سب طریقے قرآن مجید میں بڑی وضاحت سے بیان کر دیئے گئے ہیں اور وہ طریقے انسان کے لئے نہ صرف فائدہ مند ہی ہیں بلکہ آسان اور نجات دلانے والے بھی ہیں اور یہ سب پہلے کسی کو معلوم نہ تھے۔ رب العزت نے انسان پر مہربانی کی اور قرآن کی صورت میں انسان کی راہنمائی کی۔ اس لئے انہی طریقوں کے مطابق عبادت کرنی چاہیئے۔ یہاں ایک اور حکم دیا جا رہا ہے، بلکہ پچھلے حکم کو ہی دہرایا جا رہا ہے، مقصد اس کا یہ ہے کہ قریش اپنے آپ کو محترم سمجھتے ہوئے حج میں عرفات کے میدان میں جانا اپنی شان کے خلاف سمجھتے تھے اور مزدلفہ تک ہی رہ جاتے تھے تو اس پر اللہ نے حکم دیا کہ سب ایک ہی جگہ قیام کریں گے اور ایک جگہ سے ہی ان کی واپسی ہوگی اور اس طرح نسلی اور قومی فرق کو مٹا دیا گیا۔ مساوات اور یکجہتی کا سبق دیا گیا۔ کیونکہ مسلمان کی تو شان ہی مساوات میں ہے، غرور اور فخر اللہ تعالیٰ کو بالکل ناپسند ہے۔ سب بندے برابر ہیں اسی لئے حکم ہوا کہ ''سب ایک ہی جگہ قیام کریں گے اور ایک جگہ سے ہی ان کی واپسی ہوگی''۔ پھر حکم ہوتا ہے کہ اپنے گناہوں کی معافی مانگو خلوص دل سے استغفار کرو۔ اللہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بہت زیادہ بخشنے والا۔ معاف کرنے والا انتہائی مہربان ہے۔ کسی وقت بھی اس کے ذکر سے غافل نہیں ہونا چاہیے۔ مناسک حج کے بعد دعا کا طریقہ وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔

# دنیاوی حصہ یا دنیا و آخرت

فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ﴿200﴾ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّ فِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿201﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ؕ وَ اللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿202﴾ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَ مَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقٰى ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿203﴾

پھر جب اپنے حج کے ارکان ادا کر چکو تو جس طرح پہلے اپنے آباؤ اجداد کا ذکر کرتے تھے، اسی طرح اب اللہ کا ذکر کرو، بلکہ اس سے بھی بڑھ کر۔ ان میں سے کوئی تو ایسا ہے جو کہتا ہے کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا ہی میں سب کچھ دے دے، ایسے شخص کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ﴿200﴾ اور کوئی کہتا ہے کہ اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی اور آگ کے عذاب سے بچا ﴿201﴾ ایسے لوگ اپنی کمائی کے مطابق حصہ پائیں گے اور اللہ کو حساب چکاتے کوئی دیر نہیں لگتی ﴿202﴾ یہ گنتی کے چند روز ہیں جو تمہیں اللہ کی یاد میں بسر کرنے چاہئیں پھر جو کوئی جلدی کر کے دو ہی دن میں واپس ہو گیا تو کوئی حرج نہیں اور جو کچھ دیر ٹھہر کر پلٹا تو بھی کوئی حرج نہیں (بشرطیکہ یہ دن اس نے تقویٰ کے ساتھ بسر کیے ہوں) اللہ کی نافرمانی سے بچو اور خوب جان لو کہ ایک روز اس کے حضور تمہاری پیشی ہونے والی ہے۔ ﴿203﴾

**تشریح:** یہاں اللہ تعالیٰ جاہلیت کی ایک رسم کو ختم کرنے کا حکم دیتا ہے۔ حکم یہ ہے کہ حج سے فارغ ہو کر تم اللہ جل شانہ کی تسبیح و تقدیس کرو، اللہ کو یوں یاد کرو جیسے تم اپنے باپ دادا کو یاد کرتے تھے یا اس سے بھی کچھ زیادہ، یہ جاہلیت کے زمانہ کی رسم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ قدیم عرب 10-11-12 ذوالحجہ کو منیٰ میں جمع رہتے اور وہاں اپنے قبیلہ اور باپ دادا کے کارنامے فخریہ انداز میں بیان کرتے اور ایک دوسرے سے بڑھ کر ان کے کارناموں کی کہانیاں سناتے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ چاہے جتنی دیر مرضی ٹھہرو مگر وہاں ذکر الٰہی میں مشغول رہو۔ کیونکہ انسان کو پیدا کرنے والا، پرورش کرنے والا، عقل سمجھ، دانائی، شرافت، عزت اور تمام بھلائیاں دینے والا صرف اور صرف اللہ وحدہ لاشریک لہ ہی ہے اس لئے ہر قسم کی تعریف و توصیف کے لائق رب العزت ہے نہ کہ آباؤ اجداد۔

دعا کرنے کا طریقہ رب العزت بتاتے ہیں۔ کہ کچھ لوگ دعا کرتے ہوئے یہ بھول جاتے ہیں کہ اس زندگی کے بعد ایک اور زندگی بھی ہے جو کہ ہمیشہ رہنے والی زندگی ہو گی اور وہاں اعمال کرنے کی بجائے یہاں کیئے ہوئے اعمال کا بدلہ ملے گا تو ایسے لوگ صرف یہ دعا کرتے ہیں کہ ان کو اس دنیا میں ہر قسم کی بھلائی، عزت، دولت اور صحت و سلامتی عطا کی جائے تو اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے لیئے فرماتا ہے کہ ان کو صرف دنیا کی ہی بھلائیاں دی جائیں گی آخرت میں ان کو کچھ نہ ملے گا اس کے برعکس وہ

لوگ دنیا وآخرت کی بھلائیوں سے مالا مال کر دیئے جائیں گے جو یہ دعا مانگتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی ہر قسم کی نعمتیں، برکتیں، عزتیں اور آسائشیں عطا کر اور اسی طرح آخرت میں بھی ہر قسم کی تمام بھلائیاں عطا کر دے تو ایسے لوگوں کو ان کی دعا کے مطابق دنیا وآخرت دونوں جگہ نجات، عزت بخششیں اور تمام بھلائیاں عطا کی جائیں گی اور پھر دعا کرتے ہیں کہ اے رب ہمارے ہمیں دوزخ کے عذاب سے بھی بچالینا تو اللہ ان کی دعا سنتا ہے۔ قبول کرتا ہے اور ان کی نجات کا سامان پیدا کرتا ہے دوسری قسم کے لوگ یعنی جو دنیا وآخرت کی بھلائیاں مانگتے ہیں، دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں، تو اللہ ان کی غلطیاں معاف کر دے گا۔ جنت میں رہنے کی جگہ دی جائے گی اور ان کو آخرت کی ابدی زندگی میں تمام قسم کی آسائشیں دی جائیں گی۔ آخر میں خبردار کیا گیا ہے کہ یاد رکھو اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے، یہ فانی دنیا آخرت کی دنیا کے لئے کھیتی کا درجہ رکھتی ہے، ہر کام کا بدلہ انصاف کے ساتھ ملے گا۔ اس لیئے ہر شخص کو خیال رکھنا چاہیے کہ یہ زندگی نہ تو بے کار ہے اور نہ ہی اللہ سے چھپی ہوئی، بلکہ ہر شخص کا ہر عمل ٹیپ ہوتا جا رہا ہے اور پھر قیامت دور نہیں۔ اس دن ہر شخص اپنے کیئے کا بدلہ پالے گا اور جس نے دنیا وآخرت کی بھلائیاں مانگی ہوں گی اس کو دنیا وآخرت میں اجر دیا جائے گا جس نے صرف دنیا کی بھلائیاں طلب ہوں گی اس کو صرف دنیا میں ہی ملے گا۔ آخرت میں کچھ نہ ملے گا۔ جس نے دوزخ سے پناہ مانگی ہوگی اس کو دوزخ سے پناہ دی جائے گی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کی بتائی ہوئی دعا کو پورے خشوع وخضوع سے مانگنا چاہیئے ایسی خوبصورت، جامع اور بہترین دعا تو انسان کبھی نہیں ترتیب دے سکتا جیسی اللہ نے سکھادی ہے۔ "رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ"

"اے رب ہمارے ہمیں دنیا میں بھی سب بھلائیاں عطا کر اور آخرت میں بھی تمام بھلائیاں عطا کر اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچا۔" (سورۃ البقرہ آیت 201)

اس چھوٹی سی دعا میں اعتقادات، عبادات، جنت، دوزخ، قیامت اور پھر اللہ کی کبریائی، عظمت، رحمت، انصاف اور طاقت سب کچھ ہی اس میں سمٹ گیا ہے۔ اللہ کرے تمام مسلمان اس دعا کو پڑھیں سمجھیں اور عمل بھی کریں۔

حج کے مناسک ادا کرنے کے بعد 10 ذی الحجہ کو منیٰ میں جمع ہو جاتے ہیں۔ منیٰ مکہ سے تقریباً چار میل کے فاصلہ پر ہے۔ یہاں خوب رونق لگتی ہے، حاجی 12، 13 تاریخ تک یہیں ٹھہرتے ہیں اور حج کے سلسلے میں کئی واجبات اور سنتیں ادا کرتے ہیں۔ مثلاً جمرات کو کنکریاں مارتے، قربانی کرتے، سر کے بال اترواتے ہیں اور احرام اتارتے ہیں حکم دیا گیا ہے کہ یہ دن گنتی کے دن ہیں یعنی دسویں، گیارھویں اور بارھویں ذوالحجہ ان کو خوب عبادت میں گزارو اور یاد الٰہی کی ایک خاص صورت یہ ہے کہ ہر حاجی دسویں تاریخ کو جمرہ عقبیٰ پر سات کنکریاں مارے ہر کنکری پر اللہ اکبر کہے اسی طرح گیارہ اور بارہ تاریخ کو باقی دونوں جمروں کو سات سات کنکریاں اللہ اکبر کہتے ہوئے مارے۔ بار بار تاکید کی گئی ہے کہ حج کے دوران ہر وقت خلوص سے اللہ کا ذکر کرتے رہو۔ حج کا فائدہ یہ ہے کہ یہ انسان میں مشقت صبر وسکون، ہر قسم کی تکلیف وپریشانی کی برداشت پیدا کرتا ہے اور انسان روحانی لحاظ سے

بہت بلند ہو جاتا ہے۔اس بلندی کو قائم رکھنے کے لئے یادالٰہی اور ذکراللہ بے حد ضروری ہے اس لئے اس سے ایک لمحہ کے لئے بھی غافل نہ ہوں۔ یہ تین دن ایام تشریق کہلاتے ہیں۔اللہ جل شانہ فرماتا ہے کہ اگر کوئی شخص 12 تاریخ کے بعد بھی منیٰ میں ٹھہرتا ہے۔ذکرالٰہی کرتا ہے تو کوئی گناہ نہیں اگر کوئی صرف دو ہی دن وہاں ٹھہر کر مکہ چلا جائے تو بھی کوئی گناہ نہیں۔اصل چیز تقویٰ،خوف الٰہی اور مکمل فرمانبرداری ہے۔ کیونکہ انہی خصوصیات سے انسانی زندگی میں پاکیزگی اور عمدگی پیدا ہوتی ہے۔لیکن اگر تقویٰ کے باوجود کچھ احکام مجبوری کی وجہ سے رہ جائیں تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔لیکن اگر کوئی لاپرواہی، نافرمانی یا محض سستی کی وجہ سے کوئی احکام پورے نہ کرے تو اس کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں وہ نیتوں کے حال بہت اچھی طرح جانتا ہے اور یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ہم سب کو بالآخر اللہ ہی کے پاس واپس جانا ہے اور اپنے تمام اعمال کا حساب کتاب دے کر اس کے مطابق جزاوسزا بھی پانی ہے اور یہی ہر انسان کا حاصل زندگانی ہے۔

اس آیت کے ساتھ ہی حج کے فرائض اللہ کے فرمان کے مطابق ختم ہو جاتے ہیں آسان زبان میں مختصراً بیان کیا جاتا ہے۔

حج اسلام کا ایک رکن ہے۔اس کا مطلب ''بیت اللہ کا طواف اور دیگر مناسک کی ادائیگی کے لیے قصد کرنا'' ہے یہ صرف ان لوگوں پر فرض ہے جو مالی اور جسمانی لحاظ سے اس قابل ہوں کہ اخراجات اٹھا سکیں اور سفرِ حج کی مشقت برداشت کر سکیں۔ یہ زندگی میں ایک دفعہ کرنا فرض ہے۔اس کی بڑی فضیلت ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ جس نے اللہ کے لیے حج کیا، پھر نہ فحش باتیں کیں اور نہ اللہ کی نافرمانی کی تو وہ (اس طرح گناہوں سے پاک ہو کر) لوٹے گا جیسا کہ وہ اس دن تھا جب اس کی ماں نے اسے جنا تھا۔'' (بخاری)

عمرہ کا مطلب ہے بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ کی سعی کے لیے سفر کرنا،اس کے دن اور مہینہ مقرر نہیں ہے۔ جب چاہیں کر سکتے ہیں اس کی فضیلت میں حدیث ہے۔''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے مہمان تین ہیں۔ پہلا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا اور دوسرا حج کرنے والا اور تیسرا عمرہ کرنے والا۔ (نسائی)

حج کے مناسک یہ ہیں۔میقات،احرام،طواف،سعی،قیام عرفہ،رمی،قربانی اور سر کے بال اتروانا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو مسلمانوں کے علاوہ یہودی اور عیسائی بھی مانتے ہیں۔انہوں نے توحید کا سبق دیا اور حج اسی سبق کو عملی طور پر کرنے کا طریقہ ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ مناسک حج بہت سے ایسے ہیں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام،حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت ہاجرہ کے تاریخی کاموں کو دہرائے جانے کا عمل ہے ان کے کارناموں کو زندہ رکھنے کے لئے ان کو دہرایا جاتا ہے اور تاقیامت دہرایا جاتا رہے گا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں سب سے بڑا حج کا اجتماع حجۃ الوداع کا تھا اس کے بعد حاجیوں کی تعداد دن بدن بڑھتی چلی گئی اب تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ حاجیوں کے لئے قرعہ اندازی سے انتخاب کیا جاتا ہے۔ یہ بہت بڑی سعادت ہے جو

قسمت والوں کو ہی نصیب ہوتی ہے اور پھر سب سے ضروری اور مشکل کام یہ ہے کہ اس سعادت کو ہمیشہ قائم رکھا جائے اور اس کے لئے پہلے سے زیادہ زہد وتقویٰ، پاک بازی اور عجز وانکساری سے کام لینے کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ تو سب کیا کرایا ضائع بھی ہو سکتا ہے۔حج کرنے کے بعد شیطان کے حملے زیادہ ہو سکتے ہیں، عزت ملنا آسان ہے مگر اس کی حفاظت کرنا مشکل ہے۔

## قسمیں کھانیوالے جھگڑالو اور اللہ کی رضا چاہنے والے

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ يُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَ هُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿204﴾ وَ اِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَ يُهْلِكَ الْحَرْثَ وَ النَّسْلَ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿205﴾ وَ اِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَ لَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿206﴾ وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿207﴾

انسانوں میں کوئی تو ایسا ہے جس کی باتیں دنیا کی زندگی میں تمہیں بہت بھلی معلوم ہوتی ہیں اور اپنی نیک نیتی پر بار بار وہ خدا کو گواہ ٹھہراتا ہے مگر حقیقت میں وہ بدترین جھگڑالو ہوتا ہے۔﴿204﴾ جب اسے اقتدار حاصل ہو جاتا ہے۔تو زمین میں اس کی ساری دوڑ دھوپ اس لیے ہوتی ہے کہ فساد پھیلائے کھیتوں کو غارت کرے اور نسل انسانی کو تباہ کرے اور اللہ فساد کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔﴿205﴾ اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو تو اپنے وقار کا خیال اس کو گناہ پر جما دیتا ہے۔ایسے شخص کے لیے تو بس جہنم ہی کافی ہے اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے۔﴿206﴾ دوسری طرف انسانوں ہی میں کوئی ایسا بھی ہے جو رضائے الٰہی کی طلب میں اپنی جان کھپا دیتا ہے اور ایسے بندوں پر اللہ بہت مہربان ہے۔﴿207﴾

تشریح: جیسا کہ حج کے بیان میں نیک و بد انسان کی نشانیاں بیان ہو چکی ہیں کہ بدآدمی صرف دنیا ہی مانگتا ہے مگر نیک دنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں مانگتا ہے اور پھر دوزخ سے بھی پناہ مانگتا ہے۔آیت 204 کا شان نزول اس طرح بیان کیا جاتا ہے۔کہ قبیلہ ثقیف کا ایک شخص اخنس بن شریق بظاہر مسلمانوں کا بڑا خیر خواہ تھا۔نبی کریم ﷺ کے پاس آتا تو قسمیں کھا کھا کر اپنی صفائی میں بڑے بڑے دعوے کرتا۔لیکن جیسے ہی وہاں سے اٹھتا تو اسلام کے خلاف ہر طرح شرارت، فساد اور جھگڑا کھڑا کرتا۔اس سے مراد یہ ہے کہ ہر منافق شخص کچھ ایسے ہی کام کرتا ہے۔اگلی آیت میں منافق کے بارے میں مزید بتایا جا رہا ہے کہ جہاں بھی اس کا داؤ لگتا ہے۔فساد پھیلاتا ہے، کھیتیاں برباد کرتا ہے، قتل و غارت گری کرتا ہے۔ظاہر ہے یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کو ہرگز پسند نہیں۔اللہ تعالیٰ امن وسکون کو پسند کرتا ہے، مومن اسلام کے پھیلانے میں امن وسکون کو بڑھانے میں اپنے کردار سے پوری کوشش کرتا ہے، جبکہ منافق ہر نیکی کی راہ میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔جب منافق کو کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈرو تو وہ اپنی جھوٹی شان وشوکت اور فنا ہونے والی عزت وطاقت میں اتنا زیادہ بدمست ہوتا ہے کہ وہ اپنی غلط راہ کو ہرگز چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہوتا تو ایسے لوگوں کے

لیے رب العزت نے فرمایا ہے کہ ان کی منافقت ان کو دوزخ میں لے جائے گی اور دوزخ بہت ہی برا ٹھکانہ ہے اس کے برعکس کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جو یہ پکا یقین رکھتے ہیں کہ جو کچھ بھی ان کے پاس ہے سب اللہ کا ہی دیا ہوا ہے۔ وہ اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ہر چیز حتیٰ کہ اپنی جانیں تک قربان کر دینے کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں ایسے ہی سچے اور پکے مسلمان اللہ تعالیٰ کو بے حد پسند ہیں اور وہ اپنے بندوں پر بے حد مہربان ہے اگلی آیت میں رب العزت انسان کو راہ ہدایت اختیار کرنے کی تاکید فرماتا ہے۔

## مکمل ضابطہ حیات اور منکرین کی ہٹ دھرمی

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَ لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿208﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿209﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَ الْمَلٰٓىِٕكَةُ وَ قُضِيَ الْاَمْرُ ؕ وَ اِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿210﴾ ع 25 14 9

اے ایمان والو! تم پورے کے پورے اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔﴿208﴾ جو صاف صاف ہدایات تمہارے پاس آ چکی ہیں اگر ان کو پا لینے کے بعد پھر تم نے لغزش کھائی تو خوب جان رکھو کہ اللہ سب پر غالب اور حکیم و دانا ہے۔﴿209﴾ (ان ساری نصیحتوں اور ہدایتوں کے بعد بھی لوگ سیدھے نہ ہوں تو) کیا اب وہ اس کے منتظر ہیں کہ خود اللہ تعالیٰ ابر کے سائبانوں میں آ جائے اور فرشتے بھی اور فیصلہ ہی کر ڈالا جائے آخر کار سارے معاملات پیش تو اللہ ہی کے حضور ہونے والے ہیں۔﴿210﴾

**تشریح:** یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ یہ یہودی علماء میں سے تھے۔ اسلام لانے کے بعد ان کو خیال ہوا کہ کچھ باتیں ایسی ہیں جو یہودی مذہب میں جائز تھیں کیوں نہ ان کو بھی اپنے عمل میں جاری رکھا جائے۔ وہ باتیں یہ تھیں یہودی ہفتہ کے دن کو مقدس سمجھتے تھے، اونٹ کے گوشت اور دودھ کو حرام سمجھتے تھے۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور کچھ دوسرے نومسلم یہودی علماء نے سوچا کہ چلو کچھ یہودیت کے عقیدوں کو مانے رکھتے ہیں اور کچھ اسلام کے۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایات جاری کی گئیں کہ یہ رویہ بالکل غلط ہے۔ اگر مسلمان ہونا ہے تو پھر پورے طور طریقے اور تمام اعتقادات کو بھی اپنے عمل میں لاؤ یہ نہیں کہ کچھ اصول مان لیے اور کچھ نہ مانے یہ تو اسلام کی سچائی کے بالکل خلاف ہے اور اس قسم کے خیالات شیطان کی طرف سے تمہارے دل و دماغ میں آتے ہیں اس کی پیروی ہرگز نہ کرو، کیونکہ یہ تو تم سب کو معلوم ہے کہ شیطان ہمیشہ تمہیں برے راستوں پر چلنے کے لیے کہے گا اور پھر یہ بھی طریقہ غلط ہے کہ دل سے اللہ پر ایمان لے آؤ مگر اعمال شیطانی کرو ایمان زبان سے دل سے اور عمل سے پختہ ہونا چاہیے۔ حکم ہے کہ ایمان لاؤ اور پکے مسلمان، اللہ کے نیک بندے بن کر فلاح پاؤ۔ کتنی خوش نصیبی ہے انسان کی کہ اس کی ہدایت اور بھلائی کے لیے اللہ تعالیٰ ہمیشہ پیغمبر اور رسول بھیجتا رہا ہے جو انسان کو نیکی و بدی کا فرق بتاتے ہیں اور

ایسی اچھی ہدایت کی باتیں بتاتے ہیں کہ جن پر عمل کر کے انسان دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی خوشیاں حاصل کر سکتا ہے دوزخ سے بچ کر جنت میں جا سکتا ہے اتنا کچھ ہونے کے باوجود بھی انسان ایمان نہیں لاتا تو کیا اس کو سمجھانے کے لیے اللہ تعالیٰ اور فرشتے خود بادلوں کے سائے میں ان کے سامنے آجائیں تو پھر وہ ایمان لائیں گے ایسے لوگوں کو یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ زبردست بھی ہے اور حکمت والا بھی ہے اللہ بہتر جانتا ہے کہ یہ وقت کب آنے والا ہے اور جب یہ وقت آئے گا تو عمل اور توبہ کا وقت گزر چکا ہوگا۔ اور پھر تمام لوگوں کے ہر قسم کے تمام معاملات اللہ ہی کے سامنے فیصلہ کے لیے پیش کیے جائیں گے اور یہ حساب کا دن ہوگا۔

## بنی اسرائیل سے عبرت

سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰھُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ۭ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿211﴾

بنی اسرائیل سے پوچھو! کیسی کھلی کھلی نشانیاں ہم نے انہیں دکھائی ہیں (اور پھر یہ بھی انہیں سے پوچھ لو) اللہ کی نعمت پانے کے بعد جو قوم اس کو بدلتی ہے اسے اللہ کیسی سخت سزا دیتا ہے۔ ﴿211﴾

**تشریح:** اس سوال کے لیے بنی اسرائیل کو اس لیے چنا گیا ہے کہ دور جانے سے بہتر ہے کہ جیتی جاگتی ایسی قوم کو سامنے رکھ کر بات کی جائے جو کہ عبرت کا باعث بن چکی ہے اور اپنی ضد، ہٹ دھرمی اور نافرمانی کی وجہ سے امامت کا درجہ بھی ان سے چھین لیا گیا۔ بنی اسرائیل کے انعامات، فضیلتیں، برکتیں اور رحمتیں یہ سب سورہ البقرہ کی آیت 40 سے شروع ہو کر آیت 117، پر ختم ہو جاتی ہیں اور اس تاریخی قرآنی حقائق کو دو باتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ختم کیا گیا ہے۔ پہلی یہ کہ مقبول ترین قوم بنی اسرائیل ہی رہی۔ دوسری بات یہ کہ ناشکری اور نافرمانی پر تمام نعمتیں چھن گئیں اور امامت کا شرف بھی ان سے چھین لیا گیا۔ بنی اسرائیل کے قصہ سے مسلمانوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے اور یاد رکھنا چاہیے کہ خدائی مہربانی کوئی ایسی شمع نہیں کہ کسی قوم پر ہر صورت میں ہوتی رہے۔ اس کی بھی شرائط ہوتی ہیں بندے جب تک راہ راست پر رہتے ہیں اللہ و رسول ﷺ کی فرمانبرداری خلوص نیت سے کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر و شکر کرتے رہتے ہیں۔ ان پر اللہ کی نعمتیں، برکتیں اور رحمتیں برستی رہتی ہیں، لیکن جب وہ ناشکری، نافرمانی، سرکشی اور بغاوت کرنے لگیں تو نہ صرف یہ کہ نعمتیں ہی چھن جاتی ہیں، بلکہ دنیا و آخرت میں دردناک سزائیں بھی حق تعالیٰ کی طرف سے دی جاتی ہیں اور یہ حقیقت ہے۔ اسی کا ذکر مذکورہ آیت میں کیا گیا ہے۔

’’حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

کہ اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ جس شخص نے کسی دن مجھے یاد کیا یا کسی جگہ مجھ سے ڈرا اسے دوزخ سے نکال لو۔‘‘ (ترمذی)

## مومن کا مذاق نہ اڑاؤ

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ يَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ اللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿212﴾

جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ہے، ان کے لیے دنیا کی زندگی بڑی محبوب و دل پسند بنا دی گئی ہے۔ ایسے لوگ ایمان کی راہ اختیار کرنے والوں کا مذاق اڑاتے ہیں، مگر قیامت کے روز پرہیز گار لوگ ہی ان کے مقابلے میں عالی مقام ہوں گے رہا دنیا کا رزق، تو اللہ کو اختیار ہے جسے چاہے بے حساب دے۔ ﴿212﴾

تشریح: درس القرآن میں اس آیت کے نازل ہونے کا سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ مشرکوں کے رئیس مسلمانوں پر ہنستے تھے۔ حضرت بلال، عمار، صہیب اور دوسرے غریب صحابہ رضی اللہ عنہم کا مذاق اڑاتے تھے اور کہتے کہ آنحضرت ﷺ ان غریب لوگوں کی امداد سے عرب کے سرداروں پر غالب آنا چاہتے ہیں انہیں لوگوں کے مذاق اڑانے پر یہ آیت نازل ہوئی اور بتایا گیا کہ ان کا اس طرح سوچنا جہالت اور نادانی ہے۔ انہیں معلوم نہیں کہ یہی غریب اور تنگدست قیامت کے دن ان رئیسوں سے اعلیٰ اور بہترین ہونگے۔ اللہ جسے چاہے بے شمار روزی عطا فرماتا ہے چنانچہ ایک دن آیا کہ انہی غریبوں کو بنو قریظہ اور بنو نضیر کی دولتیں ملیں اور اس زمانے کی ایران اور روم جیسی بڑی بڑی سلطنتوں پر اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح عطا کی۔ دنیا کی دولت، حکومت اور قیادت ان کے سپرد کر دی اکثر امیر منافقین اپنی دولت کے نشے میں موت کو بھی بھول جاتے ہیں اور ان کی نظر میں یہ دنیا اور دنیا کا مال و متاع ہی سب کچھ ہوتا ہے، جبکہ اصل زندگی نیکی اور پرہیز گاری میں ہے، کیونکہ قیامت میں اسی کے بدلہ میں بہترین اجر، اللہ کی رحمت، برکت اور بخشش ملے گی، جبکہ منکر لوگ اس دن پچھتا رہے ہوں گے اور ذلت و رسوائی ان کے نصیب میں لکھ دی جائے گی۔ دنیا میں رزق کی زیادتی انسان کو گمراہ اور بے خوف بنا دیتی ہے لیکن نیک اور اچھے لوگ اپنے رزق کو دوسروں میں تقسیم کرتے رہتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں خوش دلی سے خرچ کرتے ہیں اور خوف خدا سے دل کو ہر وقت بھرا رکھتے ہیں۔ ذکر و فکر سے وہ کبھی غافل نہیں ہوتے اور ہر وقت شکر ادا کرتے رہتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ اللہ جس کو چاہے بے حساب رزق دیتا ہے، کیونکہ ہر چیز کا اختیار اسی کے ہاتھ میں ہے۔

## اتحاد امت عقیدہ کیوجہ سے

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ وَ اَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ وَ مَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا

جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًاۢ بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿213﴾

(دنیا کی ابتداء میں) سب لوگ ایک ہی طریقہ پر تھے (پھر اختلافات رونما ہونے لگے) تب اللہ نے نبی بھیجے جو راست روی پر بشارت دینے والے اور کجروی کے نتائج سے ڈرانے والے تھے اور ان کے ساتھ کتاب برحق نازل کی تا کہ حق کے بارے میں لوگوں کے درمیان جو اختلافات رونما ہو گئے تھے، ان کا فیصلہ کرے اختلاف ان لوگوں نے کیا جن کو حق کا علم ہو چکا تھا۔ انہوں نے روشن ہدایات پانے کے بعد محض اس لیے حق کو چھوڑ کر مختلف طریقے نکالے کہ وہ آپس میں زیادتی کرنا چاہتے تھے، پس جو لوگ انبیاء پر ایمان لے آئے انہیں اللہ نے اپنے اذن سے اس حق کا راستہ دکھا دیا جس میں لوگوں نے اختلاف کیا تھا۔ اللہ جسے چاہتا ہے راہ راست دکھا دیتا ہے۔ ﴿213﴾

تشریح: اللہ تعالیٰ نے تاریخ ابن آدم کا ہلکا سا ذکر کیا ہے۔ وہ اس طرح کہ جب آدم علیہ السلام دنیا میں آئے تو ان کو حقیقت بتا دی گئی تھی اور یہ سمجھا دیا گیا تھا کہ کونسا راستہ ٹھیک ہے اور کونسا غلط اس کے بعد ایک لمبی مدت تک انسان ایک ہی نیک راستہ پر چلتے رہے اور اس طرح ایک امت کہلائے۔ لیکن پھر جیسے جیسے آبادی بڑھتی گئی لوگوں میں نئے نئے طریقے پیدا ہوتے گئے اور یوں لوگ مختلف گروہوں اور جماعتوں میں بٹنے شروع ہو گئے۔ یہ اس لیے نہیں ہوا تھا کہ ان کو حق اور ناحق کا علم نہیں تھا بلکہ وہ جانتے تھے کہ سچ کیا ہے جھوٹ کیا ہے۔ کچھ لوگ صرف اس لیے کہ اپنی بدفطرت سے مجبور ہو کر لوگوں کو دبانے اور خود فائدے حاصل کرنے کے چکر میں آپس میں خون خرابہ، ظلم زیادتی اور سرکشی کرنے لگے تھے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی خرابیاں دور کرنے کے لیے اور امن وسلامتی قائم کرنے کیلئے انبیاء بھیجنے شروع کیے تا کہ لوگوں کے اخلاق درست کر کے تمام خرابیاں دور کر کے اس راستے پر ان کو چلائیں جو پہلے ان کو بتایا گیا تھا، تا کہ وہ سب پہلے کی طرح ایک اچھی امت بن کر مل جل کر نیکی کی راہ اختیار کریں۔ یہ مطلب نہ تھا کہ ہر آنے والا نبی نئے عقیدے اور نئی امت بنا لے۔ تمام انبیاء کا سبق صرف ایک ہی تھا اور وہ تھا توحید کا سبق۔ انبیاء علیہم السلام نے اسی وحدت کی طرف بلایا جس پر لوگوں کو شروع سے قائم کیا گیا تھا اب جن لوگوں نے انبیاء کی بات سمجھی اور تسلیم کی وہ تو مومن کہلائے اور جنہوں نے انکار کیا وہ اس متحدہ قومیت سے علیحدہ ہو گئے اور اس طرح ایک علیحدہ قوم قرار دیئے گئے اور اس علیحدہ قوم کا کام یہ ہے کہ انبیاء کی مخالفت کریں کتاب الٰہی کو نہ مانیں اور ہر اعتبار سے مومنین کی مخالفت کرنا ان کو تنگ کرنا۔ مگر مومنین کو چاہیے کہ اپنے عقیدے پر جمے رہیں اور ہر صورت میں امن وسکون کو پھیلائیں اور لوگوں کو برابر دین حق کی طرف بلاتے رہیں۔ یہ کام آسان نہیں اسی لیے اگلی آیت میں مسلمانوں کو صبر وسکون کی ہدایت دی گئی ہے۔

# اہل ایمان کی آزمائش

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَ لَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَ الضَّرَّآءُ وَ زُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿214﴾

پھر کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت کا داخلہ تمہیں مل جائے گا۔ حالانکہ ابھی تم پر وہ سب کچھ نہیں گزرا جو تم سے پہلے ایمان لانے والوں پر گزر چکا ہے۔ ان پر سختیاں گزریں، مصیبتیں آئیں، جھنجوڑے گئے، حتیٰ کہ وقت کا رسول اور اس کے ساتھی اہل ایمان چیخ اٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی اس وقت انہیں تسلی دی گئی کہ اللہ کی مدد قریب ہے۔﴿214﴾

تشریح: اس آیت مبارکہ میں مسلمانوں کو تسلی دی جا رہی ہے کہ جو سختیاں اور مصیبتیں تمہیں پیش آ رہی ہیں قبول اسلام اور تبلیغ ان پر گھبراؤ نہیں یہ سب کام راہ اللہ اور رضائے الٰہی کے لیے تم کرتے ہو جس کے بدلہ میں تم کو جنت کی خوشخبری دی جاتی ہے تو جان لو اور کہ جنت بڑی محنت اور مشقت کے بعد ملتی ہے اس کا حصول اتنا آسان کام نہیں ہے، لوگوں کو چاہیے جو کہ اپنے سے پہلی قوموں کو اور انبیاء کو دیکھیں تو ان کو پتہ چلے گا کہ شیطان سے لڑنا اور برائی کو ختم کرنا اور حق کا بول بالا کرنا کس قدر مشکل کام ہے۔ پچھلے لوگوں نے اور انبیاء نے اس قدر تکلیفیں اور مصیبتیں راہ حق میں اٹھائیں کہ وہ لوگ بلبلا اٹھے اور اللہ کے حضور عرض کرنے لگے کہ یا باری تعالیٰ ہماری مدد کب آئے گی تو اللہ ان کو تسلی دیتے ہوئے جواب میں فرماتے ہیں کہ بہت جلد اللہ کی مدد تمہیں ملے گی۔ مدد ملنے کا دستور ہی یہ ہے کہ پہلے آزمائش ہوتی ہے پھر انعام ملتا ہے۔ کیونکہ کھرے کھوٹے کی یہی پہچان ہے۔ صالحین اور انبیاء کو تو اللہ ضرور آزمائش سے گزارتا ہے اور پھر ان کی محنت اور ثابت قدمی کے مطابق ہی اجر و ثواب دیا جاتا ہے مگر یہ حقیقت ہے کہ آخر کار حق کی فتح باطل کو شکست ضرور ہوتی ہے۔

سورہ آل عمران آیت نمبر 210 میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''اے لوگو! جو ایمان لائے ہو صبر سے کام لو، باطل پرستوں کے مقابلہ میں پا مردی دکھاؤ حق کی خدمت کے لیے کمر بستہ رہو تا کہ تم فلاح پاؤ۔'' حدیث ہے ''مصیبت پر صبر کرنا عبادت ہے''۔ (نسائی)

سمجھ میں یہی آتا ہے کہ نیک راہوں پر خود چلنا اور دوسروں کو چلانا حق کی حمایت میں اور باطل کی مخالفت میں جدوجہد کرنا اور تمام پریشانیوں، مشکلات اور تکلیفوں کا خوشی اور ہمت سے مقابلہ کرنا بہت مشکل کام ہے لیکن جنت کا حاصل کرنا بھی تو آسان کام نہیں۔ جنت حاصل کرنے کے لیے اور دنیا و آخرت میں سرخرو ہونے کے لیے آزمائشوں میں پورا اترنا لازمی ہے۔ علامہ اقبال کہتے ہیں۔

جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
روحِ امم کی حیات کشمکش انقلاب

## مال کہاں خرچ کریں؟

یَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا یُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَاۤ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَیْرٍ فَلِلْوَالِدَیْنِ وَ الْاَقْرَبِیْنَ وَ الْیَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ ؕ وَ مَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَیْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿215﴾

لوگ پوچھتے ہیں ہم کیا خرچ کریں؟ جواب دو کہ جو مال بھی تم خرچ کرو اپنے والدین، رشتہ داروں، یتیموں، مسکینوں اور مسافروں پر خرچ کرو اور جو بھلائی بھی تم کرو گے اللہ اس سے باخبر ہے۔ ﴿215﴾

تشریح: خرچ کرنے کے بارے میں پہلے بھی ہدایات آ چکی ہیں۔ اس آیت میں صحابہ کرام کا آنحضرت ﷺ سے سوال کرنے کا ذکر ہے کہ مال کس جگہ خرچ کریں تو اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اپنی پاکیزہ اور نیک دولت کو سلیقہ سے خرچ کرو درجہ بندی اس طرح کی گئی ہے۔ سب سے پہلے والدین پھر رشتہ دار پھر یتیم، پھر مسکین اور مسافر۔ یہ سب لوگ تمہاری کمائی کے مستحق ہیں اس کے علاوہ اپنے مال کو جس قدر بھلائی کے کاموں میں تم خرچ کرو گے تو اس کا بدلہ پاؤ گے کیونکہ اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

## جنگ کا حکم

كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِتَالُ وَ هُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَ عَسٰۤى اَنْ تَكْرَهُوْا شَیْـًٔا وَّ هُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ۚ وَ عَسٰۤى
ع 26 6 10 اَنْ تُحِبُّوْا شَیْـًٔا وَّ هُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿216﴾

تمہیں جنگ کا حکم دیا گیا ہے اور وہ تمہیں ناپسند ہے۔ ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں ناپسند ہو اور وہی تمہارے لیے بہتر ہو اور ہو سکتا ہے کہ ایک چیز تمہیں پسند ہو اور وہی تمہارے لیے بری ہو۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ ﴿216﴾

تشریح: جہاد کا حکم مسلمانوں کو مکہ سے مدینہ ہجرت کر جانے کے بعد ملا۔ اس وقت گو کہ مسلمان زیادہ مضبوط نہ تھے مگر اب وقت آ گیا تھا کہ نئی اسلامی ریاست کی بنیاد کو مضبوط کیا جائے جس کے لیے کھلے بندوں تبلیغ کا کام بہت ضروری تھا۔ جس کے لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو جہاد کا حکم دیا جب مسلمان اس سے قدرے پریشان ہوئے۔ کیونکہ ان کی تعداد اور سامان جنگ نہ ہونے کے برابر تھا تو اس پر رب العزت نے فرمایا کہ تم گھبراؤ نہیں، ہو سکتا ہے تم جنگ کو مشکل سمجھ رہے ہو جو کہ اللہ کے حکم سے تمہارے لیے آسان اور انتہائی فائدہ مند ثابت ہو۔ یہ مصلحت تو اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس وقت تمہاری ترقی، مضبوطی اور کامیابی اسی میں ہے کہ باطل کے خلاف جنگ کرو، رب العزت علیم وخبیر ہے وہ خوب جانتا ہے کہ تمہارے لیے کیا بہتر ہے اور کیا برا ہے اور جب انسان کا یقین کامل اور ایمان مضبوط ہو تو پھر وہ اپنی ہر چیز حتیٰ کہ جان تک اللہ کی راہ میں قربان کرنے کو تیار ہو جاتا ہے۔ انسان جانتا ہے کہ مال بھی اسی کا دیا ہوا ہے اولاد بھی۔ تو پھر کیوں نہ اس کو اسی کے لیے قربان کر کے ہمیشہ کی زندگی اور جنت میں ٹھکانہ حاصل کیا

جائے۔ یہی ہے جذبہ جہاد جس کی بناء پر شہید کو مردہ کہنا منع ہے، کیونکہ وہ مرتا نہیں بلکہ حیات جاودانی پالیتا ہے اور اسے رزق دیا جاتا ہے جس کا ہمیں شعور وادراک نہیں ہوتا اور اگر شہید نہ ہو تو غازی کہلاتا ہے اس آیت میں جنگ کا حکم دیا گیا، تاکہ اسلام کی ترقی سے دنیا امن وسکون کا گھر بن جائے اور اسلام کی ترقی ہو سکے اور شر وفساد کا خاتمہ ہو جائے۔

## ماہ حرام میں جنگ، مرتد کی سزا اور یتیموں کے بارے احکام

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَ صَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ كُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَ اِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَ الْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَ لَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَ مَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَ هُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ۚ وَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿217﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ الَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَ جٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿218﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَ الْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّ مَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَ اِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ۬ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۙ ﴿219﴾ فِي الدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةِ ؕ وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَ اِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَ لَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿220﴾

لوگ پوچھتے ہیں ماہ حرام میں لڑنا کیسا ہے۔ کہو اس میں لڑنا بہت برا ہے مگر اللہ کی راہ سے لوگوں کو روکنا اور اللہ سے کفر کرنا اور اللہ والوں پر مسجد حرام کا راستہ بند کرنا اور حرم کے رہنے والوں کو وہاں سے نکالنا اللہ کے نزدیک اس سے بھی برا ہے اور فتنہ خونریزی سے شدید تر ہے اور وہ تو تم سے لڑے ہی جائیں گے حتیٰ کہ اگر ان کا بس چلے تو تمہیں اس دین سے پھیر لے جائیں تم میں سے جو کوئی اس دین سے پھرے گا اور کفر کی حالت میں مرجائے گا اس کے اعمال دنیا وآخرت دونوں میں ضائع ہو جائیں گے۔ ایسے سب لوگ جہنمی ہونگے اور ہمیشہ جہنم ہی میں رہیں گے۔ ﴿217﴾ بخلاف اس کے جو لوگ ایمان لائے ہیں اور جنہوں نے اللہ کی راہ میں اپنا گھربار چھوڑا اور جہاد کیا وہ رحمت الٰہی کے جائز امیدوار ہیں۔ اللہ ان کی لغزشوں کو معاف کرنے والا اور اپنی رحمت سے انہیں نوازنے والا ہے۔ ﴿218﴾ پوچھتے ہیں شراب اور جوئے کا کیا حکم ہے؟ کہو ان دونوں چیزوں میں بڑی خرابی ہے۔ اگرچہ ان میں لوگوں کے لیے کچھ نفع بھی ہے۔ مگر ان کا گناہ ان کے فائدہ سے بہت زیادہ ہے۔ پوچھتے ہیں ہم اللہ کی راہ میں کیا خرچ کریں؟ کہو جو

تمہاری ضرورت سے زیادہ ہو۔اس طرح اللہ تمہارے لیے صاف صاف احکام بیان کرتا ہے۔شاید کہ تم دنیا وآخرت دونوں کی فکر کرو۔﴿219﴾ پوچھتے ہیں یتیموں کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ کہو جس طرز عمل میں ان کے لیے بھلائی ہو وہی اختیار کرنا بہتر ہے۔ اگر تم اپنا اور ان کا خرچ اور رہنا سہنا مشترک رکھو تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔آخر وہ تمہارے بھائی بند ہی تو ہیں۔برائی کرنے والے اور بھلائی کرنے والے دونوں کا حال اللہ پر روشن ہے۔اللہ چاہتا تو اس معاملہ میں تم پر سختی کرتا،مگر وہ صاحب اختیار ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب حکمت بھی ہے۔﴿220﴾

تشریح: آیت 217 کا شان نزول یہ ہے کہ ایک مرتبہ سفر کے دوران کفار اور چند صحابیوں کی آپس میں لڑائی ہوگئی اور ایک مشرک مارا گیا۔یہ لڑائی جمادی الثانی کی 30 تاریخ کو ہوئی جو کہ بعد میں معلوم ہوا کہ جمادی الثانی کا مہینہ 29 دنوں کا ہو گیا تھا۔اس لیے لڑائی یکم رجب کو ہوگئی اور یہ مہینہ حرمت والا مہینہ تھا یہ صرف غلطی کی بناء پر ہو گیا تھا لیکن کفار کو تو بہانہ چاہیے تھا مسلمانوں پر طعنہ زنی کرنے کا کہ دیکھو مسلمان حرمت والے مہینوں کا بھی احترام نہیں کرتے تو وہ صحابہ آنحضرت ﷺ کے پاس گئے اور دریافت کیا کہ یہ غلطی بے خبری میں ہوگئی ہے۔اب کیا حکم ہے؟اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ غلطی میں گناہ معاف ہوتا ہے،حرمت کا خیال نہ رکھنا بری بات ہے لیکن غلطی ہو جائے تو معاف ہوسکتا ہے۔دوسری بات یہ کہ پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ اگر حرمت والے مہینوں میں اور حرمت والی جگہ پر کفار جنگ شروع کریں تو تم بھی دفاعی جنگ کر سکتے ہو۔محرم رجب،ذی قعدہ،ذی الحجہ یہ چار مہینے حرمت والے ہیں۔تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے۔

اللہ رب العزت نے وضاحت سے فرمادیا کہ غلطی سے جو ہوا وہ معاف ہے مگر یہ کفار جو جان بوجھ کر کر رہے ہیں مثلاً اللہ کی راہ سے روکنا یعنی اسلام قبول کرنے پر اذیتیں دینا،مارنا پیٹنا اور پھر بیت اللہ میں داخل ہونے سے روکنا۔اللہ کی عبادت میں رکاوٹیں کھڑی کرنا پھر مسلمانوں پر اس قدر ظلم کئے کہ وہ اپنا سب کچھ چھوڑ کر مکہ سے مدینہ ہجرت کرنے پر مجبور ہو گئے۔فساد غارت گری اور دین سے منع کرنا یہ سب فتنے کفار خوب زور وشور سے کر رہے تھے۔تو رب العزت فرماتے ہیں کہ جب فتنہ اس قدر بڑھ جائے تو قتل کرنا واجب ہو جاتا ہے۔کیونکہ فتنہ قتل سے بڑھ کر ہے اسے روکنے کے لیے قتل جائز ہے۔تاکہ امن ہو جائے۔

اس آیت میں وضاحت سے بتایا جا رہا ہے کہ کفار تو ہر وقت اور ہر صورت میں مسلمانوں سے لڑتے رہیں گے،کیونکہ اسلام کے اصول وقوانین اور عقائد ان سے بالکل علیحدہ ہیں۔یہ کمزوروں پر ظلم کرتے ہیں،بتوں کو پوجتے ہیں،شراب پیتے ہیں،جوا کھیلتے ہیں۔غرض ان کی ہر بات اسلام سے مختلف ہے۔اسی لیے وہ اپنی پوری کوشش کرتے رہتے تھے کہ مسلمانوں کو اس حد تک تنگ کریں کہ وہ اسلام قبول کرنے سے باز آجائیں۔اسلام کو چھوڑ کر دوبارہ کفر کی راہ اختیار کرلیں تو اللہ تعالیٰ تنبیہ کرتے ہیں کہ اگر کوئی شخص گھبرا کر یا کسی بھی وجہ سے دوبارہ کافر ہو گیا تو اس کی سزا بڑی سخت ہے کفر کی حالت میں اگر وہ مرگیا تو اس کے تمام عمل ضائع ہو

جائیں گے اور آخرت میں بھی ایسے لوگوں کو ہمیشہ ہمیشہ دوزخ کا عذاب دیا جائے گا۔ اگر کوئی شخص مرتد ہو جائے اور پھر مرنے سے پہلے مسلمان ہو جائے تو ایسے شخص کی توبہ قبول ہو سکتی ہے، لیکن اگر کوئی کفر کی حالت میں ہی مر جائے تو جو اچھے اعمال اس نے قبول اسلام کے بعد کئے تھے۔ ان کا بدلہ بھی اس کو کچھ نہ ملے گا۔ اس لیے اس نے دنیا بھی کھو دی اور آخرت بھی کھو دی، تو مسلمانوں کو چاہیے کہ دین اور ایمان پر ڈٹے رہیں، کیونکہ اللہ جل شانہ نے بار بار اعلان کیا ہے کہ جس طرح غلطی سے صحابہ کرام سے حرمت والے مہینے میں کافر کا قتل ہو گیا تھا جو کہ انہوں نے صرف اور صرف فتنہ کو ختم کرنے کے لیے اللہ کی فرمانبرداری کیلئے جہاد کی صورت میں کیا تھا تو ان کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں وہ اللہ کی رحمت اور اجر و ثواب کے پورے پورے مستحق ہیں، کیونکہ وہ ایمان لائے انہوں نے ہجرت کی اور پھر اللہ کی راہ میں جہاد کیا۔ اس لیے ان کی غلطی معاف ہو چکی ہے۔ اللہ تو بہت ہی بخشنے والا اور مہربان ہے۔ ایمان، ہجرت اور جہاد یہ تو مسلمان کی ڈھال ہیں۔

ایمان! اقرار تصدیق اور عمل کا نام ہے۔ (کتاب فردوس) ایمان کی انتہاء پرہیز گاری ہے۔ (مسند احمد)

جہاد کی فضیلت میں حدیث ہے ابو عبس جن کا نام عبدالرحمٰن بن جبر تھا بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

جس بندے کے دونوں پاؤں اللہ کی راہ میں (چلنے کے باعث) غبار آلود ہو جائیں اسکو آگ نہیں چھوئے گی۔ (بخاری)

اگلی آیت 219 میں شراب اور جوئے کے بارے میں احکامات ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو صحابہ آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں ان کو بتا دیں کہ یہ دونوں چیزیں اخلاق کو خراب کرنے والی ہیں۔ ان میں تھوڑے سے فائدے ہیں مگر نقصانات زیادہ ہیں اور اس آیت میں مصلحت کے طور پر ان دونوں چیزوں کو فوری طور پر حرام قرار نہیں دیا گیا ان لوگوں میں شراب کی عادت بہت پرانی تھی اور نشہ کی عادت فوراً چھوڑ دینا آسان کام نہیں اس لیے انسانی فطرت کو مدنظر رکھتے ہوئے سب سے پہلی آیت جو شراب کے بارے میں اتری اس میں صرف برائی، نقصان اور ناپسندیدگی کا ذکر کیا گیا پھر آہستہ آہستہ مختلف آیات اور واقعات کی روشنی میں شراب کو حرام قرار دے دیا گیا اور اس کو ام الخبائث یعنی تمام برائیوں کی ماں کہا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

شراب اور ایمان جمع نہیں ہو سکتے۔ (نسائی)

اس آیت میں صرف خرابی کا ہی ذکر کیا گیا ہے۔ اور گناہ کہا گیا ہے۔ نقصانات تو بے شمار ہیں یہاں تھوڑے سے بیان کئے جاتے ہیں۔ مثلاً انسان اپنے ہوش و حواس میں نہیں رہتا، گالیاں بکتا ہے، ناپاکی، حرام کاری اور فرائض سے غفلت اس کی عادت بن جاتی ہے۔ صحت، اخلاق اور معاشی نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ شراب معدہ، جگر اور گردوں کو تباہ کر دیتی ہے۔ پیسہ برباد ہو جاتا ہے اور پھر نشہ پورا کرنے کے لیے انسان اخلاق سے گری ہوئی حرکتیں کر ڈالتا ہے، چوری، ڈاکہ، قتل اور دنگا فساد اس کیلئے معمولی بات ہو جاتی ہے اور یوں معاشرے میں نہ اس کی عزت رہتی ہے اور نہ وقار، غرض ایک اچھی عقل رکھنے والا انسان ضرور اس فیصلہ پر پہنچ جاتا

ہے کہ شراب گندگی ہے، شیطانی کام ہے، زہر ہے جو انسان کی تباہی اور بربادی کا ذریعہ بنتی ہے، شراب اور جوئے کی ممانعت آہستہ آہستہ چار مختلف آیات میں نافذ کی گئی ہے جو آئندہ بیان کی جائے گی۔ تاکہ اس عادت کو چھوڑنا مشکل نہ ہو۔ آہستہ آہستہ اس کی برائیاں عملی طور پر بیان کی گئی ہیں اس کے فائدے برائے نام ہیں۔ اسی لیے صاف کہا گیا ہے کہ فائدہ کی نسبت گناہ زیادہ ہے، فائدے یہ ہیں لذت وفرحت ہوتی ہے، قوت میں عارضی اضافہ ہوتا ہے، رنگ صاف ہو جاتا ہے، تھوڑی سی دیر کے لیے غموں کو بھلا دیتی ہے، مگر یہ فائدے اتنے عارضی اور برائے نام ہیں کہ گناہ کے سمندر میں بالکل غائب ہو جاتے ہیں اسی طرح جوا انسان کو کبھی تھوڑی سی کامیابی دیتا ہے مگر انسان کی مالی حالت تباہ کر دیتا ہے، لوٹ مار، چوری، قتل وغارت گری، فساد عیاشی اور فضول خرچی کا عادی بنا دیتا ہے۔ ظاہر ہوا کہ جوئے کے فائدے گناہ کے مقابلہ میں برائے نام ہیں، جوئے کی مختلف شکلیں ہیں، مثلاً گھوڑ دوڑ کی شرطیں، لاٹری، سٹے بازی، اور چوسر وغیرہ اسی طرح شرط پر جانوروں کا لڑانا بہت بے رحمی کا کام ہے، جس سے رسول اللہ ﷺ نے منع فرمایا: جانوروں میں لڑائی کروانا ان پر ظلم کرنا ہے جو اللہ کو پسند نہیں۔ (گلدستہ احادیث بحوالہ ابن عباس)

آیت 215 میں پوچھا گیا ہے کہ کہاں خرچ کریں جو تفصیل سے بیان کر دیا گیا ہے۔ اب یہاں پوچھتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں کیا خرچ کریں؟ یہاں انسانی سوسائٹی کو مضبوط کرنے کا بہترین اصول بتایا گیا ہے۔ یعنی ایسا نظام کہ جس سے قوم بیکاری اور غربت سے بچ سکے اور پھر اس طرح قوم کو ان تمام برائیوں سے بچایا جا سکتا ہے جو غربت، بھوک اور بیکاری سے پیدا ہو جاتی ہیں اور وہ نظام یا قانون یہ بتایا گیا ہے کہ ہر شخص جائز اور محنت سے روپیہ کمائے۔ اپنی تمام جائز اور ضروری حاجات کو پورا کرنے کے بعد جو بھی رقم بچ جائے اس کو ضرورت مند، غربا اور مستحق لوگوں میں تقسیم کر دے یہاں جو "اَلْعَفْوَ" کا لفظ استعمال ہوا ہے اس کا مطلب ہے۔ Surplus یعنی ضروریات سے زیادہ مال اپنے پاس رکھنے کی بجائے تقسیم کر دیا جائے۔ یہ بہت امیر اور بہت غریب طبقہ کو ختم کرنے کا بہترین اصول ہے جو قرآن پاک میں بتایا گیا ہے اس کے لیے زندگی گزارنے کے اصول، آخرت کی فکر نیکی اور بدی کے تمام راستے قرآن پاک میں مسلمانوں کو اچھی طرح بتا دیئے گئے ہیں اور بار بار تاکید کی گئی ہے کہ قرآن پاک کے تمام بیانات کو خوب غور سے پڑھو، سمجھو اور ان پر عمل بھی کرو، تاکہ دنیا وآخرت میں خوشیاں، کامیابیاں سکون اور عزت واحترام حاصل ہو، کیونکہ کلام الٰہی اور احکام الٰہی بڑے ہی فائدہ مند اور بہترین ہیں۔ یتیموں کے مال اور ان کی اصلاح وتربیت کے بارے میں پہلے بتایا گیا تھا کہ جو یتیم کے مال میں گڑ بڑ کرے گا تو گویا وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرے گا اس پر صحابہ ڈر گئے تو انہوں نے آنحضرت ﷺ سے اور بھی وضاحت چاہی جس پر یہ آیت نازل ہوئی اس میں جواب دیا گیا ہے کہ اصل مقصد تو یتیموں کی اصلاح کرنا ہے جس طرح بھی ممکن ہو، کوئی بھی راستہ اختیار کر لو یتیم کا خرچہ چاہے اپنے ساتھ رکھ لو یا علیحدہ رکھ لو مگر نیت صرف یتیم کی بہتری اور اس کی مکمل اصلاح ہی ہو۔ پھر ان کو بھائی کہا گیا ہے مقصد یہ ہے کہ یتیموں کو کوئی علیحدہ مخلوق نہ سمجھو، بلکہ ان کے ساتھ خلوص، نیک نیتی اور محبت سے وہی سلوک کرو جو تم اپنے بھائیوں کے ساتھ کرتے ہو۔ یہ حکم تم لوگوں کو مشکل سے بچانے کے لیے دیا گیا ہے۔ تاکہ یہ فرض تم آسانی اور سہولت سے ادا کر سکو بیشک اللہ تعالیٰ

زبردست تدبیر کرنے والا ہے۔ وہ بندوں کو آسان اور اچھے اصول بتاتا ہے تاکہ لوگ خواہ مخواہ کی پریشانی میں نہ پڑیں۔

## نکاح کے مسائل

وَ لَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَ لَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَ لَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَ لَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّ لَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَ اللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَ الْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿221﴾ ع 27/5/11

تم مشرک عورتوں سے ہرگز نکاح نہ کرنا، جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔ ایک مومن لونڈی، مشرک شریف زادی سے بہتر ہے۔ اگرچہ وہ تمہیں زیادہ پسند ہو۔ اور اپنی عورتوں کے نکاح مشرک مردوں سے کبھی نہ کرنا، جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں ایک مومن غلام مشرک مرد سے بہتر ہے اگرچہ وہ تمہیں پسند ہو۔ یہ لوگ تمہیں آگ کی طرف بلاتے ہیں اور اللہ اپنے اذن سے تمہیں جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے اور وہ اپنے احکام واضح طور پر لوگوں کے سامنے بیان کرتا ہے، شائد کہ وہ نصیحت قبول کرلیں۔ ﴿221﴾

**تشریح:** اس آیت میں نکاح کے بارے میں مسلمانوں کو ہدایات اللہ کی طرف سے بڑی تفصیل سے دی گئی ہیں۔ کیونکہ نکاح کی وجہ سے میاں بیوی اور پھر بچے یعنی ایک خاندان بنتا ہے اور خاندان ہی ملک وقوم کی اچھی یا بری بنیاد بنتے ہیں اس میں سب سے پہلی چیز یہ ہے کہ میاں بیوی کی آپس میں صلح صفائی ہو یعنی ان کے خیالات اور عقائد ایک جیسے ہوں۔ عقائد، تہذیب، رہن سہن اس کا بہت سا انحصار مذہب پر ہے۔ اسی لیے اللہ جل شانہ نے حکم دیا ہے کہ مشرک عورت سے ہرگز نکاح نہ کرو چاہے وہ تمہیں کتنی ہی اچھی کیوں نہ لگتی ہو۔ یعنی بے شک خوبصورت، مالدار، پڑھی لکھی اور بڑے خاندان سے تعلق رکھتی ہو۔ اس کے مقابلہ میں ایک لونڈی بہتر ہے جو مسلمان ہو۔ اسی طرح مسلمان عورت کے لیے حکم ہے کہ مشرک مرد سے ہرگز نکاح نہ کرے چاہے وہ اس کو کتنا ہی اچھا کیوں نہ لگے۔ اس سے بہتر ہے کہ کسی غلام مسلمان سے شادی کرلی جائے اور اسی طرح یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ مردوں کو چاہیے کبھی بھی اپنی عورتوں کا نکاح کسی بھی مشرک مرد سے نہ کریں۔ کیونکہ اس طرح میاں بیوی کی ہر وقت کی مخالفت، آپس کی لڑائی سے اور گھر میں ناچاکی کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ کیونکہ میاں بیوی کے بہتر تعلقات اور باہمی ہم آہنگی سے اولاد پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے اور ان کے خیالات، عقیدے بچوں کو بہترین ماحول میں پرورش کرنے کے لیے مددگار ثابت ہو سکتے ہیں اور یوں وہ ملک وقوم کے بہترین شہری بن کر خود بھی کامیاب ہو سکتے ہیں اور پورے ماحول کو بھی پاک صاف اور پرامن رکھ سکتے ہیں۔ اس آیت کے شروع میں اس بات کی اجازت دی گئی ہے کہ اہل کتاب عورت اور مرد سے شادی جائز ہے مگر بہتر نہیں۔ بلکہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو اس کو

ناپسند فرمایا ہے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ اگر کوئی عورت مسلمان تھی نکاح کے بعد کافر ہوگئی تو نکاح ٹوٹ جائے گا اسی طرح اگر کوئی مرد مسلمان تھا مگر بعد میں کافر ہوگیا تو اس کا نکاح بھی خود بخود ٹوٹ جائے گا۔لیکن اگر کوئی مشرک عورت یا مرد مسلمان ہو جائے تو پھر اس سے نکاح کی اجازت ہے۔ان تمام احکامات کی وجوہات اوپر بیان کردی گئی ہیں اسی لیے آیت کے آخر میں بحث کو سمیٹ کر نتیجہ بتا دیا گیا ہے کہ کافر اور مشرک اپنے مذہب اور عقیدوں کی وجہ سے تمہیں جہنم کی طرف بلاتا ہے۔جبکہ اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے،اسی لیے رب العزت نے یہ نکاح کا مسئلہ تم پر اچھی طرح واضح کر دیا ہے۔تا کہ تم اس کو سمجھو،غور فکر کرو اور پوری طرح عمل کر کے نجات پاؤ۔ذیل کی حدیث بیان ہوئی کہ جن خواتین میں یہ صفات ہوں وہ حضور ﷺ کی نگاہ میں پسندیدہ ہیں۔مثلاً نیکی،دینداری،طبیعت کا محبت کرنے والا ہونا،زیادہ صاحب اولاد ہونا۔(ریاض الصالحین بحوالہ مسلم)

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دنیا متاع ہے اس کی سب سے بہتر متاع نیک عورت ہے۔(ریاض الصالحین بحوالہ مسلم)

ثابت ہوگیا کہ باقی تمام احکامات کی طرح نکاح کا حکم بھی اتنا اچھا،آسان اور سادہ ہے کہ اگر اس پر عمل کریں تو بے شمار الجھنوں، پریشانیوں اور دقتوں سے انسان بچ سکتا ہے۔اگلی آیت میں عورتوں کے ایک اور بڑے اہم مسئلہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

## احکام حیض

وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَ لَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَ يُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿222﴾ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۪ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۫ وَ قَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ؕ وَ بَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿223﴾

لوگ آپ سے پوچھتے ہیں حیض کا کیا حکم ہے کہو وہ ایک گندگی کی حالت ہے اس میں عورتوں سے الگ رہو اور ان کے قریب نہ جاؤ جب تک کہ وہ پاک صاف نہ ہو جائیں پھر جب وہ پاک ہو جائیں تو ان کے پاس جاؤ۔اس طرح جیسا کہ اللہ نے تم کو حکم دیا ہے۔ اللہ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو توبہ کریں اور پاکیزگی اختیار کریں۔﴿222﴾ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں، تمہیں اختیار ہے جس طرح چاہو اپنی کھیتی میں جاؤ مگر اپنے مستقبل کی فکر کرو اور اللہ کی ناراضی سے بچو، خوب جان لو کہ تمہیں ایک دن اس سے ملنا ہے اور اے نبی ﷺ جو تمہاری ہدایات کو مان لیں انہیں فلاح و سعادت کا ثمرہ سنا دو۔﴿223﴾

تشریح: اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں یہودی عورتوں کے ماہواری کے دنوں میں ان کے ہاتھ کا کھانا، پینا ان کے قریب بیٹھنا حتیٰ کہ ان کو گھر میں رکھنا بھی پسند نہ کرتے تھے۔دوسری طرف عیسائی اس دوران عورتوں سے بے

تکلفی بھی کرتے تھے تو صحابہ کرام نے آپ ﷺ سے اس مسئلہ کے بارے میں پوچھا تو رب العزت جواب دیتے ہیں کہ یہ ماہواری کا خون گندگی کہلاتی ہے۔اس کے بارے میں رب العزت نے بڑا اچھا حکم دیا ہے جو کہ طہارت اور صحت انسانی کے لیے ضروری اور درست حکم ہے۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ حیض کے دوران عورتوں کو اس قدر ناپاک نہ سمجھو کہ ان کے ہاتھ کا کھانا چھوڑ دو ان کو گھر سے نکال دو بلکہ صرف یہ خیال رکھو کہ ان سے ہم بستری نہ کی جائے، کیونکہ یہ ناقص خون، رنگ اور بو میں صاف خون سے مختلف ہوتا ہے اور اس میں حد درجہ گرمی ہوتی ہے اس لیے طبی لحاظ سے اختلاط انتہائی نقصان دہ ہے اسی لیے ان ایام میں بے تکلفی منع کی گئی ہے۔ویسے عورت کے ہاتھ سے کھائیں پئیں اس پر کوئی پابندی نہیں اور فرمایا کہ جب یہ گندہ خون آنا بند ہو جائے تو پھر عورت کو چاہیے کہ غسل کر کے پاک صاف ہو جائے تو پھر جائز اور مناسب طریقے سے میاں بیوی آپس میں بے تکلف ہو سکتے ہیں۔کیونکہ یہ انسانی فطرت کے لیے ضروری ہے اور فرمایا کہ اگر کوئی شخص ماضی میں اس حکم کے خلاف عمل کرتا رہا ہے تو اسے چاہیے کہ اللہ سے معافی مانگ لے وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔لیکن آئندہ پاکی اور ناپاکی کا خیال ضرور کرے۔کیونکہ رب العزت پاک صاف رہنے والوں کو بہت زیادہ پسند کرتا ہے اس کے بعد میاں بیوی کے مقدس رشتے کو اللہ تعالیٰ نے بڑے خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے اور عورت کو مرد کی کھیتی کہہ کر یہ واضح کر دیا ہے کہ عورت مرد کی عزیز ترین دولت ہے جس طرح ایک کسان اپنی کھیت کی حفاظت کرتا ہے اسی طرح مرد کو چاہیے کہ اپنی بیوی کی حفاظت کرے اس کو مکمل تحفظ دے اور اپنی بیوی کے ذریعہ اولاد حاصل کرے اور نیک اولاد کے لیے اللہ سے دعا کرے جیسا کہ کسان بیج بونے کے بعد اچھی فصل کیلئے دعا کرتا ہے انسان کو چاہیے کہ ہر کام کو کرتے وقت اپنے مستقبل کو بہترین بنانے کی کوشش کرے۔تقویٰ کی تاکید قرآن پاک میں بار بار کی جارہی ہے۔یہاں پھر حکم دیا جارہا ہے کہ انسان کو چاہیے ہر حال میں سوتے، جاگتے، کھاتے پیتے، اٹھتے بیٹھتے اور چلتے پھرتے ہر وقت اللہ کو یاد کرتا رہے اور اللہ سے ڈرتا رہے اور ہر وقت یہ خیال میں رکھے کہ اس فانی دنیا کے بعد اس کو اللہ سے ملاقات کرنی ہے۔پھر آنحضرت ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو بھی میرے حکم کے مطابق زندگی گزارے تقویٰ اختیار کرے مجھ سے ڈرے اور پرہیزگاری کی زندگی گزارے تو اس کو خوشخبری سنا دو کہ آخرت میں اس کو بہترین اجر دیا جائے گا۔دوزخ سے بچا کر جنت میں جگہ دی جائے گی۔

## قسم کے احکامات

وَ لَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَ تَتَّقُوْا وَ تُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْۤ اَيْمَانِكُمْ وَ لٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾

اللہ کے نام کو ایسی قسمیں کھانے کے لیے استعمال نہ کرو جس سے مقصود نیکی اور تقویٰ اور بندگان خدا کی بھلائی کے کاموں سے باز رہنا ہو۔ اللہ تمہاری ساری باتیں سن رہا ہے اور سب کچھ جانتا ہے (224) جو بے معنی قسمیں تم بلا ارادہ اٹھا لیا کرتے ہو اس پر اللہ گرفت نہیں کرتا مگر جو قسمیں سچے دل سے کھاتے ہو ان کی باز پرس وہ ضرور کرے گا اللہ بہت درگزر کرنے والا اور بردبار ہے۔ (225)

تشریح: اس آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کے پاک نام کو بلا وجہ قسمیں کھانے کے لیے ہرگز استعمال نہ کیا کرو۔ خاص طور سے ایسے کاموں کے نہ کرنے کی قسم کہ جس سے لوگوں میں نیکی رکے اور گناہ پھیلے۔ مثلاً کوئی شخص قسم کھائے کہ فلاں شخص سے لڑائی ہے میں اس کو کبھی نہ ملوں گا اور پھر قسم کھانے کے بہانہ سے مدتوں لڑائی رہتی ہے جس کی وجہ سے خواہ مخواہ تلخی بڑھتی رہتی ہے اس لیے قسم کھانے سے منع کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا مالک ہے عظمت و جلال والا ہے بھلا اس کی شان اور بزرگی والے نام کو یوں برے کاموں کے کرنے پر گواہ بنانا کس قدر بری بات ہے اس لیے اگر کوئی شخص قسم اٹھائے اور پھر احساس ہو جائے تو قسم توڑ دینی چاہیے مگر اس کا کفارہ ادا کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ کفارہ یہ ہے کہ دس مسکینوں کو کھانا کھلائیں یا ان کو کپڑے پہنائیں، اگر اس کی طاقت نہیں تو ایک غلام آزاد کریں اور اگر اس کی طاقت نہیں تو تین دن کے روزے رکھیں پھر ایک رعایت یہ دی گئی ہے کہ جو لوگ عادتاً ہر وقت قسم اٹھاتے رہتے ہیں تو ان کی نیت کو اللہ خوب جانتا ہے۔ ایسی قسموں پر کفارہ فرض نہیں لیکن یہ عادت ناپسندیدہ ہے اس عادت سے بچنا چاہیے۔

## طلاق کے بارے میں

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (226) وَ اِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ (227)

جو لوگ اپنی عورتوں سے تعلق نہ رکھنے کی قسم کھا بیٹھتے ہیں، ان کیلئے چار مہینے کی مہلت ہے اگر انہوں نے رجوع کر لیا تو اللہ معاف کرنے والا اور سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ (226) اور اگر انہوں نے طلاق کی ہی ٹھان لی ہو تو جان لیں اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے۔ (227)

تشریح: "يُؤْلُوْنَ" اس کا مطلب ہے بیوی سے جدا رہنے کی قسم کھانا، عربوں میں رواج تھا کہ جب دل کیا شوہر ایلا کر لینے کے بعد بیوی کی تمام ذمہ داریوں سے آزاد ہو جاتا۔ یعنی ایک طرح سے طلاق ہی ہو جاتی تھی۔ اسلام نے اس دستور میں تبدیلی کر دی اور یہ بتایا کہ یہ فیصلہ طلاق ظاہر نہیں کرتا، بلکہ اس کا مطلب ہے کہ سوچ بچار کر لی جائے اور اس کے لیے چار ماہ کی مدت مقرر کر دی گئی ہے اس دوران شوہر اگر نیک نیتی سے فیصلہ کرتا ہے کہ گزارہ ہو سکتا ہے تو ٹھیک ہے، قسم کا کفارہ ادا کر کے بیوی سے صلح صفائی کر لی جائے اس سارے معاملہ میں اگر صاف ارادے اور خلوص سے مسئلہ طے کیا جائے تو اللہ بڑا مہربان ہے بے حد بخشش کرنے والا ہے لیکن اگر شوہر دیکھتا ہے کہ آپس میں نباہ مشکل ہے یا ایک دوسرے کو برداشت کرنا مشکل ہے تو پھر اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے

کہ طلاق ہو جائے تو بہتر ہے بجائے اس کے کہ تمام زندگی مشکل اور پریشانی میں گزاری جائے۔ یہودیوں میں یہ دستور تھا کہ جب چاہا طلاق دے دی۔ عیسائیوں اور ہندوؤں میں طلاق کی اجازت ہی نہیں مگر اسلام نے درمیانہ راستہ انسان کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔ کیونکہ چھوٹی موٹی جھڑپ میاں بیوی میں ہوتی رہتی ہے۔ لیکن اگر معاملہ مشکل ہو جائے تو زندگی آسان اور مطمئن کرنے کے لیے طلاق کا راستہ رکھا گیا ہے۔ مگر اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ شرط رکھی ہے کہ آدمی یہ نہ سمجھ لے کہ میں مختار کل ہو گیا ہوں اگر وہ ظلم زیادتی سے عورت کو بلا وجہ طلاق دیتا ہے تو اس سے پوچھ ضرور ہوگی۔ سزا ضرور ملے گی کیونکہ اللہ تعالیٰ سے نہ تو کوئی بات چھپی ہوئی ہے اور نہ ہی ڈھکی ہوئی ہے وہ سب کچھ سنتا بھی ہے اور ہر بات کو گہرائی تک جانتا بھی ہے۔ کیونکہ اس کا سننا اور جاننا بے مثال ہے اس کا کوئی اندازہ بھی نہیں کر سکتا اس لیے بیوی سے علیحدہ ہونا پھر طلاق کا فیصلہ کرنا۔ بڑی احتیاط، نیک نیتی اور ایمانداری سے کرنا چاہیے۔ کیونکہ اس کی اجازت اصلاح کے لیے ہے زیادتی کے لیے نہیں۔

## عدت اور بیوی سے رجوع

وَ الْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ وَ لَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَ لِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿228﴾ ع 28/7/12

جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو۔ وہ تین مرتبہ ایام ماہواری آنے تک اپنے آپ کو روکے رکھیں اور ان کے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ اللہ نے ان کے رحم میں جو کچھ خلق کیا ہوا سے وہ چھپائیں انہیں ہرگز ایسا نہ کرنا چاہیے اگر وہ اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتی ہیں۔ اگر ان کے شوہر تعلقات درست کر لینے پر آمادہ ہوں تو وہ اس عدت کے دوران میں پھر اپنی زوجیت میں واپس لے لینے کے حق دار ہیں۔ عورتوں کے لیے بھی معروف طریقہ پر ویسے ہی حقوق ہیں جیسے مردوں کے حقوق ان پر ہیں۔ البتہ مردوں کو ان پر ایک درجہ حاصل ہے اور سب پر اللہ غالب اقتدار رکھنے والا ہے اور اللہ زبردست تدبیر والا ہے۔ ﴿228﴾

**تشریح:** اس آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ اگر شوہر طلاق دے تو بیوی کو چاہیے کہ ماہواری تک انتظار میں رہے یہ جائز نہیں کہ طلاق لیتے ہی دوسری شادی کر لی۔ یہ ماہواری کا انتظار جو اللہ تعالیٰ نے عورت کے لیے مقرر کیا ہے تو اس میں بڑی مصلحت ہے۔ ایک مصلحت تو یہ ہے کہ ہو سکتا ہے غصہ ختم ہونے پر عورت و مرد دوبارہ اکٹھا رہنے کا فیصلہ کر لیں تو اس کی گنجائش اللہ نے رکھی ہے کہ تین ماہواری کے دوران اگر مرد مناسب سمجھے کہ معاملات ٹھیک چل سکتے ہیں تو اس کو حق حاصل ہے کہ بیوی کو واپس لے آئے۔ تین مہینے گزر جانے پر یہ اجازت ختم ہو جاتی ہے۔ مگر بیوی سے کوئی زیادتی کرنے کی ہرگز اجازت نہیں یہ تمام معاملات انتہائی ایمانداری سے کرنے کا حکم ہے۔ عورت کے لیے سختی سے حکم دیا گیا ہے کہ اگر وہ مسلمان ہے اللہ پر ایمان رکھتی ہے اور آخرت پر ایمان رکھتی

ہے تو اس کو یاد رکھنا چاہیے کہ اگر وہ ماں بننے والی ہے تو اس بات کو ہرگز نہ چھپائے بلکہ اس معاملہ کو سب پر ظاہر کر دے۔
اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اسلام کا کوئی قانون بھی مصلحت سے خالی نہیں۔ طلاق کی اجازت صرف آخری تدبیر کے طور پر دی گئی ہے ورنہ اللہ و رسول ﷺ کو ہرگز پسند نہیں کہ میاں بیوی جدا ہو جائیں۔ رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ٹھہرائی ہوئی چیزوں میں سے اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسند چیز طلاق ہے اس لیے سوچ بچار کا موقعہ تین ماہواری یا تین مہینے دیا گیا ہے۔ اس دوران اگر شوہر بیوی کو واپس لانا چاہے تو طلاق کو ختم کر سکتا ہے۔ لیکن اس میں شوہر کو دوبارہ یہ حکم سختی سے دیا گیا ہے کہ اس صلح صفائی میں نیک نیتی اور خلوص کا ہونا ضروری ہے یہ نہ ہو کہ یہ کام کسی بھی صورت سے عورت کو تکلیف پہنچانے اور سزا دینے کے لیے کیا جائے اس کے بعد یہ بھی صاف طور پر اللہ تعالیٰ نے کہا ہے کہ جس طرح مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں اسی طرح عورتوں کے حقوق مردوں پر ہیں۔ میری سمجھ میں یہ آتا ہے کہ دونوں کو اپنے اپنے فرائض پوری دیانتداری سے ادا کرنے چاہئیں جس طرح مرد پر کمانا فرض ہے اسی طرح عورت پر اس کی کمائی کو بہترین طریقہ سے خرچ کرنے کی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ مرد و عورت دونوں کو ایک دوسرے کی خوشی، پسند، ناپسند اور راحت و آرام کا پورا پورا خیال رکھنا چاہیے اسی طرح گھر امن و سکون کی جگہ اور جنت کا نمونہ بن سکتے ہیں۔ ایک ہنستے مسکراتے پرسکون گھر کا راز ہی اس میں ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کے سچے، مخلص اور بہترین ساتھی ہوں۔ جہاں ان باتوں کا خیال میاں اور بیوی نہ رکھیں گے تو وہاں سوائے لڑائی جھگڑے، بے سکونی اور تباہی و بربادی کے اور کچھ نہ ہوگا اس لیے سخت اور مشکل کام مرد کے سپرد کر دیئے گئے اور آسان اور نرم کام عورت کے سپرد کئے گئے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فضیلت دی گئی ہے اور وہ ہے جسمانی طاقت گھر کی سربراہی ورنہ ہر جگہ پر اللہ تعالیٰ نے مردوں کے ساتھ عورتوں کا ذکر ضرور کیا ہے جیسا کہ سورہ احزاب کی آخری آیت میں ہے۔

''اطاعت و عبادت اور اس کی وجہ سے حق تعالیٰ کے قرب رضا اور درجات میں عورتوں کا درجہ مردوں سے کچھ کم نہیں۔''

''تاکہ اللہ منافق مردوں اور منافق عورتوں، مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو عذاب دے اور اللہ مومن مردوں اور مومن عورتوں پر مہربانی کرے اور اللہ تو بخشنے والا مہربان ہے'' (سورہ احزاب کی آیت 73)

مرد کو جو ایک درجہ بلند دیا گیا ہے تو اس میں بھی بڑی حکمتیں ہیں جیسا کہ آیت کے آخر میں آیا ہے ''وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ'' اور اللہ زبردست تدبیر والا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ''مردوں کو اللہ تعالیٰ نے عورتوں کے مقابلہ میں ایک درجہ زیادہ دیا ہے'' اس لیے ان کو زیادہ تحمل سے کام لینا چاہیے اگر عورتوں سے کوئی کوتاہی ہو بھی جائے تو ان کا درجہ یہ ہے کہ یہ اس کو برداشت کریں اور صبر سے کام لیں اور ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کریں''۔ (قرطبی)

اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کو جان لینا اور پوری طرح ان کو سمجھ کر بیان کرنا ایک انسان کے بس میں نہیں، مگر یہ ضرور پتہ چلتا ہے کہ عورت کو جو تحفظ، عزت اور جو وقار اسلام نے دیا ہے وہ کسی اور مذہب نے نہیں دیا۔ عورت کو ہر طرح سے محفوظ و مامون کر دیا گیا ہے تو ظاہر

ہے اس کی حفاظت، کفالت اور ہر طرح سے نگرانی کے لیے اس سے زیادہ مضبوط انسان ہونا چاہیے جو اللہ نے اپنے فضل و کرم اور مہربانی سے مرد کو بنا دیا ورنہ دینی کاموں، نیکی اور پرہیزگاری میں مرد اور عورت بالکل برابر ہیں۔

اسلام نے جو برابری عورت اور مرد کو دی ہے وہ کسی اور مذہب میں نہیں دی گئی۔ بلکہ ایران میں عورت کو زن (مار) کہتے ہیں۔ انگلش میں Wo Man (مرد کے لیے غم) یعنی نام سے ہی عورت کو حقیر بنا دیا گیا ہے۔ فرانس میں 586 میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ عورت انسان ہے، مگر ایسا انسان جو محض مرد کی خدمت گزاری کے لیے بنایا گیا ہو۔ لیکن قرآن پاک نے مختصر الفاظ میں فیصلہ کر دیا ہے۔ ''عورتوں کا بھی دستور کے مطابق مردوں پر حق ہے جیسے مردوں کا ان پر ہے''۔ پھر سورہ البقرہ آیت 187 میں عورت اور مرد کو ایک دوسرے کا لباس کہا گیا ہے۔ یہ اسلام کی طرف سے عورت پر بہت بڑا احسان ہے اور انسانی ترقی کا بہت زبردست اصول بھی ہے۔ اگلی آیت میں طلاق کے باقی مزید احکامات کے بارے میں بتایا جا رہا ہے

## خلع اور رجوع کی صورت

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّاۤ اَنْ يَّخَافَاۤ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿229﴾ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَاۤ اَنْ يَّتَرَاجَعَاۤ اِنْ ظَنَّاۤ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿230﴾

طلاق دو بار ہے پھر یا تو سیدھی طرح عورت کو روک لیا جائے یا بھلے طریقہ سے اس کو رخصت کر دیا جائے (اور رخصت کرتے ہوئے ایسا کرنا) تمہارے لیے جائز نہیں ہے کہ جو کچھ تم انہیں دے چکے ہو، اس میں سے کچھ واپس لے لو۔ البتہ یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ زوجین کو اللہ کی حدود پر قائم نہ رہ سکنے کا اندیشہ ہو۔ ایسی صورت میں اگر تمہیں یہ خوف ہو کہ وہ دونوں حدود الٰہی پر قائم نہ رہ سکیں گے، تو ان دونوں کے درمیان یہ معاملہ ہو جانے میں مضائقہ نہیں کہ عورت اپنے شوہر کو کچھ معاوضہ دے کر علیحدگی حاصل کر لے۔ یہ اللہ کے مقرر کردہ حدود ہیں، ان سے تجاوز نہ کرو اور جو لوگ حدود الٰہی سے تجاوز کریں وہی ظالم ہیں۔ ﴿229﴾ اگر طلاق دے دی تو وہ عورت پھر اس کے لیے حلال نہ ہو گی سوائے اس کے کہ عورت کا نکاح کسی دوسرے سے ہو پھر وہ اُس کو طلاق دیدے پھر اگر پہلا شوہر اور یہ عورت خیال کریں کہ حدود اللہ پر قائم رہیں گے تو وہ رجوع کر سکتے ہیں یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں جو اللہ جاننے والے لوگوں پر واضح کر رہا ہے ﴿230﴾

تشریح: اسلام سے پہلے یہ بری عادت تھی کہ بعض غلط آدمی جب چاہتے اور جتنی بار چاہتے بیوی کو طلاق دے دیتے اور پھر صلح کر لیتے تو اس خرابی اور ظلم کو روکنے کے لیے حکم دیا گیا کہ صرف دو بار طلاق کے بعد عورت کی واپسی ہو سکتی ہے۔ صاف طور پر بتا دیا گیا ہے کہ دو طلاق تک یہ اختیار دیا گیا ہے کہ مرد اگر چاہے تو عدت کے دوران دستور کے مطابق عورت کو رکھ لے اور اگر نہ چاہے تو بھلائی کے ساتھ عورت کو چھوڑ دے لیکن اگر عدت پوری ہو جائے تو پھر واپسی کی صورت باقی نہیں رہتی۔ ہاں اگر دونوں راضی ہوں کہ آئندہ خوش و خرم رہ سکیں گے تو پھر نئے نکاح کے ساتھ رجوع کرنے کی گنجائش ہوتی ہے۔ لیکن اگر تیسری طلاق بھی دے دی جائے تو پھر دوبارہ نکاح کی گنجائش کچھ ضروری شرائط پوری کرنے کے بعد ہو سکتی ہے ورنہ نکاح نہیں ہو سکتا۔ اس صورت میں دوبارہ نکاح اس شرط پر ہو سکتا ہے کہ مطلقہ بیوی اپنی عدت پوری کر چکنے کے بعد کسی دوسرے آدمی سے نکاح کرے پھر وہ آدمی جس سے اس عورت نے نکاح کیا اور اس کے ساتھ بے تکلفی سے رہی۔ وہ مرد اس کو اپنی مرضی سے طلاق دے یا فوت ہو جائے تو اس صورت میں عورت اپنی عدت پوری کرنے کے بعد سابق خاوند سے دوبارہ نکاح کر سکتی ہے یہ حکم طلاق کے مسئلہ میں احتیاط کرنے کے لیے دیا گیا ہے۔ کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ حلال باتوں میں سب سے ناپسند چیز طلاق ہے جس کی اجازت صرف اس لیے دی گئی ہے کہ گھر میں ناچاکی اور بدمزگی کو ختم کیا جائے اور ایک مستقل لڑائی جھگڑے اور فساد کو ختم کر دیا جائے ورنہ طلاق کو کوئی بھی اچھا آدمی اچھی چیز نہیں سمجھتا۔ اس کے بعد حکم یہ دیا گیا ہے کہ اگر کوئی مرد غصہ میں آ کر طلاق دے دیتا ہے اور ساتھ ہی یہ بری بات بھی کرتا ہے کہ جو کچھ بیوی کو دے چکا تھا سب واپس لے لیتا ہے تو اس بات کو اللہ نے سختی سے ناپسند کیا ہے اور حکم دیا ہے کہ جو کچھ حق مہر وغیرہ تم بیوی کو دے چکے ہو وہ واپس لینا جائز نہیں۔ اگر عورت کو بسانا چاہے تو اوپر دیئے ہوئے احکامات کے مطابق خوشی سے بسائے اور اگر رخصت کرنا چاہے تو بھی بڑی خوش اسلوبی سے اس کو کچھ نہ کچھ دے دلا کر عزت سے رخصت کر دے۔ پوری آیت میں کسی بھی جگہ کوئی گنجائش نہیں کہ عورت پر ظلم کیا جائے۔ بلکہ عورت کو ان تمام ناانصافیوں سے بچایا گیا ہے جو اسلام سے پہلے اس پر کی جاتی تھیں، ہر صورت میں حسن سلوک کی تاکید کی گئی ہے اسی آیت میں آگے چل کر عورت کو بھی پورا پورا حق دیا گیا ہے کہ اگر وہ کسی بھی وجہ سے آدمی کے ساتھ ناخوش ہو تو وہ صلح کا اصول اپنا سکتی ہے۔ اس آیت کا نزول اس وقت ہوا جب ایک عورت آنحضرت ﷺ کے پاس آئی اور اس نے کہا کہ ”میں اپنے خاوند سے ناخوش ہوں، حالانکہ میرا شوہر میرے تمام حقوق پورے کرتا ہے اور نہ ہی وہ کردار کا برا ہے۔ شریف آدمی ہے۔ بس وہ مجھے اچھا نہیں لگتا اگر اللہ کا ڈر نہ ہو تو میں اس کے منہ پر تھوک دوں“۔

آپ ﷺ نے عورت سے مہر واپس دلوا دیا اور اسے طلاق دلوا دی اس سے اس حکم کی نشاندہی ہوتی ہے کہ اگر عورت خاوند کے ساتھ نہ رہنا چاہے تو کچھ مال دے کر طلاق حاصل کر سکتی ہے اسی عمل کو خلع کہا جاتا ہے۔ اب واضح ہو گیا کہ گھر کی ناچاقی ختم کرنے کے لیے جس طرح اجازت مرد کو ملی ہے اسی طرح اجازت عورت کو بھی دی گئی ہے اور اس سارے معاملہ کا مقصد صرف یہ ہے کہ گھر پرامن رہے تاکہ ملک و قوم کو پرامن ماحول ملے اور گھر میں پلنے والے بچے پرسکون ماحول میں صحت مند پرورش پائیں اس کے لیے

ماں وباپ کا آپس میں پرسکون ہو کر رہنا ضروری ہے اور اس سکون کو قائم رکھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے رہن سہن کی اور آپس کے تعلقات کی کچھ حدیں مقرر کر دی ہیں جو کہ اوپر تفصیل سے بیان کی جا چکی ہیں۔ ان حدوں کی پابندی ہر مسلمان مرد عورت پر لازمی ہے، تاکہ خود انسان اور پورا معاشرہ نیکی اور تقویٰ پر قائم ہو۔ اور اگر کوئی شخص ان حدود سے باہر نکلے یا ان کی پابندی نہ کرے تو گویا اس نے نہ صرف اپنے اوپر ہی ظلم کیا، بلکہ گھر، محلّہ، شہر اور پورے ملک پر ظلم کیا۔ کیونکہ افراد سے گھر، گھروں سے محلّے، محلوں سے شہر اور شہروں سے ملک بنتے ہیں۔ ظاہر ہو گیا کہ امن وسکون اور ترقی وخوشحالی کے لیے اللہ کی بتائی ہوئی حدود، قانون اور اصولوں کی پابندی کس قدر ضروری ہے، ہر شخص کو ان حدود میں رہ کر کس قدر آزاد زندگی گزارنے کا حق دیا گیا ہے۔ یہ سب قرآن کی تعلیمات سے ہی پتہ چلتا ہے۔ آخری حد جو اللہ تعالیٰ نے لگائی ہے جو تفصیل سے بیان کر دی گئی ہے ایک نظر دوبارہ اس پر ڈال لی جائے۔ مطلقہ عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے اس کے گھر میں بسے پھر اگر وہ شخص فوت ہو جائے یا اپنی مرضی سے طلاق دے دے تو عورت عدت پوری کرنے کے بعد پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح کر سکتی ہے۔ یہ فعل جائز ہے بشرطیکہ تمام معاملات نیک نیتی، خلوص اور اللہ کے خوف کو سامنے رکھتے ہوئے کیے جائیں ورنہ نافرمانوں کے لیے کہیں بھی سکون نہیں۔ آگے بیویوں سے حسن سلوک کا اور بھی زیادہ سبق دیا گیا ہے۔

## بیویوں کے ساتھ برتاؤ

وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَ لَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَ لَا تَتَّخِذُوْۤا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا ۫ وَّ اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَ مَاۤ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَ الْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ﴿231﴾ ع 29 3 13

اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور ان کی عدت پوری ہونے کو آ جائے یا تو بھلے طریقہ سے انہیں روک لو یا بھلے طریقہ سے رخصت کر دو۔ محض ستانے کی خاطر انہیں نہ روکے رکھنا کہ یہ زیادتی ہوگی اور جو ایسا کرے گا وہ اصل میں اپنے اوپر ظلم کرے گا۔ اللہ کی آیات کو کھیل نہ بناؤ۔ بھول نہ جاؤ کہ اللہ نے کس بڑی نعمت سے تمہیں سرفراز کیا ہے۔ وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے کہ جو کتاب اور حکمت اس نے تم پر نازل کی ہے اس کا احترام کرو۔ اللہ سے ڈرو اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ کو ہر بات کی خبر ہے۔ ﴿231﴾

**تشریح:** طلاق کا جس قدر ذکر گزر چکا ہے اس کے لیے پھر تاکید کی گئی ہے کہ اگر کوئی مرد ایک یا دو طلاقوں کی عدت گزرنے کے دوران بیوی کو نیک نیتی سے بسانا چاہے تو گنجائش ہے۔ مگر اس بات سے سختی سے منع کیا گیا ہے کہ عورت کو تنگ کرنے کے لیے اس کو واپسی کا راستہ دکھایا جائے جیسا کہ کچھ شیطان فطرت کرتے آئے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ اگر عدت پوری ہونے سے پہلے تم سوچتے

ہو کہ بیوی کو دوبارہ بسا لینا بہتر بات ہے تو عزت و احترام سے اس کو واپس لے آؤ اور اگر بسانے کا ارادہ نہیں تو پھر بھی عزت و احترام سے اس کو رخصت کر دو اور جو ایسا نہیں کرتے تو وہ سمجھ لیں کہ اس طرح وہ خود اپنے اوپر بھی ظلم کرتے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے احکام الٰہی کو مذاق بنا رکھا ہے۔ حالانکہ ان کو یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور خاص مہربانی سے ان کو ایسی کتاب دی ہے جو کہ حکمت اور نصیحت کی باتوں سے بھری ہوئی ہے اور یہ تمام حکمت اور نصیحت کی باتیں صرف انسان کی بہتری، بھلائی، نجات اور سہولت کے لیے بتائی گئی ہیں۔ ان کو سمجھنا، عمل کرنا اور ہر وقت اللہ کی دی ہوئی نعمتوں برکتوں کو یاد رکھنا اور یہ جان لینا کہ اللہ تعالیٰ کا علم بڑا ہی وسیع ہے اور وہ ہر چیز اور ہر انسان کو خوب اچھی طرح جانتا ہے۔ یہ سب ہی ایک مسلمان کی نشاندہی کرتی ہیں۔ جس قدر حدود اللہ جل شانہ نے مقرر کر رکھی ہیں وہ سب عمل کے قابل ہیں اور نسل انسانی کی بھلائی کے لیے ہیں۔ اس لیے صاف نیت سے تمام معاملات کو سیدھا کرنا ہمارے لیے از حد ضروری اور فرض ہے۔

## رجوع کے لیے عورت کی رضامندی

وَ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ ذٰلِكَ يُوْعَظُ بِهٖ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ ذٰلِكُمْ اَزْكٰى لَكُمْ وَ اَطْهَرُ ؕ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ وَ اَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿232﴾

جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دے دو اور وہ اپنی عدت پوری کر لیں تو تم انہیں مت روکو کہ وہ اپنے شوہروں سے نکاح کر لیں، جبکہ وہ معروف طریقہ سے آپس میں نکاح پر راضی ہوں۔ تمہیں نصیحت کی جاتی ہے کہ ایسی حرکت ہرگز نہ کرنا، اگر تم اللہ اور روز آخر پر ایمان لانے والے ہو۔ تمہارے لیے شائستہ اور پاکیزہ طریقہ یہی ہے اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔﴿232﴾

تشریح: اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ ایک عورت کو اس کے خاوند نے ایک یا دو طلاقیں دے دیں اور پھر عدت پوری ہو گئی مگر اس نے بیوی کو نہ تو تیسری طلاق دی اور نہ ہی اس کو واپس بلایا۔ عدت پوری ہونے کے بعد کچھ لوگوں نے نکاح کا پیغام بھیجا اور پہلے خاوند نے بھی پیغام بھیج دیا۔ عورت اس بات پر راضی تھی۔ مگر اس کے بھائی نے دوبارہ نکاح کرنے سے روک دیا۔ اس پر یہ حکم نازل ہوا کہ عورت کی اپنی خوشنودی اور بھلائی کو سامنے رکھنا چاہیے اور دوسروں کی مرضی کو اس پر مسلط نہیں کرنا چاہئے۔ فرمایا کہ اگر تم واقعی اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو تمہیں اللہ کے احکام کا پورا خیال رکھنا چاہیے۔ اگر قاعدے اور قانون کے مطابق میاں بیوی دوبارہ نکاح پر راضی ہیں تو ان کو روکنا شرارت اور فساد کے برابر ہے۔ اللہ نے جو قوانین بتائے ہیں ان پر عمل کریں، کیونکہ ان کے لیے اسی میں اچھائی، پاکیزگی اور عزت و وقار ہے۔ ایک بات کی طرف اور بھی اشارہ ملتا ہے کہ بعض اوقات پہلا شوہر اپنی مطلقہ بیوی کے دوسرے نکاح میں صرف بدفطرتی کی وجہ سے رکاوٹیں کھڑی کرتا ہے۔ اللہ نے اس حرکت سے بڑی سختی سے منع کیا ہے ہاں اگر کوئی

عورت خلاف شرع کام کرے یعنی عدت پوری کئے بغیر ہی دوسرا نکاح کرے تو یہ غلط بات ہے اس سے ضرور منع کیا جانا چاہیے۔

## دودھ پلانے کے مسائل

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ؕ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَ كِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ ۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَ عَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَ تَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ؕ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْۤا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّاۤ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿233﴾

جو باپ چاہتے ہوں کہ ان کی اولاد پوری مدت رضاعت تک دودھ پیئے تو مائیں اپنے بچوں کو پورے دو سال دودھ پلائیں اس صورت میں بچے کے باپ کو معروف طریقہ سے انہیں کھانا کپڑا دینا ہوگا مگر کسی پر اس کی وسعت سے بڑھ کر بوجھ نہ ڈالنا چاہیے نہ تو ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے تکلیف میں ڈالا جائے اور نہ باپ ہی کو اس کے بچے کی وجہ سے تنگ کیا جائے۔ دودھ پلانے والی کا یہ حق (جیسا بچے کے باپ پر ہے) ویسا ہی اس کے وارث پر ہے۔ لیکن اگر دونوں (ماں، باپ) باہمی رضامندی اور مشورہ سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں اور اگر تمہارا خیال اپنی اولاد کو (کسی غیر عورت سے) دودھ پلوانے کا ہو تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں بشرطیکہ طریقہ پر معاوضہ طے کرلو، اللہ سے ڈرو اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو سب اللہ کی نظر میں ہے۔﴿233﴾

**تشریح:** طلاق و عدت کے معاملات کے درمیان میں دودھ پلانے کے احکام دیئے گئے ہیں۔ اللہ کی تدبیر، علم اور حکمتیں لاجواب ہیں۔ نکاح کے بعد میاں بیوی کے تعلقات کے نتیجہ میں سب سے پہلا جو مرحلہ شروع ہوتا ہے وہ ہے اولاد۔ یہ مسئلہ سب سے زیادہ اہم ہے اسی لیے اس کے بارے میں ضروری احکامات طلاق کے ساتھ ہی دے دیئے گئے ہیں۔ تاکہ دودھ پیتا بچہ اس جھگڑے میں نقصان نہ اٹھائے۔ قدرت کو معلوم ہے کہ اس ننھی مخلوق کو پرورش کرنے کے لیے ماں کا دودھ کس قدر ضروری اور فائدہ مند ہے۔ دنیا میں اس کے برابر کوئی خوراک بھی اس قدر مکمل نہیں ہوسکتی کیونکہ ماں کے دودھ میں حیاتیات، شکر، چکنائی، فاسفورس اور وٹامنز انتہائی مناسب مقدار میں اس طرح موجود ہوتے ہیں کہ چربی والے سالمے بے حد چھوٹے ذروں کی صورت میں ایک جیسے پھیلے ہوتے ہیں اور پھر شروع کے دودھ میں ایسی اینٹی بوڈیز پائی جاتی ہیں جو بچہ کو ہر قسم کی چھوت کی بیماریوں سے محفوظ رکھتی ہیں۔ ماں کے دودھ میں ایسے وٹامنز بھی موجود ہوتے ہیں جن کی دریافت ابھی تک مکمل طور پر نہیں ہوسکی غرض یہ نعمت بے مثال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رب العزت نے نوزائیدہ بچے کی پرورش کے لیے ماں کے دودھ جیسی نعمت ہی مقرر کی ہے۔ یہ نعمت بغیر کسی ملاوٹ کے رب العزت کے اپنے خاص بہترین اور مکمل قدرتی پلانٹ میں تیار ہوتی ہے۔ سبحان اللہ اور پھر بچے کو دودھ پلانے کے

لیے ماں کا سینہ خود بخود دودھ سے بھر جاتا ہے جو اس بات کا اشارہ ہوتا ہے کہ بچے کا دودھ ہضم ہو گیا ہے اس کو بھوک لگی ہے۔ اس لیے دو تین گھنٹہ کا وقفہ دودھ کے درمیان نہیں دینا چاہیے اور پھر اللہ تعالیٰ نے بچے کو ماں کا دودھ پلانے کی مدت دو سال مقرر کی ہے۔ موجودہ طبی سائنس نے اس کی وضاحت یوں کی ہے۔ بچے کے پہلے دو سال نشو ونما میں بے حد اہم ہوتے ہیں۔ کیونکہ خون بنانے اور حیاتیاتی ضروریات پوری کرنے کے لیے بہترین غذا ماں کا دودھ ہی ہے۔ صحت وصفائی اور ماں کی شفقت کا احساس اس میں تحفظ بھی پیدا کرتا ہے اسی لیے اس کی ذہنی صحت بھی بہت مضبوط ہو جاتی ہے۔

یہ سب کچھ تو صرف بندے کی سوچ بچار کا نتیجہ ہیں۔ قربان جائیں اس خالق کے جس نے یہ سب کچھ انسان کے لیے بنایا اور پھر اپنی کتاب ورسول کے ذریعہ اس کو بتایا کہ زندگی کیسے گزارنی ہے۔ چھوٹے مسائل ہوں یا بڑے ہر بات کو وضاحت سے بہترین اصولوں کے ساتھ انسان کو سمجھا دیا۔ طلاق کے تمام مراحل آہستہ آہستہ بیان کیے جا رہے ہیں تو بیچ میں بچہ کے دودھ پلانے کا مسئلہ حل کر دیا۔ حکم دیا جاتا ہے کہ اگر ماں باپ میں طلاق، خلع یا ویسے ہی علیحدگی ہو تو بچے کو دو سال تک دودھ پلانا ماں کا فرض ہے۔ لیکن اس میں کمی بیشی اس صورت میں ہو سکتی ہے۔ جبکہ ماں باپ دونوں راضی ہوں اور پھر جب تک ماں دودھ پلائے ماں کا کھانا کپڑا وغیرہ باپ کو دینا ہوگا۔ اگر ماں نکاح میں ہے تو پھر اس کا فرض ہے دودھ پلائے اگر نکاح میں نہیں تو پھر دودھ پلانے کی اجرت باپ کو ادا کرنی ہوگی پھر یہ بھی حکم دیا گیا کہ تمام معاملات انصاف اور نیکی سے کیے جائیں اس میں نہ تو باپ کو تکلیف پہنچائی جائے اور نہ ہی ماں کو کسی صورت میں تنگ کیا جائے۔ ہر حکم کے پورا کرنے میں بالمعروف یعنی ''دستور کے مطابق'' اللہ نے شرط لگائی ہے۔ ظلم وزیادتی ختم کرنے کے لیے یہ یاد رکھنا بہت ضروری ہے۔ بچے کی پرورش کا ذمہ باپ پر ہے۔ اگر وہ مر جائے تو پھر اگر بچہ مالدار ہے تو اس کے مال سے اس کی پرورش ایمانداری سے کی جائے ورنہ پھر بچے کے عزیز رشتہ دار جو شرعاً اس کی وراثت کے حق دار ہوں۔ کیونکہ بچہ اپنی پرورش کا خود ذمہ دار تو نہیں ہو سکتا۔

والدین کسی بھی وجہ سے اگر آپس میں رضامندی کے ساتھ دو سال سے پہلے دودھ چھڑوانا چاہیں تو اس کی اجازت ہے۔ شرط یہی ہے کہ اس معاملہ میں بھی عام دستور سے کام لیا جائے یعنی لڑائی جھگڑے سے نہیں بلکہ مصالحت سے پھر رب العزت نے یہ بھی حکم دیا ہے کہ اگر مجبوری کی وجہ سے ماں دودھ نہ پلائے یا باپ ماں کے علاوہ کسی بھی دوسری عورت سے دودھ پلوانا چاہے تو اس کی بھی اجازت ہے۔ مگر شرط ہے کہ دودھ پلوانے کا جو بھی معاوضہ عورت سے طے کیا جائے تو وہ بغیر کسی لڑائی جھگڑے کے اس عورت کو ادا کیا جاتا رہے۔ اس میں کوئی بھی کمی بیشی نہ کی جائے اور پھر دستور کے مطابق سب کچھ کرنے کی تاکید کی گئی ہے اور آخر میں خبردار کیا گیا ہے کہ ہر وقت اللہ سے ڈرتے رہو، کیونکہ اس سے تمہارا کوئی کام اور خیال پوشیدہ نہیں۔ وہ ہر بات، ہر کام اور نیتوں کو خوب اچھی طرح جانتا ہے اس لیے تمام احکامات جو دیئے گئے ہیں ان پر خلوص اور نیک نیتی سے پورا پورا عمل کرو۔ یہ دودھ پلانے کے معاملات ہو گئے اب اگلی آیت میں عدت کے باقی احکامات کا ذکر ہے۔

# بیوہ کی عدت اور نکاح ثانی

وَ الَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْۤ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾ وَ لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْۤ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَ لٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّاۤ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ؕ۬ وَ لَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْۤ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ 30 ع 4 14
وَ اعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۳۵﴾

تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور ان کی بیویاں زندہ ہوں تو وہ اپنے آپ کو چار مہینے دس دن تک روکے رکھیں پھر جب ان کی عدت پوری ہو جائے تو انہیں اختیار ہے اپنی ذات کے معاملہ میں معروف طریقہ سے جو چاہیں کریں تم پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ اللہ تم سب کے اعمال سے باخبر ہے۔ ﴿۲۳۴﴾ عدت کے زمانہ میں اگر تم اشارے کنایئے سے بات ظاہر کر دو یا دل میں چھپائے رکھو۔ دونوں جائز ہیں۔ اللہ جانتا ہے کہ ان کا خیال تو تمہارے دل میں آئے گا ہی۔ مگر دیکھو خفیہ عہد و پیمان نہ کرنا۔ اگر کوئی بات کرنی ہے تو معروف طریقہ سے کرو اور نکاح کا فیصلہ اس وقت تک نہ کرو جب تک کہ عدت پوری نہ ہو جائے۔ خوب سمجھ لو کہ اللہ تمہارے دلوں کے حال تک جانتا ہے۔ ﴿۲۳۵﴾

**تشریح:** بیوہ عورت کو چار مہینہ دس دن اپنے آپ کو روکے رکھنا چاہیئے۔ یعنی اس دوران سنگار کرنا، شوخ کپڑے اور زیور پہننا، مہندی، خوشبو، سرمہ اور بالوں کی آرائش سے پرہیز کرنا چاہیے۔ گھر سے نکلنے کے بارے میں مختلف علماء کی آراء ہیں۔ حضرت عائشہ، ابن عباس رضی اللہ عنہ، حضرت علی رضی اللہ عنہ، جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ حسن بصری، عمر بن عبدالعزیز اور بہت سے علماء اس بات کے قائل ہیں کہ عورت اپنی عدت کا زمانہ جہاں چاہے گزار سکتی ہے اور سفر بھی کر سکتی ہے۔ پھر جب اس کی عدت پوری ہو جائے تو پھر معروف طریقہ سے اپنے لیے جو بھی مناسب سمجھیں کر سکتی ہیں۔ اس میں ایک مسئلہ اور بھی آ جاتا ہے کہ اگر اس دوران میں یہ ظاہر ہو جائے کہ وہ بیوہ ماں بننے والی ہے تو پھر اس کو بچہ کی پیدائش تک انتظار کرنا ہوگا، ہر کام کرتے ہوئے اور ہر بات سوچتے ہوئے ہر عورت، مرد، بچہ، بوڑھا، جوان سب کو تنبیہ کی جاتی ہے کہ یاد رکھو ہر کام دستور کے مطابق کرو کیونکہ اللہ جل شانہ سے تمہارا کوئی عمل اور خیال چھپا ہوا نہیں۔ اگلی آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں کہ اگر کوئی مرد بیوہ سے نکاح کا خیال اپنے دل میں پختہ کر لے مگر اس کا ذکر باقاعدہ طور پر عدت کے دوران ہرگز نہ کرے، کیونکہ یہ ناجائز بات ہے۔ ہاں جب عدت ختم ہو جائے تو پھر قاعدہ اور

قانون کو سامنے رکھتے ہوئے عورت کو چاہیے اپنے لیے مناسب راستہ اختیار کرے۔ یہاں پھر تنبیہ کی جارہی ہے کہ کوئی غلط خیال یا عمل اللہ سے چھپا ہوا نہیں اس لیے کوئی غلط کام نہ کرو اور کوئی راستہ اختیار نہ کرو بے شک اللہ بخشنے والا بڑا بردبار ہے۔ اس آیت میں دوسرے نکاح کی اجازت دی گئی ہے مگر تہذیب، ثقافت اور اللہ کے احکامات کی پابندی کرتے ہوئے فیصلہ کی اجازت ہے۔

## طلاق اور مہر

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً وَّ مَتِّعُوْهُنَّ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَ عَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿236﴾ وَ اِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَ قَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّاۤ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَ اَنْ تَعْفُوْۤا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَ لَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿237﴾

تم پر کچھ گناہ نہیں اگر اپنی عورتوں کو طلاق دے دو قبل اس کے کہ ہاتھ لگاؤ یا مہر مقرر کرو اس صورت میں ان کو کچھ نہ کچھ دینا ضرور چاہیے خوش حال آدمی اپنی حیثیت سے اور غریب آدمی اپنی حیثیت کے مطابق معروف طریقہ سے دے یہ حق ہے نیک آدمیوں پر۔﴿236﴾ اور اگر تم نے ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دی ہو، لیکن مہر مقرر کیا جا چکا ہو تو اس صورت میں نصف مہر دینا ہوگا۔ یہ اور بات ہے کہ عورت معاف کر دے یا وہ مرد جس کے ہاتھ میں عقد نکاح ہے نرمی سے کام لے اور تم نرمی سے کام لو تو یہ تقویٰ سے زیادہ مناسبت رکھتا ہے۔ آپس کے معاملات میں فیاضی کو نہ بھولو تمہارے اعمال کو اللہ دیکھ رہا ہے۔﴿237﴾

**تشریح:** طلاق کا بیان اور مسائل بڑی تفصیل سے بیان کر دیئے گئے ہیں۔ قرآن ہر ممکنہ پہلو کو سامنے لا کر قانون بتاتا ہے تا کہ کہیں بھی کسی قسم کی کوتاہی انسان سے نہ ہو جائے۔ یہاں پہلے یہ صورت بیان ہوئی کہ نکاح تو ہو گیا مگر حق مہر مقرر نہ ہوا اور نہ ہی مرد نے بیوی کو ہاتھ لگایا مگر کوئی وجہ ایسی پیدا ہو گئی کہ نکاح ختم کرنا پڑا تو اس کی اجازت اللہ تعالیٰ نے دے رکھی ہے مگر اس شرط کے ساتھ کہ آدمی اپنی حیثیت کے مطابق عورت کو کچھ نہ کچھ ضرور دے اور یہ کام بغیر جھگڑے اور بغیر نفرت کا اظہار کئے ہوئے معروف طریقہ سے کیا جائے تا کہ کسی کی بھی حق تلفی نہ ہو کسی کو تکلیف نہ ہو اور کسی کی تذلیل نہ ہو۔ حسن وخوبی سے مسئلہ حل ہو جائے۔ کیونکہ نیک اور اچھے لوگ ہر کام سلیقہ اور صلح صفائی سے ہی کرتے ہیں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ نکاح کے ساتھ ہی حق مہر بھی مقرر کر دیا گیا۔ لیکن بیوی کو ہاتھ لگانے سے پہلے ہی طلاق دینے کی صورت پیدا ہو گئی تو اس صورت میں حکم یہ ہے کہ طلاق دے دی جائے مگر اس میں حکم یہ ہے کہ آدمی مہر کی آدھی رقم بیوی کو ضرور ادا کر دے۔ ہاں اگر بیوی فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے وہ رقم معاف کر دے یا تو یہ بھی جائز ہے، اور اگر مرد فراخ دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے

کچھ زیادہ یا پورا مہر ادا کر دے تو اس میں کوئی گناہ نہیں، بلکہ یہ اللہ کے ہاں پسندیدہ کام ہے اور مرد کی فراخ دلی اور تقویٰ میں شامل ہے، کیونکہ رب العزت نے مرد کو طلاق دینے اور نہ دینے کا مختار بنا کر ایک درجہ برتری عطاء کی ہے تو اب اس کا فرض ہے کہ اپنی برتری سے غلط فائدہ نہ اٹھائے، بلکہ بڑی فراخ دلی، نیکی، احسان اور خوش خلقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے مقرر کیے ہوئے تمام احکامات کو پورا کرے اور آپس میں دونوں فریق معروف طریقہ سے پورا معاملہ طے کر لیں اور دل میں کسی قسم کا حسد، بغض اور غصہ نہ رکھیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چھوٹے بڑے عمل کو دیکھتا ہے اور ہمارے تمام اعمال ہماری ٹیپوں پر باقاعدہ ریکارڈ ہو رہے ہیں۔ اگلی آیت میں عبادات کا موضوع شروع کیا جا رہا ہے، تاکہ بندہ کو معلوم ہو جائے کہ زندگی کے عام معاملات کے ساتھ ساتھ عبادات بھی ضروری ہیں۔ لہٰذا نماز کی حفاظت کا بیان کیا جا رہا ہے۔

## نمازوں کی پابندی

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى وَ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿238﴾ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿239﴾

اپنی نمازوں کی حفاظت کرو خصوصاً درمیان والی نماز، اللہ کے آگے اس طرح کھڑے ہو جیسے فرمانبردار غلام کھڑے ہوتے ہیں۔ ﴿238﴾ خوف کی حالت ہو تو خواہ پیدل ہو یا سوار، جس طرح ممکن ہو نماز پڑھو اور جب امن میسر آ جائے تو اللہ کو اس طرح یاد کرو جو اس نے تمہیں سکھا دیا ہے جو پہلے تم نہ جانتے تھے۔ ﴿239﴾

**تشریح:** عبادات میں نماز کا درجہ بلند ترین ہے۔ کیونکہ اس کے قائم کرنے میں انسان کے لیے نہ دولت کی ضرورت ہے اور نہ ہی مضبوط صحت کی۔ بلکہ یہ خود انسان کی روح کو مضبوط کرنے کے لیے خزانہ ہے اور جسم کو چستی اور مضبوطی دینے کا ذریعہ بھی ہے نماز کے بے شمار فوائد ہیں۔ مثلاً:

1. روحانی قوت بڑھانے کا ذریعہ ہے۔
2. برائیوں سے نماز بچاتی ہے۔
3. نظم و ضبط، اتحاد اور اصلاح کا ذریعہ ہے۔
4. دل کو سکون دینے کا باعث ہے۔
5. نماز مومن کی پہچان ہے۔
6. ارکان اسلام کا دوسرا رکن نماز ہے۔
7. نماز میں شفا ہے۔ (حدیث ابن ماجہ)

نماز اہم ترین فرائض میں سے ہے اسی لیے مرتبہ نماز کا ذکر قرآن پاک میں آیا ہے۔
سورہ طٰہٰ آیت 32 میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''اپنے گھر والوں کو نماز کا حکم کرو اور اس پر قائم رہو''۔
اس آیت میں نمازوں کی حفاظت کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کی فضیلتیں اور فائدے بے شمار ہیں جو آئندہ بھی بیان کئے جاتے رہیں گے اور درمیانی نماز کا خاص طور سے حکم ہے۔ مفسرین اور علماء نے اس بارے میں بہت سی مختلف رائے دی ہیں۔ مگر سب سے قریب ترین نماز عصر ہی لگتی ہے کہ جس کو درمیانی نماز کہا جا سکتا ہے اس کی وجہ تو رب العزت ہی جانتے ہیں ہمیں تو صرف یہ معلوم ہے کہ نماز کو بڑے آرام وسکون اور پوری توجہ سے پڑھنا چاہیے اور یہی حقیقت بھی ہے، کیونکہ نماز کا مطلب ہے اللہ کے سامنے حاضر ہو کر اس کی تعریف کر کے اس سے اپنی حاجات مانگی جائیں تو جب تک پوری توجہ سے اللہ کے حضور کھڑے نہ ہونگے اس سے بات چیت کیسے ہو سکتی ہے۔ نماز پڑھنے کا طریقہ یہی ظاہر کرتا ہے کہ ہم غلام ہیں اور اپنے آقا کے سامنے عاجزی سے کھڑے ہیں۔ سب سے پہلے نیت کرتے ہیں پھر دونوں ہاتھ کانوں تک لے جا کر تکبیر کہتے ہیں اس کے بعد دونوں ہاتھ باندھ کر مؤدب کھڑے ہو جاتے ہیں اور اللہ کی پاکی بیان کی جاتی ہے اور یہ اقامت کہلاتی ہے۔ اس کے بعد رکوع میں جاتے ہیں اور اس کی شکل یہ ہے کہ گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کمر جھکائی جائے اس کے بعد سجدہ آتا ہے اور یہ انتہائی عاجزی اور اللہ کی بڑائی بیان کرنے کا سب سے واضح طریقہ ہے، کیونکہ اس میں انسان اپنا ماتھا رب العزت کے حضور میں زمین پر ٹیکتے ہوئے اللہ کی بڑائی، عظمت اور اپنی عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے اللہ کی شان میں تسبیح کرتا ہے پھر آخر میں تشہد جو کہ بیٹھ کر اللہ کی تعریف نبی کریم ﷺ پر درود اور دعاء کا طریقہ ہے پھر سلام پھیر کر نماز سے رخصت مل جاتی ہے (اس کے بعد دعا کا موقعہ ملتا ہے۔ دعا عبادت کا مغز ہے) یہ تمام عمل انسان کو وہ تمام فضیلتیں عطا کرتا ہے جو کہ پچھلے بیان میں لکھی گئی ہیں۔ اسی سلسلہ میں شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

دور کر دیتی ہے روح و جان سے ہر آلودگی
فکر کی دنیا کو ایسے جگمگاتی ہے نماز

نماز قائم کرنے کی اس حد تک تاکید کی گئی ہے کہ جنگ کی حالت میں بھی حکم ہے کہ چاہے تم سوار ہو یا پیدل ہو تو جیسے بھی ممکن ہو اشارے سے جھک کر نماز ضرور ادا کرو اور جب امن وسکون ہو جائے تو پھر نماز پوری طرح ادا کرو جیسا کہ اس کا طریقہ بتایا جا چکا ہے۔ نماز دنیا و آخرت کی بھلائیوں کا خزانہ ہے اسی لیے نماز کو جنت کی کنجی کہا گیا ہے۔ اس کی فضیلت میں حدیث ہے حضرت عبداللہ بن بسر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''کہ میری امت قیامت کے دن سجدوں کے باعث روشن چہرے والی ہوگی اور وضو کے باعث سفید پیشانی اور سفید ہاتھ پاؤں والی ہوگی''۔ (ترمذی)
نماز عصر کی فضیلت میں حدیث ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''جس کی عصر کی نماز فوت ہوگئی گویا اس کے اہل وعیال اور اس کا مال نقصان کا شکار ہو گئے''۔ (بخاری)

اگلی آیات میں بیوہ کے لیے وصیت کا بیان ہے جو کہ اب شادی شدہ زندگی کے مسائل کا آخری مسئلہ ہے۔

## بیوہ کے لیے وصیت

وَ الَّذِيۡنَ يُتَوَفَّوۡنَ مِنۡكُمۡ وَ يَذَرُوۡنَ اَزۡوَاجًا ۖۚ وَّصِيَّةً لِّاَزۡوَاجِهِمۡ مَّتَاعًا اِلَى الۡحَوۡلِ غَيۡرَ اِخۡرَاجٍ ۚ فَاِنۡ خَرَجۡنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيۡكُمۡ فِىۡ مَا فَعَلۡنَ فِىۡۤ اَنۡفُسِهِنَّ مِنۡ مَّعۡرُوۡفٍ ؕ وَ اللّٰهُ عَزِيۡزٌ حَكِيۡمٌ ﴿240﴾ وَ لِلۡمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ ۢ بِالۡمَعۡرُوۡفِ ؕ حَقًّا عَلَى الۡمُتَّقِيۡنَ ﴿241﴾ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمۡ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿242﴾ ع 31/7/15

تم میں سے جو لوگ وفات پا جائیں اور پیچھے بیویاں چھوڑ جائیں ان کو چاہیے کہ اپنی بیویوں کے حق میں یہ وصیت کر جائیں کہ ایک سال تک ان کو نان ونفقہ دیا جائے اور وہ گھر سے نہ نکالی جائیں، پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو اپنی ذات کے معاملہ میں معروف طریقہ سے وہ جو کچھ بھی کریں تم پر اس کا کوئی حرج نہیں ہے، اللہ سب پر غالب اقتدار رکھنے والا اور حکیم و دانا ہے۔﴿240﴾ اسی طرح جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو، انہیں بھی مناسب طور پر کچھ نہ کچھ دے کر رخصت کیا جائے۔ یہ حق ہے متقی لوگوں پر۔﴿241﴾ اس طرح اللہ اپنے احکام تمہیں صاف صاف بتاتا ہے۔ امید ہے کہ تم سمجھ بوجھ کر کام کرو گے۔﴿242﴾

**تشریح:** یہ ازدواجی مسائل کی آخری رہنمائی ہے اس میں حکم ہوا کہ شوہر اپنے آخری وقت میں بیوی کے لیے اپنے وارثوں کو وصیت کر جائے کہ اس کی بیوہ کو ایک سال تک گھر سے نہ نکالا جائے اور وہ مراعات کی حقدار ہو گی مہر مقرر ہو چکا ہو یا نکاح کے وقت مہر کی صراحت نہ ہوئی ہو۔ ہر حال میں اسلام حسن سلوک اور نیکی کی تعلیم دیتا ہے بعد میں عورت کا حصہ اور عدت مقرر کر دی گئی۔ بعض مفسرین نے ان آیات کو منسوخ قرار دیا ہے۔ اگلی آیات میں جہاد اور مالی قربانیوں کا ذکر ہے۔

## موت سے بھاگنے والے

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ خَرَجُوۡا مِنۡ دِيَارِهِمۡ وَ هُمۡ اُلُوۡفٌ حَذَرَ الۡمَوۡتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوۡتُوۡا ثُمَّ اَحۡيَاهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوۡ فَضۡلٍ عَلَى النَّاسِ وَ لٰكِنَّ اَكۡثَرَ النَّاسِ لَا يَشۡكُرُوۡنَ ﴿243﴾

تم نے ان لوگوں کے حال پر بھی کچھ غور کیا جو موت کے ڈر سے اپنے گھر بار چھوڑ کر نکلے تھے اور ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ اللہ نے ان سے فرمایا، مر جاؤ پھر اس نے انکو دوبارہ زندگی بخشی اصل میں اللہ انسان پر بڑا فضل فرمانیوالا ہے۔ مگر اکثر لوگ شکر ادا نہیں کرتے۔﴿243﴾

**تشریح:** اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ جہاد سے بھاگ کر یا وباء سے ڈر کر شہر سے بھاگ جانا عقل مندی نہیں۔ جہاں وباء پھوٹ پڑے، وہاں سے بھاگ کر دوسری جگہ چلے جانا نقصان دہ بات ہے ہوسکتا ہے وباء کے جراثیم سب میں ہی چلے گئے ہوں تو

اس طرح دوسری جگہ بھی وباء پھیل جانے کا خطرہ ہے وہاں کے مریض کی تیمارداری اور علاج ومعالج کون کرائے گا اس لئے حکم ہے کہ اللہ پر یقین رکھو جب موت نے آنا ہے تو وہ آ کر رہے گی۔ جہاد میں مر گئے تو شہادت پائی اور اگر وباء سے مر گئے تو اللہ نے اس کو شہادت ہی کہا ہے۔ جہاد سے بھاگ جانا وبا سے بھاگ جانا موت سے نہیں بچا سکتا۔ جیسا کہ اس واقعہ کو اس آیت میں یاد دلایا گیا ہے۔ جبکہ ہزاروں یہودی موت کے ڈر سے وطن سے بھاگ گئے مگر جہاں بھاگ کر وہ گئے تھے اللہ نے ان سب کو مار دیا۔ سات دن کے بعد ایک پیغمبر کی دعاء سے وہ سب اللہ کے حکم سے زندہ ہو گئے پھر انہوں نے توبہ کی اور سمجھ گئے کہ موت وحیات کا کام خود انسان کے ہاتھ میں نہیں، بلکہ مارنے اور زندہ کرنے کی قدرت تو صرف اس رب العزت کے ہاتھ میں ہے جو انسان پر احسان اور مہربانیاں کرتا ہے اور وہ بڑی طاقت اور قدرت والا ہے وہ تو ہر وقت اپنے بندوں پر رحمتیں نازل کرتا رہتا ہے، اتنی زیادہ مہربانیاں کرتا ہے کہ انسان اگر ان کو گننا چاہے تو گن نہیں سکتا مثلاً: ہمارا تمام جسم اور پھر ہر طرف پھیلی ہوئی قدرت کی نعمتیں۔ ہوا، پانی، روشنی، بارش وغیرہ یہ سب کچھ حاصل کر کے بھی بعض لوگ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہیں کرتے۔ یہ بہت بری بات ہے ہر وقت اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے اور اس کے ہر حکم کو مانتے ہوئے اپنی جان تک اس پر قربان کر دینی چاہئے۔ اگلی آیت میں اسی کا حکم ہے۔

## قرض حسنہ

وَ قَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿244﴾ مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ؕ وَ اللّٰهُ یَقْبِضُ وَ یَبْصُۜطُ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿245﴾

مسلمانو! اللہ کی راہ میں جنگ کرو اور جان رکھو کہ اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ ﴿244﴾ تم میں کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے تا کہ اللہ اسے کئی گنا بڑھا کر واپس کرے؟ گھٹانا بھی اللہ کے اختیار میں ہے اور بڑھانا بھی اور اسی کی طرف تمہیں پلٹ کر جانا ہے۔ ﴿245﴾

**تشریح:** اس آیت میں قرض حسنہ کا حکم دیا گیا ہے۔ قرض حسنہ اس قرض کو کہتے ہیں جو بغیر احسان اور بغیر معاوضہ کے کسی کو صرف مدد کے طور پر خوشی سے دیا جائے اور واپسی کے لئے مطالبہ بھی نہ کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کو تو کسی سے قرض لینے کی ہرگز ضرورت نہیں، یہ تو انسان کے لئے ایک نیک کام کرنے کا راستہ بتایا گیا ہے کہ اگر انسان بغیر لالچ کے صرف اللہ کی خوشی حاصل کرنے کیلئے اپنا روپیہ پیسہ جہاد کے لئے یا کسی بھی فلاحی کام کے لئے خرچ کرے گا تو اللہ اس کو اس سے کئی گنا زیادہ ثواب اور اجر دے گا۔ اس لئے اللہ نے حکم دیا کہ دین اسلام کی خاطر دشمنوں سے لڑو، مرنے سے ہرگز نہ ڈرو جیسا کہ پچھلی آیت میں بتایا گیا ہے یہودیوں کی مثال دے کر کہ موت سے بچانے والا اور مارنے والا صرف اللہ ہی ہے اس لئے جو لوگ اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہوئے مر جائیں ان کے لئے بے شمار انعامات اللہ نے تیار کر رکھے ہیں۔ اس لئے ویسے ہی مر جانے سے کئی درجہ بہتر ہے کہ جہاد میں شہید ہو کر بڑے رتبے حاصل کریں اور اسی طرح اپنا مال و دولت بھی جہاد کیلئے خرچ کریں تو وہ بھی ہمیں کئی گنا زیادہ ہو کر ملے گا ویسے بھی مال و

دولت تو اللہ ہی کی طرف سے ملتا ہے۔وہ چاہے تو کم کردے، چاہے تو مال بڑھادے۔ ہر وقت یہ دھیان رکھنا چاہئے کہ ہم نے تو آخر مر جانا ہے اور مر کر اللہ ہی کے پاس جانا ہے پھر کیوں نہ اللہ ہی کی خوشی کے لئے زندہ رہیں اسی کی خوشی کے لئے مریں اور اسی کی خوشی کے لئے مال و دولت خرچ کریں۔تاکہ دنیا میں بھلائی اور آخرت میں نجات حاصل کریں۔علامہ اقبال نے مومن کی شہادت یوں بیان کی ہے۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

تشریح یہ ہے کہ مومن تو صرف اللہ کی خوشنودی کے لئے جان دیتا ہے مال و ملک دینا تو اللہ کا کام ہے۔مومن تو خوشی سے مال بھی اللہ کی راہ میں اور جان بھی اللہ ہی کی راہ میں دیتا ہے۔

## حضرت طالوت کا قصہ

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الۡمَلَاِ مِنۡۢ بَنِىۡٓ اِسۡرَآءِيۡلَ مِنۡۢ بَعۡدِ مُوۡسٰىۘ اِذۡ قَالُوۡا لِنَبِىٍّ لَّهُمُ ابۡعَثۡ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلۡ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ‌ؕ قَالَ هَلۡ عَسَيۡتُمۡ اِنۡ كُتِبَ عَلَيۡكُمُ الۡقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوۡا‌ؕ قَالُوۡا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَقَدۡ اُخۡرِجۡنَا مِنۡ دِيَارِنَا وَاَبۡنَآئِنَا‌ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيۡهِمُ الۡقِتَالُ تَوَلَّوۡا اِلَّا قَلِيۡلًا مِّنۡهُمۡ‌ؕ وَاللّٰهُ عَلِيۡمٌۢ بِالظّٰلِمِيۡنَ ﴿246﴾

پھر تم نے اس معاملہ پر بھی غور کیا، جو موسیٰ کے بعد سرداران بنی اسرائیل کو پیش آیا تھا؟ انہوں نے اپنے نبی سے کہا ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کردو تاکہ ہم اللہ کی راہ میں جنگ کریں۔ نبی نے پوچھا کہیں ایسا تو نہ ہوگا کہ تم کو لڑائی کا حکم دیا جائے اور پھر تم نہ لڑو۔وہ کہنے لگے بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم اللہ کی راہ میں نہ لڑیں جب کہ ہمیں اپنے گھروں سے نکال دیا گیا ہے اور ہمارے بال بچے ہم سے جدا کر دیئے گئے ہیں مگر جب ان کو جنگ کا حکم دیا گیا تو ایک قلیل تعداد کے سوا وہ سب پیٹھ موڑ گئے اور اللہ ان میں سے ایک ایک ظالم کو جانتا ہے۔﴿246﴾

**تشریح:** اس آیت میں بھی عبرت دلانے کیلئے بنی اسرائیل کی تاریخ کے ایک بڑے مشہور واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔واقعہ یاد دلانے سے مقصد یہ ہے کہ مسلمانو تم ہرگز اس طرح نہ کرنا۔اس کی تفصیل کچھ اس طرح ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے کچھ عرصہ بعد حضرت شموئیل علیہ السلام کا زمانہ تھا کہ یہودی بادشاہ جالوت اور کئی دوسرے دشمنوں سے گھبرا کر بیت المقدس میں جمع ہوگئے اور اپنے نبی سے کہنے لگے کہ ہم پر کوئی سپہ سالار مقرر کردو تاکہ ہم اس کی نگرانی میں جہاد کرسکیں۔نبی نے فرمایا کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ جب بھی جہاد کا حکم آئے گا تو تم لوگ بھاگ جاؤ گے۔انہوں نے کہا کہ ہم کیوں کر بھاگ جائیں گے، جبکہ ہم پر اس قدر ظلم اور زیادتی کی گئی ہے

ہم ضرور جہاد کریں گے مگر جب جہاد کا حکم آیا تو سوائے چند لوگوں کے سب بھاگ گئے۔ اللہ تعالیٰ کو تو سب معلوم تھا کہ یہ ظالم اور بے کار قسم کے لوگ یہی کریں گے۔ بنی اسرائیل کی یہ مثال صرف مسلمانوں کو سمجھانے کیلئے دی گئی ہے کہ بنی اسرائیل اپنی نافرمانیوں، ضد اور سستی کی وجہ سے بالکل ذلیل وخوار ہو گئے تھے۔ تم کبھی بھی بزدلی اور نافرمانی نہ کرنا ورنہ تمہارا بھی وہی حشر ہو سکتا ہے۔ بنی اسرائیل کی ایک اور حماقت کا ذکر اگلی آیت میں کیا گیا ہے۔

## سپہ سالار کی خصوصیات

وَ قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْۤا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَ نَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَ لَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَ زَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَ الْجِسْمِ ؕ وَ اللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿247﴾

ان کے نبی نے ان سے کہا کہ اللہ نے طالوت کو تمہارے لئے بادشاہ مقرر کیا ہے۔ یہ سن کر وہ بولے ہم پر بادشاہ بننے کا وہ کیسے حق دار ہو گیا (اس کے مقابلہ میں) ہم بادشاہی کے زیادہ مستحق ہیں وہ تو کوئی بڑا مالدار آدمی نہیں ہے۔ نبی نے جواب دیا: اللہ نے تمہارے لئے اسی کو منتخب کیا ہے اور اس کو دماغی وجسمانی دونوں قسم کی اہلیت فراوانی کے ساتھ عطا فرمائی ہے اور اللہ کو اختیار ہے کہ وہ اپنا ملک جسے چاہے اسے دے، اللہ بڑی وسعت رکھتا ہے اور سب کچھ اس کے علم میں ہے۔ (247)

تشریح: اس آیت میں طالوت کا ذکر ہے۔ طالوت ایک تیس سالہ نوجوان تھے ان کا زمانہ 1028 قبل مسیح بیان کیا جاتا ہے۔ قبیلہ بن یامین کے ایک معمولی خاندان سے انکا تعلق تھا جو کہ مالی لحاظ سے بہت کمزور تھا مگر ذہنی، علمی اور جسمانی لحاظ سے وہ بہت ہی مضبوط تھے۔ یہودیوں نے اپنی نالائقی کے سبب پھر نکتہ چینی شروع کر دی کہ یہ تو غریب آدمی ہے ہم پر یہ بادشاہ کیسے بن سکتا ہے۔ یہ قصہ بھی قرآن پاک میں اسی لئے بیان کیا گیا ہے کہ سرداری اور حکومت کرنے کے لئے مالدار ہونا ضروری نہیں، بلکہ عقل وفہم اور صحت زیادہ ضروری ہے۔ پھر نبی نے ان کو سمجھایا کہ حکومت اور سرداری کے لئے اللہ کے نزدیک مالدار ہونا ضروری نہیں، بلکہ علم اور مضبوط وبہادر ہونا زیادہ ضروری ہے یہ دونوں صفات طالوت میں موجود ہیں اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ حکمرانی تو دراصل اللہ ہی کی ہے وہ جسے چاہتا ہے حکومت دے دیتا ہے۔ کیونکہ اللہ فضل کرنے والا اور جاننے والا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ حکومت کا مستحق کون ہے۔ تمام مسلم عوام اور مسلم ملکوں کو یاد رکھنا چاہئے کہ سپہ سالار، لیڈر یا حاکم چنتے ہوئے صرف مالدار ہونا ضروری نہیں، بلکہ ایک لیڈر میں ان صفات کا ہونا بے حد ضروری ہے۔ انسانیت کا علم، فتح کا عزم مصمم، شجاعت، حوصلہ مندی، خود اعتمادی، دوسروں میں اعتماد پیدا کرنے کا طریقہ، بلند خیالی، فراخ دلی، ذہنی اور جسمانی تندرستی، انتظامی مہارت، معاف کرنے کی عادت اور اپنے جوانوں کو فوجی تربیت دینے کے تمام طریقوں سے واقفیت۔ یہ ہیں ایک کامیاب سپہ سالار، لیڈر یا حاکم بننے والوں

کے اوصاف۔صرف مالدار ہی لیڈر، حاکم یا سپہ سالار بن سکتا ہے۔بنی اسرائیل یہ اور اس طرح کی کئی اور لایعنی حرکتیں کرتے رہے اور اسی لئے ذلیل وخوار ہوئے ہمیں ان کی خامیوں سے سبق سیکھنا چاہئے۔

## تابوت سکینہ

وَ قَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖۤ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ بَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَ اٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿248﴾ ع 32/6/16

اس کے ساتھ ان کے نبی نے ان کو یہ بھی بتایا کہ خدا کی طرف سے اس کے بادشاہ مقرر ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس کے عہد میں وہ صندوق تمہیں واپس مل جائے گا جس میں تمہارے رب کی طرف سے تمہارے لئے سکون قلب کا سامان ہے، جس میں آل موسیٰ اور آل ہارون کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہیں اور جس کو اس وقت فرشتے سنبھالے ہوئے ہیں۔اگر تم مومن ہو تو یہ تمہارے لئے بہت بڑی نشانی ہے۔﴿248﴾

تشریح: حضرت شموئیل علیہ السلام نے حضرت طالوت کو بنی اسرائیل پر بادشاہ مقرر کر دیا اور ان کو یقین اور اطمینان دلانے کے لئے ان کو بتایا کہ وہ مبارک صندوق جو جالوت تم سے چھین کر لے گیا ہے۔وہ طالوت کے زمانے میں تمہیں واپس مل جائے گا اور یہ ایک بڑی نشانی ہے طالوت کے اچھے بادشاہ ہونے کی۔وہ مبارک صندوق کیا تھا اس کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ اس میں تورات کا اصل نسخہ اور بنی اسرائیل کے پیغمبروں کے تبرکات موجود تھے۔بنی اسرائیل اس کو بے حد عزیز اور فتح کا نشان سمجھتے تھے وہ اسے ہر وقت اپنے ساتھ رکھتے تھے۔بلکہ لڑائی کے وقت اس کو آگے آگے رکھتے اس خیال سے کہ اس کی برکت سے فتح حاصل ہو جائے گی۔ہوا یہ کہ ایک دفعہ فلسطینی مشرکین نے کسی لڑائی میں وہ صندوق بنی اسرائیل سے چھین لیا تھا۔مگر وہ اس صندوق کی وجہ سے بے حد پریشان رہتے وہ جہاں اور جس بستی میں بھی اس کو رکھتے وہاں بربادی اور وبا پھوٹ پڑتی آخر تنگ آ کر انہوں نے اس صندوق کو بیل گاڑی پر رکھا اور نامعلوم جگہ کی طرف اس کو ہانک دیا۔اللہ تعالیٰ کے فرشتے اسے طالوت کے دروازے پر لے آئے۔اس مبارک نشانی کو دیکھ کر بنی اسرائیل طالوت کو بادشاہ ماننے پر راضی ہو گئے۔تاریخ سے پتہ چلتا ہے کہ یہ تابوت بنی اسرائیل کے پاس حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد تک رہا یعنی 230ق م۔حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس صندوق کو ہیکل سلیمانی میں رکھ دیا تھا اس کے بعد معلوم نہ ہو سکا وہ کہاں گیا۔

یہودیوں کا خیال ہے کہ یہ ہیکل سلیمانی کی بنیادوں میں دفن ہے۔اگلی آیت میں طالوت علیہ السلام کا لشکر لے کر نکلنے کا ذکر ہے۔

# مجاہدین کی آزمائش

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ وَ مَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهٖ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿249﴾

پھر جب طالوت لشکر لے کر چلا تو اس نے کہا ایک دریا پر اللہ کی طرف سے تمہاری آزمائش ہونے والی ہے جو اس کا پانی پیئے گا وہ میرا ساتھی نہیں۔ میرا ساتھی صرف وہ ہے جو اس سے پیاس نہ بجھائے ہاں ایک آدھ چلو کوئی پی لے۔ مگر سوائے تھوڑے لوگوں کے باقی سب نے سیر ہو کر پانی پیا پھر جب طالوت اور اس کے مومن ساتھی دریا پار کر کے آگے بڑھے تو انہوں نے (طالوت سے) کہہ دیا کہ آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکر سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے۔ لیکن جو لوگ سمجھتے تھے کہ انہیں ایک دن اللہ سے ملنا ہے انہوں نے کہا۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ تھوڑی تعداد کا گروہ اللہ کے حکم سے بڑی تعداد کے گروہ پر غالب آ گیا ہے۔ اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھی ہے۔﴿249﴾

**تشریح:** اس آیت میں سب سے پہلے جہاد کی ترغیب دی گئی ہے۔ اس سے پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ذکر ہے کہ وہ جس کو چاہے عزت دے جیسا کہ طالوت کو بیٹھے بٹھائے بادشاہت مل گئی اور جسے چاہے فقیر کر دے یہ سب انسان کی قدرت سے باہر ہے۔ انسان کا کام ہے اللہ پر مکمل بھروسہ کر کے ہر نیک کام میں پوری کوشش کرے اور نتیجہ اللہ پر چھوڑ دے۔

یہاں اس بات کا عملی مظاہرہ ہو رہا ہے۔ طالوت نے اپنا لشکر لیا اور جالوت کے مقابلہ کے لئے چل پڑا۔ راستہ میں دریائے اردن (بیان کیا جاتا ہے) آتا تھا۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے ان کی آزمائش کی تاکہ سچے اور جھوٹے سپاہیوں کی چھانٹی ہو جائے۔ ہوا اس طرح کہ طالوت نے اپنے لشکر کو حکم دیا کہ جو لوگ اس پانی سے سیر ہو کر پی لیں گے وہ میرے ساتھی نہیں ہوں گے اور جو میرے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے یہاں سے پانی نہیں پئیں گے وہ میرے سچے ساتھی ہوں گے۔ البتہ ایک چلو بھر پانی تم پی لو تو اس کی اجازت ہے۔ مگر جو جھوٹے اور بدنیت لوگ تھے انہوں نے خوب سیر ہو کر پانی پی لیا اس میں تھوڑے سے ایسے اچھے اور فرمانبردار لوگ تھے جنہوں نے اپنے سردار کا حکم مانا اور سیر ہو کر پانی نہ پیا جنہوں نے پی لیا وہ سست ہو گئے اور ساتھ چلنے کی ان میں طاقت نہ رہی تو وہ کہنے لگے کہ ہم تو آگے نہیں چل سکتے۔ ان کو فوج سے علیحدہ کر دیا گیا اور فوج میں صرف چھ سو مجاہد باقی رہ گئے۔ اب ان کی تعداد کم ہو گئی تھی۔ جب یہ لوگ جالوت کے مقابلہ میں پہنچے تو دشمن کے لشکر کی زیادہ تعداد اور جالوت کے رعب و دبدبہ کو دیکھ کر یہ لوگ ڈر گئے مگر کچھ لوگ ان میں اتنے بہادر اور پکے مومن تھے کہ وہ نہ ڈرے، بلکہ کہنے لگے کہ کوئی بات نہیں کئی دفعہ ایسا ہو چکا ہے کہ اللہ نے

چھوٹی جماعت کو بڑی جماعت پر فتح دی صرف اس لئے کہ چھوٹی جماعت کا ایمان مضبوط تھا اور وہ پورے یقین، بہادری اور ایمان کی طاقت سے لڑے۔ طالوت اور ان کے ساتھیوں کو یقین تھا کہ فتح ان کو ضرور ہوگی، کیونکہ ان کے اندر ایمان کی طاقت اللہ پر بھروسہ، ثابت قدمی، بہادری اور صبر و یقین تھا اسی لئے ان کو اللہ کی مدد اور اپنی فتح کا یقین تھا۔ طالوت کی فوج کا یہ تیسرا گروہ تھا۔ کیونکہ ایک گروہ تو ناقص ثابت ہوا جو شروع میں ہی علیحدہ ہو گیا اور باقی دو گروہ بنے ایک کامل لوگ یعنی اچھے اور دوسرے اکمل لوگ یعنی بہت اچھے۔ دوسرا گروہ یعنی کامل لوگ وہ صرف اس لئے تھوڑا گھبرائے کیونکہ ان کے مقابلہ میں جو سردار تھا (جالوت) وہ بڑا ہی بہادر اور رعب داب والا تھا۔ تورات میں ہے کہ یہ فلسطینیوں کا سردار دس فٹ لمبا تھا، قوت، مضبوطی اور بہادری میں مشہور تھا ہر وقت سر سے پاؤں تک لوہے کا لباس پہنے رہتا تھا اور ہاتھ میں بھاری ڈھال رکھتا تھا۔ مگر طالوت کے پکے مومن اس سے ذرا بھی نہ ڈرے اور بڑی ہمت اور بہادری سے مقابلہ میں ڈٹ گئے باقی قصہ اگلی آیات میں بیان کیا جاتا ہے۔

## صبر واستقامت

وَ لَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَ جُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿250﴾ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَ قَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَ الْحِكْمَةَ وَ عَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَ لَوْ لَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَ لٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿251﴾

اور جب وہ جالوت اور اس کے لشکروں کے مقابلہ میں نکلے تو انہوں نے دعا کی اے ہمارے رب! ہم پر صبر کا فیضان کر، ہمارے قدم جما دے اور اس کافر گروہ پر ہمیں فتح نصیب کر۔ ﴿250﴾ آخر کار اللہ کے اذن سے انہوں نے کافروں کو مار بھگایا اور داوٗد نے جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ نے اسے سلطنت اور حکمت سے نوازا اور جن جن چیزوں کا چاہا اس کو علم دیا۔ اگر اس طرح اللہ انسانوں کے ایک گروہ کو دوسرے گروہ کے ذریعہ سے ہٹاتا نہ رہتا تو زمین کا نظام بگڑ جاتا۔ لیکن دنیا کے لوگوں پر اللہ کا بڑا فضل ہے کہ وہ اس طرح دفع فساد کرتا رہتا ہے۔ ﴿251﴾

**تشریح:** اس آیت میں گزشتہ آیت سے رابطہ قائم کرتے ہوئے بتایا جا رہا ہے کہ جب طالوت کا لشکر جالوت کے مقابلہ میں آیا تو انہوں نے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ سے فتح و کامیابی کی دعا کی کہ ''اے ہمارے رب ہمارے دلوں کو صبر اور مضبوطی عطا کر، ہمارے قدم مضبوط کر دے، ہماری پوری مدد کر اور ہمیں کافروں کی قوم پر فتح نصیب کر۔'' اللہ کی مدد کافروں پر فتح حاصل کرنے کے لئے مانگی گئی تھی اور بڑے خلوص اور اعتماد سے مانگی گئی تھی سو اللہ تعالیٰ نے قبول کی، ان کی مدد فرمائی اور انہوں نے کافروں کو شکست دی واقعہ اس طرح ہوا کہ جب جالوت نے آ کر مقابلہ کی دعوت دی تو کوئی بھی اس کے مقابلہ کی ہمت نہ کر سکا اس پر حضرت داوٗد علیہ السلام

بڑی جرات سے اس کے مقابلہ میں میدان میں اتر آئے اور انہوں نے ایک پتھر اپنے فلاخن ''گوپیا'' (چھوٹا سا ہتھیار) میں رکھ کر ایسا کھینچ کے مارا کہ وہ جالوت کے ماتھے سے گزر کر دماغ میں پہنچ گیا اور مضبوط و بہادر جالوت وہیں تڑپ کر ڈھیر ہو گیا اور یوں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو فلسطینیوں پر فتح عطا کی جو کہ ناممکن نظر آرہی تھی۔ مگر مومن کے ایمان کی یہی نشانی ہے کہ وہ اللہ کا بندہ ہوتا ہے، اسی سے مدد مانگتا ہے اور اسی پر بھروسہ کرتا ہے اسی لئے تو علامہ اقبال نے فرمایا۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اب اس مرد مجاہد کی بات کی جائے جس نے جالوت کو قتل کیا۔ یہ حضرت داوٗد علیہ السلام تھے۔ اس وقت یہ کم سن نوجوان تھے، اتفاق سے یہ عین اس وقت لشکر میں پہنچے جب جالوت میدان میں کھڑا مقابلہ کی دعوت دے رہا تھا اور کوئی بھی مقابلہ میں آنے کی ہمت نہ کر رہا تھا تو حضرت داوٗد علیہ السلام فوراً میدان میں کود پڑے اور آن واحد میں فوراً اس کو قتل کر دیا۔ اس فتح اور بہادری کی ربہ سے اسرائیلیوں نے ان کو سر پر اٹھا لیا ان کی بہادری نے ان کو پوری قوم کی آنکھوں کا تارا بنا دیا۔ حضرت طالوتؒ نے اپنی بیٹی کی شادی ان سے کر دی اور وہ اسرائیلیوں کے دوسرے فرمانروا بن گئے۔ قرآن مجید میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو سلطنت اور حکمت دی ان کا ذکر قرآن مجید میں تقریباً 16 جگہ آیا ہے۔ آپ 963 تا 1024 ق م۔ ایک پیغمبر گزرے ہیں اور بنی اسرائیل کے دوسرے تاجدار بنے آپ نے سات سال تک پایہ تخت ہبرون کو رکھا۔ اس کے بعد یروشلم کو فتح کر کے اس کو پایہ تخت بنایا۔ ان کے زمانہ میں بڑی فتوحات ہوئیں اسی لئے آپ کا دور حکومت اسرائیلی تاریخ میں حسن انتظام کے لحاظ سے یادگار زمانہ سمجھا جاتا ہے اور پھر حکمت کا لفظ بھی اللہ نے استعمال کیا ہے۔ حکمت کا مطلب ہے دانائی اور پھر علوم کا ذکر ہے تو وہ علوم جو انبیاء علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ عطا فرماتے ہیں ان کا شمار کرنا مشکل ہے۔ یعنی بے شمار علوم اللہ تعالیٰ نے ان کو سکھائے ان کا ذکر انشاء اللہ آئندہ کیا جائے گا۔

اگر اللہ تعالیٰ انسانوں کو ایک دوسرے کے ذریعہ ہٹاتا نہ رہتا تو زمین پر فساد برپا ہو جاتا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین کا انتظام برقرار رکھنے کے لئے یہ قانون بنا رکھا ہے کہ وہ انسانوں کے ایک گروہ کو ایک خاص مدت تک غلبہ اور طاقت عطا کرتا ہے مگر جب کوئی گروہ حد سے بڑھنے لگتا ہے تو اللہ تعالیٰ دوسرے گروہ سے اس کا زور توڑ دیتا ہے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو ایک ہی پارٹی یا گروہ ظلم وستم اور لوٹ مار میں حد سے بڑھ جاتا اور یوں اللہ کی زمین پر فساد اور گڑبڑ پیدا ہو جاتی۔ جب کہ اللہ تو انسانوں پر فضل وکرم کرنے والا ہے، ثابت ہوا کہ حکومتوں میں ردو بدل بلاوجہ نہیں ہوتا، بلکہ یہ خاص مقصد اور بھلائی کے لئے ہوتا ہے۔ اب ذرا پیچھے دیکھتے ہیں کہ اس لمبے قصہ سے پہلے جہاد کا حکم دیا گیا تھا۔ اب ذرا غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ جہاد سے متعلق کس قدر تفصیل سے باتیں بتائی گئی ہیں اور اس تاریخی واقعہ سے کس قدر اہم سبق سکھائے گئے ہیں اس قصہ کے خاتمہ پر اچانک مخاطب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا جا رہا ہے۔

# گزشتہ نشانیاں

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿252﴾

یہ اللہ کی آیات ہیں جو ہم آپ کو ٹھیک ٹھیک سنا رہے ہیں اور تم یقیناً ان لوگوں میں سے ہو جو رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ ﴿252﴾

**تشریح:** اس آیت میں ایک تو اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ قرآن پاک میں جو بھی مضامین اور واقعات سابقہ قوموں کے بیان کئے گئے ہیں وہ بالکل ٹھیک اور اصل صورت میں بیان کئے گئے ہیں پچھلی قوموں کی آسمانی کتابوں کی طرح تبدیل نہیں کر دیا گیا قرآن مجید کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ذمہ لے رکھی ہے۔ اس میں قیامت تک کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی یہ اللہ کا وعدہ ہے اور یہ تمام واقعات بالکل ٹھیک سنانے میں کئی مصلحتیں ہیں۔ مثلاً:

پہلی بات یہ ہے کہ یہ بالکل سچے قصے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ آنے والی قوموں اور نسلوں کو ان کی زندگیوں سے سبق دینا مطلوب ہے کہ نیکی اور بدی کا انجام کیا ہوتا ہے۔ خلوص اور بدنیتی کا کیا بدلہ ملتا ہے جیسا کہ بنی اسرائیل کا کردار ہمارے سامنے ہے، کس طرح ہزاروں لوگ گھروں سے نکلے، مر گئے پھر زندہ کئے گئے۔ جالوت کا حملہ کرنا، سپہ سالار کے لئے درخواست کرنا، حضرت طالوت علیہ السلام کا بادشاہ بننا پھر انہیں علم اور جسمانی مضبوطی میں سب پر فوقیت حاصل ہونا، تابوت سکینہ کا واپس ملنا، طالوت و جالوت کا مقابلہ ہونا، حضرت داؤد علیہ السلام کا جالوت کو قتل کرنا اور پھر سلطنت و پیغمبری کا ملنا یہ سب واقعات آنے والے لوگوں کیلئے نصیحت کا باعث ہیں۔

تیسری بات یہ ہے کہ اس سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ واقعی سچے اور آخری نبی ہیں۔ کیونکہ یہ سب واقعات نبی کریم ﷺ کو کسی نے نہیں بتائے اور نہ ہی آپ ﷺ اس وقت موجود تھے۔ رب العزت نے ان کو اپنی کتاب قرآن مجید کے ذریعہ ہی سب کچھ بتایا ہے۔ قرآن کی سچائی اور آنحضرت ﷺ کی سچائی اس سے ثابت ہو جاتی ہے۔ آخر میں تنبیہ کی جا رہی ہے کہ محمد ﷺ صرف ایک رسول اور پیغمبر ہیں جیسا کہ ان سے پہلے کئی رسول بھیجے جا چکے ہیں اور رسول کا کام صرف اللہ کا پیغام بندوں تک پہنچاتا ہے وہ خود عبادت کئے جانے کے قابل نہیں ہوتے، عبادت کا حق تو صرف اللہ وحدہ لاشریک کا ہی ہے۔ صرف اللہ کی عبادت کرنے کی اجازت ہے۔ نبی یا رسول تو صرف اللہ کا حکم بندوں تک پہنچانا ہوتا ہے۔ جس قدر نبی اور رسول پہلے گزر چکے ہیں آپ بھی انہی میں سے ایک ہیں۔ آپ کی فرمانبرداری کرنا بندوں کا فرض ہے آپ کی عبادت کرنا منع اور شرک ہے، کیونکہ عبادت کے لائق صرف اللہ ہی ہے اور کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا۔ ہاں البتہ بعض رسولوں کو بعض پر بڑائی دی گئی ہے جس کا ذکر تیسرے پارے کے شروع میں ہی کیا جا رہا ہے۔

# خلاصہ پارہ

پہلے پارے کی ابتداء سورہ فاتحہ سے ہوئی۔ یہ سورت ایک جامع دعا پر مشتمل ہے میں صراط مستقیم کی التجا تھی تو جس کے جواب میں پورا قرآن مل گیا۔ پھر سورہ البقرہ شروع ہوئی اس میں مندرجہ ذیل موضوعات ہیں۔ مومن، کافر اور منافق کی تعریف وعلامات، خلافت آدم، بنی اسرائیل کی تاریخ اور احکام الٰہی کی مخالفت، حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے خاندان کے حالا ت بیان کئے گئے۔

دوسرے پارہ میں سب سے پہلے ملت اسلامیہ کے فرائض بتائے گئے۔ پھر تحویل قبلہ کا ذکر ہوا۔ تیسرے رکوع میں شہادت، چوتھے اور پانچویں رکوع میں حلال وحرام اور جاہلی رسمیں۔ چھٹے رکوع میں نیکی کا تصور، قصاص، وصیت، روزہ، دعا اور اعتکاف کے بیانات ہیں۔ آٹھویں، نویں اور دسویں رکوع میں جہاد اور مختلف مسائل کا بیان ہے۔ اس کے بعد اللہ کے راستے میں خرچ کرنا، شراب کا حرام ہونا۔ اہل شرک سے نکاح کی ممانعت کا ذکر ہے۔ بارہویں سے پندرہویں رکوع میں عائلی زندگی کے تمام مسائل اور بچے کے دودھ کی مدت کا ذکر ہے۔ سولہویں اور سترہویں رکوع میں تاریخ بنی اسرائیل کا اہم واقعہ کہ حضرت طالوت علیہ السلام کا بادشاہ بننا۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی کامیابیاں اور باطل کی شکست کا ذکر کر کے بتلایا کہ کامیابی آخر کار اہل حق کو ہوتی ہے اگرچہ آزمائش کے بعد ہو اور ناکامی ونامرادی ہمیشہ باطل پرستوں کو ہوتی ہے اگرچہ چند دن فراوانی کے گزار لیں۔

مولائے کریم سے دعا گوں ہوں کہ ہمیں بھی اہل حق کے راستہ پر چل کر دارین کی کامیابیاں عطا فرمائے۔ ( آمین )

# ''تِلْكَ الرُّسُلُ'' (تیسرا پارہ)

تیسرا پارہ سورہ البقرہ کے آخری 8 رکوع اور سورہ آل عمران کے ابتدائی 9 رکوع، اس طرح کل 17 رکوع اور 124 آیات پر مشتمل ہے۔اس پارہ کے شروع میں رسولوں کے درجات کا بیان ہے، انفاق فی سبیل اللہ کی ہدایات، اللہ تعالیٰ کی توحید وعظمت، تین واقعات کا ذکر ہے۔پھر انفاق فی سبیل اللہ، صدقہ، قرض، سود، تجارت، کا ذکر ہے پھر سورہ آل عمران شروع ہوتی ہے اس کے بعد محکمات ومتشابہات کا بیان پھر بنونجران کا واقعہ پھر آیت 33 سے حضرت مریم علیہا السلام، آیت 64 اہل کتاب اور توحید کا بیان، انبیاء کے منصب اور آخر میں توحید کی دعوت اور دین اسلام کی فضیلتیں بیان کی گئی ہیں۔

## رسولوں کے درجات

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۭ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۣ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿253﴾

یہ سب رسول ہیں ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی۔ان میں سے کوئی وہ ہے جس سے اللہ نے کلام فرمایا اور بعض کے درجے بلند کئے اور ہم نے مریم کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کو کھلے معجزے دیئے اور اس کو روح القدس (جبرئیل علیہ السلام) کے ساتھ قوت دی اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو جو لوگ ان پیغمبروں کے بعد ہوئے آپس میں نہ لڑتے جب کہ ان کے پاس صاف حکم پہنچ چکے تھے لیکن انہوں نے باہم اختلاف کیا چنانچہ ان میں سے کچھ وہ ہیں جو ایمان لائے اور کچھ وہ ہیں جنہوں نے کفر کیا۔اور اگر اللہ چاہتا تو وہ باہم نہ لڑتے۔لیکن اللہ جو چاہے کرتا ہے۔﴿253﴾

تشریح: اس آیت میں کچھ رابطہ پچھلی آیت سے بھی ہے۔کیونکہ اس میں یہ وضاحت کی گئی تھی کہ محمد ﷺ رسولوں میں شامل ہیں مگر وہ بھی باقی نبیوں کی طرح اللہ کا پیغام پہنچانے والے ہیں اور قابل عزت ہیں مگر یہ نہیں کہ ان کو عبادت کے لائق سمجھا جائے کیونکہ عبادت تو صرف اللہ ہی کی ہوسکتی ہے۔ویسے تو بے شمار رسول دنیا میں لوگوں کو راہ دکھانے کے لئے بھیجے گئے ہیں مگر ان سب کو درجات علیحدہ علیحدہ ملے اللہ تعالیٰ نے ان کو مختلف فضیلتیں دی ہیں۔جیسا کہ محمد ﷺ کا درجہ تمام نبیوں اور رسولوں سے بلند ہے۔کیونکہ باقی نبی کسی ایک قوم یا ملک کے لئے بھیجے گئے جب کہ آپ ﷺ کو تمام دنیا کے لئے رحمت اور ہدایت بنا کر بھیجا گیا ہے اور آپ ﷺ کی تعلیمات پوری دنیا کے لئے ہیں اور پھر آپ ﷺ آخری دین اور آخری کتاب کے لانے والے ہیں تو اس کا

مطلب یہ ہوا کہ آپ کو مکمل انسان، نبی اور رسول بنایا گیا کہ آپ ﷺ کے بعد نہ کسی نبی کی ضرورت رہی، نہ دین کی اور نہ ہی کسی آسمانی کتاب کی پھر بھی آپ ﷺ کا درجہ صرف پیغمبر کا ہی ہے خالق یا معبود کا نہیں کیونکہ وہ صرف اللہ وحدہ لاشریک کا ہی مقام ہے۔اسی نے تمام نبی بھیجے، کچھ کا درجہ اونچا کچھ کا نیچا ہے۔کسی کے ساتھ اللہ نے بات چیت کی اور ان کو موسیٰ کلیم اللہ کہا گیا یہ عزت حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ملی، اسی طرح عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کا درجہ اپنی جگہ ہے کہ ان کو بے شمار ایسے معجزات دیئے گئے کہ لوگ ان پر یقین کرنے کے لئے مجبور ہو جاتے تھے اس کے علاوہ روح القدس یعنی حضرت جبرئیل علیہ السلام کی مدد بھی ان کو تائید کی صورت میں دی گئی تھی۔ابن مریم یعنی مریم کے بیٹے کہہ کر یہ وضاحت کر دی کہ وہ خدا نہ تھے، بلکہ ایک عورت حضرت مریم کی اولاد تھے روح القدس (جبرئیل علیہ السلام) بھی ایک مخلوق ہی ہیں جو کہ اللہ کی طرف سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حفاظت اور مدد کے لئے مقرر کئے گئے تھے۔

یہ سب نبی اور ان کے علاوہ بے شمار نبی اور رسول لوگوں کی ہدایت کے لئے وقتاً فوقتاً بھیجے جاتے رہے۔کچھ کو آسمانی کتابیں دی گئیں اور کچھ نے دوسروں کی کتابوں سے تعلیم دی لیکن اتنی زیادہ کھلی نشانیوں اور ہدایات کے باوجود بھی لوگ آپس میں لڑتے رہے کچھ ایمان لے آئے اور کچھ نے کفر کیا۔اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ اللہ نے انسان کو پورا اختیار دے رکھا ہے کہ وہ نیکی کا راستہ اختیار کرے یا بدی کا۔ہدایت کا راستہ بتانے کے بعد انسان کی اپنی مرضی پر چھوڑ دیا گیا کہ گناہ کرے یا ثواب۔اللہ تعالیٰ کا بندوں کو آزمانے کا یہ ایک خاص طریقہ ہے ورنہ تو اللہ تعالیٰ بہت زیادہ اختیار اور طاقت وقدرت رکھتا ہے۔وہ اگر چاہتا تو دنیا میں کوئی انسان بھی اس کے حکم کے خلاف نہ چل سکتا۔مگر اس نے تمام وسیلے انسان کو دے دیئے۔ہدایت کے لئے کتابیں اور رسول بھیج دیئے مگر راہ اختیار کرنا بندے کو دے دیا یہ اس کی مرضی پر چھوڑ دیا۔نیک بن کر جنت کمائے یا بد بن کر دوزخ میں جائے۔

حدیث ہے: اللہ رحیم ہے رحم کو پسند کرتا ہے۔اپنی رحمت ہر رحیم پر رکھتا ہے۔(طبرانی)

## اللہ کی راہ میں خرچ

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ أَنفِقُوا۟ مِمَّا رَزَقْنَٰكُم مِّن قَبْلِ أَن يَأْتِىَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيهِ وَلَا خُلَّةٌ وَلَا شَفَٰعَةٌ ۗ وَٱلْكَٰفِرُونَ هُمُ ٱلظَّٰلِمُونَ ﴿254﴾

اے ایمان والو! اس میں سے خرچ کرو جو ہم نے تم کو دیا اس دن کے آنے سے پہلے کہ جس دن نہ خرید و فروخت ہوگی اور نہ آشنائی یا سفارش کام آئے گی اور جو کافر ہیں وہی ظالم ہیں۔﴿254﴾

تشریح: اس آیت میں ایک تو اللہ کی قدرت کا ذکر ہے کہ انسان کو مال و دولت اور صحت وتندرستی غرض ہر چیز اسی کی ہی دی ہوئی ہیں۔اس لئے انسان کو حکم دیا گیا ہے کہ تم تو صرف اس دنیا میں کچھ عرصہ کے لئے بھیجے گئے ہو تو اس دنیا سے جانے سے پہلے پہلے اللہ کی دی ہوئی ہر نعمت اللہ کی راہ میں خوشی سے خوب خرچ کرو۔کیونکہ یہ خرچ کیا ہوا تمہارے بہت کام آئے گا، جو مال تم برے

کاموں کے لئے خرچ کرو گے وہ مرنے کے بعد تمہارے کام اس طرح آئے گا کہ تمہیں عذاب ملے گا۔ لیکن اللہ کی راہ میں یعنی نیک کاموں کے لئے جو بھی تم خرچ کرو گے اس سے کئی گنا زیادہ تمہیں ثواب کی صورت میں دے دیا جائے گا۔ اگر انسان اس بات کو ہر وقت ذہن میں رکھے کہ اس نے مرجانا ہے اور پھر اللہ کے سامنے حاضر ہو کر اپنے کئے ہوئے کاموں کا بدلہ سزا یا جزاء پانی ہے تو وہ ہر برائی سے بچ سکتا ہے اور حساب والے دن کی تعریف اللہ تعالیٰ نے یوں کی ہے۔

1- اس دن کسی سے سودے بازی لین دین نہ ہو سکے گا۔

2- نہ محبت، دوستی یا رشتہ داری کا فائدہ مل سکے گا۔

3- نہ کسی بڑے آدمی کی سفارش، دولت، رتبہ یا دباؤ کام آسکے گا۔

یہ سب دنیا کی سہولتیں ہیں۔ اللہ کے سامنے جب اعمال کا حساب و کتاب ہوگا تو صرف اپنے کئے ہوئے اعمال کا ہی بدلہ ملے گا اسی لئے کہا گیا ہے کہ اللہ کے دیئے ہوئے مال کو برے کاموں کے لئے نہیں، بلکہ اللہ کی راہ میں نیک کاموں کے لئے خوشی سے خرچ کرو۔

حدیث میں آیا ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اے آدم کے بیٹے! تو میری راہ میں خرچ کر میں تجھ پر خرچ کروں گا۔

## اللہ تعالیٰ کی صفات

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ۭ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ۭ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَـــُٔـوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَھُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ (255)

اللہ تعالیٰ وہ زندہ و جاوید ہستی ہے جو تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے اس کے سوا کوئی (سچا) معبود نہیں نہ اسے اونگھ آتی ہے نہ نیند زمین و آسمان میں جو کچھ ہے اسی کا ہے۔ کون ہے جو اس کی جناب میں اس کی اجازت کے بغیر کسی کی سفارش کر سکے؟ وہ جانتا ہے جو کچھ بندوں کے سامنے ہے اور جو کچھ اوجھل ہے اور اس کی معلومات میں سے کوئی چیز ان کی گرفت یا ادراک میں نہیں آسکتی۔ سوائے اس کے کہ کسی چیز کا علم وہ خود ہی ان کو دینا چاہے۔ اس کی حکومت زمینوں اور آسمانوں پر چھائی ہوئی ہے اور ان کی نگہبانی اس کے لئے کوئی تھکا دینے والا کام نہیں۔ بس وہی ایک بزرگ و برتر ذات ہے۔ (255)

تشریح: یہ آیت اللہ تعالیٰ کی صفات، جلال، وحدانیت اور علو شان پر مبنی ہے۔ کرسی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے یعنی مکمل اقتدار، حکومت اور اختیارات ایسے اختیارات جن میں کوئی دوسرا شریک نہیں یہ دس جملوں پر مشتمل ہے ہر جملہ اللہ کی وحدانیت کا ثبوت

پیش کر رہا ہے اور دو اہم جملوں پر اس کی بنیاد ہے۔ پہلا وہ واحد ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور دوسرا ''اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ'' وہ زندہ ہے اور قائم ہے۔ (ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا) بلکہ آنحضرت ﷺ نے تو ''یَا حَیُّ یَا قَیُّوْمُ'' کو اسم اعظم کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو مندرجہ ذیل صفات سے مکمل اور اٹل کر دیا گیا ہے۔

1- اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔

2- وہ زندہ ہے، زندگی کے لئے کسی کا محتاج نہیں۔

3- خود ہمیشہ قائم رہنے والا، تمام مخلوقات کو پیدا کرنیوالا، زندہ رکھنے والا اور پوری کائنات کو مکمل طور پر سنبھالنے والا ہے۔

4- اسے نہ نیند آتی ہے اور نہ ہی اسے اونگھ آتی ہے کیونکہ وہ ان عادات سے بے نیاز ہے۔

5- زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے۔

6- اس کی اجازت کے بغیر کوئی اس کے سامنے سفارش نہیں کر سکتا۔

7- کوئی اس کے علم اور اقتدار میں سے کچھ چھین نہیں سکتا۔

8- زمین و آسمان اور ساری کائنات کی حفاظت اس کے لئے آسان ہے۔

9- وہ ہر کسی کے تمام حالات سے باخبر ہے۔

10- بلندی اور عظمت اسی کے لئے ہے۔

یہ تمام صفات اس وقت انسان کے سامنے پوری طرح روشن ہو جاتی ہیں جب وہ اپنے اوپر نظر ڈالتا ہے اور اپنی زندگی کے راز کو دریافت کرنے نکلتا ہے۔ جیسا کہ مولانا وحید الدین اپنی کتاب ''مذہب اور سائنس'' میں لکھتے ہیں۔ ڈاکٹر Joad کے الفاظ میں کہ زندگی کا راز انسان کے لئے ناقابل دریافت ہے۔ اب جس طرح ایک بیمار شخص کی معذوری کہ وہ اپنا علاج خود نہیں کر سکتا۔ ڈاکٹر کے پاس جانا ضروری ہے اسی طرح نظام فطرت میں انسان کا ایک چیز کے لئے ضرورت مند ہونا اور پھر اس ضرورت کی تکمیل کے لئے کافی صلاحیت نہ رکھنا اس بات کا اشارہ ہے کہ اس کے لئے وہ اپنے اللہ کا محتاج ہے جس نے اسے موجودہ شکل میں بنایا جس طرح اللہ نے انسان کو آکسیجن کا محتاج بنایا اور پھر آکسیجن بے حساب مقدار میں سارے کرہ ارض کے گرد پھیلا دی۔ اسی طرح اس نے انسان کو زندگی کی حقیقت جاننے کا محتاج بنایا اور پھر اپنے نبیوں کے ذریعہ زندگی کی حقیقت واضح فرمائی''۔ اسی لئے تو آیت الکرسی کے آخر میں آتا ہے کہ علم تو اسی کا ہے اور اس کا علم کسی انسان کی سمجھ میں نہیں آ سکتا مگر اتنا جتنا کہ وہ خود عطا کرے۔ پوری کائنات کو سنبھالے رکھنا اور تمام انتظامات بڑی ہی کامیابی سے کرنا اللہ کے لئے کوئی تھکا دینے والا کام نہیں۔ یہی تمام نشانیاں ہیں جن کو دیکھ کر ہم اللہ کا اقرار کرتے ہیں ورنہ اللہ کا وجود انسان کی سمجھ میں ہرگز نہیں آ سکتا۔ پس وہ ''هُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ'' ہے اور ہمیشہ سے ہے ہمیشہ رہے گا۔

# اسلام میں جبر نہیں

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۣۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ
اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۤ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿256﴾ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ
يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ڛ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰۗــــُٔــھُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ
اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿257﴾ ع 34/4/2

دین میں کوئی جبر نہیں بے شک ہدایت گمراہی سے جدا ہو چکی ہے، جو گمراہ کرنے والوں کو نہ مانے اور اللہ پر ایمان لائے تو اس نے مضبوط حلقہ پکڑ لیا جو ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے۔﴿256﴾ اللہ ایمانداروں کا مددگار ہے انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے اور جو لوگ کافر ہوئے ان کے رفیق شیطان ہیں وہ انہیں روشنی سے اندھیروں کی طرف لے جاتے ہیں۔ یہی لوگ دوزخی ہیں، وہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے۔﴿257﴾

تشریح: اس آیت میں دین کے بارے میں وضاحت کی گئی ہے۔ دین کا مطلب ہے وہ تمام عقیدے جو گزشتہ آیت الکرسی میں بیان کئے گئے ہیں ان پر صحیح اور مکمل ایمان رکھنا اور یہ تمام عقیدے اسلام کہلاتے ہیں۔ اسلام کے جس قدر اصول اور قانون بنائے گئے ہیں وہ بہترین ہیں مگر اسلام کسی بھی شخص پر زبردستی نہیں ڈالا جا سکتا۔ مذہب اسلام کا یہ اصول ہی نہیں کہ زبردستی مسلمان کیا جائے، اسلام کی تبلیغ کے لئے بہت تاکید کی گئی ہے مگر ساری تاریخ میں کبھی کہیں اس بات کا ثبوت نہیں ملتا کہ کسی کو زبردستی مسلمان بنایا گیا ہو، لیکن اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ اسلام قبول کرنے کے بعد اس کے کچھ احکامات مان لئے جائیں اور کچھ چھوڑ دیئے جائیں۔ کیونکہ جب ہدایت (اسلام) گمراہی (کفر) سے جدا ہو گئی تو پھر ایک ہی راستہ پر چلنا ہوگا۔ جب ایک دفعہ انسان نے شیطان کے راستہ کو جھوٹا قرار دے دیا اور نیکی کا راستہ اختیار کر لیا جو کہ انتہائی خوبصورت اور نورانی راستہ ہے۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ جس نے اللہ کی راہ اختیار کی تو گویا وہ اندھیروں سے نکل کر روشنی میں آ گیا، لیکن جو کافر ہیں تو وہ گویا شیطان کے دوست ہیں اور شیطان تو ہمیشہ روشنی سے نکال کر اندھیروں میں لے جاتا ہے۔ یہاں اسلام کو روشنی اور کفر کو اندھیرا کہا گیا ہے اور پھر واضح کر دیا گیا ہے کہ جو بھی شیطان کے دوست یا فرمانبردار ہوں گے وہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے اور ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے۔ ہدایت کی روشنی اور کفر کے اندھیرے کو اختیار کرنے والوں کی وضاحت میں اگلی آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا مکالمہ بیان کیا جاتا ہے۔

## حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْ حَاۗجَّ اِبْرٰھٖمَ فِيْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰھٖمُ رَبِّيَ الَّذِيْ يُحْيٖ

وَيُمِيتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْيٖ وَاُمِيتُ ۭ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِيْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِيْ كَفَرَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۚ﴿258﴾

کیا تو نے اس شخص کو نہیں دیکھا جس نے ابراہیم سے اس کے رب کی بابت جھگڑا کیا اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو سلطنت دی تھی جب ابراہیم نے کہا: میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ وہ بولا میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ ابراہیم نے کہا بے شک اللہ سورج کو مشرق سے لاتا ہے تو تُو اسے مغرب کی طرف سے نکال کر دکھا۔ تب وہ کافر لاجواب ہو گیا اور اللہ بے انصافوں کو راہ نہیں دکھاتا۔﴿258﴾

تشریح: اس سے پہلی آیات میں مومنین اور کفار کے ایمان کی روشنی اور کفر کی تاریکی کا بیان تھا۔ اب اسی سلسلہ میں کچھ واقعات اور مثالیں بیان کی جا رہی ہیں۔ پہلی مثال میں نمرود بادشاہ کا ذکر ہے جو کہ عراق پر حکومت کرتا تھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد اس کی سلطنت میں بہت بڑے عہدے پر کام کرتے اور بت بناتے تھے۔ نمرود اس قدر مغرور اور سرکش تھا کہ اپنے آپ کو خدا کہلواتا اور سجدہ کرواتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے خدا ماننے اور سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ نمرود نے وجہ پوچھی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں اپنے رب کے سوا کسی کو سجدہ نہیں کرتا۔ نمرود نے کہا کہ رب تو میں ہوں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جواب دیا کہ رب وہ ہوتا ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اس پر نمرود نے دو قیدی منگوائے، بے قصور کو مار ڈالا اور جو قصوروار تھا اس کو چھوڑ دیا اور پھر بولا کہ دیکھا میں جس کو چاہوں مار ڈالوں اور جسے چاہوں موت سے بچا لوں۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ کافر میری دلیل کو غلط رنگ دے رہا ہے تو اور عوام کو فریب میں مبتلا کرنا چاہتا ہے دوسرا مسکت استدلال پیش کر دیا اور کہا: اچھا میرا رب سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو اس کو مغرب سے نکال کر دکھا۔ اس پر نمرود حیران و پریشان ہو گیا اور کوئی جواب نہ دے سکا۔ مگر وہ اتنا مغرور اور احمق تھا کہ اس پر بھی ایمان نہ لایا یہ حقیقت ہے کہ جو لوگ ہٹ دھرم اور گمراہی پر جم کر رہ جائیں تو ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہے اور وہ کفر کے اندھیروں میں بھٹکتے رہتے ہیں۔ اسی سلسلے میں اگلی آیت میں ایک اجڑی ہوئی بستی کا ذکر کیا گیا ہے۔

## موت کے بعد زندگی

اَوْ كَالَّذِيْ مَرَّ عَلٰي قَرْيَةٍ وَّهِيَ خَاوِيَةٌ عَلٰي عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْيٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ۭ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۭ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۭ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ۭ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿259﴾

کیا تو نے نہ دیکھا اس شخص کو کہ وہ ایک شہر پر گزرا اور وہ شہر اپنی چھتوں پر گرا پڑا تھا۔ بولا اللہ اسے کیونکر زندہ کرے گا اس کے مرنے کے بعد پھر اللہ نے اسے سو برس تک فوت کیے رکھا پھر اسے اٹھایا اور پوچھا تو یہاں کتنی دیر تک رہا؟ بولا ایک دن یا ایک دن سے کچھ کم۔ کہا نہیں بلکہ تو سو برس تک رہا اب ذرا اپنے کھانے اور پینے کو دیکھو کہ اس میں ذرا تغیر نہیں آیا۔ دوسری طرف ذرا اپنے گدھے کو بھی دیکھو (کہ اس کا پنجر تک بوسیدہ ہو رہا ہے) اور یہ ہم نے اس لئے کیا ہے کہ ہم تمہیں لوگوں کے لئے ایک نشانی بنا دینا چاہتے ہیں پھر (گدھے کی) ہڈیوں کی طرف کیسے ہم انہیں ابھار کر جوڑتے ہیں اور پھر کیسے گوشت پوست اس پر چڑھاتے ہیں۔ اس طرح جب حقیقت اس کے سامنے بالکل نمایاں ہوگئی، تو اس نے کہا ''میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ (259)

تشریح: اس سے پچھلے واقعہ (حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود) میں ذات باری تعالیٰ کا اثبات تھا اور اس میں احیائے موتیٰ کا اثبات ہے اور یہ ایک پیغمبر کا قصہ بیان کیا جارہا ہے۔ اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام کے ساتھ یہ واقعہ تعلق رکھتا ہے تو واقعہ اس طرح ہوا کہ حضرت عزیر علیہ السلام بخت نصر کی قید سے رہا ہو کر آئے تو ایک ایسی بستی سے گزرے جو بالکل برباد ہوئی پڑی تھی۔ انہوں نے تعجب کرتے ہوئے کہا کہ یہ سب لوگ مرچکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو دوبارہ زندہ کیسے کریں گے؟ اللہ سننے والے اور جاننے والے نے حضرت عزیر علیہ السلام کو اسی وقت فوت کردیا اور سو سال تک اسی حالت میں پڑے رہے پھر اچانک اللہ تعالیٰ نے زندہ کردیا جب وہ زندہ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے پوچھا: ''آپ کتنی دیر یہاں رہے؟۔ حضرت عزیر علیہ السلام نے جواب دیا کہ ''ایک دن ہوا ہے یا اس سے بھی کم اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ''اپنے کھانے اور پینے کو دیکھو اور اپنے گدھے کو دیکھو کیسے اس کا پنجر پڑا ہوا ہے''۔ اللہ کی قدرت سے ان کے سامنے گدھے کی تمام ہڈیاں جڑ گئیں ان پر گوشت اور کھال چڑھ گئی اس میں جان پڑ گئی اور وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ یہ سب دیکھ کر حضرت عزیر علیہ السلام بول اٹھے۔ ''مجھے عین یقین ہو گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ حالانکہ میں پہلے بھی جانتا تھا کہ مردہ کو زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کے لئے بالکل آسان ہے مگر اب تو سب کچھ اپنی آنکھ سے دیکھ لیا ہے''۔ اس تمام واقعہ کے بیان کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ حضرت عزیر علیہ السلام کے ایمان میں کوئی فرق تھا۔ بلکہ یہ تو صرف ان کو ذاتی طور پر دکھانا مقصد تھا۔ حضرت عزیر علیہ السلام یہاں سے سیدھے بیت المقدس گئے وہاں ان کو کسی نے بھی نہ پہچانا کیونکہ وہ تو جوان تھے اور ان کے ساتھ والے سب بوڑھے ہو چکے تھے پھر انہوں نے لوگوں کو یقین دلانے کے لئے زبانی توریت سنائی تو لوگوں نے یقین کرلیا کہ وہ واقعی حضرت عزیر علیہ السلام ہی ہیں اور جو واقعہ ان کے ساتھ ہوا ہے وہ بھی سچ ہے۔ اس سارے قصہ کا مقصد صرف یہ ہے کہ لوگوں کو یقین ہو جائے کہ مردوں کو زندہ کرنا اللہ جل شانہ کے لئے بالکل آسان کام ہے اور قیامت کا آنا بالکل یقینی بات ہے اور یہ بھی بالکل سچ ہے کہ اس دن تمام لوگ ایک دم زندہ ہو جائیں گے اور اللہ کے حضور پیش ہو کر اپنا حساب کتاب دیں گے۔

اکثر مفسرین کا یہی خیال ہے کہ یہ واقعہ حضرت عزیر علیہ السلام کے ساتھ پیش آیا تھا۔ حضرت عزیر علیہ السلام بنی اسرائیل کے ایک بہت مشہور

پیغمبر گزرے ہیں، ان کا زمانہ پانچویں صدی قبل مسیح تھا۔ 450ق م میں ڈیڑھ ہزار یہودیوں کو قید سے چھڑا کر فلسطین لائے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ واقعہ حضرت یرمیاہ نبی کے ساتھ پیش آیا تھا۔ یہ بھی اسرائیلی سلسلہ کے پیغمبر تھے۔ ان کا زمانہ ساتویں صدی قبل مسیح تھا۔ بہر حال اس کی تحقیق اتنی ضروری نہیں، بلکہ یہ زیادہ ضروری ہے کہ ہم اللہ تعالیٰ کی اس قدرت کو یقین سے جان لیں کہ اللہ کے لئے مردوں کو زندہ کرنا بالکل آسان ہے۔ قیامت ضرور آئے گی اور ہم سب اللہ کے حضور ضرور پیش ہو کر اپنا اپنا حساب کتاب دے کر سزا اور جزا پائیں گے۔ اسی سلسلے میں ایک مثال اور دی جارہی ہے ملاحظہ ہو۔

## مُردوں کو زندہ کرنا

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰىؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىٕنَّ قَلْبِیْؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًاؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿260﴾ ع 35 3 3

اور (یاد کرو) جب ابراہیم علیہ السلام نے کہا: اے میرے رب مجھے دکھا کہ تو مردے کیسے زندہ کرتا ہے۔ فرمایا: کیا تو نے یقین نہیں کیا؟ کہا ابراہیم علیہ السلام نے کیوں نہیں لیکن (اس واسطے) چاہتا ہوں کہ میرے دل کی تسکین ہو جائے۔ تو فرمایا تم چار پرندے پکڑ لو پھر ان کو اپنے ساتھ مانوس کر لو پھر پہاڑ پر ان کے جسم کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دو پھر انہیں بلاؤ وہ تیرے پاس دوڑتے آئیں گے اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے۔﴿260﴾

تشریح: اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عملی طور پر مردوں کو زندہ کرنے کا طریقہ دکھایا گیا جس سے اللہ کی قدرت کاملہ واضح ہوتی ہے۔ دنیا بھر کے تمام علما، سائنس دان اور فقہاء اس بات کو نہیں بتا سکتے کہ اصل طریقہ یا اصل قانون کون سا ہے جس سے اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرتا ہے یا کرے گا۔ سوائے اس کے کہ ہم یہ سمجھ لیں کہ یہ اس کی قدرت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی بھی کام کے کرنے میں اسباب کا محتاج نہیں اور نہ ہی انسان کسی طرح کام کرنے کے لئے اس کو اسباب کی ضرورت ہے۔ انسان کے لئے ہر کام میں کوئی نہ کوئی سبب ضروری ہے اور یہ سبب بھی اللہ تعالیٰ کے ہی بنائے ہوئے ہیں۔ وہ ان کو کم کر دے یا زیادہ یہ سب اللہ کے اختیار میں ہے۔ لیکن وہ خود کسی بھی کام کے کرنے میں کسی سبب یا کسی دوسرے کا محتاج نہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ مجھے بتائیں آپ موت کے بعد کیسے زندگی دیتے ہیں۔ یہ سوال اس لئے نہیں کیا تھا کہ ان کا ایمان کمزور ہو گیا تھا، بلکہ لوگوں کو تعلیم دینے کے لئے وہ آنکھ سے دیکھ کر بہت زیادہ اطمینان حاصل کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان سے پوچھا کہ کیا آپ کو اس پر یقین نہیں؟ تو آپ نے

عرض کی کہ کیوں نہیں یقین تو بہت ہے مگر میں دل کو اطمینان چاہتا ہوں تو اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپ چار پرندے لیں ان کو اپنے ساتھ مانوس کرلیں پھران کو ذبحہ کر کے ان کے ٹکڑے آپس میں ملادیں پھران کو علیحدہ علیحدہ پہاڑوں پر رکھ دیں اس کے بعد آپ ان کو پکاریں تو آپ کے سامنے وہ ٹکڑے آپس میں مل کر جیتے جاگتے پرندے آپ کی طرف بھاگ کر آجائیں گے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ایسا ہی کیا اور پرندے بھاگتے ہوئے ان کے پاس آگئے اس آیت میں بہت سی حکمت کی باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ مثلاً

1- نبیوں کو آنکھ کے مشاہدہ سے ایمان اور یقین میں پختگی آتی ہے۔

2- حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو اللہ سے سوال کیا تو اس کا مطلب تھا کہ وہ نیکی اور تحقیق میں اضافہ کرنا چاہتے تھے۔ کیونکہ اس سے ایمان بڑھتا ہے اور دوسروں کو سکھانے اور بتانے میں آسانی اور سہولت ہو جاتی ہے۔

3- حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مانوس پرندے اگر ان کے بلانے پر دوڑے چلے آئے تو کیا انسان جس کو اللہ نے زندگی دی پھر پرورش کیا اور دنیا کی بے شمار نعمتوں سے مالا مال کیا۔ کیا اس کے لئے ضروری نہیں کہ اپنے مالک و خالق حقیقی کی آواز اور اسکے بلاوے پر دوڑا چلا آئے۔

4- اللہ تعالیٰ کی قدرت، طاقت اور عظمت بہت زیادہ ہے جیسا کہ آیت الکرسی میں بیان کیا جا چکا ہے تو ایسے قادر مطلق کے لئے کوئی بھی کام ناممکن نہیں۔

5- وہ عزیز و حکیم زبردست حکمت والا ہے۔ اس کا کوئی کام بھی حکمت سے خالی نہیں۔ تو قیامت اور مرنے کے بعد زندگی' بھی حکمت سے خالی نہیں یہی عقیدے ہے جو ہر انسان کو اپنے اعمال درست رکھنے پر مجبور کرتا ہے۔ اگر یہ عقیدہ نہ ہو تو کسی کو بھی نہ اللہ کا ڈر ہو نہ حساب کتاب اور سزا و جزاء کا ڈر ہو۔ جب ان دو باتوں پر یقین ہو یعنی مرنے پر اور پھر دوبارہ زندہ ہونے پر تو پھر ہر انسان اپنے اعمال پر خود ہی سخت نظر رکھتا ہے اور یوں ایک انسان پکا مسلمان، نیک اور پرہیزگار بندہ بن کر اچھی زندگی گزارتا ہے اور یوں دنیا میں امن، سکون اور خوبصورتی بڑھتی ہے۔

آخر میں یہ کہنا درست ہوگا کہ توحید کا مضمون جو آیت الکرسی سے شروع ہوا تھا اس آیت پر ختم ہوتا ہے۔ ویسے جتنے بھی مختلف مسائل آئندہ بیاں کئے جائیں گے تو درمیان میں عقائد کا بیان جاری رہے گا۔ کیونکہ مسلمان کا بنیادی عقیدہ توحید ہی تو ہے۔

## اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی مثال

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۭ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ (261) اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ (262)

ان لوگوں کی مثال جو اللہ کی راہ میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں ایسی ہے جیسے ایک دانہ ہو اس سے سات بالیں اگیں۔ ہر بالی میں سو سودانے ہوں اور اللہ جس کے لئے چاہے بڑھاتا ہے اور اللہ وسعت والا جاننے والا ہے۔(261) جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنا مال اللہ کی راہ میں پھر خرچ کرنے کے بعد نہ احسان جتلاتے ہیں اور نہ تکلیف میں مبتلا کرتے ہیں انہیں کے لئے ان کا ثواب ان کے رب کے پاس ہے نہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہونگے۔(262)

تشریح: یہاں مال خرچ کرنے کا طریقہ اور ثواب بتایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ چاہے مال تم اپنے بچوں، بیوی، والدین، رشتہ داروں یا غریبوں محتاجوں یا رفاہی کاموں کے لئے خرچ کرو تو اس میں نیت صاف رکھو اور یہی سمجھو کہ یہ سب تم اللہ کی راہ میں خلوص اور طریقہ سلیقہ سے خرچ کر رہے ہو تو اس کا ثواب تمہیں کئی گنا زیادہ کر کے دیا جائے گا اس کی مثال یوں بیان کی گئی ہے کہ جس طرح ایک دانہ سات سودانے دیتا ہے۔ ہوتا یوں ہے کہ ایک دانہ زمین میں بویا جائے تو اس ایک دانے سے سات بالیں نکلتی ہیں اور ہر بالی میں سودانے ہوتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ خلوص، محبت، طریقہ، سلیقہ سے خرچ کیا ہوا مال بے شمار اجر کے ساتھ واپس دیتا ہے۔ کبھی مال کی صورت میں اور کبھی ثواب کی صورت میں مگر اس سب میں یہ خیال رکھا جائے کہ نہ تو یہ حرام کام کے لئے نہ دکھاوے کے لئے اور نہ ہی کسی کی بے عزتی کرنے کے لئے خرچ کیا جائے صرف اور صرف اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے خرچ کیا جائے۔ یہ نیت اور خرچ کرنے کا طریقہ لوگوں سے تو پوشیدہ رہ سکتا ہے مگر اللہ سے ہرگز پوشیدہ نہیں رہ سکتا، کیونکہ وہ وسعت والا اور جاننے والا ہے۔ وہ دلوں کے بھید خوب اچھی طرح جانتا ہے اور اگر کوئی شخص کسی ضرورت مند کو مال دیتا ہے صرف یہ سوچ کر کہ اللہ خوش ہوگا اور پھر لینے والے کو نہ بے عزت کرتا ہے اور نہ ہی اس کے بدلہ میں اس سے کوئی اضافی کام لیتا ہے تو یہ اللہ کو بہت پسند ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسے لوگوں کو ماضی حال اور مستقبل میں راحت وسکون ملتا ہے۔ خوشی ملتی ہے اور وہ نیکی اور رضائے الٰہی کی وجہ سے بڑے ہی مطمئن اور پرسکون رہتے ہیں۔ اسی موضوع پر رکوع 23 میں بھی بات چیت ہو چکی ہے۔ یہ موضوع انسانی زندگی میں بہت اہمیت رکھتا ہے۔ کیونکہ مال کی حرص، بخل اور فضول خرچی نہ صرف ایک انسان کے لئے نقصان دہ ہے۔ بلکہ پورے معاشرے کے لئے زہر کا کام کرتی ہے۔ اس سے بہت سی برائیاں پھیلتی ہیں اور اخلاقی اچھائیوں میں کمی آتی ہے۔ اس لئے آئندہ تین رکوعوں میں مسلسل اسی اخلاقی تربیت کے لئے ہدایات دی گئی ہیں۔ اگلی آیت میں حکم ہوتا ہے کہ اپنی خیرات ضائع نہ کرو۔

## اچھی بات کرنا بھی صدقہ ہے

قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَآ اَذًى ۗ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ (263)

نرم جواب دینا اور درگزر کرنا اس خیرات سے بہتر ہے۔ جس کے بعد ستایا جائے اور اللہ بے نیاز، بردبار ہے۔(263)

تشریح: ارشاد ہوتا ہے کہ خوش خلقی نرمی اللہ کو بے حد پسند ہے۔ اس لئے اگر کسی سوالی کو تم کچھ دے نہ سکو تو اس کو جھڑکو بھی نہیں۔

بلکہ بڑے نرم طریقہ سے اس سے معذرت کر لیا کرو اور اگر کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں تم ان کو دے دو تو یہ تمہارے لئے بڑے ثواب کا کام ہے اور اس بات کا خیال رکھو کہ اگر کسی کی مدد اس لئے کرو کہ بعد میں اس کو تنگ یا ذلیل کرو تو یہ دیا ہوا مال بالکل بے کار ہوگا۔ اس کا کوئی ثواب نہیں ملے گا۔ اگر کوئی سوالی بار بار تنگ کرے تو بھی غصہ نہ کرو۔ بلکہ بڑی ہی نرمی اور درگزر سے کام لو کیونکہ اللہ تعالیٰ خود بردبار بے نیاز اور حلیم ہے وہ حلیم طبع یعنی نرم مزاج لوگوں کو بے حد پسند کرتا ہے اسی طرح اگلی آیت میں بھی یہی تاکید کی گئی ہے۔

## ریا کاری اور احسان جتلانے کی ممانعت

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تُبْطِلُوا۟ صَدَقَٰتِكُم بِٱلْمَنِّ وَٱلْأَذَىٰ كَٱلَّذِى يُنفِقُ مَالَهُۥ رِئَآءَ ٱلنَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِٱللَّهِ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ ۖ فَمَثَلُهُۥ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَأَصَابَهُۥ وَابِلٌ فَتَرَكَهُۥ صَلْدًا ۖ لَّا يَقْدِرُونَ عَلَىٰ شَىْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا۟ ۗ وَٱللَّهُ لَا يَهْدِى ٱلْقَوْمَ ٱلْكَٰفِرِينَ ﴿264﴾ وَمَثَلُ ٱلَّذِينَ يُنفِقُونَ أَمْوَٰلَهُمُ ٱبْتِغَآءَ مَرْضَاتِ ٱللَّهِ وَتَثْبِيتًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۭ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَـَٔاتَتْ أُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ فَإِن لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَٱللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿265﴾

اے ایمان والو! اپنی خیرات ضائع نہ کرو احسان جتا کر اور تکلیف پہنچا کر وہ شخص جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرتا ہے اللہ اور آخرت کے دن پر یقین نہیں رکھتا اس کی مثال ایسے ہے جیسے صاف پتھر اس پر کچھ مٹی پڑی ہے۔ پھر اس زور سے مینہ برسا کہ اسے بالکل صاف کر دیا۔ ایسے لوگوں کو اپنے کمائے کا کچھ بھی ثواب نہیں ملتا اور اللہ کافروں کو سیدھی راہ نہیں دکھاتا۔ ﴿264﴾ اور ان کی مثال جو اپنے مال خرچ کرتے ہیں اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنی پوری خوشی کے ساتھ تو وہ ایسے ہے جیسے ٹیلے پر ایک باغ ہو اور زور کی بارش ہوئی تو وہ دوگنا پھل لایا اور اگر اس پر بارش نہ پڑتی تو پھوار ہی کافی تھی اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھتا ہے۔ ﴿265﴾

تشریح: اس آیت میں ریا کاری کی مذمت بیان کی گئی ہے اور ریا کار آدمی کو تو مومن کی شان سے ہی نکال دیا گیا ہے۔ صدقہ اگر ریا کاری کے لئے دیا جائے تو وہ بالکل بے کار بے فائدہ ہو جاتا ہے۔ اس کی مثال رب العزت اس طرح دیتے ہیں کہ یوں سمجھو کہ ایک دانہ ایسے پتھر پر بویا گیا کہ جس پر ہلکی سی مٹی پڑی ہوئی تھی۔ اس پر زور کی بارش ہوگئی تو اس سے نہ مٹی باقی رہی اور نہ دانہ۔ ظاہر ہے اس دانے سے کچھ حاصل نہ ہوا بالکل اسی طرح دکھاوے سے دیا ہوا مال کوئی فائدہ کوئی ثواب نہیں دلواتا۔ حالانکہ مال تو خرچ کیا مگر نیت خالص نہ تھی صرف دکھاوے کی نیت تھی جو کہ منافقت کی نشانی ہے اس لیے خرچ کیا ہوا مال بیکار ہو گیا اور پھر جو اپنے آپ کو دھوکہ دیتے ہیں اور دوسروں کو بھی دھوکہ دینے کی کوشش کرتے ہیں تو ان کی یہ عادت اتنی پختہ ہو چکی ہوتی ہے کہ وہ کبھی بھی اپنی اس منافقانہ عادت کو چھوڑ نہیں سکتے لہٰذا اللہ بھی ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دیتا ہے۔ اس کے برعکس ان لوگوں کی مثال اللہ تعالیٰ اس طرح

دیتے ہیں کہ جو لوگ بالکل خلوص نیت سے اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لئے مال خرچ کرتے ہیں تو گویا انہوں نے ایسے بلند ٹیلے پر باغ بویا کہ جس کی زمین بڑی ہی زرخیز اور فضاء بڑی پر بہار ہو اور ایسے باغ پر اگر خوب بارش ہو جائے تو ظاہر ہے ایسا باغ دوگنا پھل لائے گا اور اگر صرف تھوڑی سی پھوار ہی پڑ جائے تو بھی پھل اچھا ہی لائے گا اس طرح نیت کے صاف ہونے کی صورت میں اگر انسان تھوڑا مال بھی خرچ کرے تو بھی اس کو اجر خوب مل جاتا ہے۔ کیونکہ اللہ سے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں۔ وہ ہماری نیتوں اور ہمارے اعمال کو خوب اچھی طرح جانتا ہے۔ سبق یہی ملا کہ ہر وقت ریاکاری، ایذاء رسانی اور احسان جتانے سے اپنے آپ کو بچانا چاہئے، کیونکہ یہ تینوں برائیاں بڑی سے بڑی مالی قربانی کو بالکل ضائع کر دیتی ہیں۔ جبکہ نیک نیتی، خلوص اور اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے چھوٹی سے چھوٹی خیرات بھی بے شمار ثواب اور بہترین اجر کا باعث بن سکتی ہے۔

حدیث میں آتا ہے۔ ''عمل کی بہتری سچی نیت میں ہے''۔ (جامع ترمذی) 

## دکھلاوے کا خرچ اور اس کی مثال

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۚ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿266﴾

ع 36/6/4

کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے پاس کھجوروں اور انگوروں کا باغ ہو اس کے نیچے نہریں بہتی ہوں اور عین اس وقت ایک تیز بگولے کی زد میں آکر بھسم ہو جائے، جبکہ وہ خود بوڑھا ہو اور اس کے بچے کمسن جو ابھی کسی لائق نہ ہوں اس طرح اللہ اپنی باتیں تمہارے سامنے بیان کرتا ہے۔ شاید کہ تم غور و فکر کرو۔﴿266﴾

تشریح: یہ آیت بھی پچھلی آیت سے ملتی جلتی ہے، کیونکہ اس میں بھی ریاکاری کو مثال دے کر واضح کیا گیا تھا اور اس میں بھی ریاکاری کے نقصان کو ایک اور مثال دے کر واضح کیا گیا ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ اس بیان پر غور و فکر کرو تو نقصان سے بچ سکتے ہو۔ اللہ تعالیٰ اس طرح کی مثال دیتے ہیں کہ کیا تم میں سے کوئی بھی شخص اس بات کو پسند کرے گا کہ اس کی تمام عمر کی کمائی اس وقت برباد ہو جائے، جبکہ وہ بوڑھا ہو چکا ہو کمانے کے قابل نہ ہو اور اس کے بچے بھی ابھی اس قابل نہ ہوں کہ کما کر کھا سکیں اور باپ کو کھلائیں۔ یہ کہانی بالکل ایسی ہی ہے کہ ایک آدمی دنیا میں خوب کماتا اور کھاتا رہا۔ لوگوں کو بھی دیتا رہا لیکن نیت اس کی صرف دکھاوے کی ہوتی، جس کی وجہ سے سب صدقہ و خیرات بجائے نیک اعمال میں لکھے جانے کے بالکل ضائع ہوتا رہا اور جب وہ اللہ کے حضور پہنچا تو اس کے اعمال نامہ میں کوئی نیکی نہ تھی اور اب وہ کچھ نہ کر سکتا تھا کیونکہ موت کے بعد عمل کرنے کی مہلت ختم ہو جاتی ہے۔ اعمال نیک ہوں یا برے بس وہ اس زندگی میں ہی کئے جا سکتے ہیں اور دوسری بات بچوں کی تو یہ سارا سلسلہ دنیا کی زندگی میں

ہی ہے آخرت میں اس کی کوئی گنجائش نہیں، کیونکہ قرآن پاک میں بے شمار دفعہ بتایا جا چکا ہے کہ آخرت میں بدلہ صرف اپنے اعمال کا ہی ملے گا، نہ باپ بیٹے کے لئے کچھ کر سکے گا اور نہ بیٹا ہی باپ کے لئے کچھ کر سکے گا تو گویا اس شخص نے محض ریا کاری کی وجہ سے اپنا تمام کیا کرایا ضائع کر دیا۔ ریا کاری نے اس کے تمام صدقات وخیرات کا ثواب ختم کر دیا اور وہ خالی ہاتھ دنیا سے چلا گیا اور آخرت میں ثواب کمانا ناممکن ہو گیا۔

یہ بہت عمدہ مثال اللہ تعالیٰ نے انسان کو ہوشیار کرنے کے لئے دی ہے کہ جو لوگ دنیا کے نفع نقصان میں کوشش کرتے رہتے ہیں اور آخرت کو بالکل بھولے رہتے ہیں ان کو اپنے اس اتنے بڑے نقصان کا خیال کرتے ہوئے ہر کام اور نیک کام میں خلوص نیت اور اللہ کی خوشنودی کو مدنظر رکھنا چاہئے۔ ورنہ ان کا انجام بھی اس بوڑھے جیسا ہوگا کہ خالی ہاتھ آخرت کا سفر کرنا پڑے گا اور اس میں تو سوائے نقصان اور عذاب کے اور کوئی فائدہ نہیں یہ تو ریا کاری کے نقصانات بیان کئے گئے ہیں اگلی آیت میں حکم دیا جا رہا ہے کہ جو چیز اللہ کی راہ میں دی جائے وہ اچھی ہونی چاہئے۔

## اللہ کی راہ میں اچھی چیز دو

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿267﴾

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جو مال تم نے کمائے ہیں اور جو کچھ ہم نے زمین میں سے تمہارے لئے نکالا ہے، اس میں سے بہتر حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو ایسا نہ ہو کہ اس کی راہ میں دینے کے لئے نکمی چیز چھانٹنے لگو، حالانکہ وہی چیز اگر کوئی تمہیں دے تو تم ہرگز اسے لینا گوارہ نہ کرو گے سوائے اس کے کہ اس کو قبول کرنے میں چشم پوشی کر جاؤ۔ تمہیں جان لینا چاہئے کہ اللہ بے پرواہ اور خوبیوں والا ہے۔﴿267﴾

تشریح: اس آیت میں صدقہ وخیرات دینے کا ایک اور طریقہ بتایا جا رہا ہے کہ جس سے ہمیں اس کا پورا پورا اجر وثواب مل سکے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اے مسلمانو! جب بھی تم کوئی چیز خیرات وصدقہ میں کسی غریب محتاج کو دو تو اپنے مال میں سے ایسی بہتر چیز دو جو خود تمہیں پسند ہو اور ایسی چیز ہرگز نہ دو جو اگر تمہیں دی جائے تو تم اس کو لینا پسند نہ کرو۔ سوائے اس کے کہ کسی مجبوری کی وجہ سے وہ خراب اور غیر معیاری چیز تمہیں لینی پڑے۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ خود فیاض ہے اور اپنی مخلوق پر ہر وقت نعمتوں اور برکتوں کی بارش کرتا رہتا ہے تو یہ بات کس طرح درست ہو سکتی ہے کہ وہ تنگ نظر، بخیل اور بد اخلاق انسان کو پسند کرے اللہ کو تو ہماری کسی چیز کی ضرورت نہیں وہ تو بے نیاز ہے وہ تو خود بے شمار صفات کا مالک ہے۔ بھلا اسے ہماری دی ہوئی چیزوں کی کیا ضرورت ہے۔ یہ حکم تو انسانی معاشرے کو درست رکھنے کے لئے اور انسان میں اخلاق کی بلندی پیدا کرنے کے لئے دیا گیا ہے۔ کیونکہ ایسے انسان میں محبت، رحم، شفقت، ایثار، تقویٰ اور رضائے الٰہی حاصل کرنے کی تمنا پیدا ہوتی ہے جس سے

یہاں دنیا میں ہمیں خوشیاں اور برکتیں عطا ہوتی ہیں اور آخرت میں بے شمار اجر وثواب مل جائے گا حدیث میں آتا ہے۔ ''بہترین صدقہ فقیر کے ساتھ احسان اور تنگدست پر صدقہ کرنا ہے''۔ (طبرانی)

## اللہ کے وعدے اور انعام

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿268﴾ يُّؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۭ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿269﴾

شیطان تمہیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور برے کام کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔ مگر اللہ تمہیں اپنی بخشش اور فضل کی امید دلاتا ہے اللہ بڑا فراخی والا جاننے والا ہے۔﴿268﴾ جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جس کو حکمت دی گئی اسے بہت بڑی دولت مل گئی ان باتوں سے صرف وہی لوگ سبق لیتے ہیں جو دانشمند ہیں۔ ﴿269﴾

تشریح: اس آیت میں واضح کیا گیا ہے کہ شیطان تو شروع دن سے انسان کا دشمن ہے۔ وہ ہمیشہ برے خیالات کی طرف انسان کو متوجہ کرتا ہے۔ جیسا کہ جب بھی انسان اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کرنے لگتا ہے تو شیطان اس کے دل میں وسوسہ ڈالتا ہے کہ مت خرچ کرو۔ ایسا نہ ہو تم غریب ہو جاؤ۔ حالانکہ جو بھی شخص اللہ کی راہ میں خوش دلی اور نیک نیتی سے خرچ کرتا ہے تو اللہ کا وعدہ ہے کہ اس کے مال میں ہرگز کمی نہیں آتی۔ بلکہ اس میں برکت ہی ہوتی چلی جاتی ہے اور جو اجر آخرت میں ملے گا وہ علیحدہ فائدہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے یہ بھی اللہ کا دیا ہوا ہے اور وہ بڑے فضل وکرم والا ہے اور اسی طرح فضل وکرم کرنے والے بندے اسے بے حد پسند ہیں اور وہ ان سے خوش ہو کر اور بھی زیادہ مہربانیاں کرتا ہے۔ اس لئے صدقہ وخیرات کرتے ہوئے کبھی بھی مفلس ہو جانے کا خیال دل میں نہ لاؤ۔ یہ تمام حکمت کی باتیں جس کو سمجھ میں آ جائیں وہ بڑا خوش نصیب ہے۔ کیونکہ عقل، سمجھ اور حکمت اللہ کی بہت بڑی نعمت ہے، اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور نیکی کے راستہ کی طرف بلاتے ہیں کہ یہ زندگی مختصر اور ختم ہو جانے والی ہے اس کی اتنی فکر نہ کرو بلکہ آخرت کی زندگی کی فکر زیادہ کرو جو کہ ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی ہے۔ عمل کرنے کا موقعہ صرف اس زندگی میں ہی ہے آخرت کی زندگی میں تو صرف یہاں کا کیا ہوا کام آئے گا۔ یہاں کے اعمال کی جزا اور سزا وہاں ملے گی بس یہی حکمت ہے اور یہی عقل مندی ہے۔ اگلی آیت میں وضاحت کی گئی ہے کہ خیرات کیسے کی جائے۔

## خیرات کیسے کی جائے

وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿270﴾ اِنْ

تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۭ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿271﴾

تم نے جو کچھ بھی خرچ کیایا جو بھی نذر مانی اللہ کو اس کا علم ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔ ﴿270﴾ اگر اپنے صدقات اعلانیہ دو تو یہ بھی اچھا ہے، لیکن اگر چھپا کر حاجت مندوں کو دو تو یہ تمہارے حق میں زیادہ بہتر ہے اور اللہ تمہاری بہت سی برائیاں ختم کردے گا اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی پوری پوری خبر ہے۔ ﴿271﴾

تشریح: اس آیت میں نذر کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ نذر یا منت مان لینا ناجائز نہیں کیونکہ یہ کسی نیک کام کے پورا ہونے پر انسان اپنے اوپر واجب کر لیتا ہے۔ یعنی کوئی یہ کہے کہ اللہ میرا فلاں کام پورا کردے تو میں اتنی رقم خیرات کردونگا اتنے فقیروں کو کھانا کھلاؤں گا یا اتنے نفل پڑھوں گا یا اتنے روزے رکھوں گا تو مقصد پورا ہونے پر اس مانی ہوئی بات کو پورا کرنا واجب اور ضروری ہو جاتا ہے۔ یہاں بھی تاکید اسی بات کی ہے کہ ایک تو نیت خالص اور دوسرے نیک، بھلائی کے اور اچھے کام کے لئے نذر مانی جائے تو ضرور قبول ہوگی اجر بھی ضرور ملے گا لیکن اگر نیت خالص نہ ہو یا ناجائز کام ہو یا ناجائز موقع کے لئے نذر مانی جائے یا خرچ کیا جائے تو یہ اپنے اوپر ظلم کرنے کے برابر ہوگا اور اس لئے اسی کو اس کا کوئی بدلہ بھی نہ دیا جائے گا۔ کیونکہ یہ تو کام ہی غلط کیا گیا ہے اس پر نہ اللہ راضی ہوگا اور نہ انعام ملے گا۔ نذر نیاز تو صرف نیک کام نیک نیت اور نیک مقصد اللہ تعالیٰ کی خوشنودی میں ہی مقبول ہو سکتی ہے۔

دوسری آیت میں یہ نکتہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ جو صدقہ فرض ہے وہ تو اعلانیہ دو لیکن جو فرض نہیں، وہ بے شک چھپا کر دو اور اس بات کا خاص خیال رکھو کہ اگر اعلانیہ خیرات یا نیکی کو لوگ ریا کاری سمجھتے ہیں تو پھر چھپا کر دو لیکن اگر تم سمجھتے ہو کہ تمہارا اعلانیہ صدقہ خیرات لوگوں کو نیکی کی ترغیب دیتا ہے تو پھر اعلانیہ ہی دو اور آخر میں یہی تنبیہ کی گئی ہے کہ چھپا کر دو یا اعلانیہ دو نیک نیتی سے دو یا بدنیتی سے دو اللہ کو سب کچھ معلوم ہے کیونکہ وہ خبر رکھنے کی طاقت اتنی زیادہ رکھتا ہے کہ جس کا اندازہ ایک انسان نہیں کر سکتا اس لئے جو بھی کرو اللہ کی خوشنودی کے لئے کرو اور موقعہ کی مناسبت سے کرو۔

## خیرات کا پورا اجر

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿272﴾

ان (لوگوں) کو ہدایت بخش دینے کی ذمہ داری تم پر نہیں ہے۔ لیکن ہدایت تو اللہ ہی جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور خیرات میں جو مال تم خرچ کرتے ہو وہ تمہارے اپنے لئے بھلا ہے۔ آخر تم اسی لئے تو خرچ کرتے ہو کہ اللہ کی رضا حاصل ہو تو جو کچھ مال تم خیرات میں خرچ کرو گے اس کا پورا پورا اجر تمہیں دیا جائے گا اور تمہاری حق تلفی ہرگز نہ ہوگی۔ ﴿272﴾

تشریح: اس آیت میں ایک نکتہ صدقہ دینے کا بیان کیا گیا ہے۔ وہ یہ ہے کہ شروع میں لوگ صدقہ صرف مسلمانوں کو ہی دیتے تھے، اپنے غیر مسلم رشتہ داروں کو اس لئے صدقہ خیرات نہیں دیتے تھے کہ وہ مسلمان نہیں ہوئے تو یہاں اللہ تعالیٰ بڑے پیارے انداز میں یہ بات بتا رہے ہیں کہ تم اس بات کا خیال نہ کرو کہ تمہارے عزیز مسلمان کیوں نہیں ہو رہے تمہارا فرض صرف اتنا ہے کہ ان کو ہدایت، کامیابی اور نیکی کا راستہ دکھانا۔ ہدایت پر چلانا یہ نہ تمہارے بس میں ہے اور نہ تم اس کے ذمہ دار ہو، کیونکہ یہ کام تو صرف ہمارا (رب العزت کا) ہے، ہم جس کو چاہیں ہدایت دے دیتے ہیں اس لئے تم ان کی مالی امداد ضرور کرو۔ کیونکہ تم صدقہ و خیرات اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے کرتے ہو اور نیک نیتی سے صدقہ و خیرات ہر ضرورت مند انسان کو دو، تمہیں تمہارا بدلہ ضرور پورا پورا دیا جائے گا اس میں کسی قسم کی کمی بیشی نہ کی جائے گی۔

## خیرات کے مستحق کون

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ۫ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْــَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ۭ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿273﴾ اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ ع 37 7 5
وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿274﴾

(خاص طور پر مدد کے مستحق) وہ تنگ دست لوگ ہیں جو اللہ کے راستے میں ایسے گھر گئے ہیں کہ (اپنے ذاتی کسب معاش کے لئے) زمین میں کوئی دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے۔ ان کی خودداری دیکھ کر ناواقف آدمی گمان کرتا ہے کہ یہ خوش حال ہیں، تم ان کے چہروں سے انکی (اندرونی حالت) پہچان سکتے ہو۔ کہ لوگوں کے پیچھے پڑ کر نہیں مانگتے ہیں ان کی اعانت میں جو کچھ مال تم خرچ کرو گے وہ اللہ سے پوشیدہ نہ رہے گا۔ ﴿273﴾ جو لوگ اپنا مال دن رات خرچ کرتے ہیں ظاہر اور پوشیدہ ان کے لئے ثواب ہے ان کے رب کے پاس نہ ان پر ڈر ہے اور نہ وہ غمگین ہونگے۔ ﴿274﴾

تشریح: ان آیات میں ایک اور ایسے طبقہ کے لوگوں کا ذکر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جن کو صدقہ و خیرات دینا چاہئے یہ وہ لوگ ہیں جو دینی کاموں میں اس قدر مصروف رہتے ہیں کہ ان کو روزی کمانے کا وقت ہی نہیں ملتا جیسا کہ آنحضرت ﷺ کے وہ صحابہ کرام جو اصحاب صفہ کے نام سے مشہور تھے۔ یہ لوگ ہر وقت دینی تعلیم حاصل کرنے میں مصروف رہتے اور کبھی کسی سے سوال نہ کرتے تو لوگ سمجھتے کہ وہ ضرورت مند نہیں ہیں۔ حالانکہ بھوک اور تنگی کی وجہ سے ان کے چہروں سے یہ بات معلوم کی جاسکتی تھی کہ وہ ضرورت مند ہیں ایسے ہی لوگ آج کل بھی موجود ہیں تو رب العزت فرماتے ہیں کہ ایسے لوگوں کی ضروریات کا پورا پورا خیال کرو۔

کیونکہ وہ خودداری کی وجہ سے لوگوں کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلاتے۔ اللہ رب العزت ایک دفعہ پھر اپنا وعدہ دہرا رہے ہیں کہ تمہاری کوئی قربانی، کوئی صدقہ خیرات، کوئی نیکی اللہ سے ہرگز چھپی ہوئی نہیں ہے۔ لوگ جو چھپا کر خیرات کرتے ہیں یا اعلانیہ کرتے ہیں۔ اللہ کو سب کچھ معلوم ہے اور وہ ان کو پورا پورا بدلہ دے گا۔ ایسے لوگوں کو نہ ماضی کا غم کرنا چاہئے نہ مستقبل کی فکر کرنی چاہئے یہ ایک خاص انعام ہے ان لوگوں کے لئے جو اللہ کی راہ میں خلوص سے خرچ کرتے ہیں۔ سورہ البقرہ کی آیت 283 تک مالیات یعنی مال خرچ کرنے اور اس سے پورا پورا فائدہ حاصل کرنے کے ایسے بہترین اصول اور قانون بتائے گئے ہیں کہ جن سے دنیا و آخرت میں سہولتیں ہی سہولتیں ہیں اس وقت دنیا میں جتنے بھی حکومتوں کے نظام چل رہے ہیں ان کا آپس میں اتنا ٹکراؤ ہے کہ جنگ و جدل ہونا ضروری ہے۔ اسلام میں معاشی نظام اتنا سادہ، آسان اور بہترین ہے کہ اس سے دنیا میں بجائے لڑائی جھگڑے کے امن و سکون پیدا ہوسکتا ہے۔ اس نظام کی ایک بنیادی بات کو یہاں بیان کیا گیا ہے جس کے دو پہلو ہیں۔

1- اپنی ضرورت سے زیادہ مال، صدقہ و خیرات کر کے مفلسوں کی مدد کرنا۔

2- دوسرا سود سے بچنا، کیونکہ یہ معاشرے کے مفلس، تنگ دست لوگوں کو مزید تنگی میں واقع کرنا ہے اس لیے اسے اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔

سورہ البقرہ میں دو رکوع صدقہ و خیرات کے احکامات اور فضائل کے بیان میں گزر چکے ہیں اب آئندہ آخری دو رکوعوں میں سود کے بارے میں بتایا جائے گا اور یہ دو اصول ایسے ہیں کہ جو مسلمان کو امن، سکون اور ترقی و کامیابی کی زندگی عطا کرتے ہیں۔ صرف دنیا ہی نہیں، بلکہ آخرت بھی سنور جاتی ہے۔ یعنی انسان خود بھی راضی اور اللہ تعالیٰ بھی راضی۔

صدقہ و خیرات تو پوری تفصیل سے گزر چکا اب سود کا موضوع شروع ہوتا ہے۔

## سود حرام ہے

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْٓا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿275﴾

جو لوگ سود کھاتے ہیں، (قیامت کے دن) اس شخص کی طرح کھڑے ہونگے جسے شیطان نے چھو کر باؤلا کر دیا ہو۔ یہ سزا اس وجہ سے ہے کہ وہ کہتے ہیں، تجارت بھی تو آخر سود جیسی ہے۔ حالانکہ اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام لہٰذا جس شخص کو اس کے رب کی طرف سے یہ نصیحت پہنچے اور آئندہ کے لئے وہ سود خوری سے باز آ جائے تو جو کچھ وہ پہلے کھا چکا وہ کھا چکا۔ اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے اور جو (اس حکم کے بعد) پھر اسی حرکت کا اعادہ کرے وہ جہنمی ہے جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔ ﴿275﴾

تشریح: اس سے پہلے صدقہ وخیرات کے بارے میں بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔اصل میں سود اور خیرات ایک دوسرے کی ضد ہیں۔خیرات بھلائی کی بنیاد ہے، جبکہ سود برائی کی بنیاد ہے۔اسلام سے پہلے عربوں میں سود کا کاروبار عام تھا جس طرح شراب عام تھی، اسلام کیونکہ امن وسکون اور سلامتی کا نام ہے اس لئے سب سے پہلے شراب اور پھر سود کو حرام قرار دیا گیا۔8 ہجری میں سود کی حرمت کا حکم ہوا ہے سود کا مطلب ہے زیادتی۔کیونکہ اس کے اصول ظلم وزیادتی پر منحصر ہیں اس لیے اس کو سود کہتے ہیں دو طرح سود لیا اور دیا جاتا ہے۔ایک تو انسان مجبور و بے بس ہو کر روزانہ کے اخراجات کے لئے قرضہ لیتا ہے جو کہ اس کو اس شرط پر دیا جاتا ہے کہ اتنے مال پر اتنا منافع ادا کیا جائے جب مقررہ مدت میں رقم واپس نہیں ہوسکتی تو سود کی رقم بڑھا دی جاتی ہے اور اس طرح یہ رقم بڑھتے بڑھتے اصل رقم جو قرض میں لی ہوتی ہے اس سے بھی بڑھ جاتی ہے اور وہ غریب بے بس انسان قرض کے چنگل میں اس طرح پھنس جاتا ہے کہ اس کی تمام خوشیاں، غمی اور رسوائی کی بھینٹ چڑھ جاتی ہیں بلکہ زندگی ہی برباد ہو کر رہ جاتی ہے۔لیکن اس کے خلاف اسلام میں حکم دیا گیا ہے کہ جو مال تمہارے پاس فالتو ہے اسے غریب، لاچار اور ضرورت مند کو دے دیا جائے اگر کسی کو سود کے بغیر قرض دیا جائے یا مدد کے طور پر رقم دی جائے تو وہ شخص اس رقم سے کچھ نہ کچھ فائدہ حاصل کر کے اپنے پاؤں پر کھڑا ہوسکتا ہے۔جبکہ سود کے چکر میں اس کی حالت اور بھی خراب ہو جاتی ہے۔صاف ظاہر ہے کہ سود بے رحمی، سنگدلی، خودغرضی اور ظلم کا سودا ہے، جبکہ صدقہ وخیرات، بھائی چارے، اخلاق، مروت، خدمت خلق اور خیراندیشی کا سودا ہے۔اسی لئے سود کو حرام اور صدقہ و خیرات کو بہترین اعمال میں شمار کیا گیا ہے۔باطل پرست کہتے ہیں کہ سود بھی تو تجارت کی ایک شکل ہے۔اب سود اور تجارت کا فرق دیکھیں یہ دوسری قسم کا سود ہے۔یعنی ایک شخص قرضہ لیتا ہے، کاروبار کرنے کے لئے اگر کوئی اس کو صرف مدد اور رضائے الٰہی کیلئے یا صدقہ خیرات میں سے رقم دے دے تو وہ اس سے تجارت کر کے رقم کو بڑھا سکتا ہے اور اس طرح اس کی مالی حالت بہتر سے بہتر ہوسکتی ہے، لیکن اگر قرض دینے والا اس کو سود کے چکر میں رقم دیتا ہے تو اس کی محنت اس کو اتنا فائدہ نہیں دیتی، کیونکہ منافع پورا اس کو نہیں ملتا بلکہ بعض اوقات اصل رقم کے منافع سے بھی سود پورا نہیں کیا جاسکتا اور یوں اس شخص کو بجائے سہولت کے ایک مستقل پریشانی اٹھانی پڑتی ہے اور اگر تجارت میں اس کو نقصان ہو جائے تو یہ اس کے لئے وبال جان بن جاتا ہے کہ اصل رقم اور سود کی رقم کہاں سے ادا کرے؟ جبکہ سود لینے والا اس پر بالکل مہربانی نہیں کرتا، کیونکہ وہ کہتا ہے یہ میری تجارت ہے۔حالانکہ اس طرح رقم دینے پر نہ تو اس کو محنت کرنی پڑتی ہے اور نہ ہی کوئی پریشانی اٹھانی پڑتی ہے۔بس مزے سے منافع حاصل کرتا ہے۔بس یہی فرق ہے تجارت اور سود میں۔اس لئے تجارت رحمت ہے، جبکہ سود لعنت، زحمت ہے۔اسی لئے سود کو حرام قرار دے دیا گیا، جبکہ تجارت انتہائی مناسب اور پاکیزہ پیشہ ہے اور بالکل حلال کمائی کا ذریعہ ہے۔

اس ساری بحث کے بعد نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ سود خور کے وقتی منافع کے مقابلہ میں اس کا اخلاقی، روحانی اور کردار کے لحاظ سے اس قدر نقصان ہو جاتا ہے کہ وہ انسانیت کے دائرہ سے نکل جاتا ہے تو اس مال کا کیا فائدہ جو انسان کو حیوان بنا دے اور سود کا

یہی نشہ انسان کو ہو جاتا ہے پھر وہ خرمست ہو کر زندگی گزارتا ہے اسی لئے اس کو دیوانگی سے ملایا گیا ہے کہ اس کو کسی قسم کی کوئی تمیز نہیں رہ جاتی بس پیسہ ہی اس کا سب کچھ ہو جاتا ہے وہ دیوانوں کی طرح انسانیت اور نیکی کی تمام حدیں توڑ کر صرف مال کے پیچھے بھاگتا رہتا ہے اور اس طرح شیطان کا ساتھی بن کر اپنی دنیا و آخرت تباہ و برباد کر لیتا ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن سود خور اپنی قبروں سے اٹھتے وقت سیدھے کھڑے نہ ہو سکیں گے، بلکہ خبطیوں اور دیوانوں کی طرح گرتے، لڑکھڑاتے ہوئے اٹھیں گے اور پھر سودی مال، اعمال کو بے کار کر دیتا ہے۔ (سمعان)

اللہ تعالیٰ نے درگزر سے کام لیتے ہوئے فرمایا کہ جو شخص سود کے حرام ہونے کا حکم سنے اور سودی کاروبار بند کر دے تو اس کا پچھلا سود معاف ہو جائے گا۔ لیکن جو باز نہ آیا تو وہ ہمیشہ دوزخ میں جلے گا۔

اس آیت میں ایک ایسی صداقت بتائی گئی ہے جو انسان کو پست یا بلند کرتی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ سود انسان کو خود غرضی، بخل، تنگ دلی اور سنگدلی کی طرف لے جاتا ہے جو انسانی برادری کے لئے زہر کا کام دیتی ہیں۔ جبکہ تجارت اور صدقہ وخیرات انسان کو فیاضی، ہمدردی، فراخ دلی اور محبت وخلوص کی طرف لے جاتی ہیں اور یہ تمام خوبیاں انسانی برادری کی ترقی، خوشحالی اور کامیابی کا ذریعہ بنتی ہیں۔

آج کل سود کا دور ہے اور معاشیات یعنی کاروبار زندگی میں سود کو ریڑھ کی ہڈی سمجھا جانے لگا ہے۔ مگر بعض یورپی حکمانے تحقیق کے بعد اس بات کو مانا ہے کہ سود معاشیات کے لئے ریڑھ کی ہڈی نہیں بلکہ ہڈی میں پیدا ہونے والا ایک کیڑا ہے جو اس کو آہستہ آہستہ کمزور کرتا ہے۔ وہ اس طرح کہ جیسے مسلمان امیر ترین قوم ہونے کے باوجود غریب ہیں، کیونکہ اس کے تمام معدنی وسائل کی آمدنی یورپی اور امریکی بینکوں میں چلی جاتی ہے جہاں سے وہ معمولی منافع یعنی سود صرف پندرہ فیصد دیتے ہیں اور خود اسی رقم سے انواع واقسام کی مشینری تیار کر کے ہمارے ہی ہاتھ ہزاروں گنا منافع سے بیچتے ہیں۔ مسلمان کا سرمایہ کاری کا یہ کس قدر غلط طریقہ ہے اس کو اگر اسلامی اصولوں اور قرآنی قوانین کے مطابق تجارت میں اور اپنے غریب اسلامی ممالک کی امداد میں لگایا جاتا تو آج مسلمانوں کی دولت پر غیر مسلم عیش نہ کر رہے ہوتے اور دوسری طرف اسلامی ممالک اپنی ضروریات کے لئے غیر مسلموں سے سود پر قرض نہ لے رہے ہوتے۔ یہ سود کا چکر بھی مسلمانوں کے خلاف ایک زبردست سازش ہے اور اس سازش کو بڑی ہی آسانی سے ختم کیا جا سکتا ہے۔ اگر مسلمان خود اس کے لئے تیار ہو جائیں تو یہ کوئی مشکل کام نہیں۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

جس میں نہ ہو انقلاب موت ہے وہ زندگی
روح امم کی حیات، کشمکش انقلاب

سود کی لعنت سے مسلمان کو آزادی حاصل کرنا مشکل کام نہیں۔ قانون تو ہمارے پاس موجود ہے، صرف اتحاد اسلامی اور تبلیغ دین کی ضرورت ہے۔ کیونکہ تبلیغ دین کے بڑے اچھے نتائج ہوتے ہیں اور پھر اسی وجہ سے مسلمانوں کو ''خَیْرَ اُمَّتٍ'' کہا گیا ہے۔ مسلمان میں بڑی طاقت ہے پہلے اتحاد چاہیے علامہ اقبال کہتے ہیں۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر تابہ خاک کا شغر

آج کا مسلمان صرف باتیں بناتا ہے اور کشکول لے کر قرض کے لئے دردر پھر رہا ہے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی بے شمار نعمتیں ہیں جن کو ہم ٹھیک طرح استعمال نہیں کر رہے۔ ہمارے باپ دادا ہم سے بالکل مختلف تھے ان کی خودداری نے ان کو کبھی اجازت نہ دی تھی کہ کسی کے آگے سوال کریں۔ علامہ اقبال ان کی شان کو یوں بیان کرتے ہیں۔

گدائی میں بھی وہ اللہ والے تھے غیور اتنے
کہ منعم کو گدا کے ڈر سے بخشش کا نہ تھا یارا

غرض سود کی سب سے بڑی زحمت یہ ہے کہ یہ امیر کو امیر تر اور غریب کو غریب تر بناتا ہے اور اس سے بھی بڑی پریشانی یہ ہے کہ ہم مسلمان ہو کر سود لے رہے ہیں۔ اور دے رہے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ سود حرام ہے اور جب یہ معلوم ہو جائے تو پھر سود کو فوراً بند کر دینا چاہئے ورنہ پھر یہی حکم ہے کہ سودی کاروبار کرنے والے جہنم میں ڈالے جائیں گے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے وہاں ہی رہیں گے۔

میری ہر مسلمان فرد، جماعت، ملت، ملک اور پوری اسلامی دنیا سے پرزور اپیل ہے کہ سودی کاروبار کے خلاف جہاد کے لئے اٹھ کھڑے ہوں۔ کیونکہ سودی کاروبار ہمیں غریب سے غریب ترین درجہ پر پہنچا رہا ہے اور موت کے بعد جہنم میں جانے کا سبب بنے گا۔ اور یہ اللہ کا فرمان ہے ضرور پورا ہوگا۔ سود کے بارے میں حدیث ہے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے لعنت کی سود لینے والے پر، سود دینے والے پر اور اس کے گواہوں پر اور اس کے لکھنے والے پر۔ (ترمذی)

## سود اور خیرات کا موازنہ

يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِي الصَّدَقٰتِ ۗ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿276﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿277﴾

اللہ سود کو مٹاتا ہے اور خیرات کو بڑھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کسی ناشکرے، گناہ گار کو پسند نہیں کرتا۔ (276) ہاں جو لوگ ایمان لے آئیں، نیک عمل کریں، نماز قائم کریں اور زکوٰۃ دیں ان کا اجر بے شک ان کے رب کے پاس ہے نہ انہیں خوف اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ (277)

تشریح: سود کے بارے میں تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے۔ یہاں مزید وضاحت اس صورت سے کی جا رہی ہے کہ ہمیں ضرورت سے زیادہ مال ضرورت مند لوگوں کو دے دینا چاہئے، کیونکہ یہ ہم پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے اور ہمیں ضرورت مند

لوگوں کو دیکر اس کی رضا حاصل کرنی چاہیے۔ اور اگر ہم مفلس کی مدد اپنے فالتو مال سے نہ کریں تو گویا ہم نے اللہ کا شکر ادا نہیں کیا، بلکہ اس مال کو سود پر دے کر غریبوں کو اور بھی غریب کرنا شروع کر دیا۔ بھلا یہ بات کون پسند کر سکتا ہے اور اللہ کو بھی یہ ناپسند ہے، کیونکہ یہ انسانیت کے خلاف ہے پھر اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو خوشخبری سناتا ہے جو ایمان لاتے اور حکم کی تعمیل کرتے ہوئے نماز قائم کرتے ہیں۔ انسان کی بھلائیاں چاہتے ہوئے زکوٰۃ بھی دیتے ہیں اس لئے ان کو اطمینان، خوشی، صبر اور سکون کی دولت ملتی ہے وہ دنیا میں بھی مطمئن ہوتے ہیں اور آخرت میں بھی ان کو کوئی غم اور کوئی تکلیف نہ ہوگی۔ ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کو بے حد پسند ہوتے ہیں زکوٰۃ اسلام کا دوسرا رکن ہے یہ خاص مقدار میں مال (سونا، چاندی، جانور، زمین کی پیداوار) پر خاص مدت گزرنے پر ادا کیا جاتا ہے اس کی تفصیلات انشاءاللہ آئندہ بیان کی جائیں گی۔ زکوٰۃ بھی عام بہتری، بھائی چارے، ہمدردی، نیکی اور فلاح و بہبود کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ نماز کے بارے میں تو بیان ہو چکا ہے کہ نماز تسکین دل کا سبب ہے اور اللہ سے دعا کرنے کا ایک ذریعہ ہے جو کہ بندے اور رب کے درمیان خوش گوار رابطہ پیدا کرتی ہے اور برائیوں سے بچاتی ہے۔ اگلی آیت میں پھر سود کی ممانعت کی گئی ہے۔ فتح مکہ کے بعد یہ آیت نازل ہوئی۔

## سود لینا چھوڑ دو

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿278﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿279﴾

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو اللہ سے ڈرو اور جو کچھ تمہارا سود (لوگوں پر) باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر واقعی تم ایمان لانے والے ہو۔﴿278﴾ لیکن اگر تم نے ایسا نہ کیا تو (آگاہ ہو جاؤ! کہ) اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمہارے خلاف اعلان جنگ ہے۔ اور اگر تم توبہ کر لو (سود چھوڑ دو) اور اپنا اصل سرمایہ لینے کے حق دار ہو جاؤ۔ نہ تم ظلم کرو اور نہ تم پر ظلم کیا جائے گا۔﴿279﴾

تشریح: یہ آیت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی تھی۔ اسلامی حکومت کے دائرے میں سود کا لین دین قانوناً بند کر دیا گیا تھا اور قبائل کو آنحضرت ﷺ نے پیغام بھجوا دیا کہ اب جو لوگ سود کا لین دین بند نہ کریں گے تو ان سے جنگ کی جائے گی۔ نجرانی عیسائیوں کو بھی سمجھا دیا گیا کہ اگر تم نے سودی کاروبار بند نہ کیا تو ہمارا تمہارا معاہدہ ختم کر دیا جائیگا اور ہمارے درمیان حالت جنگ پیدا ہو جائے گی اور دوسری بات یہ ہوئی کہ جو بھی دارالاسلام میں سود کھائے اسے توبہ پر مجبور کیا جائے ورنہ اسے قید کیا جائے اور توبہ کرنے پر چھوڑا جائے۔

## مجبور اور تنگ دست سے رعایت

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۚ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿280﴾

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿281﴾ ع 38/8/6

اور اگر (تمہارا قرض دار) تنگ دست ہو، تو آسانی تک اسے مہلت دو اور اگر صدقہ کر دو تو یہ تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اگر تم سمجھو۔﴿280﴾ اس دن (کی رسوائی اور مصیبت) سے بچو جس میں تم اللہ کی طرف واپس ہو گے۔ وہاں پر ہر شخص کو اس کی کمائی ہوئی (نیکی یا بدی) کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی پر ظلم ہرگز نہ ہوگا۔﴿281﴾

تشریح: ارشاد ہوتا ہے کہ اگر قرض دار تنگ دست ہے تو اسے قرض ادا کرنے کے لئے تنگ نہ کیا جائے، بلکہ انسانیت اور نیکی یہی ہے کہ اس کو آسانی اور خوشحالی تک مہلت دی جائے کہ وہ آسانی سے قرض ادا کر سکے، بلکہ یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر قرض دینے والا ہمدردی کی وجہ سے معاف کر دے تو یہ بڑے ہی فائدے اور نیکی کا کام ہے اگر تمہیں سمجھ ہو یعنی قرض معاف کرنے سے قرض دار کو تو بظاہر فائدہ ہوگا لیکن دراصل فائدہ تمہیں خود ہوگا کیونکہ قرآن پاک میں اکثر جگہ بتایا گیا ہے کہ ''اس دن سے ڈرو جب تم اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور اپنے کئے ہوئے اعمال کا پورا پورا بدلہ پاؤ گے''۔ اللہ نے انصاف اور حساب کتاب کا انتظام ایسا لاجواب بنا رکھا ہے کہ وہاں وہی ملے گا جو دنیا میں کیا ہوگا اور اس میں کسی شخص پر ہرگز کوئی ظلم یا زیادتی نہ کی جائے گی یہی دن حساب کا دن ہوگا جب سب لوگ اللہ کے حضور میں پیش ہونگے۔

## لین دین کے مسائل اور گواہی

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـــًٔا ۭ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ۭ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاۗءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ۭ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَاۗءُ اِذَا مَا دُعُوْا ۭ وَلَا تَسْــَٔـمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰٓى اَلَّا تَرْتَابُوْٓا اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ۭ وَاَشْهِدُوْٓا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۠ وَلَا يُضَاۗرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ڛ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿282﴾

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب کسی مقرر مدت کے لئے تم آپس میں قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو اور لکھنے والا فریقین کے

درمیان انصاف کے ساتھ دستاویز تحریر کرے۔ جسے اللہ نے لکھنے پڑھنے کی قابلیت بخشی ہو۔ اسے لکھنے سے انکار نہ کرنا چاہئے وہ لکھے اور املاء کرائے جس نے قرض لینا ہو اور اسے اپنے رب سے ڈرنا چاہئے کہ جو معاملہ طے ہوا ہو اس میں کوئی کمی بیشی نہ رہے۔ لیکن اگر قرض لینے والا خود نادان یا ضعیف ہو یا املاء نہ کرا سکتا ہو تو اس کا ولی انصاف کے ساتھ املا کرائے پھر اپنے مردوں میں سے دو آدمیوں کی اس پر گواہی کرا لو اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں جن کی گواہی تمہارے درمیان مقبول ہو اور تاکہ ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔ گواہوں کو جب گواہ بننے کے لئے کہا جائے تو انہیں انکار نہ کرنا چاہئے معاملہ چھوٹا ہو خواہ بڑا، معیاد کی تعیین کے ساتھ اس کی دستاویز لکھ لینے میں تساہل نہ کرو۔ اللہ کے نزدیک یہ طریقہ تمہارے لئے زیادہ مبنی بر انصاف ہے، اس سے شہادت قائم ہونے میں زیادہ سہولت ہوتی ہے اور تمہارے شکوک وشبہات میں مبتلا ہونے کا امکان کم رہ جاتا ہے۔ ہاں جو تجارتی لین دین دست بدست تم لوگ آپس میں کرتے ہو، اس کو نہ لکھا جائے تو کوئی حرج نہیں، مگر تجارتی معاملے طے کرتے وقت گواہ کر لیا کرو، کاتب اور گواہ کو ستایا نہ جائے۔ ایسا کرو گے تو گناہ کا ارتکاب کرو گے، اللہ کے غضب سے بچو وہ تم کو صحیح طریق عمل کی تعلیم دیتا ہے اور اسے ہر چیز کا علم ہے۔ (282)

تشریح: یہ آیت پورے قرآن مجید میں سب سے لمبی آیت ہے۔ اسلام کے ہر اصول سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خیر سگالی اور امن و سکون کا مذہب ہے اس میں زندگی کے تمام اصول اس طرح بیان کئے گئے ہیں کہ ہر شخص معاشرے میں امن سکون اور عزت و احترام سے زندگی گزار سکے اور لوگوں کے آپس میں کم از کم لڑائی جھگڑے اور فساد ہوں۔ پہلے صدقہ وخیرات اور سود کی ممانعت کا ذکر بڑی تفصیل سے ہو چکا ہے اور اب باہمی لین دین اور تجارت کے کچھ اصول بتائے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جب بھی تم آپس میں لین دین کرو تو ضروری ہے کہ اس کو لکھ کر معاہدہ پر دو گواہوں کے دستخط بھی کروا لو۔ گواہوں کی شرائط یہ ہیں کہ وہ تمہاری اپنی قوم کے ایسے جانے پہچانے دو مرد ہوں جن کی شہرت اچھی ہو اور تمہاری جان پہچان ان کے ساتھ اچھی ہو۔ دو مرد گواہوں کے لئے ہونے چاہئیں اگر دو مرد نہ مل سکیں تو پھر ایک مرد اور دو عورتیں گواہ بنا لو عورتیں دو اس لئے کہ اگر ایک بھول جائے تو دوسری اس کو یاد کروا دے۔ گواہوں کو جب بلایا جائے تو انکو انکار نہیں کرنا چاہئے۔ یہ ایسے لین دین کا ذکر ہے جس میں کسی مدت کا وعدہ ہو، بھول چوک سے بچنے کیلئے حکم ہے کہ معاہدہ لکھ کر رکھ لو لکھنے والے کو چاہئے کہ لکھنے میں کسی قسم کی کوتاہی نہ کی جائے سب سے بہتر یہ ہے کہ قرض لینے والا اپنے ہاتھ سے لکھے اگر لکھنا نہیں جانتا تو کسی کاتب کو بلا لے اور اس کو بغیر کسی کمی بیشی کے تمام معاملہ لکھوا دے۔ اگر قرض لینے والا کسی وجہ سے لکھوا نہیں سکتا تو پھر اس کے وارث کو چاہئے کہ پورے انصاف سے لکھوا دے۔

یہ معاملہ اتنا ضروری ہے کہ دوبارہ تاکید کی جا رہی ہے۔ کہ رقم چھوٹی ہو یا بڑی۔ قرض بڑا ہو یا معمولی ہر صورت میں لکھ کر معاہدہ کرو اور لکھنے میں ہرگز سستی نہ کرو کیونکہ لکھے بغیر بے شمار جھگڑوں کا امکان ہے پھر فرمایا کہ ہاں اگر آمنے سامنے یعنی دست بدست لین

دین کرنا ہوتو پھر لکھت پڑھت کی ضرورت نہیں۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ گواہوں اور کاتب کے لئے ضروری ہے کہ کسی بھی قسم کی ناانصافی نہ کریں اسی طرح قرض دینے اور لینے والے پر بھی فرض ہے کہ وہ کاتب یا گواہوں کو کسی بھی صورت سے تنگ نہ کریں۔ کیونکہ یہ گناہ ہیں، اور ہر وقت اللہ سے ڈرتے رہو۔ جو کچھ اللہ سکھاتا ہے، بتاتا ہے اس پر پورے خلوص اور نیک نیتی سے عمل کرو۔ کیونکہ اللہ سے کوئی بات چھپی ہوئی نہیں وہ ہر بات ہر کام کو اچھی طرح جانتا ہے۔

## گروی (رہن) رکھنے کی ہدایت

وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ۭ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي

39 اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ۭ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۭ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗٓ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ۭ

ع 2 7 وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿283﴾

اگر تم سفر میں ہو اور (دستاویز لکھنے کیلئے) کوئی کاتب نہ ملے تو رہن بالقبض پر معاملہ کرو، اگر تم میں سے کوئی شخص دوسرے پر بھروسہ کرے تو جس پر بھروسہ کیا گیا ہے اسے چاہے کہ امانت ادا کرے اور اللہ یعنی اپنے رب سے ڈرے اور شہادت ہرگز نہ چھپاؤ جو شہادت چھپاتا ہے اس کا دل گناہ میں آلودہ ہے اور اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں۔ ﴿283﴾

تشریح: پچھلی آیت سے تعلق رکھنے والا ایک نکتہ اور بیان کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر تم کہیں سفر میں ہو قرض لینا پڑ جائے تو لین دین میں کاتب نہ ملے تو رہن کا معاملہ کرلیا جائے رہن کا مطلب ہے کہ قرض لینے والا اپنا کوئی سرمایہ قرض دینے والے کے پاس امانت کے طور پر رکھ دے۔ اس شرط پر کہ جب قرض ادا کرے گا تو اپنی امانت واپس لے لے گا۔ اس میں زیور، اور مال مویشی وغیرہ شامل ہیں۔ اب اس امانت پر شرط یہ ہے کہ امانت رکھی گئی چیز پر مالی فائدہ امانت رکھنے والا (یعنی قرض دینے والا) نہیں اٹھا سکتا یہ سود ہوگا جو کہ حرام ہے۔ صرف مویشی سے کام لے سکتا ہے اور اس کا دودھ بھی استعمال کرسکتا ہے کیونکہ وہ مویشی کو چارہ کھلاتا ہے اور امانت رکھنے والے کے لئے بڑی سخت تاکید ہے کہ وہ پوری دیانت داری کے ساتھ امانت کو وقت پر واپس کر دے۔ یہ تمام احکامات صرف سفر کے لئے ہی نہیں سفر میں نہ ہوں تو تب بھی مجبوری کی حالت میں ایسے کرسکتے ہیں۔ آیت کے آخر میں پھر تاکید کی جارہی ہے کہ کسی قسم کی گواہی ہرگز مت چھپاؤ۔ کیونکہ یہ بہت بڑا گناہ ہے اور یہ مت سمجھو کہ اللہ کو کیا معلوم جو مرضی کر لیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا، کیونکہ اللہ سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں وہ تو بڑا ہی علیم (جاننے والا) ہے جو کچھ بھی تم عمل کرتے ہو اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

# اللہ ہر چیز پر قادر ہے

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ۭ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿284﴾

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے (سب) اللہ کا ہے تم اپنے دل کی باتیں خواہ ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ بہر حال ان کا حساب تم سے لے لے گا پھر (اسے اختیار ہے) جسے چاہے معاف کر دے اور جسے چاہے سزا دے وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔﴿284﴾

تشریح: اس سورت کو بڑا اعزاز حاصل ہے۔ اس کے شروع میں دین کی تمام ایسی تعلیمات کو بیان کیا گیا ہے جو دین کی بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں اسی طرح سورت کے آخر میں پھر مختصر کر کے وہ تمام اصول وقوانین بیان کر دیئے گئے ہیں جو دین کی مضبوطی اور انسان کی فلاح، ترقی اور نجات کے لئے ضروری ہیں یہ آیت سورہ بقرہ کے آخری رکوع کی پہلی آیت ہے اور اس میں انسان کو اس کی حیثیت بتائی گئی ہے کہ تم نے سب کچھ کرنے کے بعد پھر اللہ کے سامنے اپنی پوری زندگی کا حساب کتاب دینے کے لئے پیش ہونا ہے۔ ہر وقت اس بات کا خیال رکھو کہ ہماری تمام زندگی ہر حرکت ہر کام بلکہ ہماری سوچ، ہماری نیت اور ہمارا ہر ارادہ اللہ کی نظر میں ہے وہ سب کچھ جانتا ہے اس لئے ہم اپنے کردار سے لوگوں کو دھوکہ دے سکتے ہیں مگر اللہ کو ہرگز دھوکہ نہیں دے سکتے۔ ہماری ہر لمحہ کی فلم تیار ہوتی رہتی ہے جو ہمیں دکھائی جائے گی جب ہم اللہ کے سامنے پیش ہونگے کس قدر شرمندگی ہوگی جب ہم دیکھیں گے کہ ہم نے اللہ کو مانا مگر اس کے دیئے ہوئے اصولوں کو نہ مانا اس سورت میں ہمیں بہترین زندگی گزارنے کے تمام اصول بڑی تفصیل سے بتا دیئے گئے ہیں۔ مثلاً توحید، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، جہاد، طہارت، شادی، طلاق، عدت، خلع رضاعت، شراب کا حرام ہونا، ربا (سود) قرض اور لین دین کے تمام جائز اور ناجائز طریقوں کو بڑی وضاحت سے بیان کر دیا گیا ہے۔ تمام طریقے زندگی گزارنے کے بے حد آسان اور فائدہ مند طریقے ہیں، جن پر عمل کرنا ہمارے لئے نہ صرف ضروری ہے، بلکہ ہماری اپنی بخشش اور دنیا میں سکون سے رہنے کا ذریعہ بھی ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں بچہ پیدا ہوتا ہے، جوان ہوتا ہے، بوڑھا ہوتا ہے اور پھر مر جاتا ہے روح اس کی اللہ کے پاس چلی جاتی ہے جسم زمین میں دبا دیا جاتا ہے جب انسان مرتا ہے تو اس کی تمام آل اولاد زمین، مکان، جائیداد اور روپیہ پیسہ سب کچھ ادھر دنیا میں ہی رہ جاتا ہے۔ مگر اس پوری زندگی گزارنے کے تمام طور طریقے کی فلم اس کی روح کے ساتھ اللہ کے دفتر میں جمع ہو جاتی ہے۔ کیوں نہ ایسی فلم ہم اپنے لئے تیار کرائیں کہ جس کو دیکھ کر ہماری خوشیوں کی انتہا نہ رہے اور اللہ تعالیٰ خوش ہو جائیں اور ہمیں اس ہمیشہ رہنے والی زندگی میں بہترین ٹھکانہ مل جائے جس کو جنت کہتے ہیں۔ جس میں ہر وہ نعمت بے شمار ہوگی جس کی تمنا ہم اس دنیا میں اپنی بہترین زندگی گزارنے کیلئے کرتے ہیں۔ جنت کا حصول اور دنیا کا سکون، ترقی، بے فکری، صحت وتوانائی، عزت واحترام اور وقار صرف اس میں ہی ہے کہ دلوں کو اللہ کے خوف سے ہر وقت پر رکھیں اور اپنی نیتوں کو

صاف، خلوص اور محبت کے دروازے ہر ایک کے لئے ہر وقت کھلے رکھیں کبھی بھی کسی سے نفرت، حسد بغض اور شرارت نہ کریں۔ کیونکہ یہ شیطان کے کام ہیں وہ ہمیں دنیا میں بھی ذلیل وخوار کرواتا ہے اور آخرت میں بھی جہنم میں ڈلوا دے گا۔ اللہ کا ڈر اور آخرت کی فکر ہماری زندگیوں کا بہترین محافظ ہے۔ اس آیت میں بڑی وضاحت سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے زمین وآسمان اور ان کے درمیان میں جو کچھ بھی ہے سب کچھ اللہ ہی کے لئے ہے تم اپنے دل کی باتیں خواہ ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ کو سب معلوم ہے وہ اچھی طرح ہر بات کا حساب لے لے گا اس کے اختیارات بے حد وسیع ہیں اس کو کوئی روکنے والا نہیں وہ جس کو چاہے معاف کر دے اور جس کو چاہے سزا دے کیونکہ وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اس کے بعد ایمان کے اجزاء بیان کئے گئے ہیں اور اللہ سے دعائیں کی گئی ہیں کہ ہمارے لئے آسانیاں پیدا کر دے اور بخش دے۔

## ارکان ایمان کا ذکر

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ
لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۣ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ڭ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ ﴿285﴾ لَا يُكَلِّفُ
اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ۭ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۭ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ
رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَي الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ
لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۪ وَاغْفِرْ لَنَا ۪ وَارْحَمْنَا ۪ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿286﴾ ع 40 3 8

تمام رسول اس ہدایت پر ایمان لائے جو ان کے رب کی طرف سے ان پر نازل ہوئی اور جو لوگ اس رسول کے ماننے والے ہیں انہوں نے بھی اس ہدایت کو تسلیم کر لیا ہے دل سے یہ سب اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں کو مانتے ہیں اور ان کا قول یہ ہے کہ تم اللہ کے رسولوں کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کرتے، ہم نے حکم سنا اور اطاعت قبول کی، مالک ہم تجھ سے خطا بخشی کے طالب ہیں اور ہمیں تیری ہی طرف پلٹنا ہے۔﴿285﴾ اللہ کسی بھی شخص پر اس کی طاقت سے بڑھ کر بوجھ نہیں ڈالتا ہر شخص نے جو نیکی کمائی ہے۔ اس کا پھل اسی کے لئے ہے اور جو بدی سمیٹی ہے اس کا وبال اسی پر ہے۔ (ایمان والو تم یوں دعا کیا کرو) اے ہمارے رب ہم سے بھول چوک میں جو قصور ہو جائیں ان پر گرفت نہ کرنا، اے مالک! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈالنا جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالے تھے پروردگار جس بار کو اٹھانے کی طاقت ہم میں نہیں ہے، وہ ہم پر نہ رکھ۔ ہمارے ساتھ نرمی کر، ہم سے درگزر فرما، ہم پر رحم کر، تو ہمارا مولیٰ ہے اور کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد کر۔﴿286﴾

تشریح: پچھلی آیت کا شان نزول یعنی نازل ہونے کی وجہ یہی سمجھ میں آتی ہے۔ آیت 284 سے صحابہ کرام بہت پریشان ہوئے تو نبی اکرم ﷺ نے ان کو تسلی دی کہ اللہ واقعی قادر مطلق ہے۔ وہ جو چاہے کرے مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ رحیم وکریم اور بے حد

انصاف کرنے والا اور بے حد پیار کرنے والا ہے۔ وہ کبھی کسی بندے پر زیادتی نہیں کرتا اس لئے تم لوگ خلوص نیت سے اللہ کی اطاعت کرتے رہو تو اس پر صحابہ کرام نے بے اختیار یہ کہنا شروع کر دیا کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہم نے اللہ کے حکم کی تعمیل کی اور ہم ہر صورت اس کا ہر حکم ماننے کو تیار ہیں رب العزت کو انکی یہ بات بے حد پسند آئی اور اس آیت میں نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کے ایمان کی تعریف فرمائی کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام نے یہ مان لیا کہ جو کچھ ان پر ان کے رب کی طرف سے نازل ہوا اس پر ایمان لائے، اللہ کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اس کے رسولوں میں کسی میں بھی فرق نہیں کرتے بلکہ سب کو مانتے ہیں پہلے اہل کتاب کی طرح نہیں کرتے کہ کسی کو مانیں کسی کو نہ مانیں، ہم سب کو مانتے ہیں۔ صحابہ کرام نے کہا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی اور ہم اس بات پر پورا یقین رکھتے ہیں کہ ہم سب کو مرنا ہے اور اے اللہ تیرے حضور پیش ہونا ہے اور ہم تیری بخشش چاہتے ہیں۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ کسی شخص پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالا جائے گا۔ بلکہ اس کے اپنے کئے ہوئے اعمال کی سزا یا جزا دی جائے گی۔ جس نے نیکی کی اس کو اس کا بدلہ ملے گا جس نے برائی کی اس کو اس کا بدلہ ملے گا پھر رب العزت نے یہ دعائیں کرنے کو کہا۔ ”اے ہمارے رب! اگر ہم سے بھول چوک ہو جائے تو ہم سے درگزر کرنا، اے ہمارے رب! ہم پر ایسا بوجھ نہ ڈالنا جیسا کہ پہلی امتوں پر ڈالا گیا۔ ہم پر ایسی ذمہ داریاں نہ ڈالنا جو ہم پوری نہ کر سکیں۔ ہمیں معاف فرما دے ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما تو ہی ہمارا مولیٰ اور آقا ہے۔ کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد فرما۔ بے حد خوبصورت دعائیں ہیں۔ حق تعالیٰ نے خود بتائی ہیں اس لئے وہ ضرور قبول فرمائے گا۔ اللہ جل شانہ ہماری مشکلیں آسان کرے ہم تمام کے تمام احکامات کو خلوص نیت سے پورا کر سکیں اور دنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں حاصل کر سکیں۔ آمین

الحمد للہ کہ سورہ بقرہ مکمل ہوئی۔ اللہ اس کی برکت سے ہماری یہ دعا بھی قبول کرے۔

”رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ“ اے ہمارے رب! ہمیں دنیا میں بھی بھلائیاں دے اور آخرت میں بھی بھلائیاں دے اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔

# سورۂ آل عمران

## تعارف:

یہ مدنی سورت ہے۔ اس میں دو سو آیتیں اور بیس رکوع ہیں۔ اس سورت میں آل عمران کا ذکر ہے اسی لئے اس کا نام ”آل عمران“ رکھا گیا ہے۔ سورۂ بقرہ میں بنی اسرائیل سے خطاب تھا جب کہ اس سورۃ میں عیسائیوں سے خطاب کیا گیا ہے۔

## سبب نزول:

نجران کے وفد کی آمد پر یہ مبارک سورت نازل ہوئی۔ واقعہ اس طرح ہوا کہ جب نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے اور

اسلام کی روشنی آس پاس پھیلنی شروع ہوئی تو یہودی دین حق سے بالکل منکر ہو گئے۔ تب نجران کے عیسائیوں کی ایک جماعت محمد رسول اللہ ﷺ کے پاس بات چیت کرنے کے لئے آئی۔ نجران عرب کے جنوب میں یمن کے علاقہ میں ایک جگہ کا نام ہے۔ ان دنوں وہاں مسیحیوں کی آبادی تھی۔

اس سورہ میں دو گروہوں کو خاص طور سے مخاطب کیا گیا ہے۔ ایک یہود و نصاریٰ اور دوسرا مومنین۔ یہود و نصاریٰ کو تو یہ بتایا گیا کہ اپنی کتابوں کی تعلیم کے مطابق محمد ﷺ پر ایمان لے آؤ اور مسلمانوں کو یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ نیکی کی راہ اختیار کرو اور پچھلی قوموں کے انجام سے عبرت حاصل کرو۔ یہ سورت چار مضامین پر مشتمل ہے۔

پہلا مضمون۔ سورت کے شروع سے چوتھے رکوع کی پہلی دو آیات تک ہے۔

دوسرا مضمون۔ آیت "اِنَّ اللّٰہَ" سے شروع ہو کر چھٹے رکوع کے آخر تک ہے۔

تیسرا مضمون۔ ساتویں رکوع سے بارھویں رکوع کے اختتام تک ہے۔

چوتھا مضمون۔ تیرھویں رکوع سے ختم سورت تک ہے۔

پوری سورت کی بنیاد اللہ کا وجود اور توحید کی تعلیم ہے۔ یہی تعلیم حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر محمد ﷺ تک دی گئی ہے۔ محمد ﷺ کی امت "خیر امت" (بہترین امت) کے لقب سے پکاری گئی۔ اس سورت کے آخری حصہ میں اسلامی تاریخ کے دو بڑے اہم واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ یعنی غزوہ بدر اور غزوہ احد یہ 2ھ اور 3ھ میں پیش آئے۔

غرض اس پوری سورت میں نیکی کی دعوت، انسانی اصلاح، نیکی کی فضیلت اور برائی کی خرابی کو مثالیں دے دے کہ سمجھایا گیا ہے۔ جیسا کہ سورہ بقرہ میں وضاحت کی گئی ہے۔

## اللہ تعالیٰ کی صفات

الٓمّٓ ﴿1﴾ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ؕ﴿2﴾

الم (یہ حروف مقطعات میں سے ہے) ﴿1﴾ اللہ زندہ جاوید ہستی ہے جو نظام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے حقیقت میں اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہے۔ ﴿2﴾

تشریح: اس کا شان نزول یہ ہے کہ جب اسلام کا بول بالا ہونے لگا اور غزوہ بدر میں فتح نصیب ہوئی تو نجران کے عسائیوں کا ایک وفد آپ ﷺ کے پاس تبادلہ خیالات کرنے کے لئے آیا۔ یہ لوگ مسیح علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ مانتے تھے۔ محمد ﷺ نے ان کو ثبوت دے کر سمجھانے کی کوشش کی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ نہیں ہو سکتے کیونکہ اللہ تو واحد ہے۔ وہی عبادت کے لائق ہے، کوئی دوسرا عبادت کے لائق نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وہ ہمیشہ سے ہے، ہمیشہ رہے گا اس کو تو کسی نے پیدا نہیں کیا وہ ہر رشتہ سے بے نیاز ہے، بلکہ یہ تمام

کائنات اس نے ہی پیدا کی ہے اور وہی اس سارے نظام کو چلا رہا ہے۔ جب کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یقیناً موت آئے گی اور جو خود اپنی ہستی کو قائم نہ رکھ سکے وہ دوسری تمام مخلوقات کو کیسے زندہ رکھ سکتا ہے اور اس تمام نظام کائنات کو کیسے چلا سکتا ہے۔ اس پر وہ لاجواب ہو گئے اس آیت میں عیسائیوں کے عقائد کو غلط ثابت کیا گیا ہے، اور ان کے تین عقیدے مشہور ہیں۔

1 تثلیث۔ یعنی خدا، عیسیٰ اور روح القدس تینوں مل کر ایک خدا تعالیٰ بنتے ہیں۔

2 یہ کہ مسیح اللہ ہے وہ انسان کی شکل میں آئے ہیں۔

3 یہ کہ مسیح اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہے۔ (نعوذ باللہ)

اس آیت سے عیسائیوں کے تینوں عقیدے غلط ثابت ہو گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ماں کے ذریعہ سے ہوئی پھر وہ فنا ہو نگے۔ جبکہ اللہ صرف اور صرف وہی ہو سکتا ہے جو خود ہی ہو کوئی اس کو پیدا کرنے والا نہ ہو اور پھر وہ کبھی فنا نہ ہو۔ ہمیشہ رہنے والا ہو۔ کیونکہ اس تمام کائنات کو پیدا کرنا اور پھر چلانا کسی بھی ایسے فرد، نبی، رسول، چاند، سورج اور ستارے کا کام نہیں ہو سکتا جو خود پیدا کیا جائے اور پھر ختم بھی ہو جائے۔ نجران کے وفد کو سمجھ تو آ گیا مگر وہ ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ایمان نہ لائے اور واپس چلے گئے۔

اس آیت میں توحید کا زبردست سبق دیا گیا ہے توحید کا سبق ایسا بنیادی سبق ہے کہ اس کے بغیر زندگی گزارنے کا کوئی رخ انسان کو نہیں ملتا۔ اسی لئے حضرت آدم سے لے کر محمد ﷺ تک تمام انبیاء نے سب سے پہلے توحید کا ہی سبق دیا۔ توحید کیا ہے؟ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ (اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں) پس اللہ وہ ہے جس کی عبادت کی جائے، جس کے بارے میں عقل حیران ہو، جس سے بے پناہ محبت ہو، جو اقتدار کا مالک ہو، حاجت روا حاکم، جس سے لوگ ڈریں، جو سب سے زیادہ طاقتور ہو، جو انتہائی رحیم و کریم ہو۔ ویسے تو ہر انسان خود ہی جانتا ہے کہ ایک اللہ موجود ہے جس نے اس کو پیدا کیا ہے۔ لیکن جیسے جیسے انسان نے اپنے اردگرد غور سے دیکھا تو اس کی عقل نے اس بات کو مان لیا کہ اللہ واحد ہے۔ جب انسان نے دیکھا کہ سورج، چاند، ستارے، ہوا، پانی، نباتات، جمادات، حیوانات، غرض دنیا کی ہر چیز انتہائی مضبوط قوانین کی پابند ہے اور دنیا کا ایک ایک ذرہ اس مضبوط طاقت کے کنٹرول میں ہے۔ جس کو ہم نہ دیکھ سکتے ہیں نہ چھو سکتے ہیں۔ اسی غیبی طاقت، اسی پوشیدہ قوت، اسی خالق و مالک اور بزرگ ہستی کو قدیم زمانہ سے اللہ کہتے آئے ہیں۔ غرض بقول ڈاکٹر ہلوک نور باقی (ترکی) اپنی کتاب ''قرآنی آیات اور سائنسی حقائق'' میں لکھتے ہیں۔

ہر چیز اپنے وجود اور حیات کے لئے اس (اللہ) کی مرہون منت ہے، ہر چیز کو اس ہی کی ضرورت ہے۔ اسے خود کسی چیز کی ضرورت نہیں، وہی ایک ایسی ہستی ہے جس سے ہر کسی کو مدد مانگنی چاہئے۔ اسی طرح محمد منظور الحق ڈار صاحب فرماتے ہیں: ہم زبان سے تو کہتے ہیں کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں لیکن حقیقت میں ہم نے اللہ کے سوا بہت سے الٰہ بنا رکھے ہیں۔ انسان بالکل دیوانہ ہے۔ وہ ایک پتہ ایک چیونٹی تک تو بنا نہیں سکتا لیکن کئی اللہ بنا لیتا ہے۔ آج ہمارے ہاں اس بات کو سمجھنا مشکل ہے کہ لاالٰہ الااللہ کہنے کے فرائض کیا بنتے ہیں۔'' ڈاکٹر اقبال کے بقول

یہ شہادت گہہ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا

ڈار صاحب مزید لکھتے ہیں۔ ''کلمہ لاالہ الااللہ دین حق (اسلام) کا خلاصہ ہے۔ یہ تعلیمات اسلام کی ابتداء بھی ہے اور انتہاء بھی۔'' حضرت معاذ بن جبل سے روایت ہے۔ آنحضور ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کی آخری بات جو موت سے پہلے اس کی زبان سے نکلے لاالہ الااللہ ہوگی وہ جنت میں داخل ہوگا۔ (مسند احمد، ابوداؤد)

اللہ تعالیٰ ہمیں سچے مسلمان بننے کی توفیق عطا کرے۔ آمین۔

## قرآن مجید اور پہلی آسمانی کتب

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۙ (3) مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ (4)

اس نے تم پر یہ سچی کتاب نازل کی ہے اور ان کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جو پہلے سے آئی ہیں اس سے پہلے وہ انسانوں کی ہدایت کے لئے تورات اور انجیل نازل کر چکا ہے (3) اور اس نے وہ کسوٹی تیار کی ہے (جو حق اور باطل کا فرق دکھانے والی ہے) اب جو لوگ اللہ کے فرامین کو قبول کرنے سے انکار کریں، ان کو یقیناً سخت سزا ملے گی اللہ بے پناہ طاقت کا مالک ہے اور (برائی کا) بدلہ دینے والا ہے۔ (4)

تشریح: اللہ رب العزت محمد ﷺ کو مخاطب کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ آپ کو ایسی کتاب دی گئی ہے جو حکمت اور دانائی سے بھری ہوئی ہے۔ یعنی قرآن مجید کی تعریف میں بتایا جا رہا ہے کہ یہ کتاب بندوں کی اصلاح کیلئے بھیجی گئی ہے۔ کیونکہ اس میں ہر وہ نکتہ، ہر وہ راستہ اور ہر وہ اصول بتا دیا گیا ہے جو انسان کی زندگی میں ہر قدم پر مدد کر سکتا ہے۔ بچہ کی پیدائش سے لے کر بڑھاپے تک کے لئے قرآن نے ایک چراغ روشن کر دیا ہے جو انسان کو ہر تاریکی ہر مشکل سے اور ہر برائی سے بچا سکتا ہے۔ یہ توحید کا چراغ ہے جس کا بیان پچھلی آیت میں وضاحت سے ہو چکا ہے۔ قرآن مجید کو فرقان بھی کہا گیا ہے۔ فرقان کا مطلب ہے فرق کرنے والا۔ یعنی جھوٹ، سچ، نیکی، بدی اچھائی برائی، عزت ذلت، بلندی پستی اور کھرے و کھوٹے کا فرق بتانے والا، پھر سب سے بڑی حقیقت جو قرآن مجید میں بیان کی گئی ہے وہ انسانی تاریخ ہے اللہ تعالیٰ نے اس کتاب میں بتایا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام دنیا میں آئے تو انہوں نے اپنے اس علم کو پھیلایا جو اللہ نے ان کو دیا تھا اور توحید کا پیغام دیا۔ عرصہ دراز کے بعد حضرت ابراہیم، حضرت اسماعیل، حضرت اسحٰق اور حضرت یعقوب علیہم السلام عراق و شام میں پیدا ہوئے اور وہ بھی وہی توحید کا پیغام ہی لے کر آئے۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اور انہی کے سلسلے کے کئی انبیاء آئے سب کے سب توحید کا پیغام ہی لے کر آئے ایک زمانہ دراز

گزر جانے کے بعد پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے اور وہ بھی توحید ہی کا پیغام لے کر آئے۔ ان سب پیغمبروں نے انسانوں کو ہدایت دی اور یہ ہدایات ان کو رب العزت نے اپنی دی ہوئی کتابوں کے ذریعہ سے پہنچائی۔ قرآن پاک ان تمام رسولوں اور ان کو دی گئی کتابوں کا ذکر کرتا ہے اور یقین دلاتا ہے کہ یہ سب سچے پیغمبر تھے ان کی کتابیں بھی سچی تھیں۔ گویا تورات اور انجیل میں جو سبق دیا گیا تھا وہ اس عقیدہ سے بالکل مختلف ہے جو عیسائیوں اور یہودیوں نے تین تین خداؤں کا عقیدہ بنا رکھا ہے۔ غرض یہود و نصاریٰ نے اپنی آسمانی کتابوں کو بالکل تبدیل کر دیا ہے۔ آخر میں محمد ﷺ آخری نبی بنا کر بھیجے گئے ہیں ان کو جو کتاب دی گئی ہے اس کی ذمہ داری اللہ نے خود لی ہے کہ اس میں کوئی رد و بدل نہ ہو سکے گا اور اس کی حفاظت رب العزت کرے گا۔ ظاہر ہوا کہ اصول دین کے لحاظ سے اور تعلیم کے لحاظ سے تمام آسمانی کتابوں کا مضمون ایک ہی ہے۔ رب العزت نے ہر زمانے کے لحاظ سے ایسی ہی ہدایات دی ہیں جو حق و باطل، حرام حلال، نیکی بدی اور جھوٹ و سچ کے درمیان فرق ظاہر کرنے والی ہوں۔ آیت کے آخر میں رب العزت نے اپنے صفاتی ناموں میں سے عزیز ذوانتقام یعنی زبردست طاقت کا مالک اور برائی کا پورا پورا بدلہ دینے والا کہا ہے یہ ذکر ان لوگوں کو سمجھانے کے لئے کیا گیا ہے جو ہدایات حاصل کرنے کے بعد بھی ہدایت اختیار نہ کریں یا رب العزت کی بھیجی ہوئی کتابوں کو نہ مانیں، پیغمبروں کو نہ مانیں، برائیوں کو نہ چھوڑیں، شرک اور جھوٹ کی دنیا میں پھنسے رہیں تو ایسے لوگ اپنے اعمال کی سزا ضرور پائیں گے۔ کیونکہ اگر رب العزت رحیم و کریم ہے تو ساتھ وہ عزیز ذوانتقام بھی ہے۔ کیونکہ وہ ہر انسان کی ہر حرکت اور خیال پر زبردست نگاہ رکھتا ہے اسی لئے اس نے حساب کا دن مقرر کر رکھا ہے اور دنیا میں بھی ایسی قوموں کو تباہی اور بربادی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ کوئی بھی برا انسان اللہ کے عذاب سے بچ نہیں سکے گا۔ اس لئے ہر وقت دل میں نیکی کا خیال عمل میں نیکی کی راہ ہی اختیار کرنی چاہئے۔

## قدرت الٰہی کا بیان

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۝5 هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝6

زمین اور آسمان کی کوئی چیز اللہ سے پوشیدہ نہیں (5) وہی تو ہے جو تمہاری ماؤں کے پیٹ میں تمہاری صورتیں جیسی چاہتا ہے بناتا ہے۔ اس زبردست، حکمت والے کے سوا اور کوئی اللہ نہیں ہے۔ (6)

تشریح: اس آیت میں بھی رب العزت کی قدرت کا بیان ہو رہا ہے۔ جیسا کہ کئی دفعہ بیان ہو چکا ہے کہ دنیا کی تمام اشیاء جو زمین و آسمان کے درمیان موجود ہیں ان کا انتظام اور دیکھ بھال ہر چیز اللہ کی نظر میں ہے۔ کوئی ایک ذرہ بھی اس کے علم سے باہر نہیں۔ جیسا کہ ایک قطرہ جو ماں کے رحم میں پڑتا ہے وہ بھی اللہ کی حکمت سے نشو و نما پا کر ایک انسان کا بچہ بن کر دنیا میں آ موجود ہوتا ہے۔

اس کا نقشہ اس کی سیرت اور اس کا نصیب سب کچھ اللہ کی مرضی اور اس کی اجازت سے مکمل ہوتا ہے۔کوئی نہیں جان سکتا کہ آنے والا بچہ کیا نصیب کیا شکل اور کیا کردار لے کر آرہا ہے مگر یہ سب اللہ کو معلوم ہوتا ہے کیونکہ وہ زبردست حکمت والا ہے۔عام انسان کی پیدائش ماں اور باپ کی محتاج ہے لیکن اللہ تعالیٰ قدرت کاملہ رکھتا ہے وہ بغیر ماں باپ کے بھی انسان کو پیدا کر سکتا ہے۔جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام بغیر ماں باپ کے پیدا ہوئے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی قدرت سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے اور پھر ان کی پیدائش میں اس کی کیا کچھ حکمتیں تھیں؟ یہ سب وہی جانتا ہے۔کسی بشر کو اجازت نہیں کہ اس کی حکمتوں سے انکار کرے یا اس کی قدرت، طاقت اور بڑائی سے انکار کرے۔

ان آیات میں دو باتوں کی وضاحت ملتی ہے۔ایک یہ کہ اللہ کی دی ہوئی راہنمائی یعنی قرآن پر یقین کامل کرنا اور دوسرے توحید پر یقین کامل رکھنا کہ بس وہی اللہ وحدہ لاشریک ہے اور کوئی عبادت کے لائق نہیں ہوسکتا۔

## محکم اور متشابہ آیات

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ ڤ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ڤ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ⑦

وہی اللہ ہے جس نے تم پر یہ کتاب نازل کی ہے (اس کتاب میں دو طرح کی آیات ہیں ایک) محکمات (واضح) جو کتاب کی اصل بنیاد ہیں اور دوسری متشابہات، پھر جن لوگوں کے دلوں میں ٹیڑھ ہے وہ ان (متشابہ آیات) کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور ان کا مقصد فتنے اور تاویل کی تلاش ہوتا ہے، حالانکہ ان کا حقیقی مفہوم اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور جو لوگ علم میں پختہ ہیں، وہ کہتے ہیں کہ ہمارا ان (متشابہات) پر ایمان ہے یہ سب ہمارے رب ہی کی طرف سے ہیں اور سچ یہ ہے کہ کسی چیز سے ٹھیک سبق صرف دانش مند لوگ ہی حاصل کرتے ہیں۔⑦

تشریح: اس آیت میں سب سے پہلے رب کا بیان ہے کہ وہ وہی ذات اکبر ہے جس نے تم پر حکمت والی کتاب نازل فرمائی ہے۔مزید بتایا گیا ہے کہ اس کتاب میں دو قسم کی آیات بیان کی گئی ہیں۔ایک محکمات اور دوسری متشابہات۔

محکمات ان آیات کو کہتے ہیں جو عام فہم ہوں اور جن کا مطلب واضح ملتا ہو اور جن کے ایک ہی معنی نکلتے ہوں۔یہی آیات ہمیں راہ راست دکھاتی ہیں، علم وحکمت سکھاتی ہیں، نیکی اور بدی کا فرق بتاتی ہیں۔اور بہترین زندگی گزارنے کا طریقہ سکھاتی ہیں سب سے بڑھ کر یہ کہ جنت ودوزخ کا راستہ بھی انہی آیات میں دکھایا جاتا ہے اور جو لوگ ایمان کامل رکھتے ہیں وہ انہی آیات کو ہر وقت سامنے رکھتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں۔دوسری قسم متشابہات کی ہے۔اس سے مراد ایسی کلام ہوتی ہے جس

سے کئی ملتے جلتے معنی نکلتے ہوں اوران کے درمیان فرق کرنا بھی مشکل ہواور بعض اشارات ایسے ہیں کہ جن کوانسانی عقل سمجھ نہیں سکتی، بلکہ وہ اللہ ہی کی حکمت اور عظمت کا نشان ہوتے ہیں تو پھر ایسی بات کے پیچھے کیوں پڑا جائے جوانسانی سمجھ سے باہر ہو۔اگر ان کی تحقیق میں پڑ جائیں تو ممکن ہے ہم کسی غلط راہ پر نکل جائیں اور یوں ایمان کی دولت سے بھی محروم ہو جائیں جن کا ایمان مضبوط ہے وہ تو صرف یہی کہہ دیتے ہیں کہ یہ بھی ہمارے پروردگار کی طرف سے آئی ہیں لیکن ہماری سمجھ سے باہر ہیں ہمارے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ ان کو اللہ کی طرف سے مان لیں اور تحقیقات کی کوئی ضرورت نہیں۔لیکن جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے جن کا ایمان مضبوط نہیں یا جو لوگ محض نکتہ چینی اور نوک جھونک کرنے والے ہیں وہ محکمات تو چھوڑ دیتے ہیں اور صرف متشابہات کو لے کر الٹے سیدھے مطالب نکال کر خود بھی بدراہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو بھی بدراہ کرتے ہیں۔مثال کے طور پر حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ نے روح اللہ کہا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا ''وہ صرف بندے ہے جس پر ہم نے انعام کیا''۔یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وضاحت کی گئی ہے کہ وہ صرف ایک انسان ہی ہیں مگر ان پر انعام کیا گیا یعنی ان کو نبوت دی گئی۔اب بدکردار اور مشرک لوگوں نے صرف ''روح اللہ'' کو پکڑ لیا اور اس نسبت سے ان کو اللہ کا بیٹا بنا دیا جب کہ دوسری آیت کا مطلب واضح ہے کہ وہ صرف بندے ہیں اس کو بالکل دھیان میں نہیں رکھا۔''روح اللہ'' اللہ نے معلوم نہیں کس وجہ سے کہا، یہ ہماری عقل اور سمجھ سے باہر ہے تو اس کو صرف یہی کہنا چاہیئے کہ یہ اللہ ہی جانتے ہیں۔عقل مند، نیک اور پکے مسلمان تو یہی کہتے ہیں مگر کمزور عقیدہ والے لوگ ان متشابہات کی وضاحت جاننے کی وجہ سے اپنا ایمان ہی کھو دیتے ہیں۔لہٰذا متشابہات کو سمجھنے کی مشکل میں ہرگز نہیں پڑنا چاہیئے۔اگلی آیات میں ان تمام برائیوں سے بچنے کے لئے اللہ سے دعائیں کی جارہی ہیں۔

## دعائے استقامت

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿8﴾
رَبَّنَاۤ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿9﴾ ع 1/9

اے پروردگار! جب تو ہمیں سیدھے رستہ پر لگا چکا ہے تو پھر کہیں ہمارے دلوں کو کجی میں مبتلا نہ کر دینا، ہمیں اپنے خزانہ فیض سے رحمت عطا کر کہ تو ہی اصل میں رحمت دینے والا ہے۔﴿8﴾ پروردگار تو یقیناً سب لوگوں کو ایک روز جمع کرنے والا ہے، جس کے آنے میں کوئی شبہہ نہیں تو ہرگز اپنے وعدہ کی خلاف ورزی نہیں کرتا۔﴿9﴾

تشریح: انسان اللہ سے دعا کرتا ہے کہ ہمارے ایمان کو سلامت رکھنا کیونکہ اس کی توفیق تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔نبی اکرم ﷺ کس قدر بڑے پیغمبر تھے پھر بھی اللہ سے ایمان کی سلامتی کی دعا کرتے رہتے تھے۔ظاہر ہے کہ دنیا میں چاروں طرف بے شمار دنیاوی رنگینیاں اور شیطانی بہکاوے ہیں انسان کسی بھی وقت پھسل سکتا ہے۔لیکن اگر دست بدعا پھیلائے رکھے کہ اے رب! تو جو کہ وہاب

یعنی سب کچھ عطا کرنے والا ہے ہمیں اپنے فضل وکرم سے ایمان کی سلامتی عطا کر دے تو پھر کوئی مشکل ہے اور نہ کوئی پریشانی۔ پھر انسان دعا کرتا ہے اے ہمارے رب! بے شک تو ہم سب کو ایک مقرر دن ضرور اپنے حضور جمع کرنے والا ہے۔ اس دن کے آنے میں کوئی شک نہیں اور وہ دن ایسا ہوگا کہ جس دن ہر انسان کا حساب کتاب لیا جائے گا۔ کیونکہ ہم مسلمان ہیں اور ہمارا روز قیامت پر پکا یقین ہے۔ اللہ کا وعدہ بڑا پکا وعدہ ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اس دن کی تیاری کے لئے ہمت، طاقت اور راہنمائی عطا کرے۔ آمین

قرآن پاک میں اس یوم الحساب کی جو تفصیلات بیان کی گئی ہیں وہ انتہائی لرزا دینے والی ہیں۔ اس دن مال، دھونس دھاندلی بروں کے کچھ کام نہ آسکے گی اور دنیا میں کی گئی نیکیاں اس دن نیک لوگوں کے لئے انتہائی خوش گوار نتائج کے ساتھ ان کے سامنے آجائیں گی۔ اس دن کی کیفیت سورہ الزلزال کی آیت 7 اور 8 میں اس طرح بیان کی گئی ہے۔

''جو ایک ذرہ بھر بھلائی کرے گا تو اسے دیکھ لے گا اور جو ایک ذرہ بھر برائی کرے گا تو وہ اسے دیکھ لے گا۔'' قرآن کریم سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ موت کے بعد اس آنے والی زندگی میں شعور کا تسلسل جاری رہے گا۔ یعنی تمام اچھے اور برے لوگ اپنی اس دنیاوی زندگی میں کئے گئے کاموں اور کہی گئی باتوں کو یاد کریں گے انہیں علم ہوگا اور بتا دیا جائے گا کہ انعام کس لئے مل رہا ہے اور سزا کس لئے مل رہی ہے۔ اس سخت دن کی تیاری دعا اور توبہ کے ساتھ ہر وقت کرتے رہنا چاہئے۔ کیونکہ موت کے بعد عمل کا سلسلہ ختم ہو جائے گا اور وہ زندگی ہمیشہ رہنے والی ہوگی۔ اللہ ہمیں اس زندگی میں سرخرو کرے آمین ثم آمین اگلی آیات میں سزا کا نقشہ بیان کیا گیا ہے۔

## کفار و مشرکین کو تنبیہ

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمْ وَقُودُ النَّارِ ﴿10﴾ كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ ۙ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿11﴾ قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سَتُغْلَبُونَ وَتُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿12﴾

جن لوگوں نے کفر کا رویہ اختیار کیا ہے، انہیں اللہ کے مقابلے میں نہ ان کا مال اور اولاد کچھ کام نہ دے گا وہ دوزخ کا ایندھن بن کر رہیں گے۔ ﴿10﴾ (ان کا انجام) فرعون کے ساتھیوں اور ان سے پہلے نافرمان لوگوں کا سا ہوگا کہ انہوں نے آیات الٰہی کو جھٹلایا، (نتیجہ یہ ہوا) کہ اللہ نے ان کے گناہوں پر انہیں پکڑ لیا اور حق یہ ہے کہ اللہ سخت سزا دینے والا ہے ﴿11﴾ پس اے محمد ﷺ جن لوگوں نے (تمہاری دعوت قبول کرنے سے) انکار کر دیا ہے، ان سے کہہ دو کہ قریب ہے (وہ وقت) جب تم مغلوب ہو جاؤ گے اور جہنم کی طرف ہانکے جاؤ گے اور جہنم بڑا ہی برا ٹھکانہ ہے۔ ﴿12﴾

تشریح: ان آیات میں مشرکین کو تنبیہ کی جا رہی ہے کہ جس طرح فرعون اور اس سے پہلی قوموں کو اپنے برے اعمال کی سزا دی گئی تھی تمہیں ان سے عبرت حاصل کرنی چاہئے۔ فرعون اور اس سے پہلی قوموں کا ذکر سورہ بقرہ میں تفصیل سے بیان کیا جا چکا

ہے۔ان آیات میں ایک تو عبرت حاصل کرنے کا سبق دیا گیا ہے اور دوسرے کفار و مشرکین کو خبردار کیا گیا ہے۔ایسے کفار بہت جلد مغلوب ہوں گے۔اہل اسلام سے شکست کھائیں گے دنیا میں سزا پانے کے بعد آخرت میں جہنم میں ڈال دیئے جائیں گے جو بہت ہی برا ٹھکانہ ہے۔اگلی آیت میں جنگ بدر کی مثال دی جا رہی ہے۔

## غزوۂ بدر میں اللہ کی مدد

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِيْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ؕ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْيَ الْعَيْنِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ﴿13﴾

تمہارے لئے ان دو گروہوں میں ایک نشان عبرت تھا جو بدر میں ایک دوسرے سے نبرد آزما ہوئے۔ایک گروہ اللہ کی راہ میں لڑ رہا تھا اور دوسرا گروہ کافر تھا دیکھنے والے (مؤمنین) کھلی آنکھوں کے ساتھ دیکھ رہے تھے کہ کفار دو گنا ہیں۔مگر اللہ اپنی قدرت سے جس کو چاہتا ہے مدد دیتا ہے۔دیکھنے والوں (گہری نظر) کے لئے اس میں بڑا سبق پوشیدہ ہے۔﴿13﴾

تشریح: اس آیت میں غزوہ بدر کا ذکر کیا گیا ہے۔یہ اللہ کی نصرت اور حق و باطل کی بہت بڑی مثال گزری ہے۔اس جنگ میں تین باتیں نہایت سبق آموز تھیں۔

1- دونوں گروہوں کا اخلاقی فرق ظاہر تھا۔

2- مسلمانوں کی کم تعداد اور بے سر و سامانی کفار کا تین گنا زیادہ اور مکمل اسلحہ سے لیس ہونا۔

3- کفار کا اپنے ساز و سامان اور تعداد پر ناز و نخرہ اور تکبر اور مسلمانوں کا اللہ پر بھروسہ اور کامل یقین۔

تفصیلات اس طرح ہیں اس جنگ میں کفار کی تعداد ایک ہزار تھی، سات سو اونٹ، ایک سو گھوڑے اور سب بڑے ماہر، تجربہ کار اور جنگجو تھے۔جبکہ مسلمان صرف تین سو تیرہ، ستر اونٹ، دو گھوڑے، چھ زرہیں اور صرف آٹھ تلواریں تھیں۔یہ اسباب و ذرائع سے تو بہت ہی معمولی تھے مگر ایک چیز بڑی زبردست مسلمانوں کے پاس تھی اور وہ تھی کامل توکل، استقلال، اللہ کی مدد اس کے وعدے اور ایمان کی طاقت پر بھروسہ، یہ سب جذبات مسلمانوں کی نصرت اور فتح یابی کا سبب بنے۔کیونکہ کفار کے پاس نہ تو ایمان تھا نہ وہ جذبہ، نہ توکل اور نہ ہی یقین کامل تھا ان کو اگر بھروسہ تھا تو وہ صرف اپنے ساز و سامان پر اور اپنی بڑی تعداد پر اور یہی غلط جذبہ ان کی شکست کا سبب بنا۔

غرض یہ جنگ، مکہ میں کی گئی پیش گوئیوں کا ثبوت ہے اور یہ فتح سوچ سمجھ رکھنے والے لوگوں کے لئے بہت بڑی نشانی ہے۔کفار تعداد کی زیادتی میں مست تھے جبکہ مسلمان اللہ سے دعاؤں میں اور اس کی محبت میں مست تھے۔غزوہ بدر کی طرح کے کئی واقعات تاریخ اسلام میں ملتے ہیں۔کیونکہ سچے مسلمان کا مقابلہ بڑا مشکل ہوتا ہے۔مرد مومن کا تصور علامہ اقبال اس طرح پیش کرتے ہیں۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں
ہو حلقہ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزم حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن

## اللہ تعالیٰ کے انعامات کے اصل حقدار

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَ الْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ (14) قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۚ (15) اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۚ (16) اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ (17)

لوگوں کے لئے مرغوبات نفس (یعنی انتہائی پسندیدہ چیزیں) عورتیں، اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر، چیدہ گھوڑے، مویشی اور زرعی زمینیں خوشی دینے والی بنادی گئی ہیں، مگر یہ سب دنیا کی چند روزہ زندگی کے سامان ہیں۔ حقیقت میں جو بہتر ٹھکانہ ہے وہ تو اللہ کے پاس ہے۔ (14) کہو میں تمہیں بتاؤں کہ ان سے زیادہ اچھی چیز کیا ہے؟ جو لوگ تقویٰ کی روش اختیار کریں، ان کے لئے ان کے رب کے پاس باغ ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی وہاں انہیں ہمیشگی کی زندگی حاصل ہوگی، پاکیزہ بیویاں (ان کی رفیق ہوں گی) اور اللہ کی رضا سے وہ سرفراز ہوں گے۔ اللہ اپنے بندوں کے رویے پر گہری نظر رکھتا ہے۔ (15) یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے، ہماری خطاؤں سے درگزر فرما اور ہمیں دوزخ کی آگ سے بچالے۔ (16) یہ لوگ صبر کرنے والے ہیں، راست باز ہیں، فرمانبردار اور فیاض ہیں اور رات کی آخری گھڑیوں میں اللہ سے مغفرت کی دعائیں مانگا کرتے ہیں۔ (17)

تشریح: ان آیات سے پہلے مسلمانوں اور کفار کی خصوصیات بڑی وضاحت سے بیان کی گئی ہیں۔ ان آیات میں کھرے اور کھوٹے انسان کی پہچان کرائی گئی ہے۔ کیونکہ دنیا کا ساز وسامان مثلاً عورتوں کی محبت، اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر، عمدہ گھوڑے، مال مویشی اور زرعی زمین وغیرہ یہ سب کچھ انسان کے لئے بڑی کشش رکھی ہیں اور یہ بہترین زندگی کے اسباب بھی ہیں۔ اسی لئے انسان ان سب چیزوں کو پسند کرتا ہے اور انہی چیزوں کو حاصل کرنے میں کوشش کرتا رہتا ہے۔ رب العزت نے فرمایا کہ یہ سب

چیزیں بے شک نعمتیں ہیں۔ مگر یہ سب کچھ امتحان کا باعث بھی بنتی ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ آزمائش ہوتی ہے کہ ان کا بھوت کس قدر انسان پر سوار ہوتا ہے؟ آیا وہ ان چیزوں کے حصول میں جائز اور ناجائز کو بھول جاتا ہے یا یاد رکھتا ہے۔ دوسرا یہ کہ ان کو خرچ کرنے میں وہ کہاں تک احکامات قرآنی کا خیال رکھتا ہے۔ تیسرا یہ کہ ان چیزوں کی محبت میں وہ کس حد تک کھو جاتا ہے اور اللہ کو بھول جاتا ہے یا یاد رکھتا ہے یہ سب امتحانات رب العزت نے ان تمام دنیاوی اشیاء کے ساتھ رکھ دیئے ہیں اور پھر سمجھا دیا ہے کہ سب کچھ اسی طرح فانی ہے جس طرح خود انسان فانی ہے یعنی ختم ہو جانے والا ہے اور پھر بہترین ٹھکانہ اور ہمیشہ رہنے والی زندگی تو صرف موت کے بعد اللہ ہی کے پاس ملے گی۔ کیونکہ دنیا کا مال و متاع ختم ہونے والی چیز ہے۔ اگر وہ ختم نہ ہو تو خود انسان ختم ہو جانے والا ہے اور اس دنیا سے موت کے بعد سوائے اپنے اعمال کے کچھ بھی ساتھ نہیں لے جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ حضرت محمد ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ ان ''لوگوں کو بتا دو کہ ان تمام چیزوں سے بہترین چیز میں تمہیں بتاتا ہوں اور وہ ہے تقویٰ (اس کی تفصیل بیان کی جا چکی ہے) جو لوگ نیکی کی راہیں اختیار کریں گے۔ شرک اور گناہوں سے اپنے آپ کو بچائیں گے۔ قرآن و سنت کے بتائے ہوئے طریقے اختیار کریں گے ان کے لئے ان کے رب کے پاس باغات ہیں جو سرسبز و شاداب پھلوں سے لدے ہوئے ہوں گے ان کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی پاکیزہ اور انتہائی خوبصورت بیویاں ان کیلئے ہوں گی اور رب العزت ان پر ہر لحاظ سے مہربان اور خوش ہوں گے۔ غرض ہر وہ سکون، خوشی اور نعمتیں ان کو دی جائیں گی جو انسان کو چاہئے اور یہ سب کچھ کبھی ختم نہ ہونے والا ہوگا، اور یہ سب کچھ صرف متقی اور مخلص لوگوں کو ہی ملے گا۔ اس میں کسی غلطی کا امکان نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نظر ہر انسان کے ہر عمل اور نیت پر ہوتی ہے اور اس سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں۔ اور یہ ایسے لوگ ہیں جو ہر وقت اللہ تعالیٰ سے دعائیں کرتے رہتے ہیں کہ ''اے ہمارے رب ہم تجھ پر ایمان لائے، ہماری خطاؤں کو معاف فرما اور ہمیں دوزخ کی آگ سے بچا لینا'' پھر ان لوگوں کی تعریف رب العزت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں۔ ''یہ لوگ صبر کرنے والے ہوتے ہیں''۔ یعنی اگر ان کو کوئی تکلیف یا نقصان پہنچے تو یہ گھبراتے نہیں، بلکہ اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے اللہ کو اور بھی زیادہ عجز و انکساری سے یاد کرتے ہیں۔ دوسری صفت رب العزت یہ بیان کرتے ہیں کہ ''یہ لوگ راست باز، فرمانبردار اور فیاض ہیں اور رات کی آخری گھڑیوں میں اللہ سے مغفرت کی دعائیں مانگا کرتے ہیں'' یعنی متقی لوگ زبان اور نیت کے سچے ہوتے ہیں۔ جھوٹ اور منافقت سے دور رہتے ہیں، گناہوں سے بچتے ہیں، بخیل نہیں ہوتے، صدقہ و خیرات کرتے رہتے ہیں اور اللہ کی عبادت میں مشغول رہتے ہیں، رات کا آخری حصہ انتہائی غفلت کی نیند کا حصہ ہوتا ہے اور یہ عابد لوگ اس وقت بستروں سے اٹھ کر اللہ کے حضور رکوع و سجود میں مشغول ہو کر نجات کے لئے دعائیں مانگا کرتے ہیں۔ اگلی آیت میں اللہ کی گواہی کا ذکر کیا گیا ہے۔

# توحید کی گواہی

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ۭ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۭ﴿18﴾

اللہ نے خود شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی الہ نہیں ہے اور (یہی شہادت) فرشتوں اور اہل علم نے بھی دی ہے۔ وہ انصاف پر قائم ہے۔ اس زبردست حکیم کے سوا بالکل کوئی سچا معبود نہیں ہے۔﴿18﴾

تشریح: سابقہ آیات کی طرح اس آیت میں بھی توحید کا پیغام ایک انوکھے انداز سے دیا گیا ہے۔ اس پر تین شہادتوں کا ذکر ہے۔ ایک خود اللہ جل شانہ کی شہادت، دوسری اس کے فرشتوں کی، تیسری اہل علم کی۔ اللہ جل شانہ کی شہادت تو بطور مجاز ہے، مراد یہ ہے کہ رب العزت کی ذات و صفات اور اس کے تمام مظاہر و مصنوعات توحید الٰہی کی کھلی نشانیاں ہیں۔

دوسری شہادت فرشتوں کی ہے جو کہ اللہ کی مقرب ترین مخلوق ہے۔ تیسری شہادت اہل علم کی ہے جس سے مراد انبیاء علیہم السلام ہیں مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ عرفات میں رسول اللہ ﷺ نے یہ آیت پڑھی تو اس کے بعد فرمایا: اے پروردگار! میں بھی اس پر شاہد ہوں۔ (ابن کثیر)

آخر میں پھر وضاحت کی گئی ہے کہ یہ تمام کائنات اور خود انسان کی پیدائش رب العزت کی زبردست حکمت کا مظاہرہ کرتے ہیں اور خود اپنی زبان سے اقرار کر رہے ہیں کہ واقعی اللہ ایک ہے۔ اس کا کوئی بھی شریک نہیں۔ وہ خود ہی ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

# حقیقی دین، اسلام ہی ہے

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۣ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَھُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَھُمْ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿19﴾ فَاِنْ حَآجُّوْكَ فَقُلْ اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۭ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ ۭ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اھْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿20﴾ع 2/11/10

اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔ ان لوگوں نے جنہیں کتاب دی گئی تھی علم آجانے کے بعد آپس میں اختلاف ایک دوسرے پر زیادتی کرنے کے لئے کیا اور جو کوئی اللہ کے احکامات وہدایات کی (اطاعت) سے انکار کر دے، اللہ کو اس سے حساب لیتے کوئی دیر نہیں لگتی۔﴿19﴾ اب اگر یہ لوگ تم سے جھگڑا کریں تو ان سے کہو ''میں نے اور میرے پیروکاروں نے اللہ کے آگے سر تسلیم خم کر دیا ہے۔ پھر اہل کتاب اور غیر اہل کتاب سے پوچھو۔ کیا تم نے بھی اس کی اطاعت و بندگی قبول کی؟ اگر کی تو وہ راہ راست پا گئے اور اگر اس سے منہ موڑا تو تم پر صرف پیغام دینے کی ذمہ داری تھی۔ آگے اللہ خود اپنے بندوں (کے معاملات) کو دیکھنے والا ہے۔﴿20﴾

تشریح: دین اور اسلام کی وضاحت میں یہ آیات نازل ہوئیں۔ سب سے پہلے تو یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ دین کا مطلب کیا ہے۔ دین سے مراد مذہب ہے۔ مذہب کے معنی ہیں کہ سوچ کے اور عمل کے وہ طریقے کہ جن سے انسان اور قوم کی بنیاد نیکی، راست بازی اور کامیابی پر رکھی جائے، یعنی وہ اصول اور قوانین جو اللہ کی طرف سے بندے کو دیئے جائیں تا کہ انسانی قوانین کی بجائے الٰہی قوانین کو اختیار کیا جائے، کیونکہ اللہ کامل و اکمل ہے جب کہ بندہ خطاؤں کا پتلا ہے۔ تو اللہ کے نزدیک دین صرف اسلام ہے۔ اسلام کا مطلب ہے کہ مکمل طور پر اللہ کا فرمانبردار بن جانا اور بندہ دل و جان سے اپنے آپ کو اللہ کے سپرد کر دے اور جو بھی حکم وہ اللہ کی طرف سے پائے بغیر کسی حیل وحجت اسے تسلیم کرلے۔ ویسے تو تمام انبیاء نے اسلام کی ہی تعلیم دی۔ لیکن مشکل یہ پیش آئی کہ وقتاً فوقتاً لوگوں کے عقائد میں تبدیلی آتی رہی اور وہ سب احکامات حاصل کرنے کے باوجود غلط راستے اختیار کرتے رہے۔ جیسا کہ عیسائیوں اور یہودیوں نے اصل تعلیمات کو مٹا کر غلط اعتقادات اپنا لئے (یہ سب پچھلے اسباق میں بیان کیا جا چکا ہے) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جو لوگ احکام الٰہی کی اطاعت سے انکار کرتے ہیں تو ان کو یہ جان لینا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ اس کا علم اتنا وسیع ہے کہ کوئی بھی چیز اس کی نظر سے چھپی ہوئی نہیں اور وہ حساب لینے میں ہرگز غلطی نہیں کرتا اور نہ ہی دیر لگاتا ہے۔ پھر اللہ رب العزت حضرت محمد ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر یہ بگڑے ہوئے اہل کتاب آپ سے جھگڑا کریں تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تمہارا فرضی اسلام اللہ کو قبول نہیں۔ کیونکہ اصل اسلام وہ ہے جو ہم سب نے قبول کیا، ہم تمہارے سامنے مثال پیش کرتے ہیں، دیکھو ہم نے کس طرح اللہ کے احکامات کی پیروی کرتے ہوئے شرکیہ عقائد، بت پرستی، بداخلاقی، فسق و فجور اور ظلم وستم کا مقابلہ کیا اور ہم نے اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا۔ یعنی اپنا وطن، بیوی بچے، گھر بار غرض ہر چیز چھوڑ کر اللہ کی راہ میں ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے اور پھر ہر وقت ہم ہر طرح تیار ہوتے ہیں کہ جو بھی حکم ہمیں رب العزت کی طرف سے ملے گا ہم بغیر چوں وچرا اس کے حکم کی تعمیل کریں گے۔ اس کو یعنی احکام الٰہی کے سامنے اپنے آپ کو جھکا دینا کو اسلام کہتے ہیں اور اے اہل کتاب جو کچھ تم کرتے ہو کیا یہ اسلام کہلا سکتا ہے تم خوب اچھی طرح جانتے ہو کہ میں ہی آخری نبی ہوں اور جب تم تنہا ہوتے تو اس بات کو مانتے ہو مگر پھر بھی مجھ (محمد ﷺ) پر ایمان لانے کو تیار نہیں ہوتے۔ یہ صرف تمہاری ضد اور ہٹ دھرمی ہے۔ اگر اب بھی تم فرمانبردار بن جاؤ۔ سچے مسلمان بن جاؤ تو تم سیدھے راستہ پر آ جاؤ گے۔ لیکن اگر اب بھی تم ایمان لانے کو تیار نہیں تو پھر یہ تمہاری اپنی مرضی ہے۔ میرا کام تو صرف اتنا ہی ہے کہ میں تمہیں اللہ کا پیغام پہنچا دوں، اسلام اور کفر کا فرق بتا دوں، تم مان لو یا نہ مانو یہ تمہارا اور اللہ کا معاملہ ہے۔ کیونکہ وہ ہر بندے کو خوب اچھی طرح دیکھ رہا ہے۔ وہ خوب جانتا ہے مخلص کون اور منافق کون ہے اور پھر حساب کتاب کرنا، سزا جزا دینا یہ سب اللہ کا کام ہے۔ میری ذمہ داری صرف پیغام پہنچانا ہے۔ ذرا غور سے دیکھا جائے تو آج کا مسلمان بھی کچھ خاص اصلی مسلمان دکھائی نہیں دیتا ہم لوگ بھی بس نام کے ہی مسلمان ہیں۔ ہمیں چاہئے۔ قرآن کو خوب غور سے پڑھیں اور اس میں جو کچھ بھی احکامات اور قوانین بتائے گئے ہیں ان پر سختی سے

عمل کریں، تاکہ دنیا و آخرت میں نجات حاصل کرسکیں۔ یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے، کیونکہ ہمارا مذہب انسان کی فطرت کے مطابق عمل کا حکم دیتا ہے۔ بس ذرا دین کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ علامہ اقبال اس بارے میں کیا خوب فرماتے ہیں۔

کبھی اے نوجواں مسلم تدبر بھی کیا تو نے
وہ کیا گردوں تھا تو جس کا ہے اک ٹوٹا ہوا تارا

شعر کا مطلب یہ ہے کہ اے مسلم نوجوان تو دین محمدی ﷺ سے تعلق رکھتا ہے۔ تیرے بزرگوں میں بڑی خوبیاں تھیں جو کہ تم میں نظر نہیں آتیں۔ کیا تم نے کبھی غور کیا ہے کہ تو کتنی عظیم قوم سے تعلق رکھتا ہے اور تیرے بزرگ کس قدر پاک باز، پرہیز گار، دیندار اور سچے پکے مسلمان تھے۔ اللہ کی رضا پر جان مال اور اولاد غرض سب کچھ قربان کر دینے والے تھے اور اسی کو کہتے ہیں مسلمان۔ اگلی آیت میں کفار کی حقیقت بیان کی گئی ہے۔

## کفار کے اعمال اور سزا

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿21﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿22﴾

جو لوگ اللہ کے احکام و ہدایات کو ماننے سے انکار کرتے ہیں اور اس کے پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کی جان کے درپے ہو جاتے ہیں جو خلق خدا میں انصاف کا حکم دینے کے لئے اٹھیں، ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دو ﴿21﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال دنیا و آخرت میں ضائع ہو گئے اور ان کا مددگار کوئی نہیں ہے۔ ﴿22﴾

تشریح: اس سبق میں یہود و نصاریٰ کے بارے میں وضاحت کی جارہی ہے کہ یہ تمام لوگ نہ صرف خود اپنے دشمن ہیں، بلکہ ہر صالح شخص اور نبیوں کے دشمن ہیں، صرف اس لئے کہ وہ نیکی کی ترغیب دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کو حکم دیتے ہیں کہ ان تمام برے لوگوں کو بتا دو کہ ان کے لئے دنیا و آخرت دونوں میں عذاب ہی عذاب ہے۔ اللہ ان سے سخت ناراض ہے اس لیے آخرت میں ان کو دردناک عذاب دیگا۔ کیونکہ انہوں نے ہمیشہ نبیوں، رسولوں، اور نیک لوگوں کو قتل کیا ہے۔

## عیسائیوں کا جھوٹا عقیدہ اور انجام

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فَرِيقٌ مِنْهُمْ وَهُمْ مُعْرِضُونَ ﴿23﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَعْدُودَاتٍ وَغَرَّهُمْ

فِيْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿24﴾ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۟ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿25﴾

تم نے دیکھا نہیں کہ جن لوگوں کو کتاب کے علم میں سے کچھ حصہ ملا ہے، ان کا حال کیا ہے؟ انہیں جب کتاب الٰہی کی طرف بلایا جاتا ہے، تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے، تو ان میں سے ایک فریق اس سے پہلو تہی کرتا ہے اور اس (فیصلہ کی طرف آنے) سے منہ پھیرنے والے ہیں۔ ﴿23﴾ ان کا یہ طرز عمل اس وجہ سے ہے کہ وہ کہتے ہیں: آتش دوزخ تو ہمیں چھوئے گی بھی نہیں اور اگر دوزخ کی سزا ہمیں ملے گی بھی تو بس چند روز ان کے خود بنائے ہوئے عقیدوں نے انہیں اپنے دین کے معاملہ میں بڑی غلط فہمیوں میں ڈال رکھا ہے ﴿24﴾ مگر ان پر کیا گزرے گی جب ہم انہیں اس روز جمع کریں گے جس کا آنا یقینی ہے اس روز ہر شخص کو اس کی کمائی کا بدلہ پورا پورا دے دیا جائے گا اور کسی پر ظلم نہ ہوگا۔ ﴿25﴾

تشریح: اس مقام پر اللہ کی کتاب سے مراد تورات اور انجیل ہے اور کتاب کا کچھ حصہ پانے والوں سے مراد یہود و نصاریٰ کے علماء ہیں۔ جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ یہود و نصاریٰ نہ اپنی آسمانی کتابوں پر عمل کرتے ہیں اور نہ ان باتوں کی پرواہ کرتے ہیں کہ آخرت میں سزا ملے گی۔ کیونکہ ان کا خیال ہے کہ وہ تو اللہ کے بڑے پیارے ہیں ان کو تو دوزخ میں ڈالا ہی نہ جائے گا اور اگر سزا ملی بھی تو چند دن کے لئے ملے گی۔ اسی خیال سے وہ نیکی سے دور اور بدی سے نزدیک رہ کر زندگیاں گزار رہے ہیں۔ حالانکہ قرآن پاک اور ان کی کتابوں میں بار بار اس بات کی وضاحت کی گئی ہے کہ قیامت کا دن ضرور آئے گا اور اس دن حساب کتاب سے کوئی نہ بچ سکے گا۔ سب کو اپنے اعمال کا ہی بدلہ ملے گا، کسی شخص پر ذرہ برابر ظلم نہ ہوگا، کیونکہ ہر شخص اپنے اعمال کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوگا۔ اگلی آیت میں اللہ کی قدرت کاملہ کا ذکر ہے۔

## قدرت الٰہی اور اس کا اختیار

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۡ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿26﴾ تُوْلِجُ الَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِي الَّيْلِ ۡ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ ۡ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿27﴾

کہہ دیجئے: اے سلطنت کے مالک! تو جسے چاہے، حکومت دے اور جس سے چاہے چھین لے، جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلیل کر دے۔ بھلائی تیرے اختیار میں ہے، بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ ﴿26﴾ رات کو دن میں پروتا ہوا لے آتا ہے اور دن کو رات میں، جاندار میں سے بے جان کو نکالتا ہے اور بے جان میں سے جاندار کو اور جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔ ﴿27﴾

تشریح: ان آیات میں اللہ کی قدرت کاملہ اور انسان کی بے بسی اور عاجزی کا ذکر بڑے اچھے انداز میں کیا گیا ہے اور یہ ایک بہترین دعا بھی ہے اور اس میں امت محمدی ﷺ کے لئے بہترین فتوحات یعنی روم و فارس کو فتح کرنے کی پیشین گوئی بھی کی گئی ہے۔ جس پر کفار نے بڑا مذاق اڑایا تو رب العزت فرماتے ہیں کہ ان کو سمجھا دو کہ تمام بادشاہت اللہ ہی کی ہے وہ جسے چاہے حکومت دے جس سے چاہے چھین لے جسے چاہے عزت دے جیسا کہ مسلمانوں کی چھوٹی سی جماعت کو احد و بدر کی جنگوں میں فتح عطا کی اور کفار کو اتنی بڑی طاقت ہونے پر بھی شکست کی ذلت اٹھانا پڑی۔ عزت دینا، ذلت دینا، حکومت دینا اور حکومت چھین لینا سب کچھ اس مالک الملک کے ہاتھ میں ہے۔ جیسا کہ نبوت بنی اسرائیل سے چھین کر بنی اسماعیل کو دے دی اسی طرح قوموں اور حکومتوں میں عروج و زوال آتا رہتا ہے۔ بداعمال لوگوں کو بدعملیوں کی وجہ سے زوال آجاتا ہے اور ان کی جگہ صالح پرہیزگار اور متقی لوگوں کو سلطنت اور حکومت مل جاتی ہے۔ جیسا کہ مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ پر ہر طرح سے فوقیت اور کامیابیاں حاصل ہوئیں اور یہ سب کچھ نہ کسی انسان کے ہاتھ میں ہے نہ کسی فرشتہ یا جن کے ہاتھ میں ہے۔ اس کی قدرت تو صرف اللہ جل شانہ کے ہاتھ میں ہے۔ کیونکہ وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ جب ہم اپنے چاروں طرف پھیلی ہوئی نعمتوں کو دیکھتے ہیں تو بے اختیار منہ سے نکل جاتا ہے۔ ''اے اللہ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے، آیت 27 میں دن اور رات کا ذکر کیا گیا ہے۔ دن اور رات کا آنا جانا تو معمول کا کام دکھائی دیتا ہے۔ لیکن اگر قدرت کے اس نظام کی گہرائی میں جائیں تو انسان حیران رہ جاتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام کائنات اور ہمارا نظام شمسی ایسے قائم کیا ہے کہ زمین سورج کے گرد ایک معین فاصلہ پر چکر لگا رہی ہے۔ سورج زمین کو اپنی طرف کھینچتا ہے اور اسی وجہ سے زمین اپنے مدار سے دور نہیں ہوتی اس کے علاوہ زمین اپنے محور پر بھی گھوم رہی ہے جس کی وجہ سے دن اور رات اپنے مخصوص وقت پر آتے ہیں اور یہ نظام ہر قسم کی خامی سے اس قدر پاک ہے کہ صدیوں سے بغیر کسی رکاوٹ یا خرابی کے مسلسل چلا آرہا ہے، نہ کسی مستری، انجینئر اور نہ ہی کسی ماہر فلکیات کی ضرورت پڑی ہے تو ظاہر ہوا ہے کہ یقیناً کوئی ایسی طاقت ہے جس کا تمام کائنات پر مکمل کنٹرول ہے۔ جس نے یہ سب کچھ بنایا ہے۔ اس نظام کو ترتیب دینے والا کوئی مختار کل ضرور ہے اور وہ طاقت اللہ کے سوا کوئی نہیں ہوسکتی۔ اس کی قدرت کا مظاہرہ مخلوقات کی پیدائش میں بھی ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے مٹی کا ایک پتلا بنایا اور اس میں اپنی قدرت سے جان ڈال دی پھر حضرت آدم علیہ السلام کا وجود ظاہر ہو گیا حضرت حوا کو بغیر والدین کے اپنی قدرت کاملہ سے پیدا کیا اور پھر اس کے بعد ان کی اولاد کا ایک نیا سلسلہ بنا دیا۔ یہ زمین اور تمام کائنات ذرے (Atoms) سے بنی ہوئی ہے۔ ہر ذرے کی علیحدہ خصوصیات ہیں یہ اللہ کی قدرت ہے کہ اس نے چند ذروں کو ملا کر ایک خلیہ (Cell) بنایا۔ خلیہ جاندار اشیاء کا سب سے چھوٹا حصہ ہوتا ہے۔ یہ خلیہ کھا پی سکتا ہے۔ حرکت کر سکتا ہے۔ یعنی اس میں زندگی ہے اور یہ زندگی اللہ نے اس کو دی ہے، کیونکہ یہ طاقت اللہ کے سوا اور کسی کے پاس نہیں۔ یہی خلیئے مل کر جاندار چیزیں بنتی ہیں۔ یعنی انسان، جانور اور پودے وغیرہ۔

آسان طریقہ سمجھنے کا ایک یہ بھی ہے کہ مرغی جاندار ہے اور انڈے بظاہر بے جان، پھر جب اس انڈے کو 21 دنوں کے لئے ایک

مخصوص درجہ حرارت میں رکھیں تو اس میں سے اللہ کی قدرت سے جیتا جاگتا چوزہ نکل آتا ہے۔ کیا یہ اللہ کی قدرت کا نشان نہیں؟ کیوں نہیں۔ اس موقعہ پر ایک بات واضح کرنے کی ضرورت ہے۔ آج کل سائنس دان کلوننگ (Cloning) یعنی غیر فطری طریقہ سے جاندار کی تخلیق کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ ایک جاندار کی اتنی مکمل نقل تیار کرنا کہ جس میں کوئی فرق نظر نہ آئے اور وہ ایک بھیڑ (Dolly) کو (Clone) کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ایک جاندار چیز بنا سکتے ہیں؟ نہیں ہرگز نہیں۔ وہ تو ایک جاندار کے جسم سے چند خلیئے لے کر ان کو (Reproduce) یعنی اگاتے ہیں۔ وہ خود اپنی قدرت سے ایک ذرے میں جان نہیں ڈال سکتے اور ہم یہ بات پورے یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ وہ انسان کی (Cloning) میں ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے۔ غرض یہ حقیقت ہے کہ اللہ کی قدرت ہر وقت ہر جگہ اور ہر صورت میں دکھائی دیتی ہے۔ وہی پیدا کرتا ہے اور پھر وہی رزق بھی دیتا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔ کی زیادتی جس طرح آسائش کا ذریعہ ہے اسی طرح بہت بڑی آزمائش بھی ہے۔ حدیث میں ہے۔

حضرت ابوذر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو لوگ بہت مالدار ہیں انہی کا درجہ قیامت کے دن سب سے پست ہوگا۔ سوائے ان (دولت مندوں کے) کے جنہوں نے اپنے مال کو اس طرح اور اس طرح بہایا (یعنی بکثرت اللہ کی راہ میں دیا اور اسے پاک ذرائع سے کمایا)''۔ (ابن ماجہ)

دعا ہے کہ مال کے ساتھ رب العزت اس کو خرچ کرنے کے لئے نیک راہ بھی دکھائے اگلی آیت میں دوست بنانے کی وضاحت کی گئی ہے۔

## کافروں سے دوستی

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿28﴾

مومنین اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق اور دوست ہرگز نہ بنائیں، جو ایسا کرے گا اس سے اللہ کا کوئی تعلق نہیں۔ ہاں (یہ معاف) ہے کہ تم ان (کے ظلم) سے بچنے کے لئے (بظاہر ایسا طرز عمل اختیار کر جاؤ) اللہ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے اور تمہیں اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے۔﴿28﴾

تشریح: اس آیت میں خبردار کیا گیا ہے کہ اپنے مسلمان بھائیوں کو چھوڑ کر کافروں سے دوستی مت بڑھاؤ، کیونکہ کافر قول وفعل میں تضاد رکھتا ہے اور اس کے مخلص ہونے میں بھی شک وشبہ ہو سکتا ہے۔ اس لئے کوشش کرو کہ اپنے مسلمان بھائیوں سے ہی دوستی کی جائے۔ ورنہ وہ پھر سوچ لے کہ ایسے میں اللہ کی محبت سے اس کو کوئی سروکار نہ ہوگا۔ مسلمان کی شان یہی ہے کہ وہ اپنی تمام

امیدیں رب العزت سے وابستہ رکھے، ہاں البتہ انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ کسی نہ کسی سے محبت، خلوص اور دوستی کا رابطہ ضرور رکھے اور اس کی متعدد وجوہات ہوتی ہیں۔ بعض صرف دوستی کے لئے دوست بناتے ہیں، بعض صرف خوش خلقی کے اظہار کے لئے دوست بناتے ہیں اور بعض کسی خاص مقصد یعنی فائدہ یا ہمدردی کی وجہ سے دوست بناتے ہیں۔ اکثر علماء کا یہ خیال ہے کہ حقیقی دوستی کفار کے ساتھ ہرگز جائز نہیں سوائے اس حالت کے کہ مسلمان کسی صورت کفار کے دباؤ میں آجائے تو ایسی صورت میں جان و مال بچانے کے لئے وقتی دوستی کا اظہار کیا جاسکتا ہے مگر اس میں بھی یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ سب کچھ کرنے والا تو رب العزت ہی ہے یہ تو محض ایک چھوٹی سی سہولت دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ بھی کچھ صورتیں ایسی ہیں کہ جن میں مصلحتاً دوستی کی جاسکتی ہے۔

1- اپنے بچاؤ کے لئے۔ 2- کافر کو اسلام کی طرف لانے کے لئے۔ 3- جب کافر مہمان بن کر آئے۔

اس کے علاوہ ذاتی فائدہ حاصل کرنے کے لئے کافر سے دوستی جائز نہیں۔ اگر یہ خطرہ ہو کہ کافر دین کو نقصان پہنچائے گا یا مسلمانوں کو نقصان پہنچائے گا تو ایسی حالت میں دوستی تو دور کی بات ہے اس سے میل جول بھی بند کر دینا چاہیئے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ مزید ڈراتا ہے اور واضح کر دیتا ہے کہ جو مسلمان دوستی کے معاملہ میں دیئے گئے احکامات کی پرواہ نہ کرے گا تو اس کو اچھی طرح جان لینا چاہیئے کہ بالآخر رب العزت کے پاس ہی جانا ہے اور وہاں تمام اعمال کے مطابق سزا یا جزا ضرور ملے گی۔ خوب سوچ رکھنا چاہیئے کہ رب العزت کی گرفت سے کوئی شخص کسی صورت میں بچ نہیں سکتا۔ دوستی تو ویسے بھی بہت سوچ سمجھ کر کرنی چاہیئے۔ حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا ہے کہ "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ میری بزرگی اور عظمت کے خیال سے آپس میں محبت کرتے ہیں۔ ان کے لئے نور کے منبر ہوں گے ان پر نبی اور شہید رشک کریں گے۔ (ترمذی)

دوست بنانے میں اللہ ہماری راہبری کرے اور ہمیں نیک صالح اور اچھے دوست عطا کرے۔ آمین

# کافروں کی پشیمانی

قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ
وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿29﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا ۚ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ
سُوْۗءٍ ۚ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗٓ اَمَدًۢا بَعِيْدًا ۭ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿30﴾ ع 3/10 11

اے نبی! لوگوں کو خبردار کر دو کہ تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے اسے خواہ تم چھپاؤ یا ظاہر کر دو، اللہ بہرحال اسے جانتا ہے، زمین و آسمان کی کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں ہے اور اس کا اقتدار ہر چیز پر حاوی ہے۔ (29) وہ دن آنے والا ہے جب ہر نفس اچھے عمل کو اور اپنے برے عمل کو سامنے پائے گا (اس روز) آدمی یہ تمنا کرے گا کہ کاش ابھی یہ دن اس سے بہت دور ہوتا اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آپ سے ڈراتا ہے اور وہ اپنے بندوں سے بڑی شفقت کرتا ہے۔ (30)

تشریح: اس آیت میں خاص طور سے یہ بتایا گیا ہے کہ اے نبی ﷺ ان لوگوں کو خوب اچھی طرح سمجھا دو کہ ان کے دلوں کی باتیں اور ان کے ظاہری اعمال کچھ بھی اللہ سے چھپا ہوا نہیں۔ کیونکہ رب العزت تو ہر اس چیز سے باخبر ہے جو اس کائنات میں موجود ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ حساب کا دن ضرور آئے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بندوں سے محبت کرتا ہے اسی لئے بار بار حساب کا دن یاد کروایا جا رہا ہے وہ دن اتنا سخت ہوگا کہ اس دن کفار اپنے کیے ہوئے اعمال سے سخت شرمندہ ہوں گے اور گھبرا گھبرا کر کہیں گے کاش یہ دن ابھی نہ آتا یا یہ کہ کاش ہم دوبارہ عمل کی زندگی میں چلے جائیں یہ دونوں ناممکن ہوں گے۔ یہ جو بار بار حساب کے دن کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ اسی لئے کہ بندے خبردار ہو کر نیکی کی راہیں اختیار کریں۔ کیونکہ نیکی کی راہیں ہی دنیا کو آسان اور آخرت کو خوشگوار بنا سکتی ہیں۔ نیکی کیا ہے؟ اگلی آیات اسی موضوع پر نازل ہوئیں۔

## اطاعت رسول ﷺ کا حکم

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿31﴾
قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۚ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿32﴾

اے نبی لوگوں سے کہہ دو کہ اگر تم حقیقت میں اللہ سے محبت رکھتے ہو، تو میری پیروی اختیار کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہاری خطاؤں سے درگزر کرے گا، وہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔﴿31﴾ ان سے کہو کہ اللہ اور رسول کی اطاعت قبول کرلو، پھر اگر وہ تمہاری یہ دعوت قبول نہ کریں تو یقیناً یہ ممکن نہیں ہے کہ اللہ ایسے لوگوں سے محبت کرے جو اس کی اور اس کے رسول کی اطاعت سے انکار کرتے ہوں۔﴿32﴾

تشریح: ان آیات میں صاف طور پر بتایا گیا ہے کہ اللہ کے فرمان کے مطابق اللہ کے پیارے بندے صرف وہی ہو سکتے ہیں جو اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ﷺ کی پیروی کریں اور جو بھی رسول ﷺ کی پیروی کرے گا۔ اللہ اس سے اس قدر خوش ہوگا کہ اپنی رحمت اور بخشش کے دروازے اس پر کھول دے گا اور اس کے گزشتہ تمام گناہ معاف فرما دے گا پھر تنبیہ کی گئی ہے کہ جو لوگ اس بات سے انکار کریں گے اللہ ہرگز ان کو پسند نہیں کرے گا اور نہ ہی ان سے محبت کرے گا۔ لہٰذا وہ دنیا و آخرت میں ذلیل و خوار ضرور ہوں گے۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس نے محمد ﷺ کی پیروی کی اس نے درحقیقت اللہ کی پیروی کی اور جس نے محمد ﷺ کی نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔'' (تفسیر مظہری، ج2)

## انبیائے کرام کا سلسلہ

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓي اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿33﴾ ذُرِّيَّةً ۢ بَعْضُهَا مِنْ

بَعْضٍ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۚ ﴿34﴾

اللہ نے آدم، نوح، آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام دنیا والوں سے (اپنی رسالت کے لئے) منتخب کیا تھا۔﴿33﴾ جو ایک دوسرے کی نسل سے پیدا ہوئے تھے اللہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔﴿34﴾

تشریح: یہاں سے دوسرا خطبہ شروع ہوتا ہے۔ اس کے نزول کا زمانہ 9ھ ہے۔ ان آیات میں انبیاء کے بارے میں بتایا گیا ہے۔ کیونکہ رب العزت بہترین فیصلہ کرنے والا ہے اور وہ ہر بات کو بخوبی سننے والا اور حقیقت حال کو اچھی طرح جاننے والا ہے۔ اس لئے اس نے اپنے بہترین بندوں میں سے ان بندوں کا انتخاب کیا کہ جو لوگوں کے حق میں بہترین بن سکتے تھے۔ لہٰذا سب سے پہلے دنیا تخلیق کی اور پھر حضرت آدم علیہ السلام کو تخلیق کیا جو کہ روحانی اور جسمانی خوبیوں کا مجموعہ تھے۔ ان کو علم و حکمت عطا کیا جس کی وجہ سے ان کو سر بلندی عطا کی اور فرشتوں سے ان کو سجدہ کروایا اور پھر آدم علیہ السلام کو نبوت کے لئے منتخب کر لیا۔ ان کے عرصہ دراز کے بعد نبوت حضرت شیث علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام کو ملی پھر عرصہ دراز کے بعد نبوت حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ملی ان کے بعد جس قدر نبی آئے وہ سب انہی کے دو بیٹوں حضرت اسحٰق علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی نسل سے ہی ہوئے۔ کیونکہ حضرت مریم علیہا السلام کے باپ عمران حضرت ابراہیم کی نسل سے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت عمران کے نواسے تھے۔ لہٰذا یہ ثابت ہو گیا کہ کوئی پیغمبر بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان سے باہر نہیں ہے۔ ان سب کا انتخاب اس عظیم اللہ جل شانہ کا ہے جو ہر بشر کے نفس کی خوبیوں سے پوری طرح باخبر ہے۔ اس لئے اس کا انتخاب کسی صورت بھی غلط نہیں ہو سکتا۔ اگلی آیت میں حضرت مریم کی پیدائش کا ذکر کیا گیا ہے۔

## عمران کی بیوی کی نذر اور مریم کی پیدائش

اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ ﴿35﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَاۤ اُنْثٰی ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ ؕ وَلَیْسَ الذَّكَرُ كَالْاُنْثٰی ۚ وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَاِنِّیْۤ اُعِیْذُهَا بِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ﴿36﴾

جب عمران کی عورت کہہ رہی تھی کہ اے میرے پروردگار میں اس (بچہ) کو جو میرے پیٹ میں ہے۔ تیری نذر کرتی ہوں، وہ تیرے ہی لئے وقف ہوگا۔ میری اس پیشکش کو قبول فرما، تو سننے اور جاننے والا ہے۔﴿35﴾ پھر جب وہ بچی اس کے ہاں پیدا ہوئی تو اس نے کہا مالک! میرے ہاں تو لڑکی پیدا ہو گئی ہے۔ حالانکہ جو کچھ اس نے جنا تھا، اللہ کو اس کی خبر تھی اور لڑکا لڑکی کی طرح نہیں ہوتا۔ میں نے اس کا نام مریم رکھ دیا ہے۔ اور میں اسے اور اس کی آئندہ نسل کو شیطان مردود کے فتنہ سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔﴿36﴾

تشریح: عمران کی بیوی نے جو نذر مانی اس کے بارے میں ان آیات میں ذکر کیا گیا ہے۔ عمران حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نانا تھے۔

ان کی بیوی جن کا نام حنہ بنت فاقوذ تھا۔ انہوں نے اپنے زمانہ کے مطابق منت مان رکھی تھی کہ جو بچہ ان کے گھر پیدا ہوگا، اس کو میں ہیکل سلیمانی کی خدمت کے لئے وقف کر دوں گی اور دنیاوی کاموں سے اس کو آزاد رکھوں گی یعنی سوائے اللہ کے کاموں کے اس سے کوئی دوسرا کام نہ لوں گی اور پھر رب العزت سے دعا کی کہا اے اللہ تو اپنی مہربانی سے میری یہ نذر قبول کر لے تو میری عرض کو سنتا ہے اور میری خلوص نیت کو بھی جانتا ہے۔

کیونکہ کلیسا کی خدمت کے لئے لڑکا ہی مناسب ہوسکتا ہے تو گویا انہوں نے لڑکے کی پیدائش کے لئے دعا کی تھی۔ لیکن ان کی امید بر نہ آئی اور جب بچہ پیدا ہوا تو وہ لڑکی پیدا ہوئی۔ اس پر انہوں نے بڑی حسرت سے اللہ سے کہا کہ ''اے اللہ میں نے تو لڑکی جنم دی ہے جب کہ میری منت اس کو تیری نذر کرنے کی تھی اور وہ تو لڑکا ہی بہتر ہوسکتا تھا''۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ بیٹی بڑی برکت ہے، تجھے کیا معلوم کہ یہ بڑی عزت والا مبارک بیٹا پیدا کرے گی۔ عمران کی بیوی نے عرض کیا اے اللہ میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے۔ (مریم کا مطلب ہے بلند) اور میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی دعا قبول فرمائی۔ اس سارے واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت یہودیوں میں بھی کچھ اچھے اور نیک لوگ موجود تھے جو اپنی اولاد تک کو اللہ کی رضا اور خدمت کے لئے وقف کر دیتے تھے دوسری بات یہ کہ اللہ ولیوں کو اپنی اولاد کی دینی واخلاقی تحفظ کی فکر ہوتی تھی۔

## حضرت مریم علیہا السلام کی پرورش

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۭ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿37﴾

آخر کار اس کے رب نے اس لڑکی کو بخوشی قبول کر لیا، اور اس کی بہت اچھی پرورش کی اور زکریا کو اس کا سرپرست بنا دیا۔ زکریا جب بھی اس کے پاس محراب میں جاتے تو اس کے پاس کچھ نہ کچھ کھانے پینے کا سامان پاتے، وہ کہتے اے مریم! یہ تیرے پاس کہاں سے آیا؟ وہ جواب دیتی، یہ اللہ کی طرف سے آیا ہے، اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔ ﴿37﴾

تشریح: اس وقت کے دستور کے مطابق ہیکل کی خدمت کے لئے لڑکی قبول نہ کی جاتی تھی مگر حنہ کی دعا کی قبولیت کی وجہ سے کلیسا کے مجاوروں کے دل میں اللہ نے ان کو قبول کرنے کا خیال پیدا کر دیا اور پھر اسی طرح ان کی پرورش کے متعلق ہیکل کے درمیان اختلاف ہوا تو یہ مسئلہ قرعہ اندازی کے ذریعہ حل کیا گیا اور اس طرح حضرت زکریا علیہ السلام کو ان کی کفالت کا ذمہ دے دیا گیا۔ حضرت زکریا علیہ السلام اللہ کے پیغمبر تھے اور رشتہ میں حضرت مریم علیہا السلام کے خالو لگتے تھے اور جب عمران جو کہ سردار تھے ان کی وفات کے بعد ان کی

جگہ حضرت زکریا علیہ السلام کو ہی منتخب کیا گیا تھا۔ حضرت عمران علیہ السلام حضرت مریم کے والد تھے جو کہ ان کے بچپن میں ہی فوت ہو گئے تھے۔ لہٰذا حضرت زکریا علیہ السلام نے ہیکل کے حجرات میں سے ایک حجرہ حضرت مریم کے لئے مخصوص کر دیا جہاں وہ تنہائی میں ذکر و فکر میں مشغول رہتیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام وقتاً فوقتاً ان کے پاس جاتے رہتے۔ حضرت مریم کو اللہ تعالیٰ نے روحانی، جسمانی، علمی اور اخلاقی غرض ہر لحاظ سے غیر معمولی طور پر بڑھایا۔ جب انہوں نے حجرہ میں رہائش اختیار کی تو اللہ کی طرف سے خاص رحمتیں اور برکتیں ان پر نازل ہوتی رہتیں اسی طرح جب بھی حضرت زکریا علیہ السلام ان کے پاس آتے تو دیکھتے کہ وہاں انواع و اقسام کے پھل پڑے ہوتے تو وہ پوچھتے کہ مریم یہ کہاں سے آئے ہیں تو حضرت مریم جواب دیتیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آتے ہیں وہ جسے چاہے بے حساب اور کثیر رزق دیتا ہے اور ایسے ذریعہ سے دیتا ہے جس کا وہم و گمان بھی نہیں ہو سکتا۔ یہاں حضرت مریم نے یہ نکتہ بھی واضح کر دیا کہ اللہ کے کام اس کی مرضی سے ہوتے ہیں اس کو اسباب کی ضرورت نہیں ہوتی وہ جس کو چاہے جتنا چاہے رزق دے سکتا ہے وہ اپنے ہر کام میں آزاد اور قادر مطلق ہے۔ سورہ بقرہ کی آیت 107 میں اللہ فرماتا ہے: ''کیا تمہیں خبر نہیں کہ زمین اور آسمانوں کی فرمانروائی اللہ ہی کے لئے ہے اور اس کے سوا کوئی تمہاری خبر گیری اور مدد کرنے والا نہیں۔''

حضرت مریم کا واقعہ اس بات کی واضح مثال ہے یہ سب دیکھ کر حضرت زکریا نے اولاد کے لئے دعا کی۔

## حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿38﴾ فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿39﴾

یہ حال دیکھ کر زکریا علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا کہ اے رب! اپنی قدرت سے مجھے نیک اولاد عطا کر تو ہی دعا سننے والا ہے۔ (38) (جواب میں) فرشتوں نے آواز دی جب کہ وہ محراب میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہ اللہ تمہیں یحیٰ (بچے) کی خوشخبری دیتا ہے وہ اللہ کی طرف سے ایک فرمان کی تصدیق کرنے والا بن کر آئے گا اس میں سرداری اور بزرگی کی شان ہوگی۔ کمال درجہ کا ضابطہ ہو گا۔ نبوت سے سرفراز ہوگا اور صالحین میں شمار کیا جائے گا۔ (39)

تشریح: ان آیت کا سلسلہ پچھلی آیات سے ملتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے مزید نشانات ظاہر ہوتے ہیں۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے جب حضرت مریم کی طہارت، عبادت اور ان پر اللہ کی عنایات کو دیکھا تو بے اختیار دعا کرنے لگے کہ ''اے اللہ مجھے بھی اولاد عطا کر دے اور وہ نیک صالح اور متقی اولاد ہو'' پھر ان کو یہ معلوم تھا کہ وہ بوڑھے ہو چکے ہیں اور ان کی بیوی بانجھ ہے (اولاد پیدا کرنے کے

قابل نہیں) یعنی ان حالات میں ان کو اولاد کا ملنا بالکل ناممکن سا تھا مگر پھر بھی وہ اپنے رب عظیم پر اس قدر اعتماد رکھتے تھے کہ انہوں نے بڑے یقین سے دعا مانگی اور یہ بھی کہا کہ "بے شک تو دعا کا سننے والا ہے"۔ اور یہ میری دعا قبول کرنا تیرے لئے ہرگز مشکل نہیں۔ ویسے بھی حضرت زکریا علیہ السلام اس بات سے پریشان رہتے تھے کہ نبوت کا سلسلہ جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے چلا آرہا تھا اب آئندہ اس کا وارث کوئی بھی دکھائی نہ دے رہا تھا۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے تمام حالات کو سامنے رکھ کر پورے خلوص سے دعا کی، نہ صرف اولاد کے لئے ہی دعا کی، بلکہ صالح اولاد کی دعا کی۔ ان کی دعا قبول ہوگئی۔ نماز پڑھتے ہوئے فرشتہ نے ان کو بیٹے کی خوشخبری دی اور ساتھ ہی بیٹے کا نام بھی بتا دیا اور یہ بھی بتایا کہ وہ نہایت مبارک بچہ ہوگا۔ وہ احکام الٰہی کی تصدیق کرے گا۔ پاک دامن، متقی اور عورتوں سے دور رہنے والا ہوگا۔ وہ بے حد نیک، پاکیزہ اور اللہ کا نبی ہوگا حضرت زکریا علیہ السلام کے لئے یہ سب کچھ معجزہ سے کم نہ تھا۔

## حضرت یحیٰی علیہ السلام کی پیدائش

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِيَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِيْ عَاقِرٌ ؕ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿40﴾
قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّيْۤ اٰيَةً ؕ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ؕ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا
وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿41﴾ ع 4/11/12

کہا اے میرے رب! میرے ہاں لڑکا کیسے ہوگا جب کہ میں بوڑھا ہو چکا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے۔ فرمایا (فرشتے نے) اسی طرح اللہ جو چاہے کرتا ہے۔ ﴿40﴾ کہا اے میرے رب! میرے لئے کوئی نشانی مقرر کر دے۔ فرمایا تیرے لئے نشانی یہ ہے کہ تین دن تک تو لوگوں سے بات نہ کرے گا مگر اشارے سے اپنے رب کو بہت یاد کر اور صبح وشام اس کی تسبیح کر۔ ﴿41﴾

تشریح: ان آیات میں اللہ کا اکمل ہونا اور دعا کی برکتوں کو بیان کیا گیا ہے۔ حضرت زکریا علیہ السلام بیٹے کی بشارت کا سن کر حیران ہو گئے اور بے اختیار کہہ اٹھے کہ اے رب العزت میرے ہاں بیٹا کیسے پیدا ہو سکتا ہے۔ کیونکہ میں بہت بوڑھا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے۔ اس پر رب العزت نے جواب دیا کہ میری کبریائی، میری عظمت اور میری قدرت یہی ہے کہ میں اسباب کا محتاج نہیں ہوں جو چاہوں کر سکتا ہوں۔ اس پر حضرت زکریا علیہ السلام کو یقین ہوگیا تو انہوں نے عرض کیا کہ یا باری تعالیٰ مجھے بچے کی پیدائش کی کوئی نشانی بتا دیجئے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کی نشانی یہ ہے کہ تم تین دن تک کسی سے بات نہ کر سکو گے۔ اشارے سے بات کرو گے۔ مگر اس دوران بہت زیادہ عبادت کرو اور صبح وشام اللہ کی تسبیح وتقدیس کرو۔

دعا ایک ایسا مقدس اور آسان ذریعہ ہے جو اللہ نے بندے کو عطا کیا ہے کہ اپنی ہر بڑی، چھوٹی خواہش اور اپنی ہر پریشانی ومصیبت کو اللہ کے حضور پیش کر سکے اور یوں دنیا ودین کی نعمتیں، سکون قلب اور رضا الٰہی حاصل کر سکے۔ دعا مانگنا عبادت ہے اور اللہ کو بے حد پسند بھی ہے۔ شرط یہ ہے کہ دل سے دعا مانگی جائے۔ حدیث میں آتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرا بندہ میرے بارے میں جو گمان رکھتا ہے میں اس کے مطابق ہوتا ہوں اور جب وہ مجھے پکارتا ہے۔ تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں یعنی خواہشات اور تمناؤں کو پورا کرنے کا بہترین وسیلہ دعا ہے۔ جیسے حضرت زکریا علیہ السلام نے دل سے دعا کی اور وہ پوری ہوگئی۔

## حضرت مریم کے بلند رتبے کا بیان

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿42﴾ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَاسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿43﴾

اور (یاد کرو) جب (مریم سے) فرشتوں نے آکر کہا اے مریم! اللہ نے تجھے برگزیدہ کیا اور پاکیزگی عطا کی اور تمام دنیا کی عورتوں میں سے تجھ کو چن لیا۔ ﴿42﴾ اے مریم! اپنے رب کی تابع فرمان بن کر رہ اس کے آگے سربسجود ہو اور جو بندے اس کے حضور جھکنے والے ہیں ان کے ساتھ تو بھی جھک جا۔ ﴿43﴾

تشریح: حضرت مریم نبی نہ تھیں بلکہ محض ولیہ تھیں مگر اللہ نے ان کو بلند درجات دیئے، جیسا کہ آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ فرشتوں نے اللہ کا پیغام حضرت مریم کو دیا کہ اللہ نے انکو سر بلندی تو شروع ہی سے دے رکھی ہے۔ کیونکہ آپ وجود میں آئیں تو اپنی والدہ کی مقبول دعاؤں کے اثر سے ہیکل کی خدمت کا کام لیا گیا جو کہ اب تک صرف لڑکوں اور مردوں کے لئے مخصوص تھا اور آپ کے حجرے میں معجزانہ طریقے سے غذائیں پہنچائی گئیں جس سے حضرت زکریا علیہ السلام بھی حیران رہ گئے یہ سب مثالیں آپ کی مقبولیت ہی کی تو ہیں پھر اللہ نے آپ کو بنی نہ ہونے کے باوجود گناہوں کی آلائشوں سے پاک کر دیا اور آپ کو اخلاقی پاکیزگی کا ایک نمونہ بنا دیا۔ (مطالعہ قرآن) سن بلوغ کے بعد آپ کو تمام جہان کی عورتوں پر اس طرح فضیلت بخشی ہے کہ بغیر کسی مرد کے چھوئے اللہ کی قدرت سے آپ ایک عالی شان پیغمبر کو جنم دیں گی۔ یہ خوبی دنیا میں کسی بھی عورت کو نہیں دی گئی پھر رب العزت نے فرمایا کہ جب آپ کو اس قدر عزت، وقار اور بلند رتبہ عطا کیا گیا ہے تو پھر آپ کو لازم ہے کہ آپ خلوص نیت اور انتہائی عجز وانکساری کے ساتھ اپنے رب کی بندگی کریں اور اللہ کے آگے سجدہ اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرتی رہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں اور برکتیں حاصل ہونے پر کبھی مغرور نہ ہو جائیں بلکہ اور بھی زیادہ عجز وانکساری سے کام لے کر سجدہ شکر ادا کریں۔ کیونکہ عجز وانکساری اور شکر ادا کرنا اللہ کی رحمتوں اور برکتوں میں اضافہ کا سبب بنتا ہے اور پھر شکر ادا کرنے میں انسان کا اپنا ہی فائدہ ہے۔ ایک تو نعمت زیادہ ہوتی ہے اور دوسرے خوشی اور سکون ملتا ہے۔ اس لئے اللہ کا شکر ہر وقت کرتے رہنا چاہئے حدیث میں آتا ہے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ اس بندے سے راضی ہو جاتا ہے کہ جب کھانا کھاتا ہے تو اس پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور جب پانی پیتا ہے تو اس پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہے۔ (صحیح مسلم)

## حضرت مریم کی کفالت

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۪ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿44﴾

(اے محمد ﷺ) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کو وحی کے ذریعہ سے بتا رہے ہیں، ورنہ تم اس وقت وہاں موجود نہ تھے جب (ہیکل کے خادم) یہ فیصلہ کرنے کے لئے کہ مریم کا سرپرست کون ہو۔ اپنے اپنے قلم پھینک رہے تھے اور نہ تم اس وقت حاضر تھے جب ان کے درمیان جھگڑا برپا تھا۔﴿44﴾

تشریح: یہ آیت درمیان میں اس لئے آ گئی کہ اس میں محمد ﷺ کی نبوت کی تائید میں دلیل دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کو اس بات پر دھیان دینا چاہئے کہ محمد ﷺ پڑھے لکھے نہیں تھے کہ جو انہوں نے بی بی مریم کا یہ اتنا پرانا واقعہ کہیں سے پڑھ کر قرآن میں بیان کر دیا اور نہ ہی آپ ﷺ اس وقت وہاں موجود تھے جب حضرت مریم کی کفالت کے فیصلہ کے لئے ہیکل کے مجاوروں نے قرعہ اندازی کی یہ تمام واقعات جن کا بیان پچھلی آیات میں ہو چکا یا اگلی آیات میں ہونے والا ہے۔ یہ سب کچھ نبی اکرم ﷺ نے وحی کے ذریعہ سے ہی بتایا ہے۔ یہ سب کچھ جان لینے کے بعد بھی جو لوگ سیدھی راہ سے بھٹک گئے ہیں۔ ان کے لئے عذاب تیار کیا گیا ہے معزز قارئین کو سمجھ لینا چاہئے کہ قرآن مجید صرف قصہ کہانیوں کی کتاب نہیں، بلکہ یہ ہدایت دینے کی کتاب ہے اور درمیان میں واقعات کا بیان بھی اسی مقصد کے لئے آتا رہتا ہے آگے پھر حضرت مریم کا واقعہ بیان کیا جا رہا ہے۔

## حضرت مریم کو بیٹے کی بشارت

اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيْهًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِيْنَ ۙ﴿45﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِى الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَّمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿46﴾

اور جب فرشتوں نے کہا: اے مریم! اللہ تجھے اپنے ایک کلمے کی خوشخبری دیتا ہے اس کا نام مسیح عیسیٰ ابن مریم ہوگا، دنیا و آخرت میں معزز ہوگا اور (اللہ کے) مقرب بندوں میں شمار کیا جائے گا۔﴿45﴾ لوگوں سے گہوارے میں بھی کلام کرے گا اور بڑی عمر کو پہنچ کر بھی اور وہ ایک مرد صالح ہوگا۔﴿46﴾

تشریح: اس آیت میں حضرت عیسیٰ کی بشارت دی گئی ہے اور ان کو کلمۃ اللہ کہا گیا ہے جس طرح روح القدس جبرئیل علیہ السلام کا لقب ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ کا لقب اس لئے دیا گیا ہے کیونکہ ان کی پیدائش بغیر باپ کے ہوئی اور یہ صرف اللہ کے حکم سے ہوئی۔ اللہ نے آپ کو عیسیٰ ابن مریم کہہ کر پکارا ہے۔ اس کی دو وجوہات ہیں۔ ایک تو یہ کہ آپ صرف ایک بندہ بشر ہیں کیونکہ آپ

کی پیدائش ایک عورت حضرت مریم کے ذریعہ ہوئی۔ تو ظاہر ہوا کہ آپ خود بھی انسان تھے اور آپ کی پیدائش بھی کسی غیر انسانی مخلوق کے ذریعہ سے نہیں ہوئی۔ اس لئے آپ کو محض ایک مقرب نبی ہی مانا جائے۔ نصاریٰ کے عقیدے کو غلط ثابت کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہ نہ اللہ ہو سکتے ہیں اور نہ ہی اللہ کے بیٹے ہو سکتے ہیں۔ دوسری وجہ اسے ابن مریم کہنے کی یہ ہے کہ حضرت مریم کی عزت واحترام اور وقار کا ہر وقت اقرار ہوتا رہے کہ وہ کس قدر جلیل القدر رتبہ رکھتی ہیں کہ اتنے عظیم الشان پیغمبر کی والدہ ہیں چنانچہ عیسیٰ علیہ السلام کو کچھ عیسائی بھی اور تمام مسلمان اللہ کا پیغمبر مانتے ہیں اور ان کے نام کے ساتھ "علیہ السلام" بولتے ہیں۔ انسانی فطرت کے مطابق حضرت مریم بیٹے کی بشارت کا سن کر پریشان ہو گئیں تو اللہ نے ان کو تسلی دی اور فرمایا کہ گھبراؤ نہیں۔ کیونکہ میں اس کو صرف آخرت میں ہی نہیں بلکہ دنیا میں بھی بڑی عزت عطا کروں گا اور دشمنوں کے تمام الزامات جھوٹے ثابت کر دوں گا۔ کیونکہ تیرا بیٹا نہایت شائستہ، متقی اور صالح انسان ہوگا وہ ابھی بچہ ہی ہوگا کہ لوگوں سے باتیں کرے گا اور تمہاری پاک دامنی کی وضاحت کرے گا اور بڑا ہو کر بھی لوگوں کو اللہ کی باتیں بتائے گا۔ صالح ،یعنی نیک بخت اس سے مقصد پھر یہود و نصاریٰ کے عقیدے کو غلط ثابت کیا گیا ہے کہ نہ تو وہ شعبدہ باز جادوگر تھے اور نہ ہی اللہ یا اللہ کے بیٹے تھے۔ بلکہ آپ انبیاء صالحین کی طرح صرف انسان تھے۔

## حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش

قَالَتْ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ وَلَدٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ ۭ قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاۗءُ ۭ اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿47﴾

(یہ سن کر) مریم نے کہا: اے رب! میرے ہاں بچہ کیسے ہوگا، حالانکہ مجھے تو کسی شخص نے ہاتھ تک نہیں لگایا؟ جواب ملا ایسا ہی ہوگا اللہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے وہ جب کسی کام کے کرنے کا فیصلہ فرماتا ہے تو بس کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے۔ ﴿47﴾

تشریح: اس آیت کی تشریح درس قرآن سے ماخوذ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب فرشتہ کے ذریعہ حضرت مریم کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی خوشخبری سنائی تو ان کو حیرت ہوئی کہ مجھے تو کسی شخص نے چھوا تک نہیں تو بغیر باپ کے بچہ کی پیدائش کیونکر ممکن ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اس آیت سے اللہ تعالیٰ کی وسیع قدرت کا پتہ چلتا ہے وہ مسبب الاسباب ہے ہر کام کا سبب خود ہی پیدا کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کائنات کا نظام چلانے کے لئے قوانین بنا رکھے ہیں۔ مثلاً پانی پیاس بجھاتا ہے، آگ جلاتی ہے۔ عورت اور مرد کے ملاپ سے اولاد پیدا ہوتی ہے، یہ تمام باتیں عام عادت کے مطابق ظاہر ہوتی ہیں انہیں، اصطلاحی زبان میں تکوینی قوانین کہا جاتا ہے۔ یعنی اگر کوئی سبب واقع ہو تو اس کا فلاں نتیجہ ظاہر ہوتا ہے۔ اس بارہ میں انسان کا مشاہدہ اس قدر پختہ ہو چکا ہے کہ وہ ہر نتیجہ کا سبب دریافت کرتا ہے اور ہر نتیجہ کو بر لانے کے لئے اس کا سبب پیدا کرتا ہے۔ اگر کوئی ایسا واقعہ ظہور پذیر ہو جس کا ظاہری سبب موجود نہ ہو تو اسے حیرت ہوتی ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے

انسان کے اس مشاہدے کو غلط قرار دیا ہے اور کچھ ان پوشیدہ سائنٹیفک رموز کی طرف اشارہ کیا ہے جن پر سائنس دان دن رات کام کر رہے ہیں اللہ کی قدرت کو تو کسی بھی سبب کی ضرورت نہیں۔ اس کا اشارہ ہی کافی ہے وہ جب کسی کام کا ارادہ کرتا ہے تو کن (ہوجا) کا اشارہ کرتا ہے اور کام فیکون (ہوجاتا ہے) اس کو ظاہری اسباب کی ضرورت نہیں۔

ڈاکٹر ہلوک نور باقی صاحب اپنی کتاب۔ قرآنی آیات اور سائنسی حقائق میں لکھتے ہیں۔ "کُنْ" قرآن کے بنیادی قوانین میں سے ایک ہے اور اس میں بے شمار سائنسی حقائق پوشیدہ ہیں اور وہ سب سائنسی حقائق بھی تو اسی قادر مطلق کے ہی بنائے ہوئے ہیں۔ حضرت عیسیٰ کی پیدائش بھی انہی حقائق میں سے ایک ہے۔ اللہ کی قدرت، اس کی تخلیقات اور اس کا انتظام بے حد پیچیدہ اور انسانی عقل سے بہت بلند ہے۔ بہر حال حضرت عیسیٰ کی پیدائش کا ذکر ہو چکا اب ان کی خصوصیات بیان کی جائیں گی۔

## حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزے

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۚ﴿48﴾ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۙ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۚ﴿49﴾

اور اللہ اسے کتاب وحکمت کی تعلیم دے گا، تورات اور انجیل کا علم سکھائے گا ﴿48﴾ اور بنی اسرائیل کی طرف اپنا رسول مقرر کرے گا۔ اور (جب وہ بنی اسرائیل کی طرف آئے تو اس نے کہا) میں تمہارے رب کی طرف سے نشانی لے کر آیا ہوں۔ میں (تمہارے سامنے) مٹی سے پرندے کی صورت کا ایک مجسمہ بناتا ہوں اور اس میں پھونک مارتا ہوں، وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔ میں اللہ کے حکم سے مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو اچھا کرتا ہوں اور مردے کو زندہ کرتا ہوں۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ تم کیا کھاتے ہو اور کیا اپنے گھروں میں ذخیرہ کر کے رکھتے ہو، اس میں تمہارے لئے کافی نشانی ہے اگر تم ایمان لانے والے ہو ﴿49﴾

تشریح: ان آیات میں اللہ تعالیٰ وہ تمام خوبیاں بیان کر رہے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دی جائیں گی۔

1- اللہ تعالیٰ ان کو کتاب وحکمت کا علم عطا کرے گا اور تورات وانجیل کا علم دیا جائے گا۔

2- وہ حکمت کی باتیں بتائے گا۔

3- اللہ تعالیٰ اسے بنی اسرائیل کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجے گا۔

4- اسے کئی معجزے عطا فرمائے گا۔ مثلاً:

ا مٹی کے پرندوں کو اللہ کے حکم سے اڑا دینا۔

ب حضرت عیسیٰ علیہ السلام لوگوں سے کہیں گے کہ میں مادر زاد اندھوں کو اور کوڑھی کو اللہ کے حکم سے ٹھیک کر سکتا ہوں۔

ج میں اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کر دیتا ہوں۔

د تم جو کچھ کھا کر آؤ میں بتا سکتا ہوں اور جو کچھ گھر میں رکھ دیتے ہو وہ بھی بتا سکتا ہوں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تمام معجزات لوگوں کو دکھائے اور فرمایا کہ اگر تم لوگ اب بھی یقین کرتے ہو تو ایمان لے آؤ۔

## حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات

وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۣ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿50﴾ اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ۭ ھٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ﴿51﴾

اور اپنے سے پہلی کتاب تورات کو سچا بتاتا ہوں اور اس لئے کہ تم پر بعض وہ چیزیں حلال کردوں گا جو تم پر حرام تھیں اور تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانیاں لے کر آیا ہوں سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو۔﴿50﴾ بے شک اللہ میرا اور تمہارا رب ہے سو اس کی بندگی کرو یہی سیدھی راہ ہے۔﴿51﴾

تشریح: ان آیات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو بتاتے ہیں کہ میں اس کتاب کی تصدیق کرتا ہوں جو مجھ سے پہلے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دی گئی تھی جس کا نام ہے تورات۔ میں اس کتاب کو اور اس کے اصول وقوانین کو مانتا ہوں۔ بس تھوڑی سی تبدیلی اس میں اللہ کے حکم سے میں کروں گا۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ یہودیوں کی حجت بازی کی وجہ سے کچھ چیزیں ان پر حرام کر دی گئی تھیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں اللہ کے حکم سے ان حرام چیزوں کو حلال کر دوں گا۔ اس کے علاوہ میں تمہاری یقین دہانی کے لئے اپنی نبوت کی کچھ نشانیاں لے کر آیا ہوں اس لئے جو بھی احکام میں تمہیں دیتا ہوں ان کو مانو اور میری دی ہوئی تعلیمات پر عمل کرو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو بتایا کہ میرا رب بھی وہی ہے جو تمہارا رب ہے۔ میرا اور اس کا تعلق باپ بیٹے کا نہیں، بلکہ بندے اور معبود کا ہے میں اس کا بندہ ہوں اور وہ وحدہ لاشریک لہ ہے۔ میں خدائے واحد کی عبادت کرتا ہوں تو تم بھی اسی کی عبادت کرو، اس کے بتائے ہوئے راستوں پر چلو، اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرو اور اس کے سوا کسی کے سامنے نہ جھکو، یہی سیدھا راستہ ہے اس کے علاوہ سوائے تباہی اور گناہ کے اور کچھ نہیں لہٰذا نبی کی پیروی دنیا و آخرت میں نجات دلاتی ہے کیونکہ ان کی تعلیمات اللہ کی بھیجی ہوئی بہترین تعلیمات ہوتی ہیں۔

## حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْھُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا

بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿52﴾ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿53﴾
وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۭ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿54﴾ ع 5/13

جب عیسیٰ نے محسوس کیا کہ بنی اسرائیل کفر وانکار پر آمادہ ہیں تو اس نے کہا کون اللہ کی راہ میں میرا مددگار ہوگا حواریوں نے جواب دیا ہم اللہ کے مددگار ہیں، ہم اللہ پر ایمان لائے گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں۔﴿52﴾ اے ہمارے مالک! جو فرمان تو نے نازل کیا ہے ہم نے اسے مان لیا اور رسول کی پیروی قبول کی، ہمارا نام گواہی دینے والوں میں لکھ دے۔﴿53﴾ ان کافروں نے مکر کیا اور اللہ نے بھی تدبیر کی اور اللہ سب سے بڑھ کر تدبیر کرنے والا ہے۔﴿54﴾

تشریح: جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ قوم ماننے کو تیار نہیں، بلکہ انکار ہی کئے جاتے ہیں تو پھر انہوں نے قوم کو دین کی مدد کے لئے پکارا اس پر کچھ حواری بولے کہ ہم حاضر ہیں۔ حواری بمعنی انصار کے ہے اور کہیں ان کو رسول بھی کہا گیا ہے۔ اس لحاظ سے کہ وہ تبلیغ دین کا کام کرتے تھے۔ ان کے بارے میں یہ لکھا گیا ہے کہ وہ سمندر کے کنارے رہنے والے دھوبی تھے۔ اسی مناسبت سے آپ کے رفیقوں اور صحابیوں کا لقب ہی حواری پڑ گیا۔ (مطالعہ قرآن)

یہ اہل کتاب سچے مسلمانوں کی طرح توحید کے قائل تھے اور مسیح سے گفتگو کرتے ہوئے براہ راست اللہ سے باتیں کرنے لگے اور بولے کہ اے ہمارے رب! ہم اس پر ایمان لے آئے جو کچھ آپ نے اتارا ہے اور ہم نے رسول کی پیروی کی اس لئے ہمیں ان لوگوں کے ساتھ لکھ دیجئے جو تصدیق کرتے ہیں۔ یہودیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف سازشیں اور خفیہ تدبیریں شروع کر دیں اور ان کو حکومت کا باغی کہنے لگے اور یہ کہا کہ یہ تورات کو بدلنا چاہتا ہے۔ اس پر بادشاہ وقت نے ان کی گرفتاری کا حکم دے دیا ادھر اللہ نے اپنی خفیہ تدبیر کی اور اللہ کی تدبیر سب سے بہتر اور مضبوط ہے۔ اس کی تفصیلات اگلی آیات میں بیان کی جا رہی ہیں۔

## حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے اللہ کے وعدے

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿55﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۡ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿56﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿57﴾

جب اللہ نے کہا: اے عیسیٰ! میں تجھے واپس لے لوں گا اور تجھ کو اپنی طرف اٹھا لوں گا اور جنہوں نے تیرا انکار کیا ہے ان سے تجھے پاک کر دوں گا اور تیری پیروی کرنے والوں کو قیامت تک ان لوگوں پر بالا دست رکھوں گا جنہوں نے تیرا انکار کیا ہے، پھر تم سب کو

آخر کار میرے پاس آنا ہے، اس وقت میں ان باتوں کا فیصلہ کر دوں گا جن میں تمہارے درمیان اختلاف ہوتا رہا ہے۔ (55) جن لوگوں نے کفر کی روش اختیار کی ہے انہیں دنیا و آخرت میں سخت سزا دوں گا اور وہ کوئی مددگار نہ پائیں گے۔ (56) اور جنہوں نے ایمان اور نیک عملی کا رویہ اختیار کیا ہے انہیں ان کے اجر پورے پورے دے دیئے جائیں گے اور خوب جان لے کہ ظالموں سے اللہ ہرگز محبت نہیں کرتا۔ (57)

تشریح: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے پانچ وعدے کئے ہیں اور انہیں تسلی دی ہے کہ میں ان لوگوں سے تمہیں ضرور نجات دلاؤں گا۔ یہودیوں کا تو یہ اصول بن چکا تھا کہ نبیوں کو قتل کر دیتے تھے، حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ بھی انہوں نے ایسا کرنا چاہا حاکم وقت کو ان کے خلاف کر دیا یہ کہہ کر کہ وہ تورات کو بدل دینا چاہتے ہیں چنانچہ بادشاہ نے حکم دیا کہ مسیح کو گرفتار کر کے سولی پر چڑھا دیا جائے۔ تب رب العزت نے ان سے وعدہ کیا اور انہیں دشمنوں کے ظلم و ستم سے بچا لیا۔ اللہ رب العزت نے ان سے پانچ وعدے کئے۔ جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

1- ان کی موت یہودیوں کے ہاتھوں نہیں ہوگی۔ بلکہ اللہ ان کو صحیح سلامت آسمان پر اٹھا لے گا اور پھر قیامت کے قریب وہ دنیا میں دوبارہ آئیں گے اور اپنی ہی موت سے فوت ہو جائیں گے۔

2- ان کو فوری طور پر عالم بالا میں اٹھا لینے کا تھا جو پورا کر دیا گیا۔

3- ان کو دشمنوں کی تہمتوں سے پاک کرنے کا تھا۔ تو وہ اس طرح پورا ہوا جب محمد ﷺ تشریف لائے تو انہوں نے صاف صاف اعلان کر دیا کہ وہ واقعی اللہ کی قدرت اور مرضی کے مطابق بغیر باپ کے پیدا کئے گئے ہیں۔ جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام بغیر ماں اور باپ کے اللہ کی قدرت سے پیدا کئے گئے۔

4- آپ کے ماننے والوں کو نہ ماننے والوں پر ہمیشہ غالب رکھیں گے اور وہ اس طرح پورا ہوا کہ آج تک ہمیشہ نصاریٰ اور مسلمانوں کو یہودیوں کے مقابلہ میں مستحکم حکومتیں ملیں اور انشاء اللہ ملتی رہیں گی۔ اسرائیلی حکومت تو محض امریکہ اور یورپ کی مشترکہ چھاؤنی ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں۔

پانچواں اور آخری وعدہ قیامت کے روز فیصلہ کر دینے کا تھا جو بالکل اٹل فیصلہ ہے قیامت ضرور آئے گی لوگ حساب کتاب کے لئے اللہ کے حضور ضرور پیش کئے جائیں گے، نیک و بد کو پورا پورا بدلہ ضرور دیا جائے گا۔ کسی کے ساتھ ظلم نہیں کیا جائے گا اور کسی کے ساتھ رعایت نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ اللہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا اور حقیقت یہ ہے کہ کفار و مشرکین نے تو ہمیشہ ہی نبیوں اور رسولوں کی مخالفت کی اور رب العزت نے یا تو ان کی ضد اور ہٹ دھرمی کے نتیجہ میں ان کو عذاب دے کر بالکل فنا کر دیا یا پھر پیغمبر کو ہجرت کروا کر کسی دوسری جگہ منتقل کر کے قوت و شوکت دے دی۔ عذاب کے لحاظ سے عاد، ثمود اور قوم لوط وغیرہ کی مثال دی جاسکتی ہے اور ہجرت کے لحاظ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مثال دی جاسکتی ہے کہ انہوں نے بھی عراق سے ہجرت کر کے شام میں

پناہ لی اور اسی طرح حضرت موسیٰ نے مصر سے شام کی طرف ہجرت کی اور آخر میں محمد ﷺ نے مکہ سے مدینہ ہجرت کی اور پھر ایک مستحکم طاقت بن کر دنیا پر چھا گئے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بھی ایک طرح سے ہجرت ہی تھی کہ وہ بعد میں دوبارہ دنیا میں آ کر یہودیوں پر مکمل فتح حاصل کریں گے۔ قرآن مجید میں صاف صاف کئی جگہوں پر آیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ آسمان پر اٹھالیا گیا تھا جیسا کہ آیت کے الفاظ یہ ہیں۔" وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ "نہ انہوں نے عیسیٰ کو قتل کیا نہ سولی چڑھایا لیکن تدبیر حق نے ان کو شبہ میں ڈال دیا۔ (کہ اپنے ہی آدمی کو قتل کر کے خوش ہو گئے) اس کی تفصیلات آئندہ سورہ نساء میں بھی آئیں گی۔

## عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کی مثال

ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿58﴾ اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿59﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿60﴾

یہ آیتیں (اور حقیقی بیان) ہم تجھے پڑھ کر سناتے ہیں۔﴿58﴾ بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی سی ہے۔ اسے مٹی سے بنایا پھر اسے کہا ہو جا وہ ہو گیا۔﴿59﴾ حق تیرے رب کی طرف سے ہے پھر آپ شک وشبہ کرنے والوں میں نہ رہو۔﴿60﴾

تشریح: اہل کتاب محمد رسول اللہ ﷺ سے جھگڑا کرتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کے بندے نہیں بلکہ اس کے بیٹے ہیں، ان لوگوں کی عقل میں یہ بات آ ہی نہیں رہی تھی کہ باپ کے بغیر بیٹا کیسے پیدا ہو سکتا ہے۔ تب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ حکمت اور دانائی کی باتیں ہم تمہیں بتاتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام تو صرف باپ کے بغیر پیدا کئے گئے ہیں، جب کہ حضرت آدم علیہ السلام تو بغیر باپ اور ماں کے صرف اللہ کے حکم سے پیدا کئے گئے تھے تو کیا وہ بھی اللہ کا بیٹا یا نعوذ باللہ اللہ کہلانے کے حقدار ہو گئے تھے۔ ہرگز نہیں یہ تو اللہ رب العزت کی حکمت اور کمال ہے کہ اس نے ان دونوں کی پیدائش عام طریقہ سے نہ کی۔ یہ بالکل سچ اور حقیقت بیان کی گئی ہے اس میں شک وشبہ کی کوئی بھی بات نہیں۔ لیکن اس وقت انسان اس حکمت الٰہی اور کاریگری تک نہیں پہنچ سکتا تھا جس کی طرف رب العزت نے قرآن پاک میں مختلف آیات میں بڑا واضح طور پر بتایا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے بنایا گیا اور پھر اللہ کے حکم "کن" سے وہ جیتے جاگتے انسان بن گئے۔ مثلاً:

سورۂ مومنون کی آیت 12 میں فرمایا گیا: "ہم نے انسان کو مٹی کے جوہر سے بنایا"۔

سورہ سجدہ کی آیت 7 میں ہے: جو چیز بھی اس نے بنائی خوب ہی بنائی، اس نے انسان کی تخلیق کی ابتداء مٹی کے گارے سے کی۔

سورۂ صافات کی آیت 11 میں کہا گیا ہے۔ ان کو تو ہم نے لیس دار گارے سے پیدا کیا ہے۔

دراصل اوپر دی گئی تمام آیات آدم کی تخلیق کے بارے میں عظیم سائنسی سچائیوں کا اظہار کرتی ہیں اور ماہرین علم طبیعات، ریاضیات اور حیاتیات نے حال ہی میں اس نکتہ پر بڑی واضح اور سچائیوں سے بھرپور تحقیقات شائع کی ہیں۔ مثلاً ڈاکٹر ہلوک باقی

صاحب اپنی کتاب ''قرآنی آیات اور سائنسی حقائق'' میں لکھتے ہیں:

''آج سے سو سال پہلے اس سوال کا جواب ناممکن تھا مگر آج ہم اس قسم کی مٹی کی خصوصیات سمجھنے کے قابل ہیں مٹی میں اور چکنے گارے میں کاربن اور نائٹروجن کے ایٹموں کے ملاپ کی طاقت یا گرفت اس طرح ہے۔سی-4اور این-3اس خصوصیت میں یہ راز پنہاں ہے کہ آکسیجن، فاسفورس اور ہائیڈروجن جو زمین میں قدرتی طور پر پائے جاتے ہیں۔آپس میں منفی طور پر چارج کیئے گئے کاربن اور نائٹروجن کے ذریعے مل سکتے ہیں۔اس طرح انسانی جسم کے بنیادی اجزاء وجود میں آتے ہیں۔یہی وہ راز ہے جو بیاں کی گئی آیات میں موجود ہے۔اگرچہ تمام بنیادی جواہر (طاقتیں) بھی موجود ہوں اور وہ عمل کرنے کے قابل بھی ہوں تب بھی یہ ایک سالمہ (Cell) بھی پیدا نہیں کر سکتے۔کہاں انسانی جسم کو پیدا کرنا اور اب جسم انسانی کو مکمل طور پر پیدا کرنے کے لئے جس چیز کی ضرورت ہے وہ ہے اللہ تعالیٰ کا ریاضیاتی پروگرام اور اس کا حکم ''ہو جا''۔دراصل تمام انسانوں کی جسمانی خصوصیات کے قواعد (کوڈ) آدم کے نطفہ (بچہ پیدا کرنے کا پانی یا مادہ) میں ایک پروگرام کی صورت میں مہیا کر دیئے گئے ہیں۔تمام خصوصیات ایک ناخن سے لے کر چہرے کے تل تک کے قواعد (Code) اس اانتہائی چھوٹے نکتہ میں مہیا کر دیئے گئے ہیں جس کا سائز ایک سینٹی میٹر کے دس لاکھویں حصہ سے بھی چھوٹا ہے اور دس ارب انسانوں کے الگ الگ انگلیوں کے نشان (فنگر پرنٹ) بھی اسی طرح مہیا کئے گئے ہیں۔''یہی اللہ جل شانہ کی طرف سے تخلیق کا راز ہے''۔سبحان اللہ۔کن (ہو جا) یہ اللہ کا بنیادی کوڈ ہے جو لوح محفوظ پر موجود ہے۔جس کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔عیسائیوں سے سوال ہو رہا ہے کہ اگر تم عیسیٰ کو صرف اس لئے اللہ کا بیٹا کہتے ہو کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوا ہے تو پھر حضرت آدم علیہ السلام کو تو بہت ہی بڑا درجہ دینا چاہئے کیونکہ وہ تو ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا کئے گئے ہیں۔اللہ قادر مطلق ہے۔اس نے جو کچھ بھی تمہیں بتا دیا ہے وہ ہر قسم کے شک وشبہ سے پاک ہے۔اس لئے تم لوگوں کو چاہئے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صرف ایک پیغمبر اور بہترین انسان ہی سمجھو۔لیکن یہ بات بہت سے عیسائیوں کی سمجھ میں نہیں آسکی۔اگلی آیت میں اسی سلسلے میں محمد ﷺ سے بحث مباحثہ کا ذکر کیا گیا ہے۔

## رسول اللہ ﷺ کا عیسائیوں سے مباہلہ

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيْهِ مِنْۢ بَعْدِ مَاجَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَ اَبْنَآءَكُمْ وَ نِسَآءَنَا وَ نِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۣ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿61﴾ اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَامِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ ۭ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿62﴾ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿63﴾

ع 6/9/14

یہ علم آجانے کے بعد اب اگر کوئی اس معاملہ میں تم سے جھگڑا کرے تو (اے محمد ﷺ) اس سے کہو کہ آؤ ہم اور تم خود اور اپنے بیٹوں اور اپنی

عورتوں کو بلالیں اور اللہ سے دعا کریں کہ جو جھوٹا ہو اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ (61) یہ بالکل صحیح واقعات ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور وہ اللہ ہی کی ہستی ہے۔ جس کی طاقت سب سے بالا اور جس کی حکمت نظام عالم میں کارفرما ہے۔ (62) پس اگر یہ لوگ منہ موڑیں (تو ان کا مفسد ہونا ظاہر ہو جائے گا) اور اللہ تو مفسدوں کے حال سے واقف ہی ہے۔ (63)

تشریح: یہ ایک اہم واقعہ کا بیان ہے۔ مدینہ منورہ میں آپ ﷺ کو نو سال ہو چکے تھے اور حجاز پر مسلمانوں کا پورا قبضہ ہو چکا تھا کہ 9ھ میں محمد ﷺ نے نجران کی طرف ایک فرمان بھیجا۔ جس میں تین باتوں کا ذکر کیا گیا تھا۔

1- اسلام قبول کرو۔ 2- یا جزیہ ادا کرو۔ 3- یا جنگ کے لئے تیار ہو جاؤ۔

اس پر نجران کے عیسائیوں کی طرف سے ایک وفد آپ ﷺ کے پاس بات چیت کرنے کے لئے آیا۔ انہوں نے اپنے عقیدوں کا اظہار کیا۔ نبی اکرم ﷺ نے ان کو سمجھانے کی بہت زیادہ کوشش کی، مگر وہ لوگ اپنے غلط عقیدوں پر ہی اڑے رہے اس پر رب العزت نے محمد ﷺ سے فرمایا کہ ان عیسائیوں سے مباہلہ کرو۔ مباہلہ کا مطلب ہے کہ دونوں فریق اپنی جان اور اہل و عیال لے کر حاضر ہو جائیں اور پھر رب العزت سے گڑگڑا کر دعا کریں کہ ہم میں سے جو بھی جھوٹا ہو اس پر اللہ کا غضب نازل ہو اور اللہ کی لعنت ہو۔ اس پر نجران کے وفد نے سوچنے کی مہلت مانگی۔ عیسائی وفد کے سمجھدار لوگوں نے مشورہ دیا کہ ہم سب اصل میں اس بات کو اچھی سمجھ چکے ہیں اور خوب جانتے بھی ہیں کہ محمد ﷺ ہی اللہ کے آخری نبی ہیں اور اس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بھی سب کچھ سچ کہا ہے۔ اس صورت میں نبی سے مباہلہ کرنے کا نتیجہ تو یہی ہوگا کہ ہم پر عذاب آن پڑے گا اور تباہی و بربادی ہو جائے گی۔ یوں نجرانی وفد آپس میں مشورہ کر کے محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مقابلہ کا ارادہ چھوڑ دیا۔ صلح کر کے واپس چلے گئے اور جزیہ دے کر ذمی رعایا کی صورت میں رہنا قبول کر لیا۔ سر ولیم میور اپنی کتاب (Life of Mohammad) کے صفحہ 360 میں لکھتے ہیں: واقعہ میں محمد ﷺ کے ایمان کی پختگی بالکل نمایاں ہے، نیز ان کے اس عقیدے کی شہادت کہ ان کا تعلق عالم غیب سے جڑا ہوا ہے اور اس لئے کہ حق تمام تر انہیں کے ساتھ ہے اور یہ کہ ان کے خیال کے مطابق مسیحیوں کے پاس سوائے غلط سوچ کے اور کچھ نہ تھا۔ از مطالعہ قرآن

مصنف مولانا عبدالماجد صاحب لکھتے ہیں کہ سر ولیم خود مسلمان نہیں بلکہ عیسائی تھے۔ مگر حق بات کو ماننے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اگر یہ لوگ دلائل نہ سنیں اور اس بات کو نہ مانیں کہ اللہ ہی واحد الٰہ ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں اور نہ ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس کے بیٹے ہیں۔ اللہ سب کا خالق ہے اور تمام مخلوق اس کی محکوم ہے۔ اللہ ہی سب پر غالب ہے اور زبردست حکمت والا ہے۔ اگر وہ لوگ کسی صورت بھی حق کو ماننے کو تیار نہیں تو ان کو اچھی طرح جان لینا چاہئے کہ رب العزت ان تمام مفسدوں کو خوب اچھی طرح جانتا ہے اور وہ ان مفسدوں سے اچھی طرح نمٹ بھی لے گا۔

# اہل کتاب کو دعوت کا طریقہ کار

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا وَّلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ (64)

کہہ دیجئے: اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے، یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنائے۔ اس دعوت سے اگر وہ منہ موڑیں تو صاف کہہ دو کہ گواہ رہو، ہم تو مسلمان ہیں۔ (64)

تشریح: اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی کو اپنے ساتھ ملانے کی دعوت دی جائے تو ایسے مسئلہ کی طرف دعوت دی جائے جس پر دونوں کا اتفاق ہو سکتا ہے۔ جیسا کہ محمد ﷺ نے جب شاہ روم ہرقل کو اسلام کی دعوت دی تو ایسے مسئلہ پر دعوت دی جس پر دونوں فریق کو یقین تھا۔ یعنی اللہ کی واحدانیت پر۔ اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرما رہے ہیں: آپ اہل کتاب کو کہہ دیجئے کہ آ جاؤ ایسے راستہ کی طرف جو ہم دونوں میں مشترک (ایک ہی) ہے۔ یعنی جس راستہ کی سچائی اور فائدہ کا ہم دونوں قوموں کو یقین ہے اور جس عقیدہ کی تعلیم ہمارے پیغمبر اور تمہارے پیغمبر ہمیشہ دیتے آئے ہیں۔ یہودیت اور نصرانیت دونوں مذہبوں کی بنیاد ہی اصل میں توحید پر ہے۔ توریت اور انجیل میں یہی تعلیم دی گئی ہے۔ جیسا کہ متی باب 4 کی آیت 10 میں موجود ہے۔

”تو اللہ تعالیٰ کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر۔“

اور یہ تو انجیل و تورات میں کہیں بھی نہیں ملتا کہ کچھ پرستش اللہ تعالیٰ کی کرو اور بعض پرستشوں میں ابن اللہ اور روح القدس کو بھی شریک کر لیا کرو۔ مگر ان اہل کتاب نے طرح طرح کے شرک نکال لئے تھے۔

قرآن مجید نے ان تمام عقیدوں کو بالکل غلط قرار دے دیا ہے۔ یعنی کسی فقیہہ، بزرگ، امام یا سربراہ کو اللہ کے برابر مت سمجھو۔ کسی کو نہ اللہ کا بیٹا کہو نہ کسی کو اس کی بیٹی کہو۔ اس کی بتائی ہوئی حرام حلال کو پوری طرح مانو یہ نہیں کہ کچھ احکام مانو کچھ نہ مانو۔ اللہ کو واحد مانو اور اس کے سوا کسی کو اللہ نہ بناؤ، اس کے فرمانبردار بن جاؤ۔

اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ اے نبی! اگر وہ پھر بھی نہ مانیں اور توحید کی طرف نہ آئیں تو ان سے کہہ دو کہ اے اہل کتاب تم گواہ رہو، ہم اسلام پر قائم ہیں، ہم نے اپنے آپ کو خدائے واحد کے سپرد کر دیا ہے اور ہر صورت میں اسی کے فرمانبردار ہیں۔ اس آیت سے اسلام کی اصل صفت واضح ہوتی ہے کہ مسلمان ہمیشہ نیکی، راست بازی اور توحید کا ساتھ ہی دیتا ہے اور ہر اس جماعت یا فرد سے پورا پورا تعاون کرنے کو تیار ہوتا ہے جو توحید اور نیکی کی راہوں پر چلنے کو تیار ہو۔ اگر کسی سے تعاون نہیں ہو سکتا تو وہ مشرک، کافر اور منافق ہے۔ کیونکہ مسلمان کا راستہ ان سے بالکل علیحدہ ہے۔

حدیث میں آتا ہے۔حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''افضل عمل یہ ہے کہ اللہ کے لئے ہی دوستی رکھی جائے اور اللہ کے لئے ہی دشمنی رکھی جائے''۔ (ابوداؤد)

## اہل کتاب کے غلط عقیدے کی وضاحت

يَاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمَآ اُنْزِلَتِ التَّوْرٰىةُ وَالْاِنْجِيْلُ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِهٖ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿65﴾ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَاۗءِ حَاجَجْتُمْ فِيْمَا لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّوْنَ فِيْمَا لَيْسَ لَكُمْ بِهٖ عِلْمٌ ۭ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿66﴾ مَا كَانَ اِبْرٰهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿67﴾ اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ لَلَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ وَھٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿68﴾

اے اہل کتاب! تم ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ہم سے کیوں جھگڑا کرتے ہو؟ تورات اور انجیل تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد ہی نازل ہوئی ہیں پھر کیا تم (اتنی سی) بات بھی نہیں سمجھتے۔ ﴿65﴾ خبردار! تم لوگ جن چیزوں کا علم رکھتے تھے ان میں تو خوب بحثیں کر چکے، اب ان (معاملات) میں کیوں بحث کرنے لگے ہو جن کا تمہارے پاس کچھ بھی علم نہیں، اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ ﴿66﴾ ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے نہ عیسائی، بلکہ وہ تو ایک مسلم یکسو تھے اور وہ ہرگز مشرکوں میں سے نہ تھے۔ ﴿67﴾ ابراہیم علیہ السلام کے سب سے زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس کی پیروی کی اور پھر یہ نبی اور اس کے ماننے والے (اس نسبت کے زیادہ حق دار ہیں) اللہ صرف انہی کا حامی و مددگار ہے جو ایمان رکھتے ہیں۔ ﴿68﴾

تشریح: یہودی اور عیسائی دونوں جھگڑا کرتے تھے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا عقیدہ بھی وہی تھا جو ان کا عقیدہ ہے۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کا حکم آنے پر ان کو سمجھایا کہ تمہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین اور مذہب کا علم کیسے ہوسکتا ہے؟ تم تو خود اپنے بزرگوں کے عقائد کو بھی اچھی طرح نہیں جانتے کیونکہ جو عقیدے تم رکھتے ہو۔ان کی تعلیم نہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دی تھی اور نہ ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے۔ پھر تم جھگڑا کرتے ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شریعت وہی تھی جو تمہاری ہے تو یہ بھی غلط ہے۔کیونکہ اس بارے میں نہ اللہ نے تمہیں کچھ خبر دی ہے اور نہ ہی تمہاری کتابوں میں اس کا کوئی ذکر ہے۔اس لئے تمہیں ان کے بارے میں کچھ علم ہی نہیں۔حضرت ابراہیم کا زمانہ تم سے کہیں پہلے کا زمانہ تھا۔کیونکہ یہودیت کا زمانہ تیسری چوتھی صدی قبل مسیح کا زمانہ تھا اور عیسائیت تو اس کے کافی عرصہ بعد وجود میں آئی۔لہٰذا اس بات پر تم جھگڑا کرتے ہو جس کا تمہیں ہرگز علم نہیں یہ حماقت ہی تو ہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین کیا تھا؟ اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے۔اس آیت میں اللہ تعالیٰ اہل کتاب کو بتاتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام سیدھے سادے مگر پکے

مسلمان تھے۔ انہوں نے تمام راستے چھوڑ کر صرف اللہ کی سیدھی راہ کو پکڑ لیا تھا اور ہر وقت ہر صورت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار تھے۔ جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے۔ ان کی تمام قربانیوں کا جو انہوں نے صرف اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لئے کیں۔ وہ بے مثال اور بہترین مسلمان ہونے کی علامت ہیں۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ زیادہ مناسبت کے حق دار وہ لوگ ہیں جو ان کے ساتھ تھے۔ جو ان پر ایمان لائے یا پھر پچھلی امتوں میں محمد ﷺ اور ان کی امت۔ کیونکہ امت محمدی ﷺ کے تمام عقائد اور اعمال بالکل حضرت ابراہیم ہی کی طرح کے ہیں اور پھر نبی آخر الزمان ﷺ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاؤں کے نتیجے ہی میں بھیجے گئے لہٰذا یہ لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے زیادہ مناسبت رکھنے کے حقدار ہیں اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا والی ہے۔

## اہل کتاب کی تمنا

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿69﴾ يٰٓاَهْلَ
الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿70﴾ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ
ع 7 8 15 بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿71﴾ وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ
اُنْزِلَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿72﴾

اہل کتاب میں سے ایک گروہ چاہتا ہے کہ کسی طرح تمہیں راہ سے ہٹا دے، حالانکہ وہ اپنے سوا کسی کو گمراہی میں نہیں ڈال رہے ہیں مگر انہیں اس کا شعور نہیں۔ ﴿69﴾ اے اہل کتاب! کیوں اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہو؟ حالانکہ تم خود ان کا مشاہدہ کر رہے ہو۔ ﴿70﴾ اے اہل کتاب کیوں حق کو باطل کا رنگ چڑھا کر مشتبہ بناتے ہو؟ کیوں حق کو جان بوجھ کر چھپاتے ہو؟ ﴿71﴾ اہل کتاب میں سے ایک گروہ کہتا ہے کہ اس نبی کے ماننے والوں پر جو کچھ نازل ہوا ہے۔ اس پر صبح ایمان لاؤ اور شام کو اس سے انکار کر دو، شاید اس ترکیب سے یہ لوگ اپنے ایمان سے پھر جائیں؟ ﴿72﴾

تشریح: اہل کتاب خود گمراہ ہیں اس لئے وہ مسلمانوں کو بھی گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن مسلمانوں کا محافظ اللہ تعالیٰ ہے اس لئے وہ ان کو اپنے جال میں پھنسا کر گمراہ نہیں کر سکتے۔ بلکہ ان غلط کوششوں میں پڑ کر وہ صرف اپنے اعمال نامے کو ہی خراب کریں گے۔ دوبارہ اللہ تعالیٰ اہل کتاب کو سمجھاتا ہے کہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کے کلام کا انکار نہ کرو۔ آخر الزماں نبی ﷺ اور قرآن کریم کے بارے میں تمہاری کتابوں میں صاف صاف بتا دیا گیا ہے۔ تم ان کی سچائیوں کو خوب اچھی طرح جانتے ہو پھر بھی کھلم کھلا ان کی مخالفت کرتے ہو اور تنہائی میں قرآن اور محمد ﷺ کو مانتے ہو۔ جیسا کہ سورۂ بقرہ میں ذکر ہو چکا ہے کہ یہودیوں نے تورات کے بعض احکامات دنیاوی لالچ کی وجہ سے بالکل ہی ختم کر ڈالے تھے اور بعض کو دنیاوی مصلحتوں کی وجہ سے چھپاتے تھے۔ مثلاً:

نبی اکرم ﷺ کے بارے میں جو کچھ ان کی کتاب میں بتایا گیا تھا۔ وہ لوگوں سے اسے چھپاتے تھے۔ اسی لئے رب العزت نے ان کو خبر دار کیا ہے کہ تم لوگ سچ اور جھوٹ کو ملا کر مسلمانوں کے خلاف پراپیگنڈہ کرتے ہو، جو بھی کرو، یہ تمہارے اعمال کا حصہ بنیں گے۔ مسلمانوں کو اللہ اپنی حفاظت میں لئے ہوئے ہے۔ ان آیات میں یہود و نصاریٰ کی ایک دوسری سازش کا ذکر کیا گیا ہے۔ وہ اس طرح کہ انہوں نے کچھ بندے اپنے ایسے تیار کئے کہ جو بظاہر مسلمان ہو جاتے نمازیں بھی پڑھ لیتے مگر ایک پہر گزرنے پر پھر اسلام سے منکر ہو جاتے اور خوب نشر کرتے کہ بھئی مسلمانوں میں تو بہت زیادہ خرابیاں ہیں۔ اسی لئے ہم نے اسلام سے خارج ہونے کا سوچ لیا ہے۔ یہ چال تھی کیوں کہ عرب کے ان پڑھ اور جاہل لوگ ان عیسائیوں کو بڑا عالم فاضل سمجھتے تھے اور ان کی اس چال سے نو مسلم شک میں پڑ سکتے تھے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی مدد مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ اس لئے وہ ان کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکے۔ یہ دشمنی ابھی تک ختم نہیں ہوئی، بلکہ اسرائیلی ریاست کی غلط اور منافقانہ سازشیں ہر وقت مسلمان ممالک اور قوم کی تباہی اور نقصان کی تاک میں تیار رہتی ہیں۔ مسلمانوں کو ان سے ہر وقت ہوشیار رہنا چاہئے اور اپنے بزرگوں کو سامنے رکھتے ہوئے نیکی کی راہیں اپنانی چاہئیں اور جہاد کے لئے ہر وقت تیار رہنا چاہئے۔ ڈاکٹر محمد اقبال مسلمان کے لئے فرماتے ہیں۔

خطر پسند طبیعت کو سازگار نہیں
وہ گلستاں کہ جہاں گھات میں نہ ہو صیاد

شاعر کے نزدیک کائنات کا ہر ذرہ حرکت اور جدوجہد میں لگا ہوا ہے اور مسلمان کی شان کے خلاف ہے کہ وہ اپنی زندگی میں عزم و ہمت اور یقین کے ساتھ آگے بڑھنے کو شامل نہ کرے۔ اس کا تو ہر وقت کا کام ہے نیکی کو پھیلانا، دین کو پھیلانا اور گمراہی کا خاتمہ کرنا۔ یعنی ہر وقت شیطان سے لڑنا۔

## اہل کتاب کا حسد

وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنَكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ ۙ اَنْ يُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِيْتُمْ اَوْ يُحَاۗجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ ۚ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿73﴾ يَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿74﴾

یہ لوگ آپس میں کہتے ہیں کہ اپنے مذہب والے کے سوا کسی کی بات نہ مانو، (اے نبی ﷺ) ان سے کہہ دو! اصل ہدایت تو اللہ کی ہدایت ہے اور کہتے ہیں یا اس کی بات مانو جن کو وہی کچھ دے دیا جائے جو کبھی تم کو دیا گیا تھا یا یہ کہ دوسروں کو تمہارے رب کے حضور پیش کرنے کے لئے تمہارے خلاف قوی حجت مل جائے۔ (اے نبی ﷺ) ان سے کہو کہ فضل تو اللہ کے اختیار میں ہے، جسے چاہے عطا فرمائے وہ وسیع النظر، سب کچھ جانتا ہے۔(73) اپنی رحمت کے لئے جس کو چاہتا ہے مخصوص کر لیتا ہے اور اللہ بہت فضل والا ہے۔(74)

تشریح: ان آیات میں وضاحت کی گئی ہے کہ ہدایت تو اللہ کے دینے سے ملتی ہے۔ اہل کتاب کی سازشوں سے نور ہدایت ختم نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان اہل کتاب کو سمجھا دو کہ نبوت پہلے ان کے پاس تھی اب بنی اسماعیل میں چلی گئی ہے مگر ان لوگوں کو حسد اور بغض نے پاگل کر رکھا ہے اور وہ اسی میں پریشان ہو رہے ہیں کہ نبوت ہم سے کیوں چھینی گئی۔ ان کا خیال تھا کہ نبوت کے حقدار تو صرف یہی لوگ ہیں عرب کے ان پڑھ لوگوں کا نبوت سے کیا واسطہ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ وسیع علم و فضل رکھنے والا ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کس کو کس وقت کیا بڑائی، عزت اور عظمت ملنی چاہئے۔ نبوت، شریعت، دین ایمان اور فضل و کرم دینا اسی کے اختیار میں ہے۔ جسے چاہے عطا کر دے وہ بڑے فضل و کرم والا ہے۔

## اہل کتاب کی خیانت کا بیان

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ وَھُمْ يَعْلَمُوْنَ (75) بَلٰي مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ (76) اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَــمَنًا قَلِيْلًا اُولٰۗىِٕكَ لَا خَلَاقَ لَھُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُھُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَھُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (77)

اہل کتاب میں سے کوئی تو ایسا ہے کہ اگر تم اس کے اعتبار پر مال و دولت کا ایک ڈھیر بھی دے دو تو وہ تمہارا مال تمہیں ادا کر دے گا اور کسی کا حال یہ ہے کہ اگر تم ایک دینار کے معاملہ میں بھی اس پر بھروسہ کرو تو وہ ادا نہ کرے گا۔ سوائے اس کے کہ تم اس کے سر پر سوار ہو جاؤ (یہ ان کی اس اخلاقی حالت کا سبب) اس لیے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ امیوں (غیر یہودی) کے معاملہ میں ہم پر کوئی مواخذہ نہیں ہے اور یہ بات وہ محض جھوٹ گھڑ کر اللہ کی طرف منسوب کرتے ہیں، حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ اللہ نے ایسی کوئی بات نہیں فرمائی۔ (75) آخر کیوں (ان سے باز پرس نہ ہوگی؟) جو بھی اپنے عہد کو پورا کرے گا اور برائی سے بچ کر رہے گا، بیشک اللہ متقیوں کو پسند کرتا ہے۔ (76) رہے وہ لوگ جو اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت پر بیچ دیتے ہیں تو ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں، اللہ قیامت کے روز نہ ان سے بات کرے گا نہ ان کی طرف دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا۔ بلکہ ان کے لئے تو سخت دردناک سزا ہے۔ (77)

تشریح: اہل کتاب کے ان لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جو کہ انتہائی امانت دار ہیں کہ اگر انکے پاس ڈھیروں سونا رکھا جائے تو کبھی بھی اس میں خیانت نہ کریں گے۔ مگر کچھ بدنیت اور بے ایمان لوگ بھی ہیں کہ اگر ایک معمولی رقم بھی انکے پاس رکھ دیں تو خیانت کرنے سے باز نہ آئیں اور وجہ یہ بتاتے ہیں کہ غیر یہودی کا مال کھانا بالکل جائز ہے، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اس قسم کی کوئی

اجازت نہیں دے رکھی بلکہ عہد کی خلاف ورزی کرنے پر اللہ تعالیٰ نے بڑے سخت قانون بنا رکھے ہیں۔

1- حدیث میں آتا ہے۔رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: جس آدمی نے جھوٹی قسم کے ذریعے کسی مسلمان کا حق دبایا تو اس نے اپنے لئے آگ کو واجب کرلیا۔راوی نے عرض کیا کہ اگر وہ چیز معمولی سی ہو تب بھی اس کے لئے آگ واجب ہوگی؟ آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: اگرچہ وہ درخت کی سبز ٹہنی ہی کیوں نہ ہو۔(صحیح مسلم)

2- اللہ تعالیٰ ان سے خوش کن بات نہیں کریں گے۔

3- اللہ تعالیٰ ان کی طرف قیامت کے دن رحمت کی نظر سے نہیں دیکھیں گے۔

4- اللہ تعالیٰ ان کے گناہ معاف نہیں کریں گے، کیونکہ عہد کے خلاف کرنے کی وجہ سے انسان کا حق مارا جاتا ہے اور انسان کے حقوق کو اللہ تعالیٰ معاف نہیں کریں گے۔

5- اور ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔جو کوئی عہد کو پورا کرے، امانت میں خیانت نہ کرے، اللہ سے ڈرے اور برے اخلاق سے بچے ایسے ہی لوگ اللہ تعالیٰ کو بے حد پسند ہیں۔

## بدکردار لوگوں کی دھوکہ دہی

وَاِنَّ مِنۡهُمۡ لَفَرِيۡقًا يَّلۡوٗنَ اَلۡسِنَتَهُمۡ بِالۡكِتٰبِ لِتَحۡسَبُوۡهُ مِنَ الۡكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الۡكِتٰبِ ۚ وَيَقُوۡلُوۡنَ هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ الۡكَذِبَ وَهُمۡ يَعۡلَمُوۡنَ ﴿78﴾

اور ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو کتاب پڑھتے ہوئے (اس طرح) زبان کا الٹ پھیر کرتے ہیں تاکہ تم سمجھو (جو کچھ وہ پڑھ رہے ہیں) وہ کتاب ہی کی عبارت ہے حالانکہ وہ کتاب کی عبارت نہیں ہوتی، وہ کہتے ہیں کہ (جو کچھ ہم پڑھ رہے ہیں) یہ اللہ کی طرف سے ہے، حالانکہ وہ اللہ کی طرف سے نہیں ہوتا، وہ جان بوجھ کر جھوٹ بات اللہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔﴿78﴾

تشریح: اس آیت میں اہل کتاب کی ایک اور بدنیتی کا ذکر کیا گیا ہے۔ایک فریق ان میں ایسا تھا جو آسمانی کتابوں کو اس طرح زبان کو الٹ کر پڑھتے کہ مضمون کے معنی ہی بدل جاتے اور سننے والا غلط مطلب سمجھ لیتا اور پھر یہ ان کو سمجھاتے کہ اللہ نے یہی کہا ہے۔حالانکہ ان کو خوب معلوم ہوتا تھا کہ اللہ نے تو کچھ اور کہا ہے جو ان کے کہنے سے مختلف ہے۔یعنی آسمانی کتاب کے قواعد اور مسائل کو اپنی مرضی کے مطابق تبدیل کر دیتے۔ظاہر ہے اتنے بڑے گناہ کی سزا معمولی نہیں ہوسکتی ان لوگوں کی انہی حرکتوں کی وجہ سے نبوت ان سے چھین لی گئی۔اور ان پر اللہ کا عذاب بھی نازل ہوا۔

## نبی پر الزام اور نبی کا اصل کام

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿79﴾ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓىِٕكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿80﴾ ع 8/9/16

کسی انسان کا یہ کام نہیں ہے کہ اللہ تو اس کو کتاب، حکم اور نبوت عطا فرمائے اور وہ لوگوں سے کہے کہ اللہ کی بجائے تم میرے بندے بن جاؤ لیکن (وہ تو یہی کہے گا کہ) تم سچے رب والے بن جاؤ۔ (جیسا کہ اس کتاب کی تعلیم کا تقاضہ ہے) جسے تم پڑھتے اور پڑھاتے ہو۔ ﴿79﴾ وہ تم سے ہرگز یہ نہ کہے گا کہ فرشتوں کو یا پیغمبروں کو اپنا رب بنالو۔ کیا (یہ ممکن ہے کہ) ایک نبی تمہیں کفر کا حکم دے؟ جب کہ تم مسلم ہو۔ ﴿80﴾

تشریح: وفد نجران کی موجودگی میں عیسائیوں نے رسول اللہ ﷺ کو کہا تھا کہ اے محمد ﷺ! کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ لوگ آپ کی پرستش کرنے لگیں جیسا کہ نصاریٰ عیسیٰ ابن مریم کو پوجتے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ جس انسان کو حق تعالیٰ نبوت دیتا ہے، کتاب اور حکمت دیتا ہے اور اس کو حکم دیتا ہے کہ اللہ کا پیغام ٹھیک ٹھیک لوگوں تک پہنچا دے، لوگوں کو توحید کا حکم دے اور نیکی کی طرف بلائے، شیطان کی پیروی کرنے سے منع کرے اور جنت کی خوشخبری دے۔ بھلا یہ کس طرح ممکن ہے کہ وہ پیغمبر لوگوں کو اپنی بھی عبادت کرنے کا سبق دے اور اللہ سے لوگوں کو دور کر دے۔ یہ کسی صورت بھی ممکن نہیں اور نہ ہی کبھی کسی پیغمبر نے ایسا کیا کہ لوگوں کو رب سے دور کر کے اپنی ہی عبادت پر لگا لیا ہو۔ یا لوگوں کو نبیوں اور فرشتوں کی عبادت کرنے کو کہا ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے اہل کتاب کے علماء کو دعوت دی کہ آؤ میرے ساتھ مل کر لوگوں کو شرک کے بڑے گناہ سے نکال کر نیکی اور کامیابی کی راہ پر لگائیں اور اس طرح حضرت محمد ﷺ نے ان تمام الزامات کی بھی تردید کر دی جو کہ بہتان عیسائیوں نے نبیوں پر لگا رکھے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے خوب اچھی طرح واضح کر دیا کہ آسمانی کتابوں کو بدلنا اور لوگوں کو گمراہ کرنا یہ سب بدفطرت اور شیطان کے بھائیوں کا کام ہے۔ کسی نبی یا پیغمبر کا یہ کام نہ کبھی ہوا ہے نہ آئندہ ہوگا کہ وہ لوگوں کو گمراہ کرے اور شرک کی طرف لے جائے۔

## انبیاء سے لیا گیا عہد

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿81﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿82﴾

اور جس وقت اللہ نے عہد لیا نبیوں سے کہ جو کچھ میں تمہیں کتاب اور حکمت سے دوں (اس پر عمل کرنا) پھر اگر کوئی (دوسرا) رسول

تمہارے پاس اسی دین کی تصدیق کرتا ہوا آئے جو پہلے سے تمہارے پاس موجود ہے تو تم کو اس پر ایمان لانا ہوگا اور اس کی مدد کرنا ہوگی (یہ ارشاد فرما کر) اللہ نے پوچھا: کیا تم اس کا اقرار کرتے ہو اور اس پر میری طرف سے عہد کی بھاری ذمہ داری اٹھاتے ہو؟ انہوں نے کہا ہاں، ہم اقرار کرتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا اچھا تو گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہ ہوں۔ (81) اس کے بعد جو (اپنے عہد سے) پھر جائے وہی فاسق ہے۔ (82)

تشریح: اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کا یہ بندوبست کیا کہ ہر قوم کے لئے مختلف اوقات میں نبی بھیجے جاتے رہے تا کہ لوگوں کو نیکی کا حکم اور برائی سے منع کرتے رہیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ وعدہ بھی اللہ تعالیٰ نے نبیوں سے لیا کہ تم اپنی قوم کو یہ سبق بھی اچھی طرح دے دینا کہ جو نبی تمہارے پاس آئے تو اس کی کتاب اور شریعت تم خود بھی مانو گے اور تمہاری امت بھی اس پر پورا پورا یقین کرے گی تو اس پر تمام نبیوں نے اللہ سے وعدہ کیا کہ جو بھی نبی ان کے بعد آئے گا وہ اس پر ایمان لائیں گے بلکہ اس کی پوری پوری مدد بھی کریں گے۔ مزید تاکید کے لئے اللہ رب العزت نے دوبارہ پوچھا: کیا تم اپنے عہد کا اقرار کرتے ہو؟ سب نبیوں نے عرض کیا کہ ہاں ہم اقرار کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس عہد پر تم بھی گواہ رہو اور تمہارے ساتھ میں بھی گواہ ہوں۔ جب محمد ﷺ آئے تو یہود و نصاریٰ نے آپ کو ماننے سے انکار کر دیا۔ حالانکہ انکے پاس آپ کے آنے کی تمام نشانیاں موجود تھیں۔ مگر انہوں نے اپنے نبیوں کے احکامات کی بالکل پرواہ نہ کی اور آپ ﷺ کو ماننے سے انکار کر دیا تو ایسے لوگوں کے لئے اللہ نے فاسقون (نافرمان) کا لفظ استعمال کیا ہے۔ اس آیت سے پچھلی آیات کی وضاحت بھی ہو جاتی ہے کہ کوئی نبی کبھی بھی اپنی امت کو گمراہ نہیں کر سکتا اور یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ کی بجائے مجھے عبادت کے لائق سمجھنے لگو۔

## دین حق کی ضرورت

اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ (83)

اب کیا یہ لوگ اللہ (کی اطاعت) کا طریقہ چھوڑ کر کوئی اور طریقہ چاہتے ہیں؟ حالانکہ آسمان و زمین کی ساری چیزیں چار و ناچار اللہ ہی کی تابع فرمان ہیں اور اسی کی طرف سب کو پلٹنا ہے۔ (83)

تشریح: جب یہود و نصاریٰ نے محمد ﷺ کو ماننے سے انکار کر دیا تو اس پر رب العزت فرماتے ہیں کہ کیا ان کو اطاعت الٰہی کا راستہ چھوڑ کر کوئی اور راستہ پسند ہے۔ کیونکہ دین اسلام اور خود ان کا مذہب بھی یہی سکھاتا ہے کہ اللہ ایک ہے۔ صرف اور صرف اسی کی فرمانبرداری کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس جیسی طاقت، عظمت اور بڑائی کہیں اور نظر نہیں آتی۔ دنیا کی ہر چیز زمین آسمان، ہوا، پانی، چاند، سورج اور ستارے سب ہی اسی کے فرمانبردار ہیں اسی کے حکم سے اپنے اپنے کام میں لگے ہوئے ہیں کوئی بھی معمولی

سی حکم عدولی نہیں کرسکتا اور پھر ہر وقت یاد رکھنا چاہئے کہ یہ زندگی ختم ہونے والی ہے اور اس کے بعد رب العزت ہی کے پاس جانا ہے۔ اللہ کے پاس جانے کے لئے اتنے اچھے عمل کرنے چاہئیں کہ جب اللہ کے حضور جائیں تو عذاب کا خوف بالکل نہ ہو۔

## انبیاء کا سلسلہ اور اسلام

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَالنَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۖ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿84﴾ وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿85﴾

(اے نبی ﷺ) کہو کہ ہم اللہ کو مانتے ہیں، اس تعلیم کو مانتے ہیں جو ہم پر نازل کی گئی ہے، ان تعلیمات کو بھی مانتے ہیں جو ابراہیم، اسماعیل، اسحٰق، یعقوب اور اولاد یعقوب پر نازل ہوئی تھیں، اور (ان ہدایات پر بھی) ایمان رکھتے ہیں جو موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے دی گئیں، ہم ان کے درمیان فرق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے تابع فرمان ہیں۔﴿84﴾ اس فرمانبرداری کے سوا جو شخص کوئی اور طریقہ اختیار کرنا چاہے اس کا وہ طریقہ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور آخرت میں وہ ناکام ونامراد رہے گا۔﴿85﴾

تشریح: ان آیات میں اللہ تعالیٰ نبی اکرم ﷺ کو دین محمدی یعنی دین اسلام کی مقبولیت اور صداقت کے بارے میں اعلان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپ وضاحت سے لوگوں کو بتادیں کہ ہم لوگ مسلمان ہیں جو کچھ ہم پر نازل ہوا اور جو کچھ ہم سے پہلے نبیوں پر نازل ہوا، ہم ان سب کو مانتے ہیں۔ یہ نہیں کہ کسی کو مانیں اور کسی کو نہ مانیں۔ ہمارے لئے تمام انبیاء عزت کے قابل ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اسماعیل علیہ السلام اسحٰق علیہ السلام یعقوب علیہ السلام اولاد یعقوب علیہ السلام سب ہمارے لئے عزت واحترام کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان کی تعلیمات کو ہم مانتے ہیں اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام، موسیٰ علیہ السلام اور ان پر نزل ہونے والی کتابیں سب کو ہم مانتے ہیں۔ لیکن اصل دین تو اب دین محمدی ہی ہے، کیونکہ بلاشبہ پچھلے تمام انبیاء کی تعلیم توحید ہی تھی مگر وہ دین کسی خاص قوم یا ملک کے لئے بھیجے گئے تھے اور پھر کچھ عرصہ کے بعد ان میں خرابیاں پیدا ہوتی رہیں، جبکہ دین اسلام پوری دنیا کے لئے بھیجا گیا ہے اور پھر مکمل دین ہے۔ اس لئے اب قابل قبول دین صرف اسلام ہی ہے۔ اگر کوئی شخص اسلام کے علاوہ کسی اور دین کی پیروی کرتا ہے تو وہ ہم مسلمانوں میں سے نہیں ہوسکتا اور اس لئے ہم ایسے شخص کو نقصان اٹھانے والا کہہ سکتے ہیں۔ کیونکہ آخرت میں اس کو اس کے اعمال کا اجر ملے گا جو بہت برا اجر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ دین تو اللہ کے نزدیک صرف اسلام ہے۔ (آل عمران)

نجات دلانے والا، آخرت میں کام آنے والا، بس دین اسلام ہی ہے۔ کیونکہ یہ اتنا مکمل دین ہے کہ اس کے بعد کسی اور شریعت، کسی کتاب اور کسی نبی کی ضرورت نہیں۔ یہ آخری دین، قرآن آخری کتاب اور محمد ﷺ آخری نبی ہیں اسی لئے آیت کے آخر میں واضح کردیا گیا ہے۔ ”جو کوئی اسلام کے سوا کوئی دین تلاش کرے گا وہ اس سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا اور وہ شخص آخرت

میں تباہ کاروں میں ہوگا۔

## جان بوجھ کر حق کو قبول نہ کرنا

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّ جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿86﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿87﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿88﴾

کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ ان لوگوں کو ہدایت بخشے جنہوں نے نعمت ایمان پا لینے کے بعد پھر کفر اختیار کیا۔ حالانکہ وہ خود اس بات پر گواہی دے چکے ہیں کہ یہ رسول حق پر ہے اور ان کے پاس روشن نشانیاں بھی آچکی ہیں اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔﴿86﴾ ان کے ظلم کا ٹھیک بدلہ یہی ہے کہ ان پر اللہ، فرشتوں اور انسانوں کی لعنت ہے۔﴿87﴾ اسی حالت میں وہ ہمیشہ رہیں گے نہ ان کی سزا میں کمی ہوگی اور نہ انہیں مہلت دی جائے گی۔﴿88﴾

تشریح: ان آیات میں ان لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جو سب کچھ جان لینے کے بعد بھی نبی اکریم ﷺ پر ایمان نہ لائے اور یہ اشارہ یقیناً یہود و نصاریٰ کی طرف ہی ہے۔ ان کی کتابوں میں محمد ﷺ کی نبوت، آخری کتاب قرآن اور دین اسلام کے بارے میں سب کچھ بڑی تفصیل سے بتا دیا گیا تھا۔ وہ انہوں نے مان بھی لیا تھا مگر صرف اپنی ضد، حسد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے محمد ﷺ پر ایمان لانے کو تیار نہ تھے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مجھے معلوم ہے کہ یہ انتہائی ظالم لوگ ہیں۔ یہ کبھی بھی ہدایت کی راہ اختیار نہیں کریں گے اس لئے اللہ بھی ان کو ہدایت نہیں دینا چاہتا۔ اپنی خواہشات کی پیروی کرنے کی وجہ سے غلط راہوں میں بھٹک رہے ہیں۔ ایسے ہی لوگ اللہ کی، فرشتوں کی اور انسان کی رحمت، شفقت اور مہربانی سے محروم رہتے ہیں۔ ایسے خراب لوگ ہمیشہ دنیا و آخرت میں ذلیل و خوار ہوتے رہیں گے اور کبھی بھی ان کو اس ذلت و خواری سے نجات نہ ملے گی۔ آخرت میں جو عذاب ان کو دیا جائے گا نہ اس میں کمی کی جائے گی اور نہ ہی ان کو کسی قسم کی رعایت ہی دی جائے گی۔

## توبہ کی صورت میں خوشخبری

اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۟ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿89﴾

(البتہ وہ لوگ بچ جائیں گے) جو اس کے بعد توبہ کر کے اپنے طرز عمل کی اصلاح کر لیں اللہ بخشنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔﴿89﴾

تشریح: عذاب کے ساتھ ہی رب العزت کی رحمت اور بخشش جوش مارتی ہے۔ کیونکہ اس کی رحمت تو ہر وقت بندوں پر برسنے کے لئے تیار رہتی ہے اور گناہ گاروں کی بخشش اور نجات کے لئے اللہ نے توبہ کا دروازہ کھول رکھا ہے اور اللہ فرماتا ہے جو سچے دل

سے توبہ کرے اپنے گناہوں سے باز آجائے اور نیک راہ اختیار کرلے تو ایسے لوگوں کو وہ بخش دیتا ہے۔ مگر توبہ یہ نہیں کہ ادھر توبہ کی ادھر پھر وہی غلط کام شروع کر دیئے، بلکہ توبہ کی شرط یہ ہے کہ انسان اپنی غلطی کا احساس کرے، گناہ پر شرمندہ ہو اور غلط کام کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے چھوڑ دینے کا پکا ارادہ کرے، ایسی ہی توبہ رب العزت قبول کرتا ہے، کیونکہ وہ بڑا ہی بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

حدیث میں آتا ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے لوگو! اللہ سے توبہ کرو اور بخشش چاہو، بیشک میں دن میں اللہ تعالیٰ سے سو مرتبہ استغفار کرتا ہوں۔

مسلمان کی گناہ سے توبہ یہ ہے کہ پھر کبھی اس گناہ کی طرف نہ جائے۔ (بیہقی)

## نا قابل قبول توبہ فدیہ اور سزا

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّن تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ﴿90﴾
إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَن يُقْبَلَ مِنْ أَحَدِهِم مِّلْءُ الْأَرْضِ ذَهَبًا وَلَوِ افْتَدَىٰ بِهِ
ع 9 11 17 أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ وَمَا لَهُم مِّن نَّاصِرِينَ ﴿91﴾

مگر جن لوگوں نے ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کیا، پھر اپنے کفر میں بڑھتے چلے گئے ان کی توبہ بھی قبول نہ ہوگی، ایسے لوگ تو پکے گمراہ ہیں۔ ﴿90﴾ یقین رکھو جن لوگوں نے کفر اختیار کیا اور کفر ہی کی حالت میں جان دی ان میں سے کوئی اگر اپنے آپ کو سزا سے بچانے کیلئے زمین بھر سونا بھی فدیہ میں دے تو قبول نہ ہوگا ایسے لوگوں کیلئے دردناک سزا تیار ہے اور وہ اپنا کوئی مددگار نہ پائیں گے۔ ﴿91﴾

تشریح: ان آیات میں توبہ کا ایک اور رخ بیان کیا گیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہود و نصاریٰ جانتے تھے کہ یہی آخری نبی ہیں مگر آخر تک ایمان نہ لائے، بلکہ اپنے غلط عقیدوں کی وجہ سے لوگوں کو راہ راست سے بھٹکانے کی پوری کوشش کرتے رہے اور دین اسلام کے بارے میں غلط رویہ اختیار کرتے رہے لیکن جب موت کو قریب دیکھا تو توبہ کرنے لگے۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ اس وقت کی توبہ ہرگز قبول نہ ہوگی۔ پھر ان لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جن لوگوں نے کفر کی راہیں اختیار کیں اور پھر ایمان قبول کئے بغیر کفر کی ہی حالت میں فوت ہو گئے تو ان کو معلوم ہونا چاہئے کہ اس دنیا میں جو موت کے بعد آئے گی اور جس میں حساب کتاب ہوگا تو وہ بڑا سخت ہوگا۔ بار بار یہ بتایا جا رہا ہے کہ اس دن صرف اور صرف اپنے کئے ہوئے اعمال کا اجر ملے گا، نہ کسی کی سفارش عذاب سے بچا سکے گی اور نہ ہی فدیہ میں مال و زر ہی دیا جا سکے گا۔ کیونکہ مال و زر تو اس دنیا کے حصہ میں آ چکے ہیں۔ اس جہان میں اللہ رب العزت بڑے انصاف سے اعمال کا بدلہ ہر شخص کو دیں گے۔ اس لئے کبھی آخرت کو موت کو اور موت کے بعد زندہ ہو کر اللہ کے سامنے حاضری دینے کو نہیں بھولنا چاہئے۔ موت بھی اٹل ہے اور اجر و ثواب کا ملنا بھی اٹل ہے۔ یہی مومن کا ایمان ہے۔ حدیث میں آتا ہے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دنیا مومن کا قید خانہ ہے اور کافر کی جنت۔ (صحیح مسلم)

مطلب یہ ہے کہ مومن اس دنیا میں ایمان کی سلامتی کے لئے بے حد احتیاط اور محنت مشقت کرتا رہتا ہے جب کہ کافر اسی دنیا کو ہی سب کچھ سمجھتا ہے اور جو حلال حرام، اچھا برا، نیک وبد جو بھی کام دل کو بھائے یا جس سے کوئی چھوٹا موٹا فائدہ نظر آتا ہو۔ بلا خوف وخطر پوری آزادی سے کر لیتا ہے اور یوں سمجھتا ہے کہ میں نے تو ادھر ہی جنت کے مزے لوٹ لینے ہیں۔ اس لیے نڈر ہو کر جرائم کرتا ہے اور پھر ظاہر ہے آخرت میں مومن کو اس کی اچھی محنت وکاوش کا اچھا صلہ اور کافر وفاسق کو اس کے جرائم کا بُرا صلہ مل کر رہے گا۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے تیسرا پارہ "تِلْكَ الرُّسُلُ" مکمل ہوا۔ دعا ہے کہ مولائے کریم سمجھ کر عمل کرنے کی اور پھر دوسرے مسلمان کو پہنچانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

# قربانی کا معیار

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ۬ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿92﴾

تم نیکی کو نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ تم وہ چیزیں (اللہ کی راہ میں) خرچ نہ کرو جنہیں تم عزیز رکھتے ہو اور جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ اس سے بے خبر نہ ہوگا۔ ﴿92﴾

تشریح: اس آیت میں اللہ رب العزت نیکی کی تعریف بیان فرماتے ہیں۔ نیکی کیا ہے؟ نیکی کا مطلب ہے اللہ کی رضا حاصل کرنا، اس کی محبت حاصل کرنے کے لیے پوری کوشش کرنا کیونکہ جس سے محبت کی جاتی ہے وہ انسان کی زندگی کا بہترین اور اول ترین مقصد بن جاتا ہے، لہٰذا جو کچھ بھی اللہ نے انسان کو اپنی رحمت سے دے رکھا ہے۔ انسان کو چاہیے کہ اس میں سے بہترین اور محبوب ترین چیز اللہ کی راہ میں اس کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے قربان کر دے۔ اگر اس کی راہ میں مال خرچ کرنے کی ضرورت ہے تو مال خرچ کرو۔ اگر جان کی ضرورت ہے تو وہ بھی پیش کر دو اور اگر شہرت و اقتدار اس کی رضا کے لیے قربان کرنا پڑے تو بے دریغ قربان کر دو۔ اصل میں یہود و نصاریٰ نے جانتے بوجھتے محمد ﷺ کو نبی نہ مانا۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ نبوت تو ان سے چھن ہی چکی ہے اب اگر انہوں نے محمد ﷺ کو نبی آخر بھی مان لیا تو ان سے سرداری، اقتدار، ریاست اور طاقت سب کچھ جاتا رہے گا۔ تو اس پر رب العزت نے فرمایا کہ جب تک تم اپنی عزیز ترین چیز کو قربان کرنے کے لیے تیار نہ ہو گے تم نیکی حاصل کرنے کے حقدار نہیں ہو سکتے اور پھر آخر میں یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ جو بھی خرچ کیا گیا ہے اس میں نیت خالص تھی یا نہیں، یعنی نیکی حاصل کرنے کے لیے دو شرطیں ہیں۔ ایک یہ کہ بہترین چیز اللہ کے لیے خرچ کی جائے اور دوسرا اخلاص نیت سے خرچ کی جائے اس میں کوئی دوسرا مقصد، یعنی دکھاوا یا کوئی اور فائدہ شامل نہ ہو اور پھر یہ کہ جس قدر محبوب چیز اللہ کی راہ میں خرچ کی جائے گی اسی قدر اس کا اجر بھی ملے گا۔ یہ حکم تمام مسلمانوں امیر، غریب محتاج اور لاچار کے لیے دیا گیا ہے۔ یہ نہیں کہ صرف امیر لوگ ہی اللہ کی راہ میں خرچ کر سکتے ہیں۔ اس میں دنیا کے ہر طبقہ کا ہر انسان شامل ہے۔ ہر وقت، ہر لمحہ، ہر صورت ہر انسان اللہ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے بہترین صدقہ ادا کر سکتا ہے، مثلاً حدیث میں آتا ہے:

''کسی کو اس کی سواری پر سوار کر دینا، کسی کی سواری پر اس کا سامان لاد دینا صدقہ ہے، اچھی بات کہنا صدقہ ہے، اور ہر قدم جو نماز کے لیے اٹھے صدقہ ہے، راستے سے تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا صدقہ ہے''۔ (بخاری و مسلم)

اسی طرح ایک اور حدیث میں آتا ہے سالم اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''دو آدمیوں کے سوا کسی اور پر رشک کرنا درست نہیں ایک اس شخص پر جسے اللہ نے قرآن کا علم عطا کیا ہو اور وہ رات کو اور دن کو اسے پڑھتا ہو (دوسروں کو سکھاتا ہو) اور دوسرے اس شخص پر جسے اللہ نے مال عطا کیا ہو اور وہ دن اور رات کو اسے اللہ کی راہ

میں خرچ کرتا ہوں۔'' (صحیح مسلم)

آخر میں ایک وضاحت ہو جائے کہ آیت میں ''مِمَّا'' یعنی اس میں سے جو، اس کا مطلب ہے کہ تمام کی تمام پیاری چیزیں خرچ نہ کر دی جائیں، بلکہ اپنی چیزوں میں سے بہترین اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور یہی نیکی ہے اور اگر اپنے فالتو مال، کپڑے برتن غرض جو بھی فالتو چیز ہو کسی ضرورت مند کو دے دی جائے تو یہ بھی ثواب حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتا ہے۔

## بنی اسرائیل کی حلال وحرام پر بحث

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِيْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ۭ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْھَآ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿93﴾ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿94﴾ قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۣ فَاتَّبِعُوْا مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿95﴾

کھانے کی یہ ساری چیزیں (جو شریعت محمدی ﷺ میں حلال ہیں) بنی اسرائیل کے لیے بھی حلال تھیں، البتہ بعض چیزیں ایسی تھیں جنہیں تورات کے نازل کئے جانے سے پہلے اسرائیل نے خود اپنے اوپر حرام کر لیا تھا۔ ان سے کہو، اگر تم سچے ہو تو لاؤ تورات پیش کرو اس کی کوئی عبارت پڑھو۔﴿93﴾ اس کے بعد بھی جو لوگ اپنی جھوٹی گھڑی ہوئی باتیں اللہ کی طرف منسوب کرتے رہیں وہی درحقیقت ظالم ہیں۔﴿94﴾ کہو اللہ نے جو کچھ فرمایا ہے سچ فرمایا ہے تم کو یکسو ہو کر ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کی پیروی کرنی چاہیے اور ابراہیم علیہ السلام شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے۔﴿95﴾

تشریح: ان آیات کا شان نزول یہ ہے کہ یہودیوں نے رسول اللہ ﷺ پر اعتراض کیا کہ آپ تو اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پیرو کہتے ہیں جب کہ آپ وہ چیزیں کھاتے ہیں جو ان پر حرام تھیں، مثلاً: اونٹ کا گوشت اور دودھ۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ان کو کہو اپنی کتاب تورات میں سے یہ حکم دکھائیں۔ یہ کہیں بھی حکم نہیں دیا گیا۔ بلکہ یہ خود انہوں نے اپنے اوپر حرام کر رکھی تھیں۔ ہاں تورات میں کچھ دوسری چیزوں کا ذکر ہے جو ان پر حرام کی گئی تھیں۔ اونٹ کا گوشت اور دودھ کے حرام کرنے کا حکم اللہ کی طرف سے نہ تھا بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی بیماری کی وجہ سے اس کو کھانا بند کیا تو پھر ان کی آل اور اولاد نے بھی اس کھانے کو بند کر دیا۔ تورات میں ایسا کوئی حکم موجود نہیں یہ تو خواہ مخواہ اللہ کی طرف غلط بات کو منسوب کر رہے ہیں اور اپنی طرف سے بنائی ہوئی باتوں کو شریعت کا نام دے رہے ہیں اور ایسا غلط کام کرنے والے ظالم اور ناانصاف کہلاتے ہیں۔ کیونکہ اپنی بات کو اللہ کی بات کہہ دینا کس قدر گناہ اور عذاب کی بات ہے؟ یہود و نصاریٰ اس بات پر بڑا فخر کرتے تھے کہ ہم تو ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہیں اور اسلام کا اصل مذہب تو صرف ان ہی کے پاس ہے تو قرآن مجید نے ان کی تمام غلط فہمیاں، غلط بیانیاں اور نافرمانیاں خوب کھول کر

بیان کر دی ہیں اور بتایا ہے کہ اگر چہ وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں لیکن یہ ان کے بتائے ہوئے مذہب سے بہت دور ہیں۔ کیونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو پکے مسلمان تھے توحید کو ماننے والے اور اللہ رب العزت کے انتہائی فرمانبردار اور مقبول ترین انسان تھے۔ جبکہ یہودی صرف ان کے پیروکار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ بلکہ ان کو چاہیے کہ یہ بھی شرک اور نافرمانی سے توبہ کر کے پکے مسلمان اور توحید کو ماننے والے بن جائیں یعنی اللہ کو ایک مانیں اور آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئیں اور پھر یوں وہ دین حنیف، یعنی دین ابراہیم علیہ السلام کے ماننے والے ہو سکتے ہیں جیسا کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم تعلیم دیتے ہیں۔ شرارت، بغاوت اور شرک سے باز آجائیں اور اللہ کی توحید اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو ماننے والے بن جائیں۔ مسلمانوں کو بھی یہی سبق دیا گیا ہے کہ اللہ کی عبادت کریں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کریں اور تمام مخلوق اللہ کی بھلائی میں لگے رہیں۔

## اللہ کا گھر خانہ کعبہ

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿96﴾ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا ؕ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿97﴾

بے شک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کے لیے بنایا گیا وہ ہے جو مکہ میں ہے۔ (سب کے لیے) برکت والا اور سب جہان والوں کے لیے مرکز ہدایت بنایا گیا۔ ﴿96﴾ اس میں کھلی نشانیاں ہیں، ابراہیم کا مقام عبادت ہے اور اس کا حال یہ ہے کہ جو اس میں داخل ہوا امن میں آگیا۔ لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو وہ اس کا حج کرے اور جو کوئی اس حکم (کی پیروی) سے انکار کرے تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تمام دنیا والوں سے بے نیاز ہے۔ ﴿97﴾

**تشریح:** ان آیات میں خانہ کعبہ کے سب سے پہلے بننے کا ذکر کیا گیا ہے، یعنی سب سے پہلی عبادت گاہ اور پھر اس کو تمام دنیا کے مسلمانوں کے لیے مقدس و محترم قرار دیا گیا ہے۔ کیونکہ قرآن مجید نے اس کو اول عبادت گاہ کہا ہے، پھر اس کو بہت سی فضیلتیں بھی دی گئی ہیں، مثلاً:

اول کہ وہ دنیا کی تمام سچی عبادت گاہوں میں سے پہلی عبادت گاہ ہے۔

دوسرے یہ کہ وہ برکت والا ہے۔

تیسرے یہ کہ وہ پورے جہان کے لیے ہدایت و رہنمائی کا ذریعہ ہے۔

یہود کا یہ بھی اعتراض تھا کہ مسلمانوں نے بیت المقدس کو چھوڑ کر مکہ میں خانہ کعبہ کو کس طرح قبلہ بنالیا ہے؟ انہی لوگوں کو جواب دیا گیا ہے کہ تمام مقدس مقامات بعد میں تعمیر ہوئے جبکہ خانہ کعبہ سب سے پہلے مکہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے

اللہ کے حکم سے تعمیر کیا۔ اس کے چالیس سال بعد حضرت اسحٰق علیہ السلام نے بیت المقدس کی بنیاد رکھی اور اس کی تکمیل کئی سو سال بعد حضرت داود علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئی سب سے پہلے خانہ کعبہ ہی تعمیر کیا گیا اور شروع سے ہی اللہ نے اس کو ظاہری اور باطنی برکتیں عطا کیں۔ سارے جہان کے لیے اس کو ہدایت کا مرکز بنایا رسول اللہ ﷺ یہیں سے پیغمبر بنائے گئے اور اسلام کا پانچواں رکن حج یہیں پر جا کر ادا کیا جاتا ہے اور نماز پڑھنے کے لیے اسی کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا گیا، یعنی خانہ کعبہ مسلمانوں کے لیے مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ بیت اللہ کی برکت سے مکہ میں بے شمار نشانیاں رکھ دیں۔ یعنی اس کو امن کا شہر بنا دیا جو بھی اس کے اندر آ جائے وہ قتل سے بچ سکتا ہے۔ کیونکہ یہ حرمت والی جگہ کہلاتی ہے اور شہر مکہ میں کھانے، پینے، پہننے اور استعمال کرنے کی ہر وہ چیز موجود ہے جو ترقی یافتہ ممالک میں موجود ہے جبکہ یہاں کچھ بھی پیدا نہیں ہوتا۔ اس شہر کو یہ اللہ کی خاص رحمت، برکت اور فضیلت ہے اور یہ سب خانہ کعبہ کی وجہ سے ہی عطا کیا گیا ہے، پھر لوگوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ جو بھی شخص مال اور صحت کے لحاظ سے اتنی طاقت رکھتا ہو کہ مکہ پہنچ سکے اور حج کے فرائض ادا کر سکے اس پر زندگی میں ایک دفعہ حج ادا کرنا فرض ہے۔ جس کسی کو مال و دولت سے محبت ہوگی اور ایمان پختہ نہ ہوگا وہ حج کرنے سے گریز کرے گا ورنہ جس کا ایمان پکا ہوگا اور اللہ سے سچی محبت رکھتا ہوگا وہ تو ضرور بھاگا ہوا حج کے لیے جائے گا اور حج کا ثواب اسی کو ملے گا ورنہ اللہ تعالیٰ کو تو کسی کے حج کرنے سے کوئی فائدہ نہیں پہنچتا وہ تو تمام جہان کے لوگوں سے بے نیاز ہے۔ کوئی یہودی ہو، نصرانی ہو یا مسلمان ہو۔ عبادت کا فائدہ تو صرف انسان کو خود ہی ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ادائیگی حج میں جلدی کرو، کیونکہ کوئی نہیں جانتا کہ (آئندہ) کیا پیش آئے گا۔'' (احمد)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس نے حج کا ارادہ کیا ہو اسے جلدی کرنی چاہیے۔'' (سنن ابن ماجہ)

## اہل کتاب کا انکار

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿98﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿99﴾

کہو اے اہل کتاب! تم کیوں اللہ کی باتیں ماننے سے انکار کرتے ہو؟ جو حرکتیں تم کر رہے ہو اللہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔ ﴿98﴾ کہو اے اہل کتاب! یہ تمہاری کیا روش ہے؟ کہ جو اللہ کی بات مانتا ہے اسے بھی تم اللہ کے راستے سے روکتے ہو اور چاہتے ہو کہ وہ ٹیڑھی راہ چلے، حالانکہ تم خود گواہ ہو۔ تمہاری حرکتوں سے اللہ غافل نہیں۔ ﴿99﴾

**تشریح:** یہاں یہود و نصاریٰ کا ہی ذکر ہے اللہ رب العزت رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے یہی فرماتے ہیں کہ غلط اور ہٹ دھرم لوگ یہی سمجھے ہوئے ہیں کہ بس زندگی یہی ہے کہ خود بھی غلط راہ پر چلو اور دوسروں کو بھی ادھر ہی چلاؤ۔ اللہ رب العزت

ان کے تمام اعمال اور نیتوں کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں۔ اللہ رب العزت ان کی حالت پر افسوس کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اے نبی ﷺ! ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے۔ سب کچھ ان کو وضاحت سے بتا دیا گیا ہے حق و باطل کو یہ لوگ اچھی طرح جان چکے ہیں، نیکی اور بدی کی تمیز انہیں خوب اچھی طرح کروا دی گئی ہے اور یہ سمجھ بھی گئے ہیں مگر عقل کی خرابی یہ ہے کہ حق کو حق نہیں مانتے اور دوسروں کو بھی حق کے راستے سے ہٹاتے ہیں اور حق ماننے والوں پر پابندیاں لگاتے ہیں۔ ان کو اس بات کا بالکل خیال نہیں کہ اللہ رب العزت ان کے اعمال سے ہرگز غافل نہیں۔ وہ سب کچھ دیکھ رہا ہے تاکہ اعمال کا حساب کتاب کر کے سزا و جزا دے۔

## اہل ایمان کو نصیحت

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ﴿100﴾ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۭ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ
ع 10/10 اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿101﴾

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اگر تم نے اہل کتاب میں سے ایک گروہ کی بات مانی تو یہ تمہیں تمہارے ایمان سے پھر (دوبارہ) کفر کی طرف پھیر لے جائیں گے۔ ﴿100﴾ تمہارے لیے کفر کی طرف جانے کا اب کیسا موقع باقی ہے جب کہ تمہیں اللہ کی آیات سنائی جا رہی ہیں اور تمہارے درمیان اس کا رسول موجود ہے؟ جو اللہ کا دامن مضبوطی سے تھامے گا وہ ضرور راہ راست پا لے گا۔ ﴿101﴾

**تشریح:** ان آیات میں مسلمانوں کو اللہ کی رحمتوں، برکتوں اور فضل و کرم کے بارے میں بتا جا رہا ہے کہ اس نے تمہیں ایمان کی دولت عطا کی اور رسول اللہ ﷺ جو کہ آخری نبی ہیں۔ تمہارے سامنے موجود ہیں تو پھر خبردار! ان یہود و نصاریٰ کی کسی بھی چال میں پھنس کر ایمان کی راہ سے نہ ہٹ جانا۔ اگر تم میں سے کوئی بھی ان کی باتوں میں آ کر ذرا سا بھی پھسل گیا تو یہ بہت خسارہ ہو گا۔ اس لیے اپنے ایمان پر مضبوطی سے قائم رہو اور شیطانوں سے ہوشیار رہو۔ اللہ رب العزت پھر تمہاری ہر صورت ضرور مدد کرے گا۔ بے شک نیکوں کے لیے نیک راستے کھول دیے جاتے ہیں۔

## اسلام ہی زندگی ہے

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿102﴾

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے۔ تم کو موت نہ آئے مگر اس حال میں کہ تم مسلم ہو۔ ﴿102﴾

**تشریح:** اس آیت میں اللہ رب العزت کی عظمت، حکومت اور شان کو بیان کیا گیا ہے کہ جب انسان ہر ہر قدم پر اسی کا محتاج ہے تو پھر کیوں کسی اور سے کوئی بھی امید یا خوف رکھا جائے صرف اسی سے ڈرنا چاہیے جو سب سے زیادہ عزت والا اور اختیار والا ہے۔

اسی کا خوف انسان کی نجات کا باعث بن سکتا ہے اور دنیا و آخرت کی بھلائیاں بھی اسی میں ہیں کہ انسان پوری طرح سے اللہ رب العزت کا فرمانبردار بن جائے۔ زندہ رہے تو مسلمان ہو۔ مرے تو مسلم ہونے کی حالت میں مرے۔

حضرت سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم مجھے اسلام کے بارے میں کوئی ایسی بات بتا دیجئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پھر میں کسی سے اس کے بارے میں سوال نہ کروں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''تو کہہ کہ میں اللہ پر ایمان لایا پھر اس پر ثابت قدم رہو۔'' (صحیح مسلم)

## اللہ کی رسی اور اسلام کی برکات

وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۠ وَاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ وَكُنْتُمْ عَلٰي شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿103﴾

سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو۔ اللہ کے اس احسان کو یاد رکھو جو اس نے تم پر کیا ہے۔ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اس نے تمہارے دل جوڑ دیئے اور اس کے فضل و کرم سے تم بھائی بھائی بن گئے۔ تم آگ کے ایک گڑھے کے کنارے پر کھڑے تھے، اللہ نے تمہیں اس سے بچا لیا۔ اس طرح اللہ اپنی نشانیاں تمہارے سامنے بیان کرتا ہے۔ تاکہ تم ہدایت پاسکو﴿103﴾

**تشریح:** اس آیت میں مسلمانوں کو ایسے اصول بتائے گئے ہیں جن سے وہ متحد اور منظم ہو سکتے ہیں۔ جیسا کہ ''حَبْلُ اللّٰهِ'' اللہ کی رسی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اصل میں تو اس رسی سے مراد قرآن مجید ہے۔ جیسا کہ عبداللہ بن مسعود روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قرآن اللہ تعالیٰ کی رسی ہے جو آسمان سے زمین تک لٹکی ہوئی ہے۔'' (تفسیر ابن کثیر)

مطلب یہ ہے کہ اس رسی کا تعلق ایک طرف اللہ سے ہے اور دوسری طرف اہل ایمان سے جڑا ہوا ہے اور اسی رسی کی مدد سے تمام مسلمان بلندیوں کی طرف رواں دواں ہو سکتے ہیں۔ تمام اختلافات نسلی، قومی اور وطنی صرف اسلام کی بدولت ہی ختم ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ اسلام کے اصول اللہ رب العزت کے بنائے ہوئے اصول ہیں جو کہ انسان کے پیدا ہونے سے لے کر قبر میں جانے تک کے لیے بنا دیئے گئے ہیں۔ ان کا مقابلہ انسان کے بنائے ہوئے اصول ہرگز نہیں کر سکتے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہی ایسی کئی مثالیں گزر چکی ہیں کہ جن قوموں نے اللہ رب العزت کی فرمانبرداری کی وہ کامیاب و کامران ہوئیں اور جنہوں نے اللہ رب العزت کی نافرمانی کی وہ تباہ و برباد ہو گئیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے تین چیزوں کو پسند فرمایا ہے اور تین چیزوں کو ناپسند فرمایا ہے۔

پسندیدہ چیزیں یہ ہیں۔

1 یہ کہ عبادت اللہ کے لیے کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ۔

2 یہ کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کو مضبوطی سے تھامو (اس پر عمل کرو) اور اختلاف سے بچو۔

3 یہ کہ اپنے حکام اور سربراہوں کے حق میں خیر خواہی کا جذبہ رکھو۔

اور تین چیزیں جو اللہ کو ناپسند ہیں۔

1 بے ضرورت نکتہ چینی اور بحث ومباحثہ۔

2 بلاضرورت کسی سے سوال کرنا۔

3 اضاعت مال۔ (ابن کثیر عن ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ)

علامہ اقبال نے بھی اس کی وضاحت یوں کی ہے۔

یہی مقصود فطرت ہے یہی رمز مسلمانی
اخوت کی جہانگیری محبت کی فراوانی

اللہ کے قانون کا یہ مقصد ہے کہ ساری دنیا کے انسان آپس میں پیار ومحبت اور حسن سلوک سے مل جل کر خوبصورت اور مطمئن زندگی بسر کریں، پھر اللہ رب العزت ان گمراہ اور جاہل عربوں کا ذکر کرتے ہیں کہ وہ لوگ کس قدر خراب، پریشان اور بے سکون زندگیاں گزار رہے تھے۔ کیونکہ ان کے درمیان کوئی پیار محبت اور حسن سلوک کا رشتہ نہ تھا۔ وہ لوگ ہر وقت قتل وغارت، دنگا فساد، لوٹ مار اور بغض وعناد میں پھنسے ہوئے تھے۔ اسی کو اللہ رب العزت نے آگ کا گڑھا کہا ہے۔ یہاں اس آگ سے جلنے سے اگر کسی چیز نے ان کو بچایا تو وہ یہی نعمت اسلام تھی۔ یہ آیات جس وقت نازل ہوئی ہیں۔ اس سے تین چار سال پہلے ہی مدینہ کے لوگ مسلمان ہوئے تھے اور اسلام کی اخوت ومحبت کی نعمت سب دیکھ رہے تھے کہ اوس اور خزرج کے وہ قبیلے جو کئی سالوں سے ایک دوسرے سے زبردست دشمنی رکھتے تھے مگر اب آپس میں مل جل کر شیر وشکر ہو چکے تھے اور یہ دونوں قبیلے مکہ سے آنے والے مہاجرین کے ساتھ بے مثال محبت اور ایثار کا برتاؤ کر رہے تھے۔ ایسا اچھا برتاؤ کہ جو ایک خاندان کے لوگ بھی آپس میں نہ کرتے ہوں گے۔ اس سے ظاہر ہوا اللہ تعالیٰ نے اسلام کی برکت سے صدیوں پرانی دشمنی کو دوستی اور محبت میں بدل ڈالا۔ اگر مسلمان متحد ومنظم اور کامیاب وکامران ہونا چاہتے ہیں تو قرآن کو اپنا راہبر بنائیں، یعنی اللہ کی پوری طرح فرمانبرداری کریں اس آیت کے آخر میں اللہ رب العزت نے فرمایا ہے کہ ''اسی طرح اللہ تعالیٰ تم لوگوں کے لیے تمام حقائق بیان کرتا ہے۔ تاکہ تم لوگ ٹھیک راہ پر رہو۔

اسلام کی یہی تعلیمات دنیا کے کونے کونے میں پہنچیں اور اس طرح توحید کی طاقت سے انسان کو انسان کی ہر طرح کی غلامی سے نجات مل گئی اور ہر قسم کے اختلافات ختم ہو گئے۔ کیونکہ اختلافات چاہے گھر میں ہوں، محلے میں ہوں، شہر میں ہوں، ملک میں ہوں یا پوری دنیا میں ہوں۔ زندگیوں کو بے سکون اور جہنم کا نمونہ بنا دیتے ہیں اور اس سے نجات قرآن وسنت پر عمل سے ہی

حاصل ہوسکتی ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی رسی کہا گیا ہے کہ پورے عزم وارادہ سے اللہ کی راہ پر چل پڑو یہی مسلمان کی شان ہے۔

## نیکی اور بدی کا انجام

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿104﴾ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَاُولٰٓئِكَ
لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿105﴾ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ
اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿106﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ
فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿107﴾ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا
لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿108﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿109﴾ ع 11/8/2

تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہونے چاہئیں جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکتے رہیں (جو لوگ یہ کام کریں گے) وہی فلاح پائیں گے۔﴿104﴾ کہیں تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو فرقوں میں بٹ گئے اور کھلی کھلی واضح ہدایات پانے کے بعد پھر اختلافات میں مبتلا ہوئے (جنہوں نے یہ روش اختیار کی) ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔﴿105﴾ جس دن کچھ چہرے سفید ہوں گے اور کچھ لوگوں کا منہ کالا ہوگا، جن کا منہ کالا ہوگا۔ (ان سے کہا جائے گا) نعمت ایمان پانے کے بعد بھی تم نے کافرانہ رویہ اختیار کیا؟ اچھا تو اب اس کفران نعمت کے بدلہ میں عذاب کا مزہ چکھو۔﴿106﴾ رہے وہ لوگ جن کے چہرے روشن ہوں گے تو ان کو اللہ کے دامن رحمت میں جگہ ملے گی اور ہمیشہ وہ اسی حالت میں رہیں گے۔﴿107﴾ یہ اللہ کے ارشادات ہیں جو ہم تمہیں ٹھیک ٹھیک سنا رہے ہیں۔ کیونکہ اللہ دنیا والوں پر ظلم کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔﴿108﴾ زمین و آسمان کی ساری چیزوں کا مالک اللہ ہے اور سارے معاملات اللہ ہی کے حضور پیش ہوتے ہیں۔﴿109﴾

**تشریح:** ان آیات میں اللہ تعالیٰ پھر لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے منع کرتے ہوئے یاد دلاتے ہیں کہ حساب کا دن ضرور یاد رکھو اور جان لو کہ وہ دن ضرور آئے گا اور یہ بھی جان لو کہ بدلہ ملنے میں کسی شخص پر ظلم نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ اللہ تو اپنے بندوں پر ہر وقت رحم و کرم کرنا چاہتا ہے اسی لیے ہر وقت خبردار کرتا ہے کہ دیکھو بھول کر کہیں غلط راستے پر نہ چل پڑنا۔ کیونکہ غلط راہ ہر صورت میں انسان کے لیے نقصان دہ ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، پھر نیکی میں یہ بھی شامل ہے کہ تم چاہے ایک فرد ہو یا ایک جماعت کی شکل میں ہو، ہر وقت اس مہم کو سامنے رکھو کہ جہاں بھی برائی ہوتے دیکھو اس کو ہر صورت روکنے کی کوشش کرو اور نیکی کا حکم ہر صورت دو۔ یہ مسلمان کا سب سے بڑا کام ہے اور ایسے لوگوں کو اللہ رب العزت دُہرا ثواب دیں گے اور پھر اس کام کے لیے علم و حکمت میں ماہر ہونا ضروری ہے الحمد للہ کہ آج کل پاکستان میں اور باہر کے ملکوں میں یوں کہنا ٹھیک ہے کہ ساری دنیا میں ہی

بہت سی ایسی جماعتیں یا گروہ دیکھنے میں آ رہے ہیں جو اس کام کو، یعنی تبلیغ اسلام میں بڑی کوشش اور محنت کر رہے ہیں۔ اللہ رب العزت ان کی مدد فرمائے۔ اللہ رب العزت نے حکم دیا ہے کہ تم مسلمان لوگ ایسے ہرگز نہ ہو جانا جیسا کہ تم سے پہلے یہود ونصاریٰ نے کیا ہے کہ باوجود اس کے ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمام ہدایات آ چکی تھیں مگر انہوں نے پھر بھی گمراہی کے راستے اختیار کیے خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہی کی ترغیب دی تو ایسے ہی لوگوں کے لیے بڑے سخت عذاب کا ذکر کیا گیا ہے۔ اللہ جل شانہ فرماتا ہے کہ ایسے لوگ حشر کے دن سخت مشکل میں ہوں گے، پریشانی اور ندامت کی وجہ سے ان کے چہرے سیاہ ہوں گے اور بڑے عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ ویسے بھی دیکھا جائے تو ایک بدکردار شخص کے چہرے پر برائی کے آثار ظاہر ہونے لگتے ہیں اور اندرونی کشمکش جو برے کاموں کی وجہ سے انسان کے دل ودماغ کو بے سکون کیے رکھتی ہے وہ بھی چہرے پر برے اثرات پیدا کرتی رہتی ہے۔ اس کے برعکس ایک نیک اور اچھے انسان کا چہرہ بڑا پرسکون اور نورانی ہوتا ہے ایسے ہی نیک اور اچھے لوگوں کے بارے اللہ رب العزت نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن ان لوگوں کے چہرے چمک رہے ہوں گے اور وہ لوگ بڑے ہی سکون میں ہوں گے۔ نہ ان کو خوف ہوگا اور نہ ہی کوئی غم۔ اللہ کی رحمتیں اور برکتیں ایسے لوگوں پر ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہونگی۔

یہ سب کچھ بتانے کے بعد اللہ رب العزت پھر تاکید کرتا ہے کہ یہ تمام باتیں جو بتائی گئی ہیں یہ بالکل سچ ہیں۔ ان میں ایک ذرہ برابر بھی شک وشبہ نہیں جیسا کہ شروع میں بتایا گیا ہے کہ اللہ رب العزت اپنے بندوں سے بے حد پیار کرتا ہے۔ اس نے تو زمین وآسمان اور اس کی ہر چیز انسانوں کے لیے ہی پیدا کی ہے اور پھر یہ بھی بتا دیا ہے کہ اس تمام کائنات کا بندوبست بھی اللہ ہی کے ہاتھ میں ہے، ہر چیز، ہر انسان اور اس کی ہر حرکت حتیٰ کہ اس کی نیت سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ اس لیے یہ ممکن نہیں کہ وہ کسی بے گناہ کو سزا دے دے اور کسی گناہ گار کو بہترین انعام دے دے۔ یہ بھول چوک انسان سے تو ہو سکتی ہے مگر اللہ رب العزت سے ہرگز نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اپنے کاموں کو انسان خود بھی دیکھ لے گا اور اس کو خوب اچھی طرح معلوم ہو جائے گا کہ یہ سزا یا جزا جو اس کو دی گئی ہے۔ یہ بالکل ٹھیک دی گئی ہے۔ غلط نہیں دی گئی۔ اس کا ثبوت تھوڑا سا ہمیں ٹیلی ویژن سے بھی مل رہا ہے کہ ہم ایک مدت کے مرے ہوئے انسان کو سکرین پر (جو بھی کردار اس نے ادا کیا تھا) اس کے مرنے کے بعد بھی اسی طرح اس کو دیکھ سکتے ہیں۔ سن سکتے ہیں، ہم تو خیر مسلمان ہیں ہمارا تو یقین ہے کہ قیامت آئے گی بدلہ ضرور ملے گا۔ اللہ کے حضور ہم ضرور پیش کیے جائیں گے۔ لیکن وہ سائنس دان جو ہر چیز کا ثبوت مانگتے ہیں خود ہی ان تمام پیشگوئیوں کے ثبوت اپنے سامنے پیدا کر رہے ہیں۔ اور یوں قرآنی آیات کا برحق ہونا ساری دنیا کے سامنے روز روشن کی طرح ظاہر ہو رہا ہے۔ مسلمان آخرت اور حساب کے دن پر ایمان رکھتا ہے اسی لیے وہ ہر وقت اپنے اعمال پر نظر رکھتا ہے اور کوشش کرتا ہے کہ اللہ اور اسکے رسول پر ایمان رکھتے ہوئے نماز، روزے، امانت، دیانت، پرہیز گاری، پاکبازی، خدا ترسی اور فرض شناسی کو اپنی فطرت کا ایک حصہ بنا لے اور دنیا کی کوئی طاقت اس کو اس بہترین راستہ سے ہٹا نہ سکے۔ ایمان کی روشنی کو دنیا کے ہر کونے میں پہنچا دینے کی پوری کوشش کرے اور یوں دنیا وآخرت میں ترقی اور نجات حاصل کرے۔

## بہترین امت

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ وَلَوْ اٰمَنَ اَهْلُ الْكِتٰبِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُوْنَ وَاَكْثَرُهُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّاۤ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۫ ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

(اب دنیا میں) وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں (کی ہدایت اور اصلاح) کے لیے (میدان میں) لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔ یہ اہل کتاب ایمان لاتے تو انہی کے حق میں بہتر تھا اگرچہ ان میں سے کچھ لوگ ایمان دار بھی پائے جاتے ہیں۔ مگر ان کے اکثر افراد نافرمان ہیں۔ ﴿۱۱۰﴾ یہ تمہارا کچھ بگاڑ نہیں سکتے، زیادہ سے زیادہ بس کچھ ستا سکتے ہیں۔ اگر یہ تم سے لڑیں گے تو مقابلہ میں پیٹھ دکھائیں گے (پھر ایسے بے بس ہوں گے کہ کہیں سے) ان کو مدد نہ ملے گی۔ ﴿۱۱۱﴾

تشریح: جیسا کہ پچھلی آیات میں امت محمدیہ ﷺ کو بہترین امت کا اعزاز دیا گیا ہے۔ کیونکہ یہ اللہ کو ایک مانتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں، برائی سے منع کرتے ہیں، اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ اگر اہل کتاب بھی ایمان لے آتے تو یہ ان کے لیے بہتر اور اچھا ہوتا۔ مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا۔ کچھ لوگ ان میں مومن ہو گئے تھے مگر اکثر فاسق ہی تھے۔ اللہ رب العزت مسلمانوں کو تسلی دیتے ہیں کہ تم اہل کتاب کی تعداد اور ساز و سامان سے مت گھبراؤ۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ یہ لوگ تمہارا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتے سوائے اس کے کہ یہ تمہیں چھوٹی موٹی ایذا پہنچائیں یا زبانی برا بھلا کہیں۔ اگر انہوں نے تمہارے ساتھ لڑائی کا منصوبہ بنایا تو یقین رکھو یہ شکست کھائیں گے اور ذلیل و خوار ہوں گے ایسے کہ کہیں سے بھی ان کو کسی قسم کی مدد نہ ملے گی۔ اس کے برعکس اللہ تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں کامیاب و کامران کرے گا۔ رب العالمین سے دعا ہے کہ ہم مسلمانوں کی ہمیشہ مدد فرمائے اور ہمیں ایسے اچھے کردار کی توفیق عطا فرمائے کہ ہم واقعی بہترین امت کہلانے کے ہمیشہ حق دار بنیں۔ آمین۔

## اہل کتاب پر عتاب الٰہی اور اس کی وجہ

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْۤا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۟ۙ ﴿۱۱۲﴾

یہ جہاں بھی پائے گئے ہیں ان پر ذلت کی مار ہی پڑی، کہیں اللہ کے ذمہ یا انسانوں کے ذمہ میں پناہ مل گئی تو یہ اور بات ہے۔ یہ اللہ کے غضب میں گھر چکے ہیں، ان پر محتاجی مسلط کر دی گئی ہے اور یہ سب کچھ صرف اس وجہ سے ہوا ہے کہ یہ اللہ کی آیات سے کفر

کرتے رہے اور انہوں نے پیغمبروں کو ناحق قتل کیا یہ ان کی نافرمانیوں اور زیادتیوں کا انجام ہے۔ (112)

تشریح: بنی اسرائیل کا ذکر جو بار بار قرآن مجید میں کیا جارہا ہے تو اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ اللہ رب العزت نے ان کو بہت مقبول قوم بنایا تھا مگر وہ صرف اللہ کی نافرمانی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے مسلمان ان سے عبرت حاصل کریں یہ نہ ہو کہ یہ بھی ان کی طرح ذلیل وخوار ہوجائیں۔ ان پر جو کچھ غضب اللہ کی طرف سے نازل ہوا ان کا بیان بہت ہو چکا یعنی مفصل تشریح سبق 431 میں ہو چکی ہے۔ اب اگر دنیا میں ان کو تھوڑا امن ملا ہے تو وہ دوسروں کی مہربانی کی وجہ سے ملا ہوا ہے۔ تھوڑی سی عزت جو ان کو ملی ہوئی ہے تو اپنی وجہ سے نہیں بلکہ دوسروں کی حمایت کی وجہ سے ملی ہوئی ہے۔ ان کا اپنا سب کچھ ختم ہو چکا ہے اگر ان کو کچھ ملا ہوا ہے تو وہ محض ان نیک، صالح اور پاک باز اہل کتاب کی وجہ سے ہے اگلی آیات میں اس کی تفصیل آرہی ہے۔

## نیک اور عبادت گزار اہل کتاب

لَيْسُوْا سَوَآءً ؕ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَآئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَآءَ الَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿113﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿114﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿115﴾

مگر سارے اہل کتاب یکساں نہیں ہیں۔ ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو راہ راست پر قائم ہیں، راتوں کو اللہ کی آیات پڑھتے ہیں اور اس کے آگے سجدے کرتے ہیں۔ (113) اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں، برائیوں سے روکتے ہیں اور بھلائی کے کاموں میں سرگرم رہتے ہیں۔ یہ صالح لوگ ہیں۔ (114) اور جو نیکی بھی یہ کریں گے اس کی ناقدری نہ کی جائے گی اللہ پرہیزگار لوگوں کو خوب جانتا ہے۔ (115)

تشریح: ان آیات میں یہود ونصاریٰ کی ان چھوٹی جماعتوں کا ذکر ہے جو عام اہل کتاب سے ذرا ہٹ کر ہیں ان کی تعریف اللہ رب العزت ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ وہ سیدھی راہ پر قائم ہیں، رات کے وقت خشوع وخضوع سے عبادت کرتے ہیں، سجدے کرتے ہیں، اللہ پر ایمان لاتے ہیں، آخرت پر ایمان لاتے ہیں، نیکی کا حکم دیتے ہیں، برائی سے منع کرتے ہیں اور نیک راستوں کی طرف پوری کوشش اور خلوص ومحبت سے جلدی کرتے ہیں، یعنی کوئی بھی نیک کام اگر ان کو نظر آئے وہ اس کی طرف خوشی سے لپکتے ہیں یہ تمام صفات ایک ایسے گروہ یا انسان کی ہیں جو مضبوطی سے ایمان کی راہ اختیار کرتا ہے۔ آل عمران کی آیت 112 میں اس بات کی وضاحت کی گئی ہے:

''یہ جہاں بھی پائے گئے ان پر ذلت کی مار پڑی، کہیں اللہ کے ذمہ یا انسانوں کے ذمہ (سوائے اس کے کہ اللہ کی طرف سے کوئی عہد ہو یا لوگوں کی طرف سے کوئی عہد ہو) میں پناہ مل گئی تو یہ اور بات ہے۔ یہ اللہ کے غضب میں گھر گئے ہیں اور یہ سب کچھ اس

لیے ہوا کہ یہ اللہ کی آیات سے کفر کرتے رہے۔'' الخ

مندرجہ بالا آیت سے تو یہی ظاہر ہوتا ہے گو کہ اللہ نے ان پر ذلت وخواری مسلط کر دی ہے۔ مگر وہ غفور ورحیم ہے اس (اللہ) نے ایک راستہ اہل کتاب کے لیے یہ کھلا رکھ دیا کہ ان کی نجات اس صورت سے ہو سکتی ہے، یعنی کچھ عزت وسکون ان کو مل سکتا ہے اور وہ ہے۔

''اللہ کی طرف سے کوئی عہد یا بندوں کی طرف سے کوئی عہد۔''

اب ہم پھر آیات 113-114-115 کی طرف آتے ہیں۔ اگر چہ یہود میں بے شمار برائیاں پیدا ہو چکی تھیں، اللہ رب العزت نے ان کو پوری طرح اپنی رحمتوں اور برکتوں سے محروم کر دیا تھا۔ مگر اہل کتاب میں ایک ایسا طبقہ تھا جو مومنین کی صفات رکھتا تھا مثلاً: عبداللہ بن سلام اور ان کے ساتھی یا شاہ حبشہ نجاشی وغیرہ، یعنی انہوں نے اللہ کی رسی کا سہارا لے رکھا تھا تو یہ اللہ سے عہد کی ایک شرط پوری ہوگئی اور دوسری طرف امریکہ کے ساتھ دوستی یہ دوسری شرط پوری ہوگئی یعنی لوگوں سے عہد۔ اسی صورت سے ان کے لیے ایک چھوٹی سی ریاست کا قیام ہو گیا۔ مئی 1949ء میں ارض مقدس فلسطین کے ایک چھوٹے سے قطعہ پر امریکہ کی مدد یا حمایت سے سلطنت اسرائیل قائم ہوگئی۔ یہ سب ان نیک اور صالح لوگوں کی عبادت، تقوی اور دعاؤں کا ہی نتیجہ ہے۔ کیونکہ یہ لوگ ہٹ دھرمی کو چھوڑ کر حق پہچاننے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ قبول حق کی توفیق صرف اسے ہی حاصل ہو سکتی ہے جو ضد چھوڑ دے۔ اللہ پر ایمان لے آئے۔ اللہ کی آیات پڑھے، رات کے وقت سجدے کرے، اللہ اور آخرت پر ایمان لائے، برے کاموں سے بچے، نیک کام کرے اور اللہ کا فرماں بردار بن جائے ایسے لوگوں کو ان کا اجر ضرور ملے گا۔ ایسے ہی لوگ نیک بخت ہیں اور ان کے نیک اعمال کا بدلہ ان کو ضرور دیا جائے گا۔ ان لوگوں کے تمام اعمال اللہ رب العزت کے علم میں ہیں۔ کیونکہ اس سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں اور نہ ہی وہ کسی کی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو بھولتا ہے۔ اسرائیل کو ریاست تو مل گئی ہے۔ لیکن ان کے کام زیادہ تر ابھی بھی وہی پرانے ہی ہیں اور اس وقت مسلمانوں کے سب سے بڑے مخالفین میں سے اہل کتاب (یہودی) بھی ایک ہیں جب اللہ تعالیٰ یہود کا ذکر کرتے ہیں تو اس میں اس نیک طبقہ کا شمار نہیں ہوتا جس کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ یہودی تو بہر حال یہودی ہی ہیں۔ ان سے خبر دار رہنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگلی آیات میں تفصیل بیان کی جاتی ہے۔ بد اعمال لوگوں کی اور ان کے انجام کی۔

## کفار اور ان کا انجام

اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا لَنۡ تُغۡنِىَ عَنۡهُمۡ اَمۡوَالُهُمۡ وَلَاۤ اَوۡلَادُهُمۡ مِّنَ اللّٰهِ شَيۡـئًا‌ ؕ وَاُولٰٓـئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِ‌ۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ‏ ﴿116﴾

رہے وہ لوگ جنہوں نے کفر کا رویہ اختیار کیا تو اللہ کے سامنے ان کو نہ ان کا مال کچھ کام دے گا نہ اولاد۔ وہ تو آگ میں جانے والے

لوگ ہیں اور آگ ہی میں ہمیشہ رہیں گے۔(116)

تشریح: نیک لوگوں کا ذکر کرنے کے بعد اب ان لوگوں کا ذکر کیا جا رہا ہے جو اپنی اولاد، مال و دولت اور عزت و شوکت کے نشے میں اللہ کو بھول جاتے ہیں اور دین و ایمان ان کے دلوں سے بالکل دور ہو جاتا ہے تو ان کو اللہ تعالیٰ خبردار کرتے ہیں کہ یہ مال و دولت، عزت و شوکت اور فخر و غرور عارضی چیزیں ہیں۔ تم مر جاؤ گے اور اپنی بری خصلتوں کا انجام پاؤ گے وہاں نہ تمہارا مال نہ اولاد تمہارے عذاب کو ہلکا کر سکے گا اور عذاب کیا ہوگا؟ جہنم کی آگ ہوگی جس میں تم لوگ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے جلتے رہو گے۔ سورہ حج آیت: 71 میں اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے۔ "یہ (مشرک) لوگ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کی عبادت کر رہے ہیں جن کے لیے نہ تو اللہ نے کوئی سند نازل کی ہے اور نہ ہی یہ خود ان کے بارے میں کوئی علم رکھتے ہیں ان ظالموں کے لیے کوئی مددگار نہیں ہے۔"

## کفار کا نیکی کے کاموں میں خرچ کرنا بیکار ہے

مَثَلُ مَا يُنْفِقُوْنَ فِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيْحٍ فِيْهَا صِرٌّ اَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَاَهْلَكَتْهُ ۭ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ (117)

جو کچھ وہ اپنی اس دنیا کی زندگی میں خرچ کر رہے ہیں۔ اس کی مثال اس ہوا کی سی ہے جس میں پالا ہو اور وہ ان لوگوں کی کھیتی پر چلے جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا ہے اور اسے برباد کر کے رکھ دے۔ اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ یہ خود اپنے اوپر ظلم کر رہے ہیں۔(117)

تشریح: اس مثال کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہوا کھیتوں کے لیے ضروری اور فائدہ مند ہوتی ہے لیکن اگر اسی ہوا میں پالا ہو تو وہ کھیتی کے لیے زہر ثابت ہوتی ہے کیونکہ اس سے فصل تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔ اسی طرح خیرات اگرچہ بڑا اچھا عمل ہے لیکن اگر اس میں کفر کی شمولیت ہو، یعنی خیرات کرنے والا کافر ہے یا تو وہ ریاکار ہے تو وہ خیرات نقصان دہ ثابت ہوگی۔ کیونکہ جو شخص مال دینے والے (اللہ) کو ہی نہیں مانتا تو اس کا دیا ہوا مال وہ خیرات کرتا ہے یا لوگوں سے بدلہ چاہتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس نے اپنے مالک (اللہ) کا مال بغیر اس کی اجازت چرا لیا اور جہاں چاہا یا بغیر اخلاص کے خرچ کر دیا۔ (از تفہیم القرآن)

اس سے یہ ثابت ہوا کہ اس نے چوری بھی کی اور اپنے گناہ میں اضافہ بھی کیا اور یوں مال خیرات کرنے کے ثواب کی بجائے اس نے ظلم کما لیا تو صاف ظاہر ہے کہ اس تمام کام میں کافر نے خود اپنے اوپر ظلم کیا، کیونکہ ایمان کا سیدھا راستہ اس کے سامنے کھلا ہوا تھا مگر اس نے اپنے اوپر ظلم کیا اور سیدھے راستے کی بجائے کفر کا غلط راستہ اپنا لیا۔ اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ اللہ نے تو ظلم سے بچانا چاہا مگر کافر نے اپنے اوپر خود ظلم کر کے کفر کا گناہ اپنے لیے پسند کر لیا۔

# مسلمانوں کا رازدان کون؟ اہل کتاب کا حسد

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوۡا بِطَانَةً مِّنۡ دُوۡنِكُمۡ لَا يَاۡلُوۡنَكُمۡ خَبَالًا ؕ وَدُّوۡا مَا عَنِتُّمۡ ۚ قَدۡ بَدَتِ الۡبَغۡضَآءُ مِنۡ اَفۡوَاهِهِمۡ ۖۚ وَمَا تُخۡفِىۡ صُدُوۡرُهُمۡ اَكۡبَرُ ؕ قَدۡ بَيَّنَّا لَكُمُ الۡاٰيٰتِ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡقِلُوۡنَ ﴿118﴾ هٰۤاَنۡتُمۡ اُولَاۤءِ تُحِبُّوۡنَهُمۡ وَلَا يُحِبُّوۡنَكُمۡ وَتُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡكِتٰبِ كُلِّهٖ ۚ وَاِذَا لَقُوۡكُمۡ قَالُوۡۤا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَوۡا عَضُّوۡا عَلَيۡكُمُ الۡاَنَامِلَ مِنَ الۡغَيۡظِ ؕ قُلۡ مُوۡتُوۡا بِغَيۡظِكُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿119﴾ اِنۡ تَمۡسَسۡكُمۡ حَسَنَةٌ تَسُؤۡهُمۡ ۖ وَاِنۡ تُصِبۡكُمۡ سَيِّئَةٌ يَّفۡرَحُوۡا بِهَا ؕ وَاِنۡ تَصۡبِرُوۡا وَتَتَّقُوۡا لَا يَضُرُّكُمۡ كَيۡدُهُمۡ شَيۡـًٔـا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعۡمَلُوۡنَ مُحِيۡطٌ ﴿120﴾

ع 12 11 3

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اپنی جماعت کے لوگوں کے سوا دوسروں کو اپنا راز دار نہ بناؤ۔ وہ تمہاری خرابی کے کسی موقعہ سے فائدہ اٹھانے سے نہیں چوکتے، تمہیں جس چیز سے نقصان پہنچے وہی ان کو محبوب ہے۔ ان کے دل کا بغض ان کے منہ سے ظاہر ہو چکا ہے اور جو کچھ وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں وہ اس سے شدید تر ہے۔ ہم نے تمہیں صاف صاف ہدایات دے دی ہیں اگر تم عقل رکھتے ہو۔﴿118﴾ تم ان سے محبت رکھتے ہو مگر وہ تم سے محبت نہیں رکھتے، حالانکہ تم تمام کتب آسمانی کو مانتے ہو جب وہ تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم نے بھی مان لیا ہے مگر جب جدا ہوتے ہیں تو تمہارے خلاف ان کے غیض وغضب کا یہ حال ہوتا ہے کہ اپنی انگلیاں چبانے لگتے ہیں۔ ان سے کہہ دو اپنے غصہ میں آپ جل مرو، اللہ دلوں کے چھپے ہوئے راز تک جانتا ہے۔﴿119﴾ تمہارا بھلا ہوتا ہے تو ان کو برا معلوم ہوتا ہے اور تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ خوش ہوتے ہیں مگر ان کی کوئی تدبیر تمہارے لیے نقصان دہ نہیں ہو سکتی بشرطیکہ تم صبر سے کام لو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ جو کچھ یہ کر رہے ہیں اللہ اس پر حاوی ہے۔﴿120﴾

**تشریح:** ان آیات کا شان نزول یہ ہے کہ یہود و منافقین کے شر سے مسلمانوں کو آگاہ کیا جائے۔ واقعہ یہ ہے کہ مدینہ کے اطراف میں یہودی اور ان کے ساتھ اوس وخزرج کے دو قبیلے بھی آباد تھے۔ قریب قریب رہنے کی وجہ سے ان کی آپس میں بہت دوستی تھی یہ دونوں قبیلے مسلمان ہو گئے مگر پرانے تعلقات کی وجہ سے مسلمانوں نے ان سے دوستی پہلے کی طرح ہی قائم رکھی کیونکہ ان کے دل کینے سے پاک تھے مگر اہل کتاب، یعنی یہود کے دل حسد، بغض اور نفرت سے بھرے ہوئے تھے، اس لیے وہ مسلمانوں کی دوستی سے غلط فائدہ اٹھا رہے تھے۔ مسلمان سادگی میں ان سے کئی راز کی باتیں بھی کہہ جاتے تو وہ ان باتوں سے فائدہ اٹھا کر ان کو خوب نقصان پہنچانے کی کوشش کرتے کیونکہ وہ دل کے صاف نہ تھے وہ تو مسلمانوں کی ترقی، خوشحالی اور خوش بختی کو دیکھ کر جل جاتے اور اگر کوئی مصیبت پڑتی تو بے حد خوش ہوتے۔ اللہ رب العزت نے صاف صاف بتا دیا کہ یہ یہودی تمہارے ساتھ ہرگز مخلص نہیں ان کو نہ تو اپنے دوست سمجھو اور نہ ان کو اپنے عزیز، مخلص اور ہمدرد سمجھو، کیونکہ ان کے دل و دماغ تمہارے بھلے کے لیے نہیں نقصان

اور برائی کے لیے بھرے ہوئے ہیں۔ اللہ رب العزت خبردار کرتے ہیں کہ اگر تم عقل مند ہو تو ان سے دور رہو اور بہت محتاط رہو کیونکہ وہ پکے منافق ہیں تمہارے سامنے تمہاری دوستی کا دم بھرتے ہیں مگر جب جدا ہوتے ہیں تو ہر صورت سے تمہیں نقصان پہنچانے اور تکلیف دینے کی تدبیریں کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ظاہر و باطن سے پوری طرح باخبر ہے، اس لیے تمہیں خبردار کررہا ہے کہ تم تو تمام آسمانی کتابوں پر یقین رکھتے ہو مگر یہ لوگ تم سے، تمہارے دین سے اور تمہارے نبی سے بڑی زبردست دشمنی رکھتے ہیں۔ ان سے کہہ دو کہ ہمارے تعلقات تم سے ختم ہو چکے ہیں۔

جب یہ حکم نازل ہوا کہ یہود سے دوستی مت رکھو اور ان کے برے ارادوں سے مسلمانوں کو آگاہ کیا گیا تو مسلمانوں نے سوچا کہ اس طرح تو یہ لوگ اور بھی زیادہ دشمنی پر اتر آئیں گے اس پریشانی سے بچنے کے لیے اللہ رب العزت فرماتا ہے کہ تم ان کی شرارتوں اور خباثتوں سے بالکل محفوظ ہو پورے صبر اور یقین کے ساتھ اور پورے تقویٰ کے ساتھ اپنے کام میں لگے رہو ان سے مت ڈرو صرف اللہ کی ذات سے ڈرو کیونکہ وہی بہترین مددگار ہے اس کے سامنے ان لوگوں کی کیا مجال کہ تمہیں کچھ نقصان پہنچا سکیں۔ اس لیے پورے صبر اور سکون سے اپنے فرائض کی ادائیگی میں مصروف رہو اور ہر دم اللہ سے مدد مانگو اسی پر بھروسہ رکھو اور اسی سے ڈرو وہ ان کی تمام چالوں اور منصوبوں کو خوب اچھی طرح جانتا ہے اور ان کی تدبیر کو بھی اچھی طرح ناکام کرسکتا ہے۔ بس تمہیں چاہیے کہ صبر اور تقویٰ سے کام لو۔ کیونکہ زندگی کے ہر موڑ اور ہر میدان میں مسلمانوں کی فتح و کامیابی اور تمام مشکلات کا حل صبر اور تقویٰ جیسی دو صفتوں میں موجود ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''میں ایک ایسی آیت جانتا ہوں کہ اگر لوگ اس پر عمل اختیار کرلیں تو ان کے دین و دنیا کے لیے وہی کافی ہے آیت یہ ہے ''جو شخص اللہ تعالیٰ سے ڈرے اللہ تعالیٰ اس کے لیے راستہ نکال دیتے ہیں۔'' (معارف القرآن)

مطلب یہ ہوا کہ کسی بھی پریشانی پر ہرگز پریشان نہیں ہونا چاہیے بلکہ اللہ پر بھروسہ رکھ کر دعا کرنی چاہیے اور پورا یقین رکھنا چاہیے کہ ہر کام صرف اور صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر ڈرنا ہی ہے تو اللہ سے ڈرو اور اسی سے دعا کرو۔

## غزوۂ احد و بدر

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿121﴾ اِذْ هَمَّتْ
طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿122﴾ وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ
اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿123﴾ اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ اَنْ
يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿124﴾ بَلٰٓى اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ
فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿125﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى

لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ۭ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ۙ﴿126﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَھُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَاۗىِٕبِيْنَ ﴿127﴾

اے پیغمبر (مسلمانوں کے سامنے اس موقع کا ذکر کرو) جب تم صبح سویرے اپنے گھر سے نکلے تھے اور (احد کے میدان میں) مسلمانوں کو جنگ کے لیے جا بجا مامور کر رہے تھے۔ اللہ ساری باتیں سنتا ہے اور وہ نہایت باخبر ہے۔﴿121﴾ (یاد کرو) جب تم میں سے دو گروہ بزدلی دکھانے پر آمادہ ہو گئے تھے، حالانکہ اللہ ان کی مدد پر موجود تھا اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔﴿122﴾ آخر اس سے پہلے جنگ بدر میں اللہ تمہاری مدد کر چکا ہے، حالانکہ اس وقت تم بہت کمزور تھے، لہٰذا تم کو چاہیے کہ اللہ کی ناشکری سے بچو، امید ہے کہ اب تم شکر گزار بنو گے۔﴿123﴾ یاد کرو جب تم مومنوں سے کہہ رہے تھے کیا تمہارے لیے یہ بات کافی نہیں کہ اللہ تین ہزار فرشتے اتار کر تمہاری مدد کرے؟﴿124﴾ بے شک اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو جس آن دشمن تمہارے اوپر چڑھ آئیں گے اسی آن تمہارا رب پانچ ہزار صاحب نشان فرشتوں سے تمہاری مدد کرے گا۔﴿125﴾ یہ بات اللہ نے تمہیں اس لیے بتا دی ہے کہ تم خوش ہو جاؤ اور تمہارے دل مطمئن ہو جائیں فتح و نصرت جو کچھ بھی ہے اللہ کی طرف سے ہے جو بڑی قوت والا دانا اور بینا ہے۔﴿126﴾ (اور یہ مدد وہ تمہیں اس لیے دے گا) تاکہ کفر کی راہ چلنے والوں کا ایک بازو کاٹ دے، یا ان کو ایسی ذلیل شکست دے کہ وہ نامرادی کے ساتھ پسپا ہو جائیں۔﴿127﴾

**تشریح:-** گزشتہ آیات میں بیان ہوا تھا کہ اگر مسلمان صبر اور تقویٰ پر مضبوطی سے قائم رہیں تو دنیا کی کوئی طاقت ان کو کسی قسم کا نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ غزوۂ احد کی معمولی شکست اور تکلیف کا بیان اس لیے کیا گیا ہے کہ اس میں مسلمانوں نے صبر اور تقویٰ میں کمزوری دکھائی تھی اور اسی کمزوری اور کوتاہی کی سزا ان کو فوراً مل گئی۔ اور غزوۂ بدر کی جیت کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ شروع میں غزوۂ احد کے لیے نبی اکرم ﷺ کا صبح نکلنا، میدان جنگ میں اپنی فوج کو ترتیب دینا، فوج کو مناسب جگہوں پر بٹھانا اور میدان جنگ کا نقشہ درست کرنا یہ سب ذکر کیا گیا ہے۔ صرف جنگ احد کی یاد دہانی کے لیے غزوۂ احد شوال 3ھ کا واقعہ ہے۔ ہوا اس طرح کہ قریش مکہ تین ہزار کا لشکر لے کر مدینہ پر حملہ آور ہونے کے لیے چل پڑے۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام سے مشورہ کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ شہر سے باہر نکل کر احد کے پہاڑ کے دامن میں مقابلہ کے لیے فوج کو اتارا جائے۔ ایک ہزار کا لشکر مسلمانوں کا میدان جنگ کی طرف روانہ ہو گیا مگر راستہ میں عبداللہ بن اُبی اپنے تین سو منافق ساتھیوں کے ساتھ لشکر سے علیحدہ ہو گیا تب اسلامی جھنڈا حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو دے دیا گیا اور جو مسلمان بغیر زرہ کے تھے ان کو حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کی کمان میں رکھا گیا۔ پچاس تیر اندازوں کو حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کی نگرانی میں پہاڑی کے درہ پر متعین کیا گیا۔ ان کو یہ حکم تھا کہ فتح ہو یا شکست تم نے اس درے کو ہرگز نہیں چھوڑنا۔ ان تیاریوں کے ساتھ کفار اور مومنین کا یہ زبردست معرکہ شروع ہوا۔ مسلمان صرف 700 اور کفار تین ہزار تھے اس پر بنو

حارثہ اور بنو سلمہ کے لوگ گھبرا گئے مگر رب دو جہاں نے مسلمانوں کے دلوں کو یوں مضبوط کیا کہ وہ جذبہ ایمانی میں تعداد وغیرہ کا فرق بھول گئے اور توکل اور جوش ایمانی کے جذبہ سے سرشار یوں میدان میں اترے کہ کفار کے حوصلے پست ہو گئے اور وہ میدان جنگ سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ ان کو بھاگتے ہوئے دیکھا تو درے کے پاس تیز انداز اپنی جگہ چھوڑ کر مال غنیمت اکٹھا کرنے کے لیے میدان میں اتر آئے۔ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کفار کے لشکر کی قیادت کر رہے تھے وہ بڑے عقلمند کمانڈر تھے انہوں نے جیسے ہی درہ کو خالی دیکھا فوراً اپنے دستہ کے ساتھ پیچھے سے مسلمانوں پر زبردست حملہ کر دیا یہ حملہ بڑا اچانک تھا اس لیے مسلمانوں میں بھگدڑ مچ گئی اور فتح شکست میں بدل جانے کے آثار ہو گئے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی خبر پھیل گئی جس کی وجہ سے مسلمان اور بھی بدحواس ہو گئے، لیکن جلد ہی مسلمان دوبارہ اکٹھے ہو گئے اور انہوں نے اللہ کی مدد سے قریشی بہادروں کو مار بھگایا اور یوں ایک دفعہ پھر شکست فتح میں تبدیل ہو گئی، یوں اس غزوہ کی بدولت مسلمانوں کو یہ سبق دیا گیا کہ تعداد اور ساز و سامان فتح کے لیے ضروری نہیں ہوتا، بلکہ صبر تقویٰ، تنظیم، اتحاد، یقین اور اللہ پر مکمل بھروسہ فتح و کامیابی کی بہت بڑی وجوہات ہیں۔ علامہ اقبال نے کچھ یوں فرمایا ہے۔

جب اس انگارہ خاکی میں ہوتا ہے یقین پیدا
تو کر لیتا ہے یہ بال و پر روح الامین پیدا

یعنی جب انسان جو مٹی کا بنا ہوا ہے اور جس کو اللہ نے اپنی قدرت سے زندگی عطا کر دی ہے اپنے اندر یقین و ایمان پیدا کر لیتا ہے اور اللہ رب العزت پر اس کا اعتماد پختہ ہو جاتا ہے تو پھر اس میں بے پناہ قوت پیدا ہو جاتی ہے اور اس میں فرشتوں والی خصوصیات پیدا ہو جاتی ہیں اور وہ اس بے پناہ طاقت سے عرش کو چھونے کے قابل ہو جاتا ہے۔ اسی لیے تو اللہ رب العزت نے بھی فرمایا ہے کہ "مومن اللہ ہی پر بھروسہ کریں۔" اسی طرح نصرت الٰہی، یعنی اللہ تعالیٰ کی مدد غزوۂ بدر کے واقعہ سے بڑی اچھی طرح واضح ہو چکی ہے۔

یہ واقعہ اس طرح سے ہوا کہ مسلمان ابھی ابتدائی حالات میں ہی تھے کہ بدر کا واقعہ پیش آیا۔ بدر مدینہ کے جنوب مغرب میں کوئی بیس میل کے فاصلے پر ایک منڈی ہے۔ اس غزوہ کی اہمیت بھی اسی وجہ سے ہے کہ 17 رمضان 2ھ کو مکہ سے ایک ہزار کا زبردست لشکر مسلمانوں پر حملہ آور ہوا۔ اس وقت مسلمان صرف تین سو تیرہ تھے اور اسلحہ بھی بہت کم تھا۔ مگر اللہ کی مہربانی اور مدد سے مسلمانوں نے فتح و کامیابی حاصل کی اور یہ کامیابی بھی مسلمانوں کی صبر و استقامت اور توکل علی اللہ کا واضح ثبوت ہے۔ جیسا کہ اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

"اور اللہ بدر میں تمہاری مدد کر چکا ہے، حالانکہ تم کمزور تھے سو اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم شکر گزار رہو۔"

آیت 123 آل عمران میں اس غیبی مدد کا ذکر کیا گیا ہے جو اللہ رب العزت نے فرشتوں کی صورت میں بدر کی جنگ میں بھیجی اور یہ صرف اس لیے بھیجی گئی کہ اس وقت مسلمان تقویٰ، صبر و استقلال پر قائم، نافرمانی سے بچتے اور اللہ پر بھروسہ رکھتے تھے لہٰذا رب

العالمین نے پانچ ہزار فرشتے مسلمانوں کی مدد کے لیے میدان جنگ میں اتار دیئے اور یوں مسلمانوں کو بدر کے غزوۂ میں زبردست فتح حاصل ہوئی۔ 70 کافر قتل ہوئے، 70 قیدی ہوئے اور باقی ذلیل وخوار ہو کر واپس لوٹ گئے۔ بدر کا یہ واقعہ حق وباطل کا بہت بڑا معرکہ تھا جو کہ مسلمانوں کی تاریخ کا بہت بڑا اور شاندار واقعہ بن چکا ہے، اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ یہ سب مدد مسلمانوں کو صرف اس لیے دی گئی تا کہ مسلمانوں کے دل مضبوط ہو جائیں ورنہ اللہ تعالیٰ کی قدرت ان ظاہری اسباب کی ہرگز محتاج نہیں وہ تو اپنی قدرت سے ویسے ہی سب کچھ کر سکتا ہے، کیونکہ اللہ غالب اور زبردست ہے وہ خوب جانتا ہے، بڑی حکمت والا ہے یہ اسی کے علم میں ہے کہ کس کی مدد کیسے کرنی ہے۔ انسان کے خیال میں اسباب کے بغیر کوئی نتیجہ ظاہر نہیں ہو سکتا، حالانکہ حقیقت یہی ہے کہ ان اسباب کے پیچھے بھی تو قدرت الٰہی ہی کام کر رہی ہے۔ تمام اسباب کے پیچھے اللہ کا ہی ہاتھ ہوتا ہے۔ اللہ فرماتا ہے:

''وہ اللہ جو پاک ہے اور بہت بالا واعلیٰ ہے ان باتوں سے جو یہ لوگ کہتے ہیں۔ اس کی پاکی تو ساتوں آسمان، زمین اور وہ ساری چیزیں بیان کر رہی ہیں جو آسمان وزمین میں ہیں۔ مخلوقات میں کوئی بھی چیز ایسی نہیں جو اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح نہ کر رہی ہو، البتہ تم لوگ ان کی تسبیح کو نہیں سمجھتے، بے شک وہ بڑا ہی بردبار اور درگزر کرنے والا ہے۔'' (آیت 17 سورۂ بنی اسرائیل)

## اللہ کا اختیار

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَٰلِمُونَ ﴿128﴾ وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمَٰوَٰتِ
ع 13/9/4 وَمَا فِي الْأَرْضِ ۚ يَغْفِرُ لِمَن يَشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَآءُ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿129﴾

(اے پیغمبر ﷺ) فیصلہ کے اختیارات میں تمہارا کوئی حصہ نہیں، اللہ کو اختیار ہے چاہے انہیں معاف کرے، چاہے سزا دے، کیونکہ وہ ظالم ہیں۔ ﴿128﴾ زمین وآسمان میں جو کچھ ہے اللہ کے لیے ہے، جس کو چاہے بخش دے اور جس کو چاہے عذاب دے، وہ معاف کرنے والا، رحم والا ہے۔ ﴿129﴾

**تشریح:** غزوۂ احد میں جب نبی کریم ﷺ زخمی ہو گئے تو آپ ﷺ کے منہ سے بددعا نکل گئی اور آپ ﷺ نے فرمایا: وہ قوم کیسے فلاح پا سکتی ہے جو اپنے نبی کے چہرے کو زخمی کر دے۔ یہ آیات اسی کے جواب میں نازل ہوئی ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ یہ نہ چاہتے تھے کہ آپ ﷺ بددعا دیں تو اللہ رب العزت نے فرمایا کہ انسان کو اللہ کے کاموں کا بالکل علم نہیں اور نہ ہی کوئی اختیار حاصل ہے۔ یہ علم اور اختیار صرف اللہ کو حاصل ہے کہ وہ جسے چاہے عذاب دے اور جسے چاہے ہدایت دے ہر اختیار اللہ کے ہاتھ میں ہے جسے چاہے ایمان کی توفیق دے کر بخش دے اور جسے چاہے کفر کی سزا میں پکڑ لے۔ ویسے اللہ واحد کی یہ دونوں صفات، یعنی رحم کرنا اور بخش دینا باقی تمام صفات سے زیادہ عام ہیں کیونکہ وہ اپنے بندوں سے بے حد پیار کرتا ہے اور وہ بندے کو دیکھتا رہتا ہے، جب بندے کی نافرمانی اور بدعملی انتہا سے بڑھ جائے تو پھر اس کی پکڑ کرتا ہے۔ جیسا کہ چند دنوں کے بعد ان میں سے بے شمار لوگوں کو

اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کے قدموں میں لا ڈالا اور ان کو اسلام کے بہترین سپاہی بنا دیا جیسا کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ غزوۂ احد میں ابھی اسلام نہ لائے تھے اور کفار کے سپہ سالار تھے اور بعد میں اسلام قبول کر کے بہترین جنگ جو اور نامور سپہ سالار کی حیثیت سے سامنے آئے۔ ان آیات میں یہ سبق دیا گیا ہے کہ ایک تو ہمیشہ صبر وتحمل سے کام لینا چاہیے دوسرے اللہ معاف کرنے والا ہے اور معاف کرنے والے بندوں کو بے حد پسند کرتا ہے، اس لیے کبھی بھی کسی کے لیے بددعا نہیں کرنی چاہئے، سزا دینا اور بدلہ لینا اللہ کا کام ہے۔

## سود کی ممانعت، بدی کی سزا، نیکی کی جزا

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿130﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿131﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿132﴾ وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿133﴾

اے ایمان والو! یہ بڑھتا اور چڑھتا سود کھانا چھوڑ دو اور اللہ سے ڈرو، تاکہ تم فلاح پاؤ۔ ﴿130﴾ اس آگ سے بچو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ ﴿131﴾ اور اللہ کی اطاع کرو اور رسول کی اطاعت کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے گا۔ ﴿132﴾ دوڑ کر چلو (اس راہ پر جو) تمہارے رب کی بخشش اور جنت کی طرف جاتی ہے جس کی وسعت زمین اور آسمانوں جیسی ہے جو پرہیزگاروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔ ﴿133﴾

تشریح: پچھلی آیات میں غزوۂ احد و بدر کا ذکر کیا گیا اور فوراً سود کا ذکر آ گیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دونوں لڑائیوں میں یہودیوں کا کافی عمل دخل تھا اور ان کے ساتھ مسلمانوں کا سودی لین دین چل رہا تھا تو اللہ رب العزت نے اس تعلق سے منع کر دیا، تاکہ اس تعلق کی وجہ سے بعد میں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔ ویسے تو سود کے موضوع پر سورۂ بقرہ میں بڑی وضاحت سے بیان کیا جا چکا ہے، یہاں پھر کہا جا رہا ہے کہ سود بڑی بُری لعنت ہے، اس کو چھوڑ دینا چاہئے، ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اس سے بچنا چاہئے، اللہ سے ڈرنا چاہیے کیونکہ اسی میں انسان کے لیے نجات، بخشش اور کامیابی ہے اور حکم دیا گیا ہے کہ اس آگ سے ڈرو جو کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے اور ہر وقت اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کرتے رہو اسی میں تمہاری نجات ہے اور ہر وقت نیکی، پاکبازی اور ایمان کی طرف لپکتے رہو کیوں کہ انسان کی فلاح اسی میں ہے اور ایسے ہی پرہیزگاروں کے لیے اللہ رب العزت نے جنت بنا رکھی ہے، جس کا عرض یعنی چوڑائی بہت زیادہ ہے، یوں سمجھ لو کہ زمین اور آسمانوں کے برابر وسیع وعریض ہوگی۔ جہنم تو نافرمانوں کے لیے ہے جب کہ جنت فرمانبرداروں کے لیے ہے۔ یہ اعلان کئی دفعہ قرآن مجید میں کیا جا چکا ہے تاکہ لوگ خبردار ہو جائیں اور اللہ اور رسول ﷺ کے احکامات کی پابندی کریں۔ سورۂ آل عمران آیت 164 میں اللہ فرماتا ہے: ''وہ (آنحضرت ﷺ) تلاوت کرتے ہیں ان پر اس (اللہ) کی آیات اور تزکیہ کرتے ہیں ان کا اور تعلیم دیتے ہیں ان کو کتاب اور حکمت کی۔''

تو ظاہر ہوا کہ اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت ہی جنت کا وارث بنا سکتی ہے اور نافرمانی دوزخ میں لے جائے گی۔ جنت اور دوزخ کیا ہیں؟ جناب سلطان بشیر محمود صاحب اپنی کتاب ''قیامت اور حیات بعد الموت'' میں لکھتے ہیں:

''سوچنے کی بات ہے کہ آنے والی کائنات کے بڑے بڑے علاقے جنت، دوزخ اور اعراف ہیں اور ان میں سے اکیلی ایک جنت ہی موجودہ تمام کائنات سے بڑی ہے اس لحاظ سے نئی کائنات کی تمام تر وسعت کا اندازہ لگانا انسانی عقل سے باہر ہے۔ خاص طور سے جب یہ سوچیں کہ موجودہ نظام قدرت ہی انسانی عقل کو حیران کرنے کے لیے کافی ہے۔''

مزید لکھتے ہیں کہ ''مسلمان سائنس دانوں کے لیے ضروری ہے کہ ان حقائق کو اپنی حساب دانی (علم) سے ثابت کر کے انسانیت کو راہ دکھائیں۔'' مزید لکھتے ہیں کہ ''منفی اور مثبت کائنات کا نظریہ قرآن کے جوڑوں میں پیدائش'' والے قانون سے ثابت ہوتا ہے سورہ یٰسین آیت 36 میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں پاک ہے وہ اللہ جس نے سب چیزوں کو جوڑوں میں پیدا کیا وہ تمام جو زمین سے پیدا ہوتے ہیں اور خود انسان کی اپنی ذات اور ان تمام چیزوں میں جن کا انہیں کوئی علم نہیں۔''

اسی طرح کائنات اور انٹی کائنات کا نظریہ بھی سائنسی حلقوں میں جانا پہچانا نظریہ ہے اور کہا جاتا ہے کہ اگر ہماری اس کائنات کا کہیں منفی جوڑا موجود ہے تو پھر ان دونوں کی قیامت کے لیے کسی لمبے چوڑے حساب کی ضرورت نہیں۔ جیسے ہی قریب ہوں گے اچانک ایک آواز آئے گی اور پھر کچھ باقی نہ رہے گا۔'' مزید لکھتے ہیں۔ کائنات کا آغاز اس کی انتہاء اور پھر نئے سرے سے آغاز، یہ سبھی ایک ہی خالق کی تخلیق ہیں اور یہ سب کچھ اللہ کے مقرر شدہ اندازے کے تحت ہو رہا ہے موجودہ نظام کا خاتمہ اتنا ہی ضروری ہے جیسے اس کی بنیاد ضروری تھی۔ دراصل یہ خاتمہ نہیں بلکہ ایک نئی کائنات کی ابتداء ہوگی، جو موجودہ کائنات سے بہت بڑی اور شاندار ہوگی اور موجودہ کائنات میں رہنے والوں کا گھر ہوگی۔''

سورہ آل عمران کی آیت 133 جس کی تشریح ہم کر رہے ہیں اس سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ موجودہ زمین و آسمان کی جگہ نئے زمین و آسمان ہوں گے اور وہ ان سے بے حد بڑے، لمبے اور چوڑے ہوں گے۔ آنے والے جہان میں انسانی وجود کس شکل میں ہوگا؟ اس کا جواب قرآن کی روشنی میں تو یہی ملتا ہے کہ وہ جہان بھی زندگی سے بھرپور ہوگا، اس کی جنت اور جہنم زندہ انسانوں کے رہنے کی جگہ ہوگی۔ جنت راحت، آرام، خوشیوں اور بے شمار آسانیوں کی شاندار جگہ ہوگی جو نیکوکار، پرہیزگار اور اللہ سے ڈرنے والوں کو دی جائے گی، جبکہ جہنم، آگ سے بھڑکتا ہوا، خوفناک، بدترین اور تکلیف دہ ٹھکانہ ہوگا جو موجودہ دنیا کے بدکار، نافرمان، کافر، جھوٹے، منافق، فسادی، قاتل اور برے لوگوں کا گھر ہوگا اور پھر اللہ رب العزت نے بار بار فرمایا ہے کہ جنت کا ٹھکانہ اور دوزخ کا ٹھکانہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہوگا۔ کتنی آسان بات ہے کہ ہم ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی زندگی کے لیے اس دنیا کی ختم ہو جانے والی زندگی کو نیکی کے راستوں پر چل کر گزار دیں دوسروں کو بھی نیکی کی ہدایت کریں اور برائی سے منع کریں۔ اللہ جل شانہٗ ہمیں اس کی توفیق دے اور ہماری نیکیوں کو قبول کر کے جنت میں جگہ دے۔ آمین۔

# نیک لوگوں کی صفات

الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿134﴾ وَالَّذِيْنَ إِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوْٓا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ
وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ إِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿135﴾ أُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ
مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿136﴾

وہ ان لوگوں کے لیے بنائی گئی ہے جو ہر حال میں اپنے مال خرچ کرتے ہیں، خواہ بدحال ہوں یا خوش حال، جو غصہ کو پی جاتے ہیں اور دوسروں کے قصور معاف کر دیتے ہیں، ایسے نیک لوگ اللہ کو بہت پسند ہیں۔﴿134﴾ (اور جن کا حال یہ ہے کہ) اگر کبھی کوئی فحش کام ان سے سرزد ہو جاتا ہے یا کسی گناہ کا ارتکاب کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو معاً انہیں یاد آ جاتا ہے اور اللہ سے وہ اپنے قصوروں کی معافی مانگتے ہیں، کیونکہ اللہ کے سوا اور کون ہے جو گناہ معاف کر سکتا ہے اور وہ دیدہ دانستہ اپنے کیئے پر اصرار نہیں کرتے۔﴿135﴾ ایسے لوگوں کی جزا ان کے رب کے پاس یہ ہے کہ وہ ان کو معاف کر دے گا اور ایسے باغوں میں انہیں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ کیسا اچھا بدلہ ہے نیک عمل کرنے والوں کے لئے۔﴿136﴾

**تشریح:** پچھلی آیات میں جنت کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ نیک اور صالح لوگوں کے لیے بنائی گئی ہے ان آیات میں نیک اور صالح انسانوں کی صفات بیان کی گئی ہیں۔ متقی انسان کی صفات یہ ہیں۔

1- وہ امیر ہوں یا غریب، خوشحال ہوں یا تنگ حال اپنا مال اور طاقت اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔
2- غصہ پی جاتے ہیں اور قوی تر شخص وہ ہے جو غصہ کے وقت اپنے اوپر قابو پا لے۔
3- وہ خطا کرنے والے کو معاف کر دیتے ہیں وہ جانتے ہیں اللہ معاف کرنیوالا ہے اور وہ معاف کرنے والوں کو بے حد پسند کرتا ہے۔
4- وہ احسان کر کے جتاتے نہیں۔
5- اگر وہ بھول کر سے کوئی گناہ کر بیٹھیں تو فوراً اللہ سے معافی مانگ لیتے ہیں۔
6- جانتے بوجھتے اپنی غلطی پر مصر نہیں ہوتے بلکہ گناہ کو چھوڑ دینا ان کی صفت ہے۔

یہ تمام صفات جس انسان میں ہوں وہ اللہ کے نزدیک بہترین انسان ہے۔ اللہ رب العزت ایسے لوگوں سے بے حد خوش ہوتے ہیں اور ایسے لوگوں کے لیے نیک اعمال کی وجہ سے جنت میں بہترین ٹھکانے کا بندوبست اللہ نے کر رکھا ہے۔ جنت کہ جس کی تعریف کئی دفعہ قرآن پاک میں آ چکی ہے اور یہ وعدہ بھی اللہ نے کر رکھا ہے کہ یہ ٹھکانا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہوگا۔ کیونکہ آخرت کی زندگی نہ ختم ہونے والی ہوگی۔

## عبرت حاصل کرنے کی تاکید

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ ۙ فَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَانْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ﴿137﴾
هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿138﴾

تم سے پہلے بہت سے دور گزر چکے ہیں، زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ ان لوگوں کا کیا انجام ہوا؟ جنہوں نے اللہ کو جھٹلایا۔ ﴿137﴾ یہ لوگوں کے لیے صاف تنبیہ ہے اور جو اللہ سے ڈرتے ہیں ان کے لیے ہدایت اور نصیحت ہے۔ ﴿138﴾

تشریح: تم سے پہلے بہت سے لوگ گزر چکے ہیں۔ ان میں اچھے بھی تھے اور برے بھی۔ تمام قوموں کا ذکر اور ان کا انجام قرآن میں بڑی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔ تاکہ ان واقعات سے عقل مند لوگ نصیحت حاصل کریں اور اس طرح اپنی اصلاح کر سکیں قرآن مجید لوگوں کے لیے نصیحت، ہدایت اور عبرت کا سبق لے کر آیا ہے۔ اس میں گزشتہ قوموں کا جو ذکر کیا گیا ہے تو وہ صرف قصہ کہانی کے لیے نہیں کیا گیا، بلکہ وعظ و نصیحت اور عبرت دلانے کے لیے بیان کیا گیا ہے۔ نیک لوگ اس سے فائدہ حاصل کرتے ہیں اور اپنے اعمال کو اور بھی زیادہ اچھا بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔

## عارضی شکست اور مسلمانوں کا غلبہ

وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿139﴾ اِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهٗ ۭ وَتِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ۙ ﴿140﴾ وَلِيُمَحِّصَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَمْحَقَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿141﴾
اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿142﴾

دل شکستہ نہ ہو، غم نہ کرو، تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔ ﴿139﴾ اس وقت اگر تمہیں زخم لگے ہیں تو اس سے پہلے ایسے ہی زخم تمہارے مخالف فریق کو بھی لگ چکے ہیں یہ تو زمانے کے نشیب و فراز ہیں جنہیں ہم لوگوں کے درمیان گردش دیتے رہتے ہیں تم پر یہ وقت اس لیے لایا گیا کہ اللہ دیکھنا چاہتا تھا کہ تم میں سچے مومن کون ہیں؟ اور تم میں سے کچھ لوگوں کو درجہ شہادت دینا چاہیے تھا، کیونکہ ظالم لوگ اللہ کو پسند نہیں ہیں۔ ﴿140﴾ اور وہ اس آزمائش کے ذریعے سے مومنوں کو الگ چھانٹ کر کافروں کی سرکوبی کر دینا چاہتا تھا۔ ﴿141﴾ کیا تم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ یونہی جنت میں چلے جاؤ گے، حالانکہ اللہ نے ابھی یہ تو دیکھا ہی نہیں کہ تم میں کون وہ لوگ ہیں جو اس کی راہ میں جہاد کرنے والے اور (اس کی خاطر) صبر کرنے والے ہیں۔ ﴿142﴾

تشریح: ان آیات میں اللہ رب العزت مسلمانوں کو تسلی دیتے ہیں کہ احد کی جنگ میں اگر تمہیں نقصان پہنچا ہے تو فکر نہ کرو اگر تم

اللہ وحدہ لاشریک کے فرمانبردار بن کر رہو گے تو یقین رکھو رب العالمین تمہیں ضرور فتح عطا کرے گا اور اللہ رب العزت نے فرمایا کہ زندگی نام ہے دکھ اور سکھ کا کیونکہ اللہ کے اس کام میں بڑی حکمتیں پوشیدہ ہیں۔ اگر تمہیں نقصان ہوا ہے تو کافروں کو بھی بے حد نقصان اٹھانا پڑا ہے اگر وہ اپنے کفر پر جمے ہوئے ہیں تو تم کیوں ہمت ہار رہے ہو؟ ایمان کو مضبوط رکھو اور دکھ پریشانی سے ہرگز نہ گھبراؤ۔ اللہ پر بھروسہ رکھو کیونکہ تمہارے پاس تو توکل کا بہت بڑا ہتھیار موجود ہے یاد رکھو اللہ ظالموں کو ہرگز پسند نہیں کرتا۔ یہ جو مصیبت تم پر پڑی ہے تو یہ صرف اس لیے کہ اللہ رب العزت تم میں سے سچے اور پکے مسلمانوں کو چھانٹ لینا چاہتا تھا اور تمہیں یہ سبق دینا چاہتا تھا کہ نافرمانی سے نقصان اٹھانا پڑتا ہے اور پھر نقصان سے گھبرا کر ایمان کی کمزوری دکھانی مومن کی شان کے خلاف ہے۔ مومن تو وہی ہے جو اللہ جل شانہ کی محبت میں جان و مال اور اولاد سب کچھ قربان کر دے۔ تو جو اس کی آزمائش میں پورے اترے ہو تو تمہیں رب ضرور کامیاب و کامران کرے گا اور کافروں کو مٹا دے گا۔ جنت حاصل کرنا آسان کام نہیں، اس کے لیے بڑے صبر اور امتحان سے گزرنا پڑتا ہے۔ رب دو جہاں خوب اچھی طرح چھانٹ پھٹک کر جنت میں بلند و بالا درجات دے گا۔ شہداء اور صابرین کے درجات اللہ کے پاس بہت بلند ہیں اور دنیا میں بھی ان کو آزمائش کے بعد بے حد عزت واحترام حاصل ہوتا ہے۔

## مرنے کی آرزو

14 ع 14 5

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۖ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿143﴾

تم تو موت کی تمنائیں کر رہے تھے مگر یہ اس وقت کی بات تھی جب موت سامنے نہ آئی تھی لو اب وہ تمہارے سامنے آ گئی اور تم نے اسے آنکھوں سے دیکھ لیا۔ ﴿143﴾

**تشریح:** اس آیت میں اللہ رب العزت ان صحابہ کرام کا ذکر کرتے ہیں جو کسی وجہ سے غزوۂ بدر میں شامل نہ ہو سکے تھے تو وہ تمنا کرتے رہے کہ کاش پھر ایسا موقع آئے کہ ہم بھی اللہ کی راہ میں جان دے کر شہادت کا رتبہ حاصل کر سکیں۔ اللہ تعالیٰ ان صحابہ کرام کو مخاطب کرتے ہیں کہ لو اب جہاد تمہارے سامنے موجود ہے۔ آگے بڑھو اور باطل کے ساتھ پوری قوت اور بہادری سے ٹکرا جاؤ اور اپنا شوق شہادت پورا کر لو۔ سچا مسلمان تو وہ ہے جو جیتا ہے تو رب کے لیے مرتا ہے تو رب کے لیے۔ علامہ اقبال نے کیا تعریف کی ہے مرد مسلمان کی۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

مطلب یہ ہے کہ اقبال اللہ کے ان سپاہیوں کی تعریف کرتے ہیں کہ جنہوں نے تھوڑے ہی عرصہ میں بے شمار کامیابیاں حاصل کیں اللہ کے یہ سپاہی دنیا کی ہر نعمت سے بے نیاز صرف شہادت کے خیال میں ڈوب کر اللہ کے دشمنوں سے بے جگری سے لڑتے تھے۔ ان

کا مقصد مال غنیمت اور ملکوں کو فتح کرنا نہیں بلکہ اللہ کا نام بلند کرنا اور شرک کو مٹانا ان کا مقصد تھا۔ ایسے ہی لوگوں کے لیے اللہ رب العزت نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔

## حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول الٰہی

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ىِٕنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰي عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَـيْــــًٔا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿144﴾

محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے سوا کچھ نہیں کہ بس ایک رسول ہیں، ان سے پہلے اور رسول بھی گزر چکے ہیں، پھر کیا اگر وہ مر جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم لوگ الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ یاد رکھو جو الٹا پھرے گا وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا، البتہ جو اللہ کے شکر گزار بندے بن کر رہیں گے انہیں وہ اس کی جزا دے گا۔﴿144﴾

تشریح: اس آیت میں پھر غزوۂ احد کا ہی ذکر کیا گیا ہے۔ غزوۂ احد بہت سی حکمتوں اور عبرتوں کا سبب بنا اسی لیے اس کا ذکر بار بار مختلف موضوعات کے تحت کیا جا رہا ہے۔ جیسا کہ اس آیت میں یہ حکمت کی بات بتائی گئی ہے کہ جب غزوۂ احد میں باقی بہت نقصان ہوا اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہو گئے، بے ہوش ہو گئے جس پر لوگوں نے مشہور کر دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ اس خبر نے مسلمانوں کو اور بھی پریشان کر دیا اور انہوں نے سوچا اب تو ہمارا جینا یا ہمارا ایمان پر قائم رہنا بے کار ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھ کھڑے ہوئے اور سب کو معلوم ہو گیا کہ آپ زندہ ہیں۔ اس پر لوگ دوبارہ ایک جگہ جمع ہو کر زوردار حملے کے لیے تیار ہو گئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالکل ویسے ہی ایک انسان اور رسول ہیں جیسا کہ پہلے کئی رسول گزر چکے ہیں۔ وہ نہ تو اللہ ہیں اور نہ قابل عبادت ہیں۔ ہم سے پہلے جو لوگ گزر چکے ہیں۔ ان میں سے کچھ قوموں نے رسول کو اتنا بلند کر دیا کہ اس کو انہوں نے رب کہنا شروع کر دیا۔ لوگوں کو یہ بتانا مقصد تھا کہ بے شک کلمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام شامل کیا گیا ہے مگر ساتھ یہ بھی صاف بتا دیا گیا ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور رسول ہیں اللہ نہیں کہ ان کو موت نہ آئے یا قتل نہ کیے جائیں۔ اگر ان کے شہید ہونے کی خبر پر کچھ لوگ ایمان سے میدان جنگ سے پھر جانا چاہتے ہیں تو انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ان کی اس حرکت سے اللہ کو کوئی نقصان نہیں ہو سکتا بلکہ ایسے لوگ خود یہ گناہ کر کے بہت بڑا نقصان اٹھائیں گے۔ بلکہ ان لوگوں کو اللہ رب العزت کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ دین کی خدمت میں ان کو لگا رکھا ہے۔ اس سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت عزت بہت احترام کرنا چاہیے، بلکہ ان کی تمام زندگی اپنے لیے نمونہ بنانا چاہیے مگر یہ عقیدہ اور ایمان رکھنا بہت ضروری ہے کہ ہمیشہ رہنے والا اور عبادت کے لائق سوائے اللہ کے اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے یہ وضاحت کر دی گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انسان ہیں ان کو انسانوں میں سب سے بڑی فضیلت جو دی گئی ہے وہ یہ ہے کہ وہ رب العالمین کے مقبول ترین اور آخری نبی ہیں بس اتنا خیال مسلمانوں کو ضرور رکھنا چاہیے۔

# موت کا مقرر ہونا اور بدلہ کا ملنا

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ۭ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ
وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۭ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ﴿145﴾

کوئی ذی روح اللہ کے اذن کے بغیر نہیں مر سکتا۔ موت کا وقت تو لکھا ہوا ہے جو شخص ثواب دنیا کے لیے کام کرے گا اس کو ہم دنیا ہی میں سے دیں گے اور جو ثواب آخرت کے ارادہ سے کام کرے گا ہم اس کو آخرت میں اجر دیں گے اور شکر کرنے والوں کو ہم ان کی جزا ضرور عطا کریں گے۔ ﴿145﴾

تشریح: یہاں بھی غزوۂ احد کے ایک واقعہ کا حوالے دیتے ہوئے حکمت کی دو باتیں سمجھائی گئی ہیں جو تمام مسلمانوں کے لیے ہیں۔ 50 تیر انداز جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے درہ پر مقرر تھے جن میں سے صرف دس تیر انداز اپنے سردار عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ کے ساتھ درہ سے نہ ہٹے، گویا انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پوری فرمانبرداری کی، موت سے نہیں گھبرائے اور مال غنیمت کے لالچ میں فرض کو نہیں بھولے۔ اللہ رب العزت نے فرمایا کہ موت سے ڈر کر غلط راستہ اختیار مت کرو۔ کیونکہ موت کا دن، وقت اور جگہ اللہ تعالیٰ نے مقرر کر رکھی ہے۔ کچھ لوگ جو بھی کام کرتے ہیں دنیاوی فائدہ کو سامنے رکھتے ہوئے کرتے ہیں تو ان کو دنیا میں ہی اجر مل جاتا ہے آخرت میں نہیں ملتا۔ لیکن جو لوگ رب کی خوشنودی اور آخرت میں اجر حاصل کرنے کے لیے سب کام کرتے ہیں تو ان کو اللہ رب العزت خوش ہو کر دنیا میں بھی دیتے ہیں اور آخرت میں بھی ان کو خوب ہی خوب ملے گا اور جو ہر صورت رب کا شکر ادا کرتے رہتے ہیں ان سے اللہ رب العزت بہت زیادہ خوش ہوتے ہیں اور نعمتوں میں اور بھی اضافہ کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اللہ پسند کرتا ہے کہ اپنی نعمت کا اثر اپنے بندے پر دیکھے۔'' (ترمذی)

# انبیاء اور مجاہدین کی دعائیں

وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا
وَمَا اسْتَكَانُوْا ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿146﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا
وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَي الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿147﴾ فَاٰتٰىھُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا
ع 15 5 6 وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۭ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿148﴾

اس سے پہلے کتنے ہی نبی ایسے گزر چکے ہیں جن کے ساتھ مل کر بہت سے اللہ والوں نے جہاد کیا۔ اللہ کی راہ میں جو مصیبتیں ان پر پڑیں ان سے وہ دل شکستہ نہیں ہوئے، انہوں نے کمزوری نہیں دکھائی، وہ سرنگوں نہیں ہوئے۔ ایسے ہی صابروں کو اللہ رب العزت

پسند کرتا ہے۔ (146) ان کی دعا بس یہ تھی کہ اے ہمارے رب! ہماری غلطیوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرما، ہمارے کام میں تیرے حدود سے جو کچھ تجاوز ہو گیا اسے معاف کر دے، ہمارے قدم جما دے اور کافروں کے مقابلہ میں ہماری مدد کر۔ (147) آخر کار اللہ نے ان کو دنیا کا ثواب بھی دیا اور اس سے بہتر ثواب آخرت میں بھی عطا کیا۔ اللہ کو ایسے ہی نیک عمل لوگ پسند ہیں۔ (148)

**تشریح:** ان آیات میں ذکر کیا جا رہا ہے کہ تم سے پہلے بے شمار انبیاء گزر چکے ہیں جن کے ساتھ مل کر ان کی قوم نے دشمن کا مقابلہ کیا۔ فتح وشکست تو جنگ میں ہوتی ہی رہتی ہے۔ وہ اللہ والے تن من، دھن لگانے سے باز نہیں آتے تھے، سستی نہیں دکھاتے تھے، کمزور نہیں پڑتے تھے، دبتے نہیں تھے، ثابت قدم رہتے تھے۔ اپنے نیک کاموں پر کبھی فخر اور غرور نہیں کرتے تھے بلکہ عجز وانکساری سے ہمیشہ اللہ رب العزت سے دعا کرتے رہتے تھے اللہ ثابت قدم رہنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ وہ اللہ والے اللہ سے دعا کرتے رہتے تھے۔ ''اے ہمارے رب ہمارے گناہ معاف فرما دے۔ ہمارے کام میں جو زیادتی ہم سے ہو گئی اس کو بھی معاف کر دے۔ ہر مشکل اور پریشانی میں ہمیں ثابت قدم رکھ اور دشمنوں پر ہمیں فتح وکامیابی عطا فرما'' ان کی دعا کے جواب میں اللہ رب العزت فرماتا ہے ہم نے ایسے بندوں کو دنیا اور آخرت میں بدلہ دیا اور آخرت کا بدلہ وہ تو ایسا شاندار ہوگا کہ جو بیان نہ ہو سکے اللہ رب العزت نیکی کرنے والوں سے بے حد خوش ہوتا ہے اور ایسے لوگوں کو بے حد عزیز رکھتا ہے۔ یہ سب کچھ مسلمانوں کے لیے نصیحت کا باعث ہے۔

## کفار کی پیروی نہ کرو

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَرُدُّوْكُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ (149) بَلِ اللّٰهُ مَوْلٰىكُمْ ۚ وَهُوَ خَيْرُ النّٰصِرِيْنَ (150) سَنُلْقِيْ فِيْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ (151)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، اگر تم ان لوگوں کی بات مانو گے جنہوں نے کفر کی راہ اختیار کی تو وہ تم کو الٹا پھیر لے جائیں گے اور تم نامراد ہو جاؤ گے۔ (149) ان کی باتیں غلط ہیں حقیقت یہ ہے کہ اللہ تمہارا حامی و مددگار ہے اور وہ بہترین مدد کرنے والا ہے۔ (150) عنقریب وہ وقت آنے والا ہے جب ہم منکرین حق کے دلوں میں رعب بٹھا دیں گے، اس لیے کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ ان کو شریک ٹھہرایا ہے جن کے شریک ہونے پر اللہ نے کوئی سند نازل نہیں کی۔ ان کا آخری ٹھکانہ جہنم ہے اور بہت ہی بری ہے وہ قیام گاہ جو ان ظالموں کو نصیب ہوگی۔ (151)

**تشریح:** ان آیات میں احد میں عارضی شکست اور مسلمانوں کی فتح اور دشمنوں کی سازشوں کا ذکر کیا گیا ہے جس سے مسلمانوں کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ دشمن ہمیشہ اس تاک میں رہتا ہے کہ تمہیں الٹی سیدھی باتیں بتا کر پوری کوشش کرے کہ تم دین سے پھر جاؤ تو اللہ

رب العزت فرماتے ہیں ان کی چالوں میں ہرگز مت آنا وہ ہر صورت تمہیں نقصان پہنچانا چاہتے ہیں یقین رکھو تم اللہ کے بندے ہو وہ ہر صورت تمہاری مدد کرے گا اور یہ بتایا کہ ایمان کی طاقت کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اللہ جل شانہ ہر صورت کفار کے دلوں میں مسلمانوں کا رعب ڈال دیتا ہے۔ ہندو پاک کی 1965ء کی جنگ میں غیبی مدد کے بے شمار واقعات دیکھے گئے۔ وجہ یہی ہے کہ کافر توحید کو نہیں مانتا جب کہ مسلمان صرف اور صرف اللہ ہی کی عبادت کرتا ہے، اسی سے مدد مانگتا ہے تو بھلا اللہ کی مدد کے ساتھ کسی اور کی مدد کیا مقابلہ کر سکتی ہے؟ آخر میں فرمایا کہ شرک بہت بڑا ظلم ہے اور مشرکوں کی بخشش نہ ہوگی، بلکہ وہ دوزخ میں ڈالے جائیں گے اور دوزخ بڑا ہی برا ٹھکانہ ہے حدیث میں آتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ: ''جس نے لا الٰہ الا اللہ (اللہ کے سوا کوئی معبود برحق نہیں) کہا اور یہ کہنے سے اس کا مقصد اللہ کی رضا حاصل کرنا تھا، اللہ نے اس پر دوزخ حرام کر دی۔'' (صحیح بخاری)

## مسلمانوں کی آزمائش

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿152﴾

اللہ نے (تائید و نصرت) کا جو وعدہ تم سے کیا تھا وہ تو اس نے پورا کر دیا۔ جب (ابتدا میں) اس کے حکم سے ہی تم ان کو قتل کر رہے تھے۔ مگر جب تم نے کمزوری دکھائی اور اپنے کام میں باہم اختلاف کیا اور جونہی وہ چیز اللہ نے تمہیں دکھائی جس کی محبت میں تم گرفتار تھے (مال غنیمت) تم (اپنے امیر کے حکم کی) خلاف ورزی کر بیٹھے، اس لیے کہ تم میں سے کچھ لوگ دنیا کے طالب تھے اور کچھ آخرت کی خواہش رکھتے تھے، تب اللہ نے تمہیں کافروں کے مقابلہ میں پسپا کر دیا، تاکہ تمہاری آزمائش کرے اور حق یہ ہے کہ اللہ نے پھر بھی تمہیں معاف ہی کر دیا، کیونکہ مومنوں پر اللہ بڑے فضل والا ہے۔﴿152﴾

تشریح: اس آیت میں احد کا واقعہ بیان کیا گیا ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ یہ مسلمانوں کی آزمائش تھی اور حق تعالیٰ کے فضل و کرم کا ذکر ہے جو خاص طور پر مسلمانوں کے لیے ہی ہے۔ ''توبہ کا مطلب ہے ''لوٹ آنا انسان جب گناہ کر کے پشیمان ہوتا ہے اور عہد کرتا ہے کہ آئندہ ایسے نہیں کروں گا تو گویا وہ نیکی کی طرف لوٹ آتا ہے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنی ناراضی دور کر کے رحمت کے ساتھ اس کی طرف لوٹ آتا ہے۔

## رسول کی نافرمانی کا نتیجہ اور صبر کا حکم

اِذْ تُصْعِدُوْنَ وَلَا تَلْوٗنَ عَلٰٓي اَحَدٍ وَّالرَّسُوْلُ يَدْعُوْكُمْ فِيْٓ اُخْرٰىكُمْ فَاَثَابَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا

تَحۡزَنُوۡا عَلٰی مَا فَاتَکُمۡ وَلَا مَاۤ اَصَابَکُمۡ ؕ وَاللّٰہُ خَبِیۡرٌۢ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۱۵۳﴾

یاد کرو جب تم بھاگے چلے جا رہے تھے، کسی کی طرف پلٹ کر دیکھنے تک کا ہوش تمہیں نہ تھا اور رسول ﷺ تمہارے پیچھے سے تمہیں بلا رہے تھے اس وقت (تمہاری اس روش کا بدلہ اللہ نے تمہیں یہ دیا) کہ تم کو رنج پر رنج دیئے تا کہ آئندہ کے لیے تمہیں یہ سبق ملے کہ جو کچھ تمہارے ہاتھ سے جائے یا جو مصیبت تم پر نازل ہو اس پر تم غمزدہ نہ ہو۔ اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔﴿۱۵۳﴾

تشریح: یہ آیت بھی غزوۂ احد سے ہی متعلق ہے۔ جیسا کہ تمام واقعات بیان کئے جا چکے ہیں اس آیت میں دوبارہ بیان کئے گئے ہیں۔ سبق اس میں یہی دیا گیا ہے کہ کبھی بھی مصیبت اور پریشانی میں گھبرا کر بدحواس نہیں ہونا چاہئے۔ جیسا کہ تم بدحواس ہو کر میدان سے بھاگ کھڑے ہوئے۔ کیونکہ تمہاری نیتیں صاف تھیں اور یہ بات اللہ کے علم میں ہے، اس لیے اللہ رب العزت نے تم سب کو معاف کر دیا، تم پر رحم کیا اور تمہاری مدد کی۔ اگلی آیات میں یہی بیان کیا گیا ہے۔

## اللہ تعالیٰ کی رحمت اور آزمائش کا مقصد

ثُمَّ اَنۡزَلَ عَلَیۡکُمۡ مِّنۡۢ بَعۡدِ الۡغَمِّ اَمَنَۃً نُّعَاسًا یَّغۡشٰی طَآئِفَۃً مِّنۡکُمۡ ۙ وَطَآئِفَۃٌ قَدۡ اَهَمَّتۡهُمۡ اَنۡفُسُهُمۡ یَظُنُّوۡنَ بِاللّٰہِ غَیۡرَ الۡحَقِّ ظَنَّ الۡجَاهِلِیَّۃِ ؕ یَقُوۡلُوۡنَ هَلۡ لَّنَا مِنَ الۡاَمۡرِ مِنۡ شَیۡءٍ ؕ قُلۡ اِنَّ الۡاَمۡرَ کُلَّهٗ لِلّٰہِ ؕ یُخۡفُوۡنَ فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ مَّا لَا یُبۡدُوۡنَ لَکَ ؕ یَقُوۡلُوۡنَ لَوۡ کَانَ لَنَا مِنَ الۡاَمۡرِ شَیۡءٌ مَّا قُتِلۡنَا هٰهُنَا ؕ قُلۡ لَّوۡ کُنۡتُمۡ فِیۡ بُیُوۡتِکُمۡ لَبَرَزَ الَّذِیۡنَ کُتِبَ عَلَیۡهِمُ الۡقَتۡلُ اِلٰی مَضَاجِعِهِمۡ ۚ وَلِیَبۡتَلِیَ اللّٰہُ مَا فِیۡ صُدُوۡرِکُمۡ وَلِیُمَحِّصَ مَا فِیۡ قُلُوۡبِکُمۡ ؕ وَاللّٰہُ عَلِیۡمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوۡرِ ﴿۱۵۴﴾ اِنَّ الَّذِیۡنَ تَوَلَّوۡا مِنۡکُمۡ یَوۡمَ الۡتَقَی الۡجَمۡعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسۡتَزَلَّهُمُ الشَّیۡطٰنُ بِبَعۡضِ مَا کَسَبُوۡا ۚ وَلَقَدۡ عَفَا اللّٰہُ عَنۡهُمۡ ؕ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ حَلِیۡمٌ ﴿۱۵۵﴾ ع 16/7

اس غم کے بعد پھر اللہ نے تم میں سے کچھ لوگوں پر ایسی اطمینان کی سی حالت والی اونگھ طاری کر دی۔ مگر ایک دوسرا گروہ جس کے لیے ساری اہمیت بس اپنی جان ہی کی تھی، اللہ کے متعلق طرح طرح کے جاہلانہ گمان کرنے لگا جو سراسر خلاف حق تھے۔ یہ لوگ اب کہتے ہیں کہ اس کام کے چلانے میں ہمارا بھی کوئی حصہ ہے۔ ان سے کہو (کسی کا کوئی حصہ نہیں) اس کام کے سارے اختیارات اللہ کے ہاتھ میں ہیں (دراصل) یہ لوگ اپنے دلوں میں جو بات چھپائے ہوئے ہیں اسے تم پر ظاہر نہیں کرتے کہ اگر (قیادت کے) اختیارات میں ہمارا کچھ حصہ ہوتا تو یہاں ہم نہ مارے جاتے، (ان سے) کہہ دو کہ اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن لوگوں کی موت لکھی ہوئی تھی وہ خود اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل آتے۔ اور یہ معاملہ جو پیش آیا یہ تو اس لیے تھا کہ جو کچھ تمہارے سینوں میں پوشیدہ ہے اللہ اسے آزما لے اور جو کھوٹ تمہارے دلوں میں ہے اسے چھانٹ دے، اللہ دلوں کا حال خوب جانتا ہے۔﴿۱۵۴﴾ تم میں

سے جولوگ مقابلہ سے پیٹھ پھیر گئے تھے ان کی اس لغزش کا سبب یہ تھا کہ ان کی بعض کمزوریوں کی وجہ سے شیطان نے ان کے قدم ڈگمگا دیئے تھے۔ اللہ نے انہیں معاف کر دیا، اللہ بہت درگزر کرنے والا اور بردبار ہے۔ (155)

**تشریح:** یہ آیات بذات خود اپنا مطلب بیان کر رہی ہیں اونگھ کے بارے یہ ہے کہ اطمینان اور سکون عطا کرنے کے لیے اللہ رب العزت نے ان پر نیند طاری کر دی مگر یہ صرف ان لوگوں کو نصیب ہوئی جو دلوں کے مخلص اور پکے مسلمان تھے جو منافق تھے یا مخلص نہ تھے ان کو اللہ تعالیٰ نے بالکل علیحدہ کر دیا تھا۔ اونگھ کے بارے میں حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ جو اس جنگ میں شریک تھے خود بیان کرتے ہیں کہ اس حالت میں مجھ پر اونگھ کا ایسا غلبہ ہو رہا تھا کہ تلوار میرے ہاتھ سے گرنے کو ہوتی میں اسے تھام لیتا پھر گرنے کو ہوتی پھر تھام لیتا۔ (صحیح بخاری کتاب التفسیر)

اس اونگھ سے صحابہ کرام تازہ دم ہو گئے اور میدان جنگ میں پلٹ کر جمع ہو گئے یہ تو مخلص صحابہ کا حال تھا اور ان کو اللہ رب العزت نے بالکل معاف بھی کر دیا تھا مگر دوسرا گروہ تو موقع سے فائدہ اٹھا کر شیطانی باتیں کرنے لگا جیسا کہ اوپر آیات میں بیان کیا جا چکا ہے۔ آخر میں اللہ تعالیٰ کی عام معافی کا ذکر ہے کیونکہ اللہ جل شانہ درگزر کرنے والا اور بردبار ہے۔

## منافقوں کی چال اور موت وحیات کا مسئلہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ (156) وَلَىِٕنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ (157) وَلَىِٕنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِالَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ (158)

اے ایمان والو! کافروں کی طرح نہ ہو جانا جن کے عزیز واقارب اگر کبھی سفر پر جاتے ہیں یا جنگ میں شریک ہوتے ہیں (اور وہاں کسی حادثہ سے دوچار ہو جاتے ہیں) تو وہ کہتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مارے جاتے اور نہ قتل ہوتے۔ اللہ تعالیٰ اس قسم کی باتوں کو ان کے دلوں میں حسرت واندوہ کا سبب بنا دیتا ہے، ورنہ دراصل مارنے اور جلانے والا تو اللہ ہی ہے۔ اور جو تم عمل کر رہے ہو اللہ انہیں خوب دیکھتا ہے۔ (156) اگر تم اللہ کی راہ میں مارے جاؤ یا خود مر جاؤ تو اللہ کی جو رحمت اور بخشش تمہارے حصہ میں آئے گی وہ ان ساری چیزوں سے زیادہ بہتر ہے جنہیں یہ لوگ جمع کرتے ہیں۔ (157) اور خواہ تم مرو یا مارے جاؤ بہرحال تم سب کو پلٹ کر جانا اللہ ہی کی طرف ہے۔ (158)

**تشریح:** جیسا کہ پچھلی آیات میں بیان کیا گیا ہے۔ منافقین کا پورا زور اس بات پر رہا کہ مسلمانوں کو بد دل اور دین سے پھیر دینے

کا انتظام کیا جائے۔ اوپر کی آیات میں موت وحیات کی بات انہوں نے کی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ موت وحیات کا مالک تو صرف اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہی ہے۔ کہیں بھی، کسی بھی وقت بغیر کسی وجہ کے انسان مرسکتا ہے۔ کیونکہ یہ تو اللہ کی لوح محفوظ (کتاب) میں لکھا جا چکا ہے اور جو جہاد میں مرے وہ خوش نصیب ہے کیونکہ شہید کے درجات اتنے بلند ہیں کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے۔ مرنا اور اللہ کی طرف واپس تو ضرور جانا ہے تو کیوں نہ عزت واحترام، رحمتوں، برکتوں اور فضیلتوں سے بھری ہوئی موت، یعنی شہادت حاصل کی جائے۔ سلطان بشیر محمود صاحب اپنی کتاب ''قیامت اور حیات بعد الموت'' میں آیت 157 کی تشریح بڑے ہی خوبصورت انداز میں کچھ مثالوں کے ساتھ پیش کرتے ہیں لکھتے ہیں کہ ''حضرت امام ابن قیم کتاب الروح میں لکھتے ہیں۔'' عالم برزخ میں روحوں کا ایک ٹھکانہ نہیں، پاکیزہ روحیں علیین میں ہیں اور خبیث روحیں زمین سے آگے نہیں بڑھتیں اور باقی اپنے اعمال کے مطابق ان دونوں مقامات کے درمیان میں ہوتی ہیں۔'' مردے کے بارے میں لکھتے ہیں کہ دو مہینوں کے بعد مردہ کا جسم یا تو کیڑے کھا جاتے ہیں یا مٹی کے مرکبات کے ساتھ مل کر مٹی ہو جاتا ہے اور بقیہ کاربن ڈائی آکسائیڈ، سلفر ڈائی آکسائیڈ، ہائیڈروجن سلفائیڈ اور پانی کے بخارات بن کر مٹی اور ہوا میں گم ہو جاتے ہیں۔ تین ماہ کے بعد صرف ڈھانچہ رہ جاتا ہے۔ کچھ سالوں کے اندر مٹی کے مرکبات اسے بھی کھا جاتے ہیں۔ یوں انسان کی مٹی زمین کی مٹی میں مل کر غائب ہو جاتی ہے۔'' مزید لکھتے ہیں کہ ''لیکن انبیاء، صدقین، شہداء، صالحین اور اللہ کے مخلص بندوں کے اجسام کی زمین خود حفاظت کرتی ہے (اللہ کے حکم سے۔) ایسی بے شمار مثالیں ماضی قریب میں دیکھی گئی ہیں۔ مثلاً 1935 کی بات ہے۔ اس وقت عراق کا حکمران شاہ فیصل اول تھا۔ ان کو خواب میں دکھایا گیا کہ دو صحابہ کرام کی قبریں دریا کے کنارے واقع تھیں ان میں طغیانی کا پانی چلا گیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ناگواری ہوئی۔ تین دفعہ متواتر خواب دیکھنے پر علماء سے مشورہ کے بعد طے پایا کہ حج کے زمانہ میں قبریں کھول کر ان کی جگہ بدل دی جائے۔ جب قبریں کھولی گئیں تو قرآن پاک کے وعدہ کے مطابق جسم تروتازہ پائے گئے اس منظر کے ہزاروں لوگ گواہ تھے ریڈیو اور اخبارات میں یہ خبر نشر کی گئی اور یہ سب اللہ رب العزت نے لوگوں کو دکھانے کے لیے کیا۔ اسی طرح شہداء کے اجسام محفوظ رہنے کے بے شمار واقعات دیکھنے میں آتے رہے۔ جہاد افغانستان کے بارے میں مصنف لکھتے ہیں اسلم شیرانی صاحب نے حلفیہ بیان پر بتایا کہ جہاد افغانستان کے دوران گولہ پھٹنے سے گڑھا پڑ گیا وہاں ایک ٹانگ دبی ہوئی دکھائی دی جس سے خون بہہ رہا تھا۔ تجسس میں زمین کھودی گئی تو وہاں گیارہ میتیں دفن پائی گئیں سبھی تازہ حالت میں تھیں۔ درخت کی جڑ کی طرح کوئی چیز تھی جس سے رس ٹپک کر ان شہداء کے مونہوں میں گر رہا تھا بڑے بوڑھوں سے پتہ چلا کہ یہ 1904ء میں انگریزوں کے خلاف لڑتے ہوئے شہید ہوئے تھے۔ اتنا عرصہ گزرنے کے بعد بھی ان کے جسم محفوظ تھے، بلکہ ایک طرح زندہ تھے اور ان کو رزق دیا جا رہا تھا۔ ان باتوں سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کے خاص بندوں کے جسم اور روحیں مرتی نہیں، بلکہ گہری نیند میں چلے جاتے ہیں۔ جہاں ان کو سانس لینے کی ضرورت نہیں، بلکہ ان کے جسمانی خلیات اپنی تازگی برقرار رکھتے ہیں اور قیامت تک ویسے ہی رہیں گے، حالانکہ اس عمل میں کوئی کیمیائی مادہ استعمال نہیں

کیا جاتا۔ بلکہ سائنسی عمل سے جولاشیں محفوظ کی جاتی ہیں وہ کچھ عرصہ بعد گل سڑ جاتی ہیں، جیسے چین کے چیئرمین ماؤ کی مثال ہے جو محفوظ نہ رہ سکی دوبارہ کیمیائی عمل کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کے اجسام کو کیوں اور کیسے محفوظ رکھتا ہے یہ اسی کے راز ہیں۔'' بشیر صاحب نے اس آیت کی کیا خوب وضاحت کی ہے جو اوپر بیان ہو چکی جس میں اللہ رب العزت فرماتا ہے ''اگر تم اللہ کی راہ میں مارے جاؤ یا مرجاؤ تو اللہ کی جو رحمت اور بخشش تمہارے حصہ میں آئے گی وہ ان ساری چیزوں سے زیادہ بہتر ہے جنہیں یہ لوگ جمع کرتے ہیں اور خواہ تم مرو یا مارے جاؤ ہر حال میں تم کو سمٹ کر جانا اللہ ہی کی طرف ہے۔

## رسول اللہ ﷺ کی نرم مزاجی اور نصرتِ الٰہی

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿159﴾ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿160﴾

اے پیغمبر ﷺ! یہ اللہ کی بڑی رحمت ہے کہ آپ ان لوگوں کے لیے بڑے نرم مزاج واقع ہوئے ہو، ورنہ اگر آپ تندخو ہوتے تو یہ سب آپ کے پاس سے دور ہو جاتے۔ ان کے قصور معاف کر دیں اور ان کے لیے مغفرت کی دعا کریں اور دین کے کاموں میں ان سے مشورہ کریں پھر جب آپ کسی کام کا پکا ارادہ کر لیں تو پھر اللہ پر بھروسہ رکھیں۔ اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو اس کے بھروسہ پر کام کرتے ہیں۔﴿159﴾ اللہ تمہاری مدد پر ہو تو کوئی طاقت تم پر غالب آنے والی نہیں اور وہ تمہیں چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرے؟ پس جو سچے مومن ہیں ان کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔﴿160﴾

**تشریح:** ان آیات کا تعلق بھی غزوۂ احد سے ہی ہے مگر اس میں نبی کریم ﷺ کی نرم مزاجی کا ذکر کیا گیا ہے کہ یہ صفت ایک راہنما اور رسول کے لیے ضروری ہے۔ جیسا کہ صحابہ کی نافرمانی کی وجہ سے بے حد نقصان ہوا مگر رسول اللہ ﷺ نے ان کی نافرمانی کو درگزر کرتے ہوئے معاف کر دیا اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تمام سپاہی واپس آپ کے پاس جمع ہو گئے اور یوں شکست فتح میں بدل گئی۔ اللہ رب العزت نے آپ کی نرم مزاجی کی تعریف بھی کی اور نصیحت بھی کی کہ ایک مبلغ اور راہبر میں ان صفات کا ہونا بے حد ضروری ہے۔ اول سخت کلامی اور بدمزاجی سے بچنا دوسرے انتقام نہ لینا تیسرے امت کی خطاؤں اور لغزشوں پر ان کا ساتھ نہ چھوڑنا بلکہ ان کو معاف کر دینا اور ان کے لیے مغفرت کی دعا کرنا اور ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا اور پھر رسول اللہ ﷺ کو اللہ رب العزت نے یہ بھی حکم دیا کہ دین کے کاموں میں لوگوں سے مشورہ ضرور لیا کرو۔ مطلب یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ہر فیصلہ وحی کے ذریعے آپ کو بتا دیتا لیکن امت کو ایک کام کی بات اور بھی بتانا مقصود تھی کہ مشورہ کرنا بہت مفید، ضروری اور کارآمد ہے۔ لہٰذا

آپ کے ذریعہ سے مشورہ کی سنت جاری کروائی گئی، اس لیے بہت سے کاموں کو وحی کے ذریعہ نہیں بلکہ مشورہ کے ذریعہ حل کرنے کا حکم دیا گیا۔ امام بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

''جو شخص مشورہ کرنے کے بعد کسی کام کا ارادہ کرے اور اس کے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو صحیح اور مفید صورت کی طرف ہدایت مل جاتی ہے۔'' البتہ جس سے رائے لی جائے اس میں یہ صفات ضرور ہونی چاہییں یعنی عقلمند، عبادت گزار اور پڑھا لکھا ہو۔ پھر اللہ رب العزت نے فرمایا کہ جب تم کسی بات کا فیصلہ کر لو تو پھر اللہ پر بھروسہ کر کے کام کر ڈالو۔ اللہ پر بھروسہ کرنا بے حد ضروری ہے کیونکہ اس سے ارادہ میں پختگی اور لازوال طاقت پیدا ہو جاتی ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی خوشی حاصل کرنے کے لیے اس پر پورا بھروسہ کرنا ضروری ہے۔ اللہ رب العزت توکل علی اللہ، یعنی اللہ پر بھروسہ کرنے والوں کو بے حد پسند کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کا ہر کام اللہ قادر مطلق کے اختیار میں ہے وہ ہمیشہ مومنین کی مدد کرتا ہے۔ دن میں کتنی ہی مرتبہ سورہ فاتحہ میں ہم اللہ رب العزت کو پکارتے ہوئے کہتے ہیں ''ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔'' لہٰذا پوری طاقت، خلوص اور پکے ارادہ سے ہر کام کرنا چاہیے اور پھر رب کے سپرد کر دینا چاہیے وہ خود ہی بہترین نتائج اور بہترین اسباب پیدا کر دیتا ہے۔ اصل میں مسلمان کا بہترین ہتھیار ''اللہ پر مکمل بھروسہ ہے۔'' یہ اتنی بڑی طاقت ہے کہ اس کے سامنے بڑی سے بڑی طاقت جھک جاتی ہے۔ اقبال نے مسلمان کی تعریف کیسے اچھے الفاظ میں کی ہے۔

خدائے لم یزل کا دست قدرت تو ہے، زباں تو ہے
یقین پیدا کر اے غافل کہ مغلوب گماں تو ہے

تشریح اس شعر کی یہ ہے کہ اے مسلمان تو رب لازوال کی قدرت کا ہاتھ ہے علامہ اقبال مومن کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں ضرورت اس بات کی ہے کہ تو اپنے خالق و مالک پر پختہ یقین و ایمان پیدا کر تاکہ تیرا ہر کام اللہ کا کام اور تیری ہر بات اللہ کی بات بن جائے تو ثابت ہوا کہ مسلمان کا اللہ پر بھروسہ، نیک نیتی، پوری کوشش اور ہمت سے ہر کام کرنا یہی مسلمان کا سب سے بڑا ہتھیار ہے جس کے مقابلہ میں دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت بھی ٹھہر نہیں سکتی۔

## رسول اللہ ﷺ کی شان اور خوبیاں

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ؕ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿161﴾ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَآءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿162﴾ هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿163﴾ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ

وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿164﴾

کسی نبی کا یہ کام نہیں ہوسکتا کہ وہ خیانت کر جائے۔ جو کوئی خیانت کرے تو وہ اپنی خیانت سمیت قیامت کے روز حاضر ہو، پھر ہر شخص کو اس کی کمائی کا پورا پورا بدلہ مل جائے گا اور کسی پر کچھ ظلم نہ ہوگا۔﴿161﴾ بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جو شخص ہمیشہ اللہ کی رضا پر چلنے والا ہو وہ اس شخص جیسے کام کرے جو اللہ کے غضب میں گھر گیا ہو اور جس کا آخری ٹھکانہ جہنم ہو جو بدترین ٹھکانہ ہے۔﴿162﴾ اللہ کے نزدیک دونوں قسم کے آدمیوں میں بہت زیادہ فرق ہے اور اللہ سب کے اعمال پر نظر رکھتا ہے۔﴿163﴾ درحقیقت تو اہل ایمان پر اللہ تعالیٰ نے یہ بہت بڑا احسان کیا ہے کہ ان کے درمیان خود انہی میں سے ایک ایسا پیغمبر مبعوث کیا جو اس کی آیات انہیں پاکیزہ بناتا ہے اور ان کو کتاب اور دانائی کی تعلیم دیتا ہے بیشک اس سے پہلے یہ لوگ صریح گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔﴿164﴾

تشریح: یہ آیات بھی غزوۂ اُحد کے بارے میں ہیں جب آنحضرت ﷺ نے تیر اندازوں سے پوچھا کہ تم نے غلطی کیوں کی؟ تو وہ کہنے لگے کہ ہم نے سوچا ہمارے لیے مال غنیمت بچے گا ہی نہیں۔ اس پر اللہ رب العزت نے فرمایا کہ تم نے کیسے سوچ لیا کہ نبی تمہارے ساتھ مال غنیمت میں خیانت کریں گے۔ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ نبی کی شان کے خلاف ہے کہ وہ کسی بھی معاملہ میں دیانت، امانت اور انصاف کے سوا کوئی فیصلہ کرے۔ پیغمبر بھلا ان لوگوں کی طرح کیسے ہوسکتا ہے جن پر اللہ کا غضب ہوا؟ وہ تو ہر معاملہ میں پوری طرح اللہ کی رضا کا تابع ہوتا ہے اور لوگوں کو بھی اس کی فرمانبرداری ہی کا حکم دیتا ہے۔ عام لوگ اور نبی ہرگز برابر نہیں ہو سکتے، طمع، لالچ اور بددیانتی نبی نہیں کرسکتا۔ اللہ اللہ رب العزت نبوت کا درجہ افضل ترین انسان کو ہی دیتا ہے اور وہ ہر بندے کے ہر عمل کو خوب اچھی طرح دیکھ رہا ہے۔ اس کے بعد اللہ رب العزت رسول اللہ ﷺ کے رسول بنا کر بھیجے جانے بہت بڑا احسان قرار دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ تم میں سے ہی تم جیسا ایک انسان تمہارے لیے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ کیونکہ ان کے پاس بیٹھنا، ان کی باتیں سننا، سمجھنا تمہارے لیے آسان ہے۔ کیونکہ تم ان کی تمام عادات سے اچھی طرح واقف ہو تم لوگ خوب اچھی طرح جانتے ہو کہ انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔ اسی لیے ان کو اہل مکہ نے صادق (سچا) کا لقب دیا کبھی خیانت نہیں کی، اس لیے ان کو تم لوگوں نے امین کا لقب دیا کہ تم لوگ اچھی طرح جانتے ہو کہ وہ مخلص مہربان، نرم طبیعت، انتہائی مشفق اور پاک باز ہستی ہیں تو ان کی ہدایت کی باتوں کو سمجھنا، یقین کرنا اور عمل کے لیے تیار ہو جانا تمہارے لیے آسان ہے کیونکہ یہی کام اگر کسی فرشتہ یا جن کے سپرد کیا جاتا تو تمہیں ایمان لانے پر بڑی مشکل اور پریشانی اٹھانا پڑتی۔ بہر حال رسول اللہ ﷺ کی صفات یہ ہیں۔

1 رسول اللہ ﷺ آیات الٰہی پڑھ کر لوگوں کو ان کی ہی زبان میں سناتے تھے۔

2 لوگوں کے دلوں کو پاک صاف کرتے ان کو بت پرستی، شرک گناہ اور بدکاری سے روکتے تھے۔

3 اللہ تعالیٰ کی کتاب بڑی وضاحت سے لوگوں کو سمجھاتے تھے۔

4 وہ سنت کی تعلیم دیتے اور قرآن مجید کے تمام نکات وضاحت سے سمجھاتے تھے۔

ان تمام خوبیوں کی وجہ سے انہوں نے ایک ایسی قوم کو دنیا کا سردار اور ہادی بنا دیا جو سب سے زیادہ نکمی، بے راہ رو اور بھٹکی ہوئی قوم تھی۔ ڈاکٹر علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

کیا تو نے صحرا نشینوں کو یکتا
خبر میں، نظر میں، اذان سحر میں

الطاف حسین حالی فرماتے ہیں۔

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی
عرب کی زمیں جس نے ساری ہلا دی

## مصیبت پر شکایت

اَوَ لَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿165﴾

اور یہ تمہارا کیا حال ہے؟ کہ جب تم پر مصیبت آ پڑی تو تم کہنے لگے یہ کہاں سے آئی، حالانکہ (جنگ بدر میں) اس سے دگنی مصیبت تمہارے ہاتھوں (دشمن پر) پڑ چکی ہے۔ (اے نبی ﷺ) ان سے کہو، یہ مصیبت تمہاری اپنی لائی ہوئی ہے، بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ (165)

تشریح: اس آیت میں مسلمانوں کی غلط فہمی دور کی گئی ہے۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ ان کو تو اللہ کی مدد ملی ہوئی ہے وہ ہرگز شکست نہیں کھا سکتے تو ان کو بتایا گیا ہے کہ اللہ تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ وہ چاہتا تو تمہیں فتح دلا دیتا مگر تم نے رسول ﷺ کی نافرمانی کی تو اس کی وجہ سے تمہیں بتایا گیا کہ اعمال اپنی جگہ ہیں ان کا بدلہ تو ملنا ضروری ہے یہ جو پریشانی تمہیں اٹھانی پڑی اس کے ذمہ دار تم خود ہو اور پھر یہ بھی تو سوچو کہ غزوۂ بدر میں تم نے بھی تو دشمن کو اس سے کئی گنا زیادہ نقصان اور تکلیف پہنچائی تھی۔ اب تمہیں خود اپنی ہی وجہ سے تکلیف پہنچی ہے تو تم حیران کیوں ہو رہے ہو؟ بدر میں کفار کے 70 آدمی مارے گئے، 70 قید ہوئے جبکہ جنگ احد میں مسلمانوں کے 70 آدمی شہید ہوئے اور یہ اس لیے ہوا کہ تم نے بے صبری اور حکم کی خلاف ورزی کی اور آپس میں اختلاف کیا۔ ان تمام باتوں کی وجہ سے نقصان ہونا بالکل ضروری تھا یہ اس لیے ہوا کہ آئندہ کے لیے تمہیں نصیحت ہو جائے۔

## آزمائش کا مقصد، منافق کی پہچان

وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿166﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚ وَقِيْلَ

لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۭ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا تَّبَعْنٰكُمْ ۭ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿167﴾

جو نقصان لڑائی کے دن تمہیں پہنچا وہ اللہ کی اجازت سے تھا اور اس لیے تھا کہ اللہ دیکھ لے (تم میں سے) مومن کون ہے؟۔﴿166﴾ اور منافقوں کو بھی (وہ منافق) کہ جب ان سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں جنگ کرو یا کم از کم (اپنے شہر کی) حفاظت ہی کرو تو کہنے لگے اگر ہمیں علم ہوتا کہ آج جنگ ہوگی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ چلتے۔ یہ بات جب وہ کہہ رہے تھے اس وقت وہ ایمان کی بہ نسبت کفر سے زیادہ قریب تھے۔ وہ اپنی زبانوں سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتیں اور جو کچھ وہ دلوں میں چھپاتے ہیں اللہ اسے خوب جانتا ہے۔﴿167﴾

تشریح: اس آیت میں عبداللہ بن ابی کا حال بیان کیا گیا ہے، کیونکہ وہ تین سو آدمیوں کو لیکر واپس چلا گیا تھا تو اس نے اپنی اس منافقانہ حرکت پر حیلے بہانے کرنے شروع کر دیئے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کھرے کھوٹے کی پہچان کرنا تھی سو ہوگئی اور پھر اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں کو خوب اچھی طرح جانتا ہے جو یہ لوگ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں یہی منافقوں کی نشانی ہوتی ہے۔

## منافقانہ باتیں

اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ۭ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿168﴾

یہ وہی لوگ ہیں جو خود تو بیٹھے رہے اور ان کے جو بھائی بند (لڑنے گئے اور مارے گئے) ان کے متعلق انہوں نے کہہ دیا کہ اگر وہ ہماری بات مان لیتے تو نہ مارے جاتے۔ ان سے کہو اگر تم اپنے قول میں سچے ہو تو خود تمہاری موت جب آئے تو اسے ٹال کر دکھا دینا۔﴿168﴾

تشریح: یہ آیت بھی عبداللہ بن ابی اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں وضاحت کرتی ہے۔



## شہید زندہ رہتا ہے

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿169﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ
اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ
ع 17 16 8 وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿170﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿171﴾

جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے انہیں مردہ نہ سمجھو، وہ تو حقیقت میں زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں۔﴿169﴾ جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے اس پر خوش و خرم ہیں اور مطمئن کہ جو اہل ایمان ان کے پیچھے دنیا میں رہ گئے ہیں اور ابھی وہاں

نہیں پہنچے ہیں ان پر نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمزدہ ہونگے۔(170) وہ اللہ کے انعام اور اس کے فضل پر شاداں وفرحاں ہیں اور ان کو معلوم ہو چکا ہے کہ اللہ مومنوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔(171)

**تشریح:** اسی سورۃ کی آیت 157 میں شہید کے بارے میں تفصیل گزر چکی ہے۔ نبی ﷺ کی ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ ''جو شخص نیک عمل لے کر دنیا سے جاتا ہے اسے اللہ کے ہاں اتنی اچھی زندگی ملتی ہے جس کے بعد وہ کبھی دنیا میں واپس آنے کی تمنا نہیں کرتا کہ دوبارہ دنیا میں بھیجا جائے۔ مگر شہید تمنا کرتا ہے کہ پھر دنیا میں بھیجا جائے اور پھر اس لذت، اس سرور اور اس نشے سے لطف اندوز ہو جو اللہ کی راہ میں جان دیتے ہوئے حاصل ہوتا ہے۔'' (مسند احمد)

## اللہ پر بھروسہ اور اللہ کا فضل

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ (172) اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ (173) فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ (174)

جن لوگوں نے اللہ اور رسول کا حکم مانا اس کے بعد کہ انہیں زخم پہنچ چکے تھے جو ان میں سے نیک اور پرہیز گار ہیں ان کے لیے بڑا ثواب ہے۔(172) اور وہ جن لوگوں نے کہا کہ تمہارے خلاف بڑی فوجیں جمع ہوئی ہیں، تم ان سے ڈرو، تو یہ سن کر ان کا ایمان اور بڑھ گیا اور انہوں نے جواب دیا ہمارے لیے اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے۔(173) آخر وہ اللہ تعالیٰ کی نعمت اور فضل کے ساتھ پلٹ آئے اور ان کو کسی چیز کا ذرہ برابر بھی نقصان نہ پہنچا اور اللہ کی رضا پر چلنے کا ثواب بھی حاصل ہو گیا اور اللہ بڑا افضل فرمانے والا ہے۔(174)

**تشریح:** ان آیات کا تعلق بھی غزوۂ احد سے ہی ہے۔ اس میں اس واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ جب ابوسفیان رضی اللہ عنہ اپنے لشکر کے ساتھ مکہ پلٹ گیا تو راستہ میں اس کو خیال آیا کہ یہ اچھا موقعہ تھا مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کا، لہٰذا اس نے دوبارہ حملہ کا ارادہ کیا تو اس ارادے کا علم نبی ﷺ کو ہو گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ دشمن کا پیچھا کون کرے گا، اس پر 70 صحابہ کرام تیار ہو گئے، حالانکہ وہ زخموں اور نقصانات کی وجہ سے نڈھال ہو رہے تھے۔ اسی پر اللہ رب العزت نے فرمایا کہ وہ اسلام کے سچے مجاہد زخم کھا کر بھی رسول اللہ ﷺ کی پکار پر فوراً تیار ہو گئے ان میں نیک، پرہیزگار اور مخلص لوگوں کے لیے اللہ کے پاس بڑا اجر ہے۔ مسلمانوں نے آٹھ میل تک کفار کا پیچھا کیا جب ابوسفیان کو پتہ چلا کہ مسلمان پیچھا کر رہے ہیں تو اس نے چال چلی کہ ایک تجارتی قافلہ جو مدینہ جا رہا تھا اس کے ذریعہ یہ کہلایا کہ دشمن کی تعداد بہت زیادہ ہے وہ تم مسلمانوں کو بالکل ختم کر دے گا تو اس پر اللہ کے سپاہی

بولے کہ ہمارے لیے تو اللہ کافی ہے اور ان کا ایمان اور بھی زیادہ مضبوط ہو گیا۔ وہ لوگ نہ گھبرائے اور نہ ہی بددل ہوئے، پھر وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور فضل کے ساتھ باحفاظت پلٹ آئے ان کو ذرہ برابر بھی نقصان نہ پہنچا اور اللہ کی فرمانبرداری کا ثواب بھی ان کو مل گیا۔ اللہ رب العزت بہت زیادہ فضل کرنے والا ہے۔

## شیطان کا ڈرانا بیکار ہے

اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۪ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿175﴾

(اب تمہیں معلوم ہو گیا کہ) وہ اصل میں شیطان تھا جو اپنے دوستوں سے خواہ مخواہ ڈرا رہا تھا۔ لہٰذا آئندہ تم انسانوں سے نہ ڈرنا مجھ سے ڈرنا اگر تم حقیقت میں ایمان والے ہو۔ ﴿175﴾

تشریح: پچھلی آیت میں ان لوگوں کا ذکر کیا گیا جو مسلمانوں کو ڈرانے کے لیے ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے بھیجے تھے تو اللہ رب العزت فرماتا ہے کہ وہ تو صرف شیطان کے بھائی بند ہیں ان سے ہرگز مت ڈرو اگر تم سچے اور پکے مسلمان ہو تو پھر کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں صرف رحمٰن واحد سے ڈرو جو قادر مطلق ہے۔

## کفار کی سزا

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ۗ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿176﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْئًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿177﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۗ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿178﴾

(اے پیغمبر ﷺ!) جو لوگ آج کفر کی راہ میں بڑی دوڑ دھوپ کر رہے ہیں ان کی سرگرمیاں تمہیں رنجیدہ نہ کریں، یہ اللہ کا کچھ بھی نہ بگاڑ سکیں گے۔ اللہ کا ارادہ یہ ہے کہ ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہ رکھے اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے۔ ﴿176﴾ جو لوگ ایمان کو چھوڑ کر کفر کے خریدار بنے ہیں وہ یقیناً اللہ کا کوئی نقصان نہیں کر رہے، ان کے لیے دردناک عذاب تیار ہے۔ ﴿177﴾ یہ ڈھیل جو ہم انہیں دے رہے ہیں اس کو یہ کافر اپنے حق میں بہتری نہ سمجھیں، ہم تو انہیں اس لیے ڈھیل دے رہے ہیں کہ یہ خوب گناہ سمیٹ لیں پھر ان کے لیے سخت ذلیل کرنے والا عذاب ہے۔ ﴿178﴾

تشریح: یہ آیات پچھلی آیات سے وابستہ ہیں اور ان کا مطلب آیات میں ہی واضح کر دیا گیا ہے۔

## مومنین کے لیے خوشخبری

مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰى مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ؕ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۪ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾

اللہ مومنوں کو اس حالت میں ہرگز نہ رہنے دے گا جس حال میں تم اس وقت ہو۔ وہ پاک کو ناپاک سے الگ کر کے رہے گا۔ مگر اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ تم کو غیب پر مطلع کر دے، غیب کی باتیں بتانے کے لیے تو وہ اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے منتخب کر لیتا ہے، لہٰذا (امور غیب کے بارے میں) اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان رکھو۔ اگر تم ایمان اور خدا ترسی کی روش پر چلو گے تو تم کو بڑا اجر ملے گا۔ ﴿۱۷۹﴾

**تشریح:** آیت میں سب کچھ صاف اور آسان الفاظ میں بیان کر دیا گیا ہے۔ آخر میں بہترین اجر و ثواب کی خوش خبری دی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کی عظمت بیان کرو وہ تم کو بخش دے گا۔ (مسند احمد)

## بخل کا انجام

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ؕ بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ؕ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۱۸۰﴾ ع 18/9

جن لوگوں کو اللہ نے اپنے فضل سے نوازا ہے اور پھر وہ بخل سے کام لیتے ہیں وہ اس خیال میں نہ رہیں کہ یہ بخیلی ان کے لیے اچھی ہے۔ بلکہ یہ ان کے حق میں نہایت بری ہے۔ جو کچھ وہ اپنی کنجوسی سے جمع کر رہے ہیں وہی قیامت کے روز ان کے گلے کا طوق بن جائے گا۔ زمین اور آسمانوں کی میراث اللہ ہی کے لیے ہے اور تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔ ﴿۱۸۰﴾

**تشریح:** سورۂ آل عمران کی ابتدا میں یہود و نصاریٰ کا ذکر ہے، درمیان میں غزوۂ احد، اب یہاں سے پھر اہل کتاب کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ یہودیوں اور مسلمانوں کو واضح کر کے بتایا جا رہا ہے کہ یہ مال و متاع جو بھی کسی کو عطا کیا گیا ہے یہ سب اللہ کا عطا کیا ہوا ہے وہ جس کو چاہے دے اور جس کو چاہے نہ دے اور جن کو دیا گیا ہے ان کو چاہیے کہ فراخ دلی سے اللہ کی راہ میں مال خرچ کریں کیونکہ بچا کر رکھنا ان کے کام ہرگز نہ آئے گا مرنے کے بعد یہ مال یہاں رہ جائے گا اور آخرت میں وہ تمام جمع شدہ مال انکے گلوں میں لٹکایا جائے گا اس لیے بخل کرنے کا صرف نقصان ہی ہے فائدہ ہرگز نہیں، اس لیے اللہ رب العزت کی فرمانبرداری کرو اور مال خوب خوشی سے اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ اللہ ہی تمام مال اور زمین و آسمان کا مالک ہے اور ہمارے تمام اعمال اسکی نظر میں ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس شخص کو اللہ نے مال عطا کیا پھر اس نے اس کی زکوٰۃ ادا نہیں کی تو قیامت کے دن یہ مال ایک زہریلا سانپ بنا کر اس کے گلے کا ہار بنا دیا جائے گا وہ اس شخص کی باچھیں پکڑے گا اور کہے گا میں تیرا مال ہوں، تیرا سرمایہ ہوں۔ (صحیح بخاری کتاب الزکوٰۃ)

مومن دل کا نرم، ہمدرد، اور ہر دوسرے شخص کی مدد کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے اس لیے وہ بخیل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ہر مومن مرد اور عورت کو دل کھول کر اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنا چاہیے۔

## یہود کی کم عقلی

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿181﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿182﴾

اللہ نے ان لوگوں کا قول سنا جو کہتے ہیں کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی۔ ان کی یہ باتیں بھی ہم لکھ لیں گے اور اس سے پہلے جو وہ پیغمبروں کو ناحق قتل کرتے رہے ہیں وہ بھی ان کے نامہ اعمال میں ثبت ہے۔ (جب فیصلہ کا دن آئے گا اس وقت) ہم ان سے کہیں گے کہ لو، اب عذاب جہنم کا مزہ چکھو۔ ﴿181﴾ یہ تمہارے اپنے ہاتھ کی کمائی ہے، اللہ اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔ ﴿182﴾

تشریح: ان آیات میں یہودیوں کی اس بات کا جواب دیا گیا ہے کہ جب قرآن مجید میں یہ آیت آئی کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے گا؟ تو اس پر بجائے غور کرنے کے اور عمل کرنے کے الٹا یہود نے مذاق اڑانا شروع کر دیا یہ کہہ کر کہ لو اللہ فقیر ہو گیا اور ہم مالدار ہو گئے کہ اللہ ہم سے قرض مانگ رہا ہے۔ ان بے وقوفوں کو اتنی بھی سمجھ نہیں آئی کہ سب کچھ اللہ کا ہی ہے اس نے ہمیں دیا ہے۔ یہ اس کی مہربانی ہے کہ وہ ہمیں اس عطا کیے ہوئے مال کو بہترین طریقہ سے خرچ کرنے کی ترکیب بتا رہا ہے نہ تو اس کو ہمارے مال کی ضرورت ہے اور نہ ہی ہماری مدد کی ضرورت ہے یہ تو اس نے حکمت کی بات بتائی ہے کہ اگر تم اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو گے تو وہ تمہیں کئی گناہ زیادہ ثواب کی صورت میں مل جائے گا۔ اللہ رب العزت فرماتا ہے۔ میں ان کے تمام اعمال اور نیتوں سے خوب اچھی طرح واقف ہوں۔ انہی لوگوں کے آباؤ اجداد نے نبیوں کو بلا وجہ قتل کیا اور یہ اس بات پر خوش ہیں، اس لیے یہ بھی گناہ میں شامل ہو گئے ہیں۔ ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ ان کی انہی بدعملیوں کی وجہ سے ان کو بھڑکتی ہوئی آگ کا عذاب دیا جائے گا اور یہ عذاب اللہ کی طرف سے کوئی ظالمانہ کام نہ ہوگا، بلکہ یہ ان کے اپنے کئے ہوئے کاموں کا بدلہ ہوگا جو انہوں نے دنیا میں کئے۔

# یہودیوں کی حجت بازی

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ۭ قُلْ قَدْ جَاۗءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْھُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿183﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَاۗءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿184﴾

جو لوگ کہتے ہیں اللہ نے سے عہد لیا ہے کہ ہم کسی کو رسول تسلیم نہ کریں جب تک وہ ہمارے سامنے ایسی قربانی نہ لائے جسے (غیب سے آکر) آگ کھالے، ان سے کہو تمہارے پاس مجھ سے پہلے بہت سے رسول آچکے ہیں جو بہت سی روشن نشانیاں لائے تھے جس کا تم ذکر کرتے ہو، پھر اگر (ایمان لانے کے لیے یہ شرط پیش کرنے میں) تم سچے ہو تو ان رسولوں کو تم نے کیوں قتل کیا؟﴿183﴾ اب (اے نبی ﷺ) اگر یہ لوگ آپ کو جھٹلاتے ہیں تو بہت سے رسول آپ سے پہلے جھٹلائے جاچکے ہیں جو کھلی کھلی نشانیاں، صحیفے اور روشنی بخشنے والی کتابیں لائے تھے۔﴿184﴾

تشریح: یہ آیات ان یہودیوں کے بارے میں ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں موجود تھے۔ انہوں نے آپ ﷺ کو کہا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے ہم سے وعدہ لیا ہے کہ جب تک آپ ہمیں وہ معجزہ نہ دکھائیں جو ہمارے پیغمبر نے ہمیں دکھایا تھا ہم آپ پر ایمان نہ لائیں گے۔ معجزہ یہ تھا کہ آپ قربانی کریں اور آسمان سے آگ آکر اسے کھا جائے تو اس پر اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو کہا کہ ان کو کہو اگر اس معجزہ کے دکھانے پر ہی تم مجھ پر ایمان لا سکتے ہو تو پھر تم نے ان نبیوں کو کیوں قتل کیا جنہوں نے تم کو یہ آگ والا معجزہ دکھایا تھا؟ دوسری بات یہ ہے کہ کسی بھی کتاب میں کبھی حکم نہیں آیا کہ تم صرف آگ والا معجزہ دیکھ کر ہی کسی پیغمبر پر ایمان لاؤ۔ یہ بات بالکل غلط اور بے بنیاد ہے پھر اللہ رب العزت رسول اللہ ﷺ کو تسلی دیتا ہے کہ تم ان کی باتوں سے ہرگز پریشان نہ ہو۔ کیونکہ یہ لوگ بڑے ہی ضدی اور نافرمان ہیں، جیسے ان کے بزرگ تھے ویسے ہی یہ بھی ہیں آپ سے پہلے کئی پیغمبر بھیجے گئے جن کو انہوں نے نہ صرف جھٹلایا بلکہ ان کی نافرمانی کی اور ان کو قتل کر ڈالا، اسی طرح کئی آسمانی کتابیں رسولوں کے ذریعے ان کو بھیجی گئیں جن میں ہدایت اور نیکی کا راستہ دکھایا گیا ہے مگر ان لوگوں کے بڑوں نے ان سے کوئی نصیحت حاصل نہ کی، ان کے احکامات کو اپنی مرضی کے مطابق تبدیل کر دیا اور ان کی بے حرمتی کی، لہٰذا آپ ان کی حجت بازی اور نامناسب باتوں کی بالکل پروا نہ کریں۔

# ہر شخص کی موت ہوگی

كُلُّ نَفْسٍ ذَاۗىِٕقَةُ الْمَوْتِ ۭ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۭ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿185﴾

آخر کار ہر شخص کو مرنا ہے اور تم سب اپنے پورے پورے اجر قیامت کے روز پانے والے ہو۔ کامیاب دراصل وہ ہے جو وہاں آتش دوزخ سے بچ جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے۔ رہی یہ دنیا، تو یہ محض ایک ظاہر فریب چیز ہے۔ (185)

تشریح: قرآن پاک کی آیات، رسول اللہ ﷺ کی احادیث، اولیاء کرام کے فرمودات اور سائنس کے تجربات ہر وقت ہمیں یہ سمجھاتے رہتے ہیں کہ ہم نے ضرور مر جانا ہے اور مر جانے کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا جسم ساکت ہو جائے گا جب کہ ہماری روح اپنے اعمال کے ساتھ عالم برزخ میں چلی جائے گی۔ ''عالم برزخ'' یہ موت اور یوم حساب کے درمیان کا وقفہ ہے جس میں ہمیں اپنی دنیاوی زندگی کے اعمال کے مطابق اچھا یا برا ٹھکانا ملے گا۔ جو قبر کی صورت میں ہوگا۔ قبر جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔ اس کے بعد حساب کا دن ہوگا، جس میں فیصلہ کر دیا جائے گا کہ ہمیشہ جنت میں رہنا ہے یا دوزخ میں، یہ فیصلہ بھی ہمارے دنیا میں کئے ہوئے اعمال کے مطابق ہی کیا جائے گا۔ عقل مند اور خوش نصیب وہی لوگ ہیں جو اس دنیا کی نعمتوں میں کھو کر اللہ کو اور اس کے احکامات کو نہیں بھولتے اور سمجھتے ہیں کہ اس دنیا کی زندگی کا وقفہ بہت تھوڑا ہے اور یہ وقفہ صرف امتحان اور آزمائش کے لیے دیا گیا ہے۔ یہی سنتے آئے ہیں کہ یہ دنیا آخرت کے لیے کھیتی کا درجہ رکھتی ہے یہاں جو بوئیں گے آخرت میں اس کا پھل پالیں گے۔

## جان و مال کی آزمائش، اہل کتاب کا عہد

لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۣ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿186﴾ وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۡ فَنَبَذُوْهُ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِھِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿187﴾

مسلمانو! تمہیں جان اور مال دونوں کی آزمائشیں پیش آ کر رہیں گی اور تم اہل کتاب اور مشرکین سے بہت سی تکلیف دہ باتیں سنو گے اگر ان سب حالات میں تم صبر اور تقویٰ کی روش پر قائم رہو گے تو یہ بڑے حوصلہ کا کام ہے۔ (186) ان اہل کتاب کو وہ عہد بھی یاد دلاؤ جو اللہ نے ان سے لیا تھا کہ تم ہی کتاب کی تعلیمات کو لوگوں میں پھیلانے والے ہو گے، انہیں پوشیدہ نہیں رکھنا ہو گا مگر انہوں نے کتاب کو پس پشت ڈال دیا اور تھوڑی قیمت پر اسے بیچ ڈالا۔ کتنی بُری ہے وہ قیمت جو یہ کر رہے ہیں۔ (187)

تشریح: اس آیت میں مسلمانوں کو بتایا جا رہا ہے کہ تمہاری نیکی، تقویٰ اور ایمان کو آزمایا جائے گا کبھی جان کے نقصان سے کبھی مال اور عزت و وقار کے نقصان سے۔ کیونکہ اہل کتاب ہر صورت تمہیں پریشان کریں گے۔ ان کی طرف سے دی گئی تکالیف سے

ہرگز پریشان نہ ہونا بلکہ پورے صبر، سکون، ہمت اور اللہ پر بھروسہ کرتے ہوئے سب کچھ برداشت کر کے ثابت قدم رہنا۔ کیونکہ یہ بڑے حوصلے، کامیابی اور نجات کا راستہ ہے، پھر اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو مخاطب فرماتا ہے کہ ان اہل کتاب کو یہ اعتراض کرنا تو یاد رہا کہ آگ کا معجزہ دکھائیں۔ ان کو اپنا وہ عہد کیوں بھول گیا جس کا ذکر بائبل میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بار بار بنی اسرائیل سے یہ عہد لیتے ہیں کہ جو احکامات تمہیں دیئے گئے ہیں ان کو اپنے دل پر نقش کر لینا اور پھر ان تمام اصولوں کو اپنی تمام نسلوں کے ہر فرد تک پہنچا دینا۔ ان احکامات کا چرچا اس حد تک کرنا کہ ہر جگہ ہر چیز پر یہ کندہ کیے ہوئے دیکھا دیں، پھر یہ بھی تاکید کی کہ فلسطین کی سرحد میں داخل ہونے کے بعد کوہ عیبال کے پتھروں پر آیات کندہ کر دینا۔ لیکن بنی اسرائیل نے اپنی کتاب کو اپنی مرضی اور چھوٹے چھوٹے دنیاوی فائدوں کے لیے تبدیل کرنا شروع کر دیا اور کتاب سے بالکل غافل ہو گئے یہاں تک کہ حضرت موسیٰ کے 700 برس بعد ہیکل سلیمانی کے سجادہ نشین اور یروشلم کے یہودیوں کو یہ تک معلوم نہ تھا کہ ان کی کوئی آسمانی کتاب بھی ہے، یعنی یہود نے اپنا عہد کتاب اور احکامات کے بارے میں بالکل بھلا دیا یہاں تک چھپایا کہ جو کچھ ان کو آخری نبی ﷺ کی آمد کے بارے میں بتایا گیا تھا وہ بھی لوگوں سے چھپاتے رہے اور پھر انجام کار اللہ کے غضب کا شکار ہوئے۔ یہ مسلمانوں کے لیے بھی سوچنے کا مقام ہے کہ علماء آیات الٰہی، یعنی قرآن کی آیات کو ہرگز نہ چھپائیں بلکہ کھول کھول کر بیان کریں اور لوگوں کو ہر صورت عمل پر آمادہ کریں۔ پچھلی امتوں کا ذکر اسی لیے کیا جاتا ہے کہ لوگ عبرت حاصل کریں۔

## اعمال کا بدلہ ضرور ملے گا

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿188﴾ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿189﴾ ع 19/9/10

تم ان لوگوں کو عذاب سے محفوظ نہ سمجھو جو اپنے کرتوتوں پر خوش ہیں اور چاہتے ہیں کہ ایسے کاموں پر ان کی تعریف کی جائے جو فی الواقع انہوں نے نہیں کیے ہیں حقیقت میں ان کے لیے دردناک عذاب تیار ہے۔ (188) زمین اور آسمان کا مالک اللہ ہے اور اس کی قدرت سب پر حاوی ہے۔ (189)

**تشریح:** جیسا کہ پچھلی آیات میں بیان کیا جا چکا ہے کہ یہودی علماء اپنی مرضی اور دنیاوی فائدوں یا مصلحتوں کی وجہ سے تورات کے اصل مسائل لوگوں کو نہ بتاتے، بلکہ ان کو تبدیل کر کے بتایا کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ دیکھو لوگوں کو کیسا بے وقوف بنا رہے ہیں اور پھر بھی لوگ ان کی تعریف کرتے ہیں ان کو علم و فضل والے نیک بندے سمجھ کر ان کی عزت کرتے ہیں وہ اپنی اس حرکت پر خوش بھی تھے اور مطمئن بھی۔ تو اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ یہ منافق اور مفاد پرست لوگ اپنے انجام سے نہ صرف بے خبر ہیں، بلکہ

دھوکہ بھی کھائے ہوئے ہیں۔ کیونکہ اپنے برے اعمال سے یہ خود کو اور لوگوں کو تو دھوکہ دے سکتے ہیں۔ اللہ کو ہرگز دھوکہ نہیں دے سکتے کیونکہ آسمان و زمین کی ہر چیز اور ہر شخص کے ہر عمل سے اللہ تعالیٰ خوب واقف ہے اس کو معلوم ہے کہ یہ لوگ دراصل کیا کام کر رہے ہیں اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں اس کا بدلہ ان کو ضرور ملے گا اور وہ بدلہ دردناک سزا ہوگی۔ یہ لوگ اپنے برے اعمال کی سزا سے ہرگز بچ نہیں سکتے ان کی پکڑ ضرور ہوگی اور ان کو غلط اعمال کا بدلہ ضرور ملے گا۔ سورہ النبا آیت 21 تا 28 میں اللہ رب العزت فرماتا ہے: ''درحقیقت جہنم ایک گھات کی جگہ ہے۔ سرکشوں کا ٹھکانہ جس میں وہ مدتوں پڑے رہیں گے۔ وہاں وہ نہ کسی ٹھنڈک کا مزہ چکھیں گے اور نہ پینے کی چیز کا۔ البتہ وہاں گرم پانی اور زخموں کا دھوون انہیں ملے گا۔ یہ بھرپور بدلہ ہے ان کے کرتوتوں کا، یہ لوگ دراصل حساب آخرت کا عقیدہ ہی نہیں رکھتے تھے اور ہماری آیات کو خوب جھٹلاتے تھے۔'' رب جل جلالہ سے دعا ہے کہ وہ ہم تمام مسلمانوں کو نیکی کی ہدایت دے، اپنے راستوں پر چلنے کی توفیق دے اور عذاب جہنم سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

# آیات الٰہی میں غور و فکر

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ ﴿١٩٠﴾ الَّذِينَ يَذْكُرُونَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩١﴾

زمین اور آسمانوں کی پیدائش میں، رات اور دن کے باری باری آنے میں، ان ہوش مند لوگوں کے لیے بہت نشانیاں ہیں۔ ﴿١٩٠﴾ جو اٹھتے، بیٹھتے اور لیٹتے ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ زمین و آسمان کی پیدائش میں غور و فکر کرتے ہیں۔ وہ بے اختیار بول اٹھتے ہیں پروردگارا! یہ سب کچھ تو نے فضول اور بے مقصد نہیں بنایا، تو پاک ہے اس سے کہ عبث (غیر ضروری) کام کرے پس اے رب ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔ ﴿١٩١﴾

تشریح: اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ جب قریش نے رسول اللہ ﷺ سے معجزہ دکھانے کی خواہش کی اور کہا کہ آپ ﷺ اللہ سے دعا کریں کہ کوہ صفا سونے کا ہو جائے۔ اگر ایسا ہو جائے تو ہم آپ ﷺ پر ایمان لے آئیں گے۔ آپ ﷺ نے دعا کی تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ (تفسیر ابن کثیر)

اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک، کائنات اور اس کی تمام چیزوں کے ذریعے یہ بتا رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے اور وہی تمام کائنات کو چلانے والا ہے۔ اولی الالباب (عقل والے) اور ''عقل کو کام میں لانے والے'' یہ الفاظ قرآن میں بے شمار دفعہ آئے ہیں تاکہ انسان کائنات کی پیدائش میں اور اس کے انتظام پر غور و فکر کرے اور اپنے لیے نئے نئے فائدے حاصل کرے۔ انسان اور حیوان میں علم، عقل اور غور و فکر کا ہی تو فرق ہے جو انسان کائنات کا علم نہیں رکھتا وہ اس کے خالق کو کیسے پہچان سکتا

ہے؟ پھر فرمایا: اللہ کا ذکر ہی فکر و تدبر کی طرف لے جاتا ہے جو لوگ ہر لحہ اللہ کو یاد کرتے رہتے ہیں ان کے لیے سوچ اور دھیان کرنے کا ایک رخ بن جاتا ہے وہ آسمان وزمین کی پیدائش پر غور کرتے ہیں تو ان کو یہ یقین کرنا بڑا آسان ہو جاتا ہے کہ یہ سب کچھ اتفاقاً وجود میں نہیں آ گیا بلکہ یہ اللہ رب العزت کی قدرت اور اس کی طاقت (كُنْ فَيَكُوْنُ) ہو جا اور دنیا وجود میں آ گئی کا معجزہ ہے۔ بھلا اتنی بڑی طاقت اور قدرت اللہ کے سوا کس میں ہو سکتی ہے؟ تب انسان پکار اٹھتا ہے کہ ''اے ہمارے پروردگار! تو نے یہ سب کچھ بے کار پیدا نہیں کیا بلکہ اس کائنات کی ایک ایک چیز انسان کے فائدہ کے لیے اور اس کی خدمت کے لیے پیدا کی گئی ہے''۔ انوار القرآن میں وضاحت کچھ یوں کی گئی ہے'' قرآن اور اسلام ہمیں اندھے عقیدے کی طرف نہیں بلاتے، اس لیے کہ یہ وہ کتاب نہیں جو سائنس کے حقائق سے ٹکرا جائے۔ سائنس مطالعہ فطرت کا نام ہے اور اسلام دین فطرت ہے، ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ دونوں جڑواں بہنیں ہیں یا پھر آپس میں لازم وملزوم ہیں، اس لیے اسلام اور سائنس کے درمیان کہیں بھی ٹکراؤ موجود نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ہمیں بار بار غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے۔ انسان اللہ سے دعا کرتا ہے کہ اس غور و فکر میں اس کی پوری طرح راہنمائی کرنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تیری ذات کے کھوج میں بھٹک جائے جیسا کہ کئی سائنس دان بھٹک گئے یا اللہ! ہمیں سچی لگن اور سیدھی راہ پر رکھنا تاکہ دوزخ کے عذاب سے بچ سکیں۔ کیونکہ سائنس دان تو ہر وقت تجربات میں لگے رہتے ہیں مگر گھوم پھر کر اللہ کی موجودگی کے ہی قائل ہو جاتے ہیں'' مثال کے طور پر نیوٹن نے کہا تھا کہ یہ اللہ کا طریق کار ہے وہ اسباب وعلل (علامات) کے ذریعہ کائنات میں اپنی مرضی کو ظاہر کرتا رہتا ہے۔ مگر ملحد لوگوں نے اس سے یہ مطلب نکال لیا کہ کائنات ایک خود کار مشینی نظام ہے مگر بیسویں صدی کے شروع ہوتے ہی سائنس کے علم میں بہت سی ایسی حقیقتیں آ گئیں جو کسی طرح بھی اس بات کا ثبوت نہ دیتی تھیں کہ کائنات ایک مشینی نظام کا نام ہے، مثلاً ریڈیم ایک تابکار عنصر ہے۔ اس کے الیکٹران خود بخود فطری عمل کے تحت مسلسل ٹوٹتے رہتے ہیں یہ معلوم کرنے کے لیے کہ اس تابکاری کا سبب کیا ہے بے شمار تجربے کئے گئے مگر ہر تجربہ ناکام رہا اسی طرح مقناطیس لوہے کو اپنی طرف کیوں کھینچتا ہے؟ اس لیے کہ اس کے خالق نے اس کو حکم دیا۔ طویل بحث مباحثہ کے بعد اب سائنس کی دنیا میں مان لیا گیا ہے کہ قانون تعلیل (خودکار نظام) کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔

سائنس دان اب پلٹ کر اس بات پر آ گئے ہیں کہ دنیا کا نظام نہ اتفاقی طور پر وجود میں آنے والا ہے اور نہ ہی کسی علت و معلول کے قانون کے تحت چل رہا ہے۔ بلکہ اس کے پیچھے ایک شعوری ذہن ہے جو اس کو چلا رہا ہے اور وہ ہے اللہ کی قدرت، اللہ کی طاقت۔ سائنس کی یہ واپسی مذہب کی صداقت کا ایک واضح ثبوت ہے، جس کے بعد کسی اور ثبوت کی ضرورت نہیں۔''

(مذہب اور سائنس۔ مصنف مولانا وحید الدین خان۔)

غور و فکر ہمارے مذہب اسلام کا بہت بڑا اعزاز ہے، عبادت ہے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ نے اس غور و فکر کو افضل عبادت فرمایا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر) اسی طرح حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ کا ارشاد ہے کہ غور و فکر ایک نور ہے جو تیرے دل میں داخل

ہو رہا ہے۔ (فہم القرآن) حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: جب کوئی شخص کثرت سے غور وفکر کرے گا تو حقیقت سمجھ لے گا اس کو صحیح علم حاصل ہو جائے گا اور جس کو علم حاصل ہو گیا وہ ضرور عمل بھی کرے گا۔" (تفسیر ابن کثیر)

غور وفکر سے ایمان کی مضبوطی اور اللہ رب العزت کی قربت حاصل ہوتی ہے۔ اسی لیے بندہ اس سے دعا کرتا ہے کہ ہمیں آگ کے عذاب سے بچائے رکھنا۔

## بندۂ مسلم کی دعا

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿192﴾ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿193﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿194﴾

اے ہمارے رب! جسے تو نے دوزخ میں داخل کر دیا اسے درحقیقت بڑی ذلت و رسوائی میں ڈال دیا اور پھر ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ ﴿192﴾ اے ہمارے رب! ہم نے ایک پکارنے والے کو سنا جو ایمان کی طرف بلاتا تھا کہ اپنے رب کو مانو ہم نے اس کی دعوت قبول کر لی، پس اے ہمارے پروردگار! ہمارے گناہ معاف فرما ہماری برائیاں دور فرما اور ہمارا خاتمہ نیک لوگوں کے ساتھ کر۔ ﴿193﴾ اے ہمارے رب! جو وعدے تو نے اپنے رسولوں کے ذریعے سے کیے ہیں ان کو ہمارے ساتھ پورا کر اور قیامت کے دن ہمیں رسوائی میں نہ ڈال، بے شک تو اپنے وعدے کے خلاف کرنے والا نہیں ہے۔ ﴿194﴾

تشریح: ان آیات میں انسان اپنے رب سے دعائیں کرتا ہے جیسا کہ آیات میں واضح بیان کیا گیا ہے آخر میں انسان التجا کرتا ہے کہ تو وعدہ پورا کرنا کبھی بھول نہیں سکتا مگر ہمیں اتنا پکا پرہیز گار اور نیک مسلمان بنا دے کہ ہم بھی ان لوگوں میں شامل ہو سکیں جن سے تو نے وعدہ کیا ہے کہ قیامت کے دن ان کو رسوائی اور عذاب جہنم سے تو بچا لے گا۔ آمین۔

## دعا کا جواب

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿195﴾

جواب میں ان کے رب نے فرمایا: میں تم میں سے کسی کا عمل ضائع کرنے والا نہیں ہوں۔ خواہ مرد ہو یا عورت تم سب ایک دوسرے

کے ہم جنس ہو، لہٰذا جن لوگوں نے میری خاطر اپنے وطن چھوڑے اور جو میری راہ میں اپنے گھروں سے نکالے گئے اور ستائے گئے اور میرے راستے میں جہاد کیا اور مارے گئے میں ان کے سب قصور معاف کر دوں گا اور انہیں ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔ یہ ان کا اجر ہے اللہ کے ہاں اور بہترین جزا اللہ ہی کے پاس ہے۔ (195)

تشریح: اس آیت میں کوئی بات وضاحت کے قابل نہیں اللہ تعالیٰ نے بندے کی دعا کا صاف صاف جواب دیا ہے ایک نقطہ اس آیت میں یہ بتایا گیا ہے کہ عورت اور مرد دونوں برابر انسان ہیں۔ آج کل کئی ممالک میں عورت کو انسان ماننے سے ہی انکار کیا جا رہا ہے تو قرآن نے اس فرق کو بالکل ختم کر دیا اور صاف بتا دیا ہے کہ جس طرح مرد قابل احترام انسان ہے اسی طرح عورت بھی قابل احترام انسان ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ دعاؤں کو ضرور قبول کرتا ہے۔ دعا مومن کا بہترین ہتھیار ہے اور اسے عبادت قرار دیا گیا ہے۔

## کافر اور مومن کے انجام کا مقابلہ

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فِي الْبِلَادِ (196) مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ (197)
لٰكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا
عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ (198) وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ
اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ اِنَّ اللّٰهَ
ع 20/11/11 سَرِيْعُ الْحِسَابِ (199) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ (200)

(اے نبی ﷺ!) دنیا کے ملکوں میں اللہ کے نافرمان لوگوں کی چلت پھرت تمہیں کسی دھوکہ میں نہ ڈال دے۔ (196) یہ محض چند روزہ زندگی کا تھوڑا سا لطف ہے، پھر یہ سب جہنم میں جائیں گے جو بدترین ٹھکانہ ہے۔ (197) برعکس اس کے جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے ہوئے زندگی بسر کرتے ہیں ان کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، ان باغات میں وہ ہمیشہ رہیں گے، اللہ کی طرف سے یہ ان کیلئے بہترین زندگی کے سامان ہوں گے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے نیک لوگوں کیلئے وہی سب سے بہتر ہے۔ (198) اہل کتاب میں سے بھی کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ کو ایک مانتے ہیں، اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں جو تمہاری طرف بھیجی گئی ہے اور اس پر بھی ایمان لاتے ہیں جو اس سے پہلے خود ان کی طرف بھیجی گئی تھی، اللہ کے آگے جھکے ہوئے ہیں اور اللہ کی آیات کو تھوڑی سی قیمت پر بیچ نہیں دیتے۔ ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔ (199) اے ایمان والو! صبر سے کام لو، باطل پرستوں کے مقابلہ میں بہادری دکھاؤ، ہر وقت جہاد کیلئے تیار رہو اور اللہ سے ڈرتے رہو، امید ہے کہ فلاح پاؤ گے۔ (200)

تشریح: ان آیات کو غور سے پڑھیں تو معلوم ہوتا ہے یہ پوری سورۂ آل عمران کا خلاصہ ہے۔ کیونکہ اس میں نیک و بد انسان کی تعریف بیان کرنے کے بعد ان کے اجر و ثواب، یعنی سزا و جزا کو خوب کھول کر بتا دیا گیا ہے اور آخر میں اللہ رب العزت دوبارہ

مومنوں کو خوشخبری دیتے ہوئے تاکید کرتے ہیں کہ ہر عمل کرتے ہوئے یہ خیال ضرور رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے بلکہ تمہاری نیتوں کو بھی اللہ تعالیٰ اچھی طرح جانتا ہے۔ اللہ سے ڈرنے میں وہ محبت اور شفقت چھپی ہوئی ہے جو بیان سے باہر ہے۔ یوں سمجھ لیں کہ ماں کا پیار اللہ رب العزت کے پیار، مہربانی، شفقت، کرم، محبت، خلوص اور انتہائی نا قابل بیان محبت کا ایک ہلکا سا نشان ہے، یعنی اللہ نے جس طریقے پر انسان کو پیدا کیا ہے وہ تو یہی ہے کہ اللہ نے اس کو پیدا کیا اس کی پرورش کے تمام ذریعے اس کے لیے پیدا کیے تو پھر کسی بھی شخص کو یہ کیسے خیال آ سکتا ہے کہ وہ اپنے اتنے مہربان رب کو چھوڑ کر کسی اور کے آگے جھکے؟ وہ تو ہر انسان کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب رہتا ہے جب ہم کسی بھی مصیبت میں گرفتار ہوتے ہیں تو ہم اسی کو پکارتے ہیں وہی ہمیں مصیبت سے نجات دیتا ہے ہم انسان اس کے ساتھ اس قدر بے تکلف ہیں کہ ہم اس کے لیے تو کا لفظ استعمال کرتے ہیں وہ ہماری اس بے تکلفی سے خوش ہوتا ہے اسی لیے تو ہم ہر وقت اس خیال میں یا اس ڈر میں رہتے ہیں کہ کہیں ہم سے کوئی ایسی غلطی نہ ہو جائے کہ ہمارا رب ہمارا مہربان ہم سے ناراض ہو جائے اور یوں ہم بے یار و مددگار ہو جائیں اور یوں دنیا و آخرت میں بھٹکتے پھریں۔ اللہ ہمیں اپنی ناراضگی سے محفوظ رکھے اور اپنی مہربانیوں کے سائے میں دنیا و آخرت کی بہترین زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تعالیٰ کو غیرت آتی ہے اور اللہ کی غیرت یہ ہے کہ مومن کوئی ایسا کام کرے جسے اللہ نے حرام کیا ہو۔'' (صحیح بخاری)

# خلاصہ سورۂ آل عمران

سورۂ آل عمران کے شروع میں یہ بتایا گیا کہ اللہ ایک ہے وہ زندہ ہے اور سب اسی کی مہربانی سے قائم و زندہ ہیں، پھر انسان کو تعلیم و ہدایت دینے کیلئے اس نے ایک آخری کتاب نازل کی، یعنی قرآن اور اس کتاب، یعنی قرآن مجید کو سمجھانے کیلئے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کو بھیجا۔ یہ کتاب اور جن پر یہ کتاب نازل ہوئی یعنی حضرت محمد ﷺ پوری دنیا کے لیے ہدایت کا پیغام ہیں۔

پھر بتایا گیا کہ دنیا تو صرف آزمائش کا گھر ہے یہاں بے شمار ایسی چیزیں ہیں جو انسان کو مذہب اور اللہ سے دور کر سکتی ہیں، یعنی بیوی، بچے، مال و دولت، عزت و شوکت، عیش و آرام اور سونے چاندی کے ڈھیر۔ یہی سبق دیا گیا ہے کہ یہ تمام دنیاوی چیزیں بالکل عارضی ہیں ہر وقت دھیان اس زندگی کی طرف رکھنا چاہیے جو ہمیشہ کی زندگی ہے اور موت کے بعد شروع ہوتی ہے وہاں یہ سب دنیاوی چیزیں ہرگز کام نہیں آئیں گی بلکہ صرف اعمال کام آئیں گے، اس لیے ان تمام چیزوں کو استعمال کرتے ہوئے قرآنی قانون اور نبی ﷺ کے فرامین سامنے رکھنے چاہئیں تب جنت ملے گی۔

اس کے بعد حضرت مریم علیہا السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش، ان کے معجزات، ان کی تعلیمات اور عیسائیوں کے

حالات تفصیل سے بیان کیے گئے، پھر آنحضرت ﷺ کا آنا، قرآن مجید اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بتایا گیا۔ پھر غزوۂ بدر میں کامیابی کا معجزہ، سود کی ممانعت اور احکامات کا بیان ہے پھر غزوۂ احد کا ذکر اور اس سے بے شمار مسائل کا بیان خوب تفصیل سے بتایا گیا۔ آخر میں مسلمانوں کو ہدایت فرمائی گئی کہ یہود و نصاریٰ کی زندگی کے اصول ہرگز نہ اپنائیں بلکہ صبر، سکون اور پورے خلوص ویقین سے ہر وقت اللہ رب العزت سے دعا کریں۔ دعا کا طریقہ بتایا گیا اور یہی حکم دیا گیا کہ نیکی کا راستہ ہی بہترین راستہ ہے اور جنت کی طرف یہی راستہ جاتا ہے۔ دشمنوں کے مقابلے میں ڈٹے رہو۔ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور کسی سے مت ڈرو۔

علامہ اقبال نے مسلمان کی تعریف یوں کی ہے۔

یقین محکم عمل پیہم محبت فاتح عالم
جہاد زندگانی میں یہ ہیں مردوں کی شمشیریں

# تعارف سورۂ النساء

**سورة النساء:** جیسا کہ اس سورت کے نام سے ظاہر ہے کہ یہ عورتوں کے بارے میں نازل ہوئی اس میں عورتوں کے ہر قسم کے مسائل اور مشکلات کا حل بیان کیا گیا ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ عورت کو اللہ رب العزت نے بہت بڑا مرتبہ، مقام اور بڑا اہم کردار سمجھا ہے اور بندوں کو سمجھایا ہے کہ عورت مرد سے کسی صورت کم نہیں۔ دنیا اور زندگی کے ہر شعبے میں عورت کی موجودگی اتنی ہی ضروری ہے جتنی کہ مرد کی موجودگی ضروری ہے۔ جو لوگ عورت کو کم تر یا حقیر سمجھتے ہیں ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ نے عورت کا مقام نہ صرف بلند ہی رکھا ہے، بلکہ اس دنیا کے کاروبار کو چلانے کے لئے ضروری حصہ بھی بنایا ہے۔

یہ سورت قرآن پاک کی تیسری لمبی سورت اور مدنی سورت ہے غالباً 4-5 ہجری میں نازل ہوئی۔ کیونکہ غزوۂ احد کے بعد اسلامی ریاست کو بڑے بڑے مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ تمام احکامات، قوانین اور اصول جو ایک ملک وقوم کے لیے ضروری ہوتے ہیں **سورة البقرہ** میں بیان کیے جاچکے ہیں۔ مگر اب موجودہ سوسائٹی جو غزوۂ احد کے بعد وجود میں آچکی تھی اس کو اور بھی زیادہ واضح اصول واحکامات کی ضرورت تھی، لہٰذا خاندان کی تنظیم، نکاح کے مسائل، معاشرے میں عورت ومرد پر پابندیوں کا قائم کرنا، یتیموں کے حقوق، وراثت کی تقسیم، رہن سہن کے معاملات، شہری زندگی کے قوانین، گھریلو جھگڑے، شراب نوشی پر پابندی، طہارت و صفائی کے اصول، نیک و پرہیز گار آدمی کے طریقے، مسلمانوں کا آپس میں نظم وضبط، بھائی چارہ، ہمدردی، اہل کتاب کے رویہ سے خبردار رہنے کی تاکید، پچھلی امتوں سے عبرت حاصل کرنے کی تاکید، ایمان اور کفر، مومن اور منافق غرض زندگی کے ہر حصہ کو بڑی اچھی طرح واضح کرکے بتایا گیا ہے کہ ایک مسلمان، اس کا گھر، محلّہ اور ملک کس طرح پرامن رہ سکتا ہے؟ جنگ احد کے بعد یہودیوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے تھے۔ اس سلسلے میں بھی بڑی اچھی ہدایات اللہ کی طرف سے اس سورت میں بتائی گئی ہیں۔ مثلاً:

افواہوں کے پھیلانے کی روک تھام، اکثر غزوات ہونے کی وجہ سے سفر میں تیمم اور جنگ میں صلوٰۃ الخوف، پھر جہاد کا حکم، مجبور مسلمانوں کے لیے ہجرت کا حکم اور پھر آخر میں منافق اور مومن کا فرق یہ سب کچھ مزید بتایا گیا۔ تاکہ مدینہ کی مسلم ریاست محفوظ ہو سکے، مسلمان ترقی حاصل کر سکیں، اسلام کا بول بالا ہو سکے اور یوں دین محمدی ﷺ دنیا میں زیادہ سے زیادہ سربلند اور کامیاب ہو سکے اور یوں قرآن وسنت نے دین محمدی ﷺ کو تمام مذاہب پر فوقیت دے دی۔ اور دنیا پر حکومت وعزت بھی عطا کی۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں۔

مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے
وہ کیا تھا ؟ زور حیدر، فقر بوذر رضی اللہ عنہ صدق سلیمانی رضی اللہ عنہ

اس شعر کی تشریح یوں ہوگی کہ نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین کے دور میں روم وایران کی زبردست سلطنتیں تھیں۔ ان میں ظلم وستم کی انتہا ہو چکی تھی جس کو مسلمانوں نے ختم کیا۔ شجاعت (بہادری)، فقر ودرویشی (سادگی)، توکل، صداقت، عدل وانصاف اور یقین وایمان جیسی صفات کی وجہ سے روم وایران کو فتح کیا اور اپنے حسن سلوک وحسن کردار کی وجہ سے وہاں کے لوگوں کے دل جیت لیے کہ وہ خود بخود مسلمان ہونے شروع ہو گئے۔

## انسان کی پیدائش

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ①

لوگو! اپنے رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا اور اسی جان سے اس کا جوڑا بنایا اور ان دونوں سے بہت مرد اور عورتیں دنیا میں پھیلا دیئے۔ اس اللہ سے ڈرو جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حقوق مانگتے ہو اور رشتے باندھتے ہو۔ رشتہ اور قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو، یقین جانو کہ اللہ تم پر نگرانی کر رہا ہے۔ ①

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ فرما رہے ہیں کہ ہمارا پیدا کرنے والا اللہ ہے، جس نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا کے ذریعے سے دنیا میں اتنی زیادہ خلقت پیدا کی اور یہ بتا دیا کہ عورت ومرد برابر کے انسان ہیں کوئی بھی بے کار نہیں۔ یہ طریقہ اللہ رب العزت کا اپنا ہی ہے پھر پیدا کرنے کے بعد رزق بھی وہ خود ہی دیتا ہے۔ انسان کو حکم دیتا ہے کہ آپس کے بھائی چارے کو مضبوط رکھو، رب سے ڈرو، کوئی غلط کام نہ کرو۔ کیونکہ ہر کام کو اللہ رب العزت دیکھ رہا ہے، نیکی کی راہوں پر چلنا چاہیے، تاکہ دنیا میں اور آخرت میں نجات حاصل ہو سکے۔ حدیث ہے "جو شخص اللہ کے خوف سے رویا ہو وہ آگ میں داخل نہ ہوگا" (ترمذی)

# یتیموں کا مال

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ﴿2﴾

یتیموں کے مال انکے حوالے کردو اپنے برے مال کو ان کے اچھے مال سے نہ بدلو اور نہ انکے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر کھا جاؤ۔ بے شک یہ بہت بڑا گناہ ہے۔﴿2﴾

تشریح: تاکید کی جا رہی ہے کہ یتیم کے مال میں پوری طرح امانت داری اختیار کرو۔ کسی صورت میں بھی خیانت نہ کرو۔ یہ مت سمجھو کہ وہ معصوم کیا جانے؟ اللہ تو نیتوں کو جانتا ہے اس لیے جیسے ہی یتیم بالغ ہو جائے پورے انصاف سے اس کو اس کے مال سے فائدہ اٹھانے کا طریقہ بتاؤ اور اس کی پوری طرح مدد کرو کہ اس کا نقصان نہ ہو جائے۔

# بیویوں کی تعداد

وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِى الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ﴿3﴾

اور اگر تم یتیموں کے ساتھ بے انصافی کرنے سے ڈرتے ہو تو جو عورتیں تم کو پسند آئیں ان میں سے دو دو، تین تین، چار چار سے نکاح کرلو۔ لیکن اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ ان کے ساتھ انصاف نہ کرسکو گے تو پھر ایک ہی بیوی کرو یا وہ کنیزیں ہیں جو تمہارے قبضہ میں آئی ہیں، بے انصافی سے بچنے کے لیے یہ زیادہ بہتر ہے۔﴿3﴾

تشریح: اس آیت میں یہ تاکید کی گئی ہے کہ اگر کوئی یتیم بچی تمہاری ذمہ داری میں ہو تو تم انصاف سے کام لیتے ہوئے نیک نیتی سے اس سے نکاح کرلو لیکن اگر سمجھتے ہو کہ اس کے ساتھ انصاف نہ کرسکو گے تو پھر نکاح نہ کرو دوسرا نکتہ جو اس آیت میں اٹھایا گیا ہے وہ ہے بیویوں کی تعداد کا ایک تو اس زمانے میں لوگ بے شمار بیویاں رکھتے تھے تو اس وجہ سے دو، تین یا چار کی اجازت دی گئی، تا کہ لوگ گناہ نہ کریں، یعنی بغیر نکاح کے عورتوں سے تعلقات نہ رکھیں۔ چار کی اجازت دینے پر بھی ایک سخت شرط رکھ دی کہ اگر تم ان سے برابری کا سلوک نہ کرسکو تو پھر ایک بیوی دو یا تین سے بہتر ہے۔ غرض جس قدر انصاف تم کر سکتے ہو اتنی ہی بیویاں رکھو یا پھر ایک بیوی اور جو لونڈی تمہاری ملکیت میں ہے اس اس پر گزارہ کرلو یہ حکم اس وقت کا ہے جب لونڈی اور غلام کا رواج تھا۔ بہر حال اس آیت میں تاکید یہی کی گئی ہے کہ کبھی بھی کسی بھی صورت سے بیوی کے ساتھ زیادتی یا بے انصافی نہیں ہونی چاہئے۔ اس وقت کے حالات اور ماحول کی وجہ سے چار بیویوں کی اجازت دی گئی تھی مگر اس کڑی شرط کے ساتھ کہ انصاف اور حسن سلوک کیا جائے

یہ اجازت آج بھی ہے مگر اسی کڑی شرط کے ساتھ۔

## حق مہر

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ۚ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا ﴿4﴾

اور عورتوں کے مہر خوش دلی کے ساتھ ادا کرو، البتہ اگر وہ خود اپنی خوشی سے مہر کا کوئی حصہ تمہیں معاف کر دیں تو اسے تم مزے سے کھا سکتے ہو۔﴿4﴾

تشریح: شادی کے وقت ایک خاص رقم شوہر کی حیثیت کے مطابق مقرر کی جاتی ہے جو شوہر بیوی کو ادا کرتا ہے اس کو مہر کا مقرر کرنا کہتے ہیں۔اس کے لیے حکم ہے کہ جو بھی مہر کی رقم تم نے مقرر کی ہے وہ بڑی خوشی سے ادا کر دو چاہے بیوی مطالبہ کرے یا نہ کرے۔ بیوی کو یہ حق حاصل ہے چاہے تو مہر کی رقم معاف کر دے چاہے تو وصول کر کے خود استعمال کر لے۔اگر وہ مہر کی رقم معاف کر دے تو پھر شوہر اس رقم کو جیسے چاہے خرچ کرے اس میں کوئی گناہ نہیں۔

## مال کے بارے میں ہدایت

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِيْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿5﴾

اور اپنے وہ مال جنہیں اللہ نے تمہارے لیے زندگی گزارنے کا ذریعہ بنایا ہے، نادان لوگوں کے حوالے نہ کرو، البتہ انہیں کھانے اور پہننے کے لیے دو اور انہیں نیک ہدایت دو۔﴿5﴾

تشریح: چھوٹے بچوں کے بارے میں حکم ہے کہ اپنا مال جو زندگی گزارنے کا ذریعہ ہے۔نادان بچوں کے حوالے مت کرو۔جن میں یتیم سب سے پہلے آتے ہیں، بلکہ ان کو طریقہ سلیقہ سے کھلاؤ پلاؤ۔اچھی طرح پرورش کرو مگر پرورش کا ایک اہم حصہ نیکی کی ہدایت اور بہترین تعلیم ہے۔اس سے ہرگز غفلت نہ کرو۔

## یتیموں کی تربیت

وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ﴿6﴾

اور یتیموں کی پرورش کرتے رہو یہاں تک کہ وہ نکاح کے قابل عمر کو پہنچ جائیں، پھر اگر تم ان کے اندر اہلیت پاؤ تو ان کے مال ان کے حوالے کر دو۔ ایسا کبھی نہ کرنا کہ ضرورت سے زیادہ اور جلدی جلدی مال کھا جاؤ کہ وہ بڑے ہو کر اپنا مال واپس لے لیں گے۔ یتیم کا سرپرست اگر مال دار ہو تو وہ پرہیزگاری سے کام لے اور اگر غریب ہو تو بہتر طریقے سے کھائے، پھر جب ان کے مال ان کے حوالے کرنے لگو تو لوگوں کو اس پر گواہ بنالو، اور حساب لینے کے لیے اللہ کافی ہے۔ (6)

تشریح: اس آیت میں حکم دیا گیا ہے اور کتنا آسان، فطرت انسانی کے بالکل مطابق اور انتہائی انصاف پر مبنی حکم یہ ہے کہ جب بھی کوئی یتیم تمہاری حفاظت میں آئے اور وہ مال دار بھی ہو تو تمہیں چاہیے کہ تم ان کی تعلیم و تربیت اور پرورش پوری دیانت داری سے کرو۔ اگر تم غریب ہو تو اس کے مال میں سے تنخواہ کے طور پر تم کچھ مناسب رقم لے سکتے ہو اور اس یتیم پر بھی انتہائی مناسب طریقہ سے خرچ کر سکتے ہو۔ ایسا ہرگز نہ کرنا کہ اس کا مال جلدی جلدی اور نامناسب طریقہ سے خرچ کر دو یہ سوچ کر یتیم بڑا ہو کر اپنا مال واپس لے لے گا تو پہلے ہی مال ختم کر دیا جائے یہ طریقہ بالکل ناجائز ہے۔ دوسری بات یہ کہی گئی کہ اگر تم امیر آدمی ہو تو پھر یتیم کی پرورش کے بدلہ میں اس کے مال میں سے اپنے لیے کچھ مت لو بلکہ یہ ایک فرض سمجھ کر ادا کرو۔ تیسری بات جس کا حکم دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ تم یتیم کے بالغ ہونے پر اس کو خوب اچھی طرح پرکھو اس کا بار بار امتحان لو اور اس کو خوب آزمالو کہ آیا وہ اتنی عقل اور شعور کا مالک ہو گیا ہے کہ اگر اس کو مال و دولت دے دیا جائے تو اس کو اچھے طریقہ سے استعمال کر سکتا ہے کاروبار یا کسی بھی طریقہ سے اپنا مال اچھی طرح سنبھال سکتا ہے۔ یہ عقل و شعور کسی بچہ کو تو 15-16 یا 18 سال میں حاصل ہو جاتا ہے اور بعض کو شادی کی عمر تک یہ صلاحیت حاصل ہو جاتی ہے۔ (امام ابوحنیفہ کے فرمان کے مطابق 25 سال بھی ہو سکتی ہے) مطلب یہ ہے کہ جب بھی یتیم اپنے مال کو بہترین طریقہ سے سنبھالنے کے قابل ہو جائے تو کچھ نیک لوگوں کو گواہ بنا کر یتیم کا مال پورے انصاف کے ساتھ اس کے حوالے کر دینا چاہیے۔ آخر میں اللہ رب العزت نے صاف صاف فرما دیا ہے کہ یہ بات دھیان میں رکھو کہ شروع سے آخر تک جو بھی تم نیت رکھو گے اور مال کے ساتھ جو معاملہ بھی رکھو گے اس کا حساب اللہ کے حضور دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک ایک پیسے کا حساب تم سے ضرور لے گا۔ یہ یقینی بات ہے۔

## مرنیوالے کے مال کی تقسیم

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوْضًا (7) وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (8)

مردوں کے لیے اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو اور عورتوں کے لیے بھی اس مال میں حصہ ہے جو

ماں باپ اور رشتہ داروں نے چھوڑا ہو، خواہ تھوڑا ہو، خواہ بہت اور یہ حصہ (اللہ کی طرف سے) مقرر ہے۔ ⑦ اور جب تقسیم کے موقعہ پر کنبہ کے لوگ یتیم اور مسکین آئیں تو اس مال میں سے ان کو بھی کچھ دو اور ان کے ساتھ اچھے طریقے سے بات کرو۔ ⑧

تشریح: ان آیات میں پانچ حکم دیئے گئے ہیں۔ پہلا یہ کہ جاہلیت کے زمانے کی رسم ختم کر کے مردوں کے ساتھ عورتوں کو بھی وراثت کا حصہ دار بنایا گیا۔ دوسرا میراث چاہے کم ہو یا زیادہ تقسیم کرنا ضروری ہے۔ تیسرا چھوڑا ہوا مال چاہے رقم ہو، جائیداد ہو، زرعی زمین ہو، باغات ہوں، مل یا فیکٹری ہو غرض کسی بھی صورت میں مرنے والے کا چھوڑا ہوا مال تقسیم ضرور کیا جائے۔ چوتھا میراث کا مسئلہ اس وقت ہوتا ہے جب مرنے والا کچھ چھوڑ جائے۔ پانچواں اور آخری حکم یہ ہے کہ جب مرنے والے کے قریبی رشتہ دار موجود ہوں تو پھر دور کے رشتہ دار حصہ لینے کے حق دار نہ ہوں گے۔ لیکن اگلی ہی آیت میں انسانی جذبات، باہمی ہمدردی اور رحم و کرم کی وجہ سے یہ حکم دیا گیا کہ اگر تقسیم وراثت کے وقت کوئی دور کے غریب، مسکین یا یتیم رشتہ دار بھی آ جائیں تو حسب گنجائش ان کو ضرور کچھ نہ کچھ دے دینا چاہیے اور اگر کسی مجبوری کی وجہ سے ان کو کچھ نہ دیا جا سکے تو کم از کم ان کو کھانا کھلا دو۔ اگر یہ بھی نہ ہو سکے تو ان کے ساتھ ایسی نرم اور خوش گوار بات چیت کرو کہ ان کی عزت افزائی ہو جائے۔ دل شکنی نہ ہو۔ مال کس طرح تقسیم کیا جائے؟ یہ احکامات آئندہ آیات میں تفصیلاً بیان کیے جائیں گے۔

وراثت کی تقسیم کا قانون انسانی بھلائی کے لیے بہترین قانون ہے۔ اس قانون سے عورتوں اور یتیموں کی حق تلفی ختم ہوگئی اور دنگے فساد کی روک تھام بھی ہوگئی۔ غیر مسلم بھی اس قانون کی تعریف کرتے ہیں۔

## یتیم کو اپنی اولاد پر قیاس کرو

وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۠ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ إِنَّ الَّذِيْنَ يَأْكُلُوْنَ أَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝ ع 1/10 12

لوگوں کو اس بات کا خیال کر کے ڈرنا چاہیے کہ اگر وہ خود اپنے پیچھے بے بس اولاد چھوڑتے تو مرتے وقت انہیں اپنے بچوں کے حق میں کیسے کیسے اندیشے ہوتے۔ پس چاہیئے کہ وہ اللہ کا خوف کریں اور سچی اور سیدھی بات کریں۔ ⑨ جو لوگ ظلم کے ساتھ یتیموں کے مال کھاتے ہیں۔ درحقیقت وہ اپنے پیٹ آگ سے بھرتے ہیں اور وہ ضرور جہنم کی آگ میں جھونکے جائیں گے۔ ⑩

تشریح: یتیم کس قدر بے بس اور قابل رحم ہوتا ہے؟ اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے اسی لیے اللہ رب العزت نے فرمایا کہ اس بات کا اندازہ کرنا ہو تو خیال کرو اگر خود تمہارے اپنے بچے یتیم ہو جائیں تو تم پر کیا گزرے گی؟ اس بات کو سوچ کر یہ ذہن میں بٹھا لو کہ کبھی کسی یتیم پر کسی صورت سے بھی ظلم و زیادتی نہ کرو گے ان کا مال ظلم و زیادتی سے کھا لینا تو انتہائی بری اور قابل سزا بات ہے یہ

ایسے ہی ہے کہ جیسا آگ سے اپنے پیٹ بھر لیے جائیں۔ صرف یہی نہیں، بلکہ انکو یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ ان کو مرنے کے بعد جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ یہ فیصلہ اللہ رب العزت کا ہے جو نہ تو جھوٹ ہوسکتا ہے اور نہ بدل سکتا ہے۔ اٹل اور یقینی فیصلہ ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: یتیم کے ساتھ ایمانداری برتو اور مہربانی سے پیش آؤ ورنہ سخت سزا پاؤ گے۔

## مرد وعورت اور والدین کا حصہ

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۭ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّھُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ (11)

تمہاری اولاد کے بارے میں اللہ تمہیں تاکیداً حکم دیتا ہے کہ مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر ہے، اگر (میت کی وارث) دو سے زائد لڑکیاں ہوں تو انہیں ترکہ کا دو تہائی دیا جائے اور اگر ایک ہی لڑکی وارث ہو تو آدھا ترکہ (چھوڑا ہوا مال) اس کا ہے۔ اگر میت کی اولاد ہو تو اس کے والدین میں سے ہر ایک کو ترکے کا چھٹا حصہ ملنا چاہیے اور اگر وہ صاحب اولاد نہ ہو تو والدین ہی اس کے وارث ہوں تو ماں کو تیسرا حصہ دیا جائے گا اور اگر میت کے بھائی بہن بھی ہوں تو ماں چھٹے حصہ کی حق دار ہوگی۔ یہ سب حصے اس وقت نکالے جائیں گے، جبکہ وصیت جو میت نے کی ہو پوری کر دی جائے اور قرض جو اس پر ہو ادا کر دیا جائے۔ تم نہیں جانتے کہ تمہارے ماں باپ اور تمہاری اولاد میں سے کون بلحاظ نفع تم سے قریب تر ہے۔ یہ حصے اللہ نے مقرر کر دیئے ہیں اور اللہ یقیناً سب حقیقتوں سے واقف اور حکمت والا ہے۔ (11)

**تشریح:** یہ آیت بڑی اہم ہے اس کو بڑے غور سے سمجھ لینا چاہیے کیونکہ اس سے زندگی کا ایک بہت بڑا مسئلہ وابستہ ہے، لہٰذا سب سے پہلے مرنے والے کے چھوڑے ہوئے مال میں سے کفن دفن کا خرچہ بڑے مناسب طریقہ سے کیا جائے۔ اس کے بعد اگر مرنے والے نے قرض دینا ہو تو اس کے مال میں سے اس کا قرض ادا کیا جائے گا۔ اگر پورا مال ہی قرضہ میں چلا گیا تو ٹھیک ہے وارثوں کو کچھ نہ ملے گا اور اگر قرضہ ادا کرنے کے بعد مال بچ جائے تو اس میں سے ایک تہائی میت کی وصیت کے مطابق دیا جاسکتا ہے۔ باقی جو بچ جائے اس کو قرآن کے اصول کے مطابق وارثوں میں تقسیم کر دیا جائے تفصیل مندرجہ ذیل ہے۔

پہلا اصول تو یہ ہے کہ مرد کو عورت سے دوگنا حصہ ملے گا۔ اگر صرف دو لڑکیاں ہوں تو ان کا کل حصہ دو تہائی ہوگا اور ہر ایک کو تہائی حصہ ملے گا۔ پھر لڑکیاں دو سے خواہ کتنی ہی زیادہ ہوں ان کا مجموعی حصہ ترکے کا دو تہائی ہی رہے گا۔ باقی ایک تہائی دوسرے ورثا کو

ملے گا۔ اگر لڑکی ایک ہی ہو تو کل ترکے کا نصف حصہ ملے گا اور باقی آدھے میں دوسرے ورثا ہوں گے، لیکن اگر کوئی عزیز نہ ہو تو پھر باقی آدھا بھی اسی کو ملے گا۔ اگر بیٹی کوئی نہ ہو صرف بیٹا ہی ہو خواہ ایک ہو یا زیادہ تمام میراث انہیں ہی ملے گی۔ والدین کے لیے تین صورتیں ہیں۔

1 اگر میت کی اولاد ہو تو ماں باپ میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔

2 اگر میت کی اولاد نہ ہو صرف ماں باپ ہی وارث ہوں تو ماں کو ایک تہائی اور باپ کو دو تہائی حصہ ملے گا۔

3 اگر میت کے ایک سے زیادہ بھائی بہن ہوں۔ خواہ وہ حقیقی ہوں یا صرف ماں یا صرف باپ کی طرف سے ہوں اور اولاد نہ ہو تو اس صورت میں ماں کو چھٹا حصہ اور باقی باپ کو ملے گا۔ بھائی بہن کو کچھ نہ ملے گا، اگر صرف ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ماں کو ایک تہائی ملے گا۔ اور باپ کو دو تہائی ملے گا۔ یہ اس صورت میں ہے کہ میت کی شادی نہیں ہوئی ورنہ تقسیم کی دوسری صورت ہو گی۔

جیسا کہ پچھلی آیت میں بتایا گیا ہے کہ اگر تقسیم کے وقت کوئی دور کے رشتہ دار آجائیں تو ان کو بھی کچھ نہ کچھ دے دیا جائے مگر اس کے لیے شرط ہے کہ تمام وارثوں کی اجازت سے یہ دیا جا سکتا ہے بغیر اجازت اس کا اختیار حاصل نہیں۔

میت کے ترکہ کی تقسیم اور ٹھیک تقسیم ہی سوسائٹی کی بہتری کے لیے فائدہ مند ہے، اس لیے اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ تمہیں یہ بالکل معلوم نہیں کہ تمہیں کس سے نفع پہنچے گا اور کتنا نفع پہنچے گا؟ لہٰذا اللہ کے مقرر کیے ہوئے حصوں کو بدلنا ہرگز فائدہ مند نہ ہو گا اور یہ جائز بھی نہیں اس لیے اللہ کے بتائے ہوئے اصولوں کی سختی سے پابندی کرنی چاہیے۔ اللہ جل شانہ کی حکمت اور علم بے انتہا، وسیع اور مکمل ہے نہ کوئی انسان اس کی برابری کر سکتا ہے اور نہ ہی اس کی حکمتوں کو جان سکتا ہے۔

اللہ رب العزت کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے ہمیں بہترین زندگی گزارنے کے لیے بنے بنائے اصول اور قانون بیان کر دیئے اب یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم سختی سے ان کی پابندی کریں اور دنیا و آخرت میں بھلائیاں حاصل کریں۔

## میاں بیوی کا حصہ، وصیت اور قرض

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ اَزْوَاجُكُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوْصُوْنَ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِي الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ غَيْرَ مُضَآرٍّ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿12﴾

اور تمہاری بیویوں نے جو چھوڑا ہو اس کا آدھا حصہ تمہیں ملے گا اگر وہ بے اولاد ہوں ورنہ اولاد ہونے کی صورت میں ترکے کا ایک چوتھائی حصہ تمہارا ہے، جب کہ وصیت جو انہوں نے کی ہو پوری کردی جائے اور قرض جو انہوں نے چھوڑا ہو ادا کردیا جائے اور وہ تمہارے ترکہ میں سے چوتھائی کی حق دار ہوں گی اگر تم بے اولاد ہو ورنہ اولاد ہونے کی صورت میں ان کا حصہ آٹھواں ہوگا، وصیت پوری کرنے کے بعد اور قرض جو تم نے چھوڑا ہو ادا کرنے کے بعد۔ اگر میت کلالہ ہو اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن موجود ہو تو بھائی اور بہن ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں تو کل ترکہ کے ایک تہائی میں وہ سب شریک ہوں گے، جبکہ وصیت پوری کردی جائے اور قرض جو میت نے چھوڑا ہو ادا کردیا جائے (شرط یہ ہے کہ) وہ ضرر رساں نہ ہو۔ یہ حکم ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ سب کچھ جاننے والا اور بردبار ہے۔ (12)

تشریح: اس آیت میں میاں بیوی کی میراث کو بیان کیا گیا ہے حکم ہے کہ خاوند کو بیوی کے ترکہ میں سے آدھا ملے گا اس صورت میں کہ بیوی کی کوئی بھی اولاد نہ ہو۔ لیکن اگر بیوی کی کوئی بھی اولاد ہو موجودہ خاوند سے یا پہلے خاوند سے تو اس صورت میں مرد کو ترکہ میں سے ایک چوتھائی ملے گا۔ یہ ضروری ہے کہ میراث تقسیم کرنے سے پہلے میت کا قرض ادا کردیا جائے اور وصیت پوری کردی جائے۔ اسی طرح عورت کو خاوند کے ترکہ میں سے چوتھائی حصہ ملے گا جب کہ مرد کی کوئی اولاد نہ ہو۔ لیکن اولاد ہونے کی صورت میں آٹھواں حصہ ملے گا۔ یہاں بھی ضروری ہے کہ پہلے قرض اور وصیت پوری کردی جائے۔ عورت کا مہر بھی قرض میں ہی شمار کیا جائے گا۔ ہر قسم کا مال ترکہ میں شمار ہوگا۔ زیورات، قیمتی دھاتیں، حویلی باغ یا ذرعی زمین ہو۔ اسی طرح کلالہ کا حصہ مقرر کردیا گیا ہے۔ کلالہ کا مطلب ہے جس کے والدین اور اولاد، دادا، دادی اور پوتے، پوتیاں نہ ہوں۔ یہاں ایسے بھائی بہن کی میراث کا ذکر ہے جو صرف ماں میں شریک ہوں۔ حکم یہ ہے کہ باپ اور بیٹے کے ہوتے ہوئے بہن بھائی کو کچھ نہیں ملے گا اور اگر والدین اور اولاد نہ ہو تو پھر بہن اور بھائی کو میراث ملے گی۔ بھائی اور بہن تین طرح کے ہوتے ہیں۔ سگے بہن بھائی (عینی) سوتیلے بہن بھائی جو صرف باپ میں شریک ہوں (علاتی)۔ سوتیلے بہن بھائی جو صرف ماں میں شریک ہوں (اخیافی)۔ اس آیت میں ماں میں شریک بہن بھائی کا ذکر ہے۔ اگر مرنے والے کے ماں، باپ، بیٹا، بیٹی کچھ نہ ہو اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن اخیافی ہو تو دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا۔ اخیافی بہن اور بھائی کا حصہ برابر ہے۔ دوسرے دو قسم کے بھائی بہن، یعنی عینی اور علاتی ان دونوں کو اولاد کی طرح حصہ ملے گا۔ شرط یہ ہے کہ میت کے والدین اور اولاد نہ ہو۔ اول حصہ دار عینی بھائی یا بہن ہے دوم حصہ دار علاتی ہوں گے عینی کے نہ ہونے پر۔

اگر اخیافی بھائی یا بہن ایک سے زیادہ ہوں تو مال کا ایک تہائی ملے گا قرض ادا کرنا پہلے ضروری ہے اسی طرح وصیت کا پورا کرنا بھی ضروری ہے مگر اس میں ایک شرط ہے وہ یہ کہ وصیت میں دوسروں کو نقصان نہ پہنچایا گیا ہو، یعنی یا تو ایک تہائی سے زیادہ

کی وصیت کی گئی ہو یا پھر جان بوجھ کر ایسی وصیت کی گئی ہو کہ جس سے جائز حقدار محروم کر دیئے گئے ہوں، لیکن اگر وارث اس کو قبول کر لیں تو پھر جائز ہے۔ پورے رکوع میں پانچ میراثوں کا بیان دیا گیا ہے۔ بیٹا، بیٹی، ماں، باپ، خاوند، بیوی، اخیافی بھائی بہن، ان سب کو حصہ دار کہتے ہیں۔ جب بھی میراث کی تقسیم کا ذکر ہوا تو تاکیداً کہا گیا کہ پہلے میت کا قرض ادا کرو، پھر جائز وصیت پوری کرو، پھر باقی بچے ہوئے مال کو اللہ کے بتائے ہوئے قانون کے مطابق تقسیم کر دو۔ اللہ رب العزت خوب اچھی طرح جانتا ہے کہ کس نے وراثت کی تقسیم میں ایمانداری کی اور کس نے ناانصافی یا نافرمانی کی؟ ایک اور قسم کا وارث بھی ہوتا ہے جو عصبہ کہلاتا ہے۔ عصبہ کا مطلب ہے وہ مرد جس کا میت سے عورت کے واسطے سے رشتہ نہ ہو اور اس کے چار درجے ہیں۔

1 بیٹا اور پوتا۔ 2 باپ اور دادا۔ 3 بھائی اور بھتیجا۔ 4 چچا اور چچا کا بیٹا یا اس کا پوتا۔

اگر میت کا اصل حصہ داروں میں سے کوئی بھی نہ ہو تو تمام ترکہ عصبہ کو ملے گا ورنہ تمام حصہ داروں کو دینے کے بعد جو بچ جائے وہ عصبہ کو ملے گا۔ کچھ نہ بچے تو کچھ نہ ملے گا اور اگر عصبہ میں کئی لوگ ہوں تو پھر میت کے قریب ترین کو پہلے دیا جائے گا مثلاً پوتے سے پہلے بیٹا، بھتیجے سے پہلے بھائی اور سوتیلے سے پہلے سگا حصہ دار ہو گا۔ ان چاروں کے علاوہ اولادوں میں اور بھائیوں میں مرد کے ساتھ عورت بھی عصبہ ہوتی ہے۔

آخر میں اللہ رب العزت کی دو صفات بیان کی گئی ہیں۔ علیم علم رکھنے والا اور حلیم انتہائی بردبار، یعنی وہ خوب جانتا ہے کہ انسان کی بھلائی اور بہتری کس اصول اور قانون میں ہے اور نرم خو اس لیے کہ اللہ نے جو بھی قوانین میراث کے بارے میں بتائے ہیں ان پر عمل کرنا بالکل آسان ہے ذرا بھی مشکل نہیں۔

## اللہ کی حدود

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿13﴾ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿14﴾

ع 2/4 13

یہ (تمام احکام) اللہ کی (مقرر کردہ) حدیں ہیں اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا، اللہ اس کو جنت میں داخل کرے گا جس میں نہریں بہہ رہی ہیں، وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے۔ ﴿13﴾ اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا اور اس کی حدود سے نکل جائے گا، اس کو اللہ دوزخ میں ڈالے گا، جہاں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کو ذلت کا عذاب ہو گا۔ ﴿14﴾

تشریح: وراثت کے کچھ اصول بیان کئے گئے ہیں اور ان پر سختی سے عمل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، کیونکہ یہ احکامات اور قانون مسلم ملت کو بے شمار جھگڑوں، فساد اور بے سکونی سے بچا سکتے ہیں۔ یہ تو صرف انسان کی بہتری کے لیے مقرر کئے گئے ہیں خود اللہ رب

العزت کو تو اس میں کوئی فائدہ نہیں مگر ان آیات میں بہت سخت الفاظ میں خبردار کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی بھی وجہ سے ان قوانین میں ردوبدل کرے گا تو اس کو رب العالمین جہنم کا عذاب ضرور دے گا اور یہ عذاب ہمیشہ کے لیے دیا جائے گا۔ جیسا کہ کئی دفعہ بتایا جا چکا ہے کہ جہنم کا عذاب بڑا ہی شدید عذاب ہے۔ مگر ساتھ ہی ان لوگوں کے لیے خوش خبری کا پیغام بھی دیا گیا ہے کہ جو شخص وراثت کی مقرر کی ہوئی حدوں، یعنی قانون اور اصول پر سختی سے عمل کرے گا اس کو دنیا میں بھی خوشی اور سکون ملے گا اور آخرت میں اس کو جنت میں داخل کیا جائے گا جہاں ہر قسم کا آرام، سکون اور عیش ہی عیش ہوگا اور یہ بہترین ٹھکانہ اس کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دیا جائے گا۔ اللہ رب العزت ہماری مدد فرمائے اور ہم سب مسلمانوں کو قرآن و حدیث پر سختی سے عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں دنیا و آخرت میں بھلائی عطا کرے۔ آمین۔

## بدکردار عورتوں اور مردوں کی سزا

وَالّٰتِيْ يَأْتِيْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَيْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتّٰى يَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ يَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا ﴿15﴾ وَالَّذٰنِ يَأْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿16﴾

تمہاری عورتوں میں سے جو بدکاری کریں ان پر اپنے میں سے چار آدمیوں کی گواہی لو اور اگر چار آدمی گواہی دے دیں تو ان کو گھروں میں بند رکھو یہاں تک کہ انہیں موت آ جائے یا اللہ ان کے لیے کوئی راستہ نکال دے۔ ﴿15﴾ اور تم میں سے جو مرد اور عورت ایسا کام کریں تو ان دونوں کو تکلیف دو، پھر اگر وہ توبہ کریں اور اپنی اصلاح کر لیں تو انہیں چھوڑ دو کہ اللہ بہت توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ ﴿16﴾

**تشریح:** یہ آیات اس وقت نازل ہوئیں جبکہ اہل عرب کسی باقاعدہ حکومت کے ماتحت رہنے کے عادی نہ تھے، اس لیے یہ بات حکمت کے خلاف ہوتی اگر فوراً ہی ان پر وہ اصل قانون، جو بعد میں سورۂ نور میں نازل کیا گیا، نافذ کر دیا جاتا اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو رفتہ رفتہ سخت قوانین کا عادی بنانے کے لیے یہ سزا مقرر کی کہ اگر کوئی عورت بدکاری کرے تو سب سے پہلے چار مسلمان آدمیوں کی گواہی لی جائے (اس میں بھی حکمت ہے) اگر بدکاری کا عمل ثابت ہو جائے تو پھر اس کو گھر میں بند کر دیا جائے یہاں تک کہ وہ مر جائے یا اللہ اس کے لیے کوئی راستہ نکال دے غالباً یہ راستہ وہی ہو سکتا ہے جو اللہ رب العزت نے بعد میں سورۂ نور میں نازل فرمایا، جو مصلحتاً اس وقت نافذ نہ کیا گیا تھا، پھر بدکار مرد کے لیے حکم دیا گیا کہ ان دونوں کو مار پیٹ کر و اور اچھی طرح لعن طعن کرو پھر اگر وہ پکی توبہ کریں اور اپنی اصلاح کر لیں تو پھر ان کو معاف کر دو۔ اللہ توبہ قبول کرنے والا ہے اور وہ معاف کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ توبہ کی تفصیلات پہلے بیان ہو چکی ہیں اگلی آیات میں توبہ کے بارے میں بیان کیا گیا ہے۔

بدکاری کا اصل قانون جو نبی کریم ﷺ اور خلفائے راشدین کی حکومت میں نافذ کیا گیا وہ آئندہ بیان کیا جائے گا۔ ان شاء اللہ۔

## سچی اور جھوٹی توبہ

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿17﴾ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْآنَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۚ أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿18﴾

ہاں یہ جان لو کہ اللہ پر توبہ کی قبولیت کا حق انہی لوگوں کے لیے ہے جو نادانی کی وجہ سے کوئی برا فعل کر گزرتے ہیں اور اس کے بعد جلد ہی توبہ کر لیتے ہیں۔ ایسے لوگوں پر اللہ اپنی نظر عنایت سے پھر متوجہ ہو جاتا ہے اور اللہ ساری باتوں کی خبر رکھنے والا اور حکیم و دانا ہے۔ ﴿17﴾ اور توبہ ان لوگوں کے لیے نہیں ہے جو برے کام کرتے چلے جاتے ہیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کی موت کا وقت آ جاتا ہے اس وقت وہ کہتا ہے کہ میں نے اب توبہ کی اور اسی طرح توبہ ان کے لیے بھی نہیں ہے جو مرتے دم تک کافر رہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے تو ہم نے دردناک سزا تیار کر رکھی ہے۔ ﴿18﴾

تشریح: ان آیات میں اللہ غفور و رحیم نے اپنے بندوں کی نجات کے لیے ایک ایسا دروازہ کھول رکھا ہے جو ان کو دردناک عذاب سے بچا سکتا ہے۔ انسان غلطیوں کا پتلا ہے شیطان ہر وقت اس کو شکار کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے، لہٰذا اللہ رب العزت فرماتا ہے کہ وہ ظلم و زیادتی کو پسند نہیں کرتا لہٰذا اگر کسی سے گناہ ہو جائے تو اسے چاہیے فوراً خلوص نیت سے اللہ سے معافی مانگ لے تو اس کی توبہ یقیناً قبول کر لی جائے گی۔ توبہ کرنے کی شرائط تین یا چار ہیں: اول اپنے کیئے پر ندامت محسوس کرے۔ دوم جس گناہ پر توبہ کی ہے اس کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دے۔ سوم دوبارہ وہ کام نہ کرنے کا عہد کرے۔ چہارم اگر اس کا تعلق کسی انسان سے ہو تو اس سے معافی مانگے یا اس کا حق واپس کرے۔ توبہ کرتے ہوئے مکمل طور پر یہ سوچ لے کہ اللہ رب العزت ہر ہر بات کی خبر رکھتا ہے اور اس کی دانائی و حکمت بے مثال ہے۔ پھر فرمایا کہ ان لوگوں کے لیے توبہ کا کوئی فائدہ نہیں جو برابر گناہ کیئے جاتے ہیں مگر جب موت کا وقت سر پر پہنچ جاتا ہے تو پھر توبہ کرنے لگتے ہیں یا جو کفر کی حالت میں ہی مر جائیں تو توبہ کے دروازے ان کے لیے بند ہو چکے ہوتے ہیں کیونکہ اعمال کرنے کے لیے یہ دنیا ہی مخصوص ہے جب یہاں سے چلے گئے تو اعمال کرنے کا وقت ختم ہو جاتا ہے۔ موت سے پہلے کی گئی سچی توبہ قابل قبول ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو بندہ مومن موت سے ایک مہینہ پہلے اپنے گناہ سے توبہ کرے، ایک دن یا ایک گھڑی پہلے توبہ کرے، تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائیں گے بشرطیکہ اخلاص کے ساتھ سچی توبہ کی گئی ہو۔ (تفسیر ابن کثیر بحوالہ ابن مردویہ)

جب کسی نے اوپر دی گئی ہدایات کے مطابق توبہ کر لی تو وہ ہر گناہ سے پاک، رب کا محبوب بندہ بن جاتا ہے۔ لیکن جو برے کام کیے چلا جاتا ہے، توبہ نہیں کرتا۔ کفر کی حالت میں مر جاتا ہے تو ایسے شخص کے لیے صرف دردناک عذاب کا ہی ایک دروازہ رہ جاتا ہے، جس میں وہ اپنے گناہوں کی سزا پاتا رہتا ہے اور یہ اس کے اپنے کیے کا بدلہ ہوتا ہے۔ اس لیے ہر وقت استغفار کرتے رہنا چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے "اَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ الَّذِيْ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ" کہا اس کے تمام گناہ معاف کر دیے جاتے ہیں اگرچہ وہ جنگ سے بھی بھاگا ہو۔ (سنن ترمذی)

## مجرموں سے سلوک

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَرِثُوا النِّسَآءَ كَرْهًا ؕ وَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ لِتَذْهَبُوْا بِبَعْضِ مَآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ بِفَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ فَاِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا ﴿19﴾

اے ایمان والو! تمہارے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ زبردستی عورتوں کے وارث بن بیٹھو اور نہ یہ حلال ہے کہ انہیں تنگ کر کے اس مہر کا کچھ حصہ اڑا لینے کی کوشش کرو جو تم انہیں دے چکے ہو۔ ہاں اگر وہ کسی صریح بدچلنی کی مرتکب ہوں تو (پھر تمہیں تنگ کرنے کا حق ہے) ان کے ساتھ بھلے طریقے سے زندگی بسر کرو، اگر وہ تمہیں ناپسند ہوں تو ہو سکتا ہے ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو مگر اللہ نے اسی میں بہت سی بھلائی رکھ دی ہو۔ ﴿19﴾

**تشریح:** پچھلی آیات میں بدکاری کی سزا اور پھر توبہ کا بیان ہو چکا ہے اس آیت میں عورتوں کو ایک اور ظلم سے بچایا گیا ہے۔ جاہلیت کے زمانے میں یہ دستور تھا کہ مرنے والے کا مال تو اڑا ہی لیا جاتا تھا بلکہ اس کی بیوہ کو بھی اپنی ہی ملکیت سمجھ کر رکھ لیا جاتا تھا۔ یا تو خود عورت کا دیور یا جیٹھ وغیرہ اس سے نکاح کر لیتا یا کسی سے رقم لے کر اس سے بیوہ کا نکاح کروا دیا جاتا یا پھر بغیر نکاح کے ہی عمر بھر کے لیے اس کو اپنے پاس زبردستی رکھ کر اس کے تمام مال پر قبضہ کر لیا جاتا اس ظلم سے پوری طرح منع کر دیا گیا اور صاف طور پر حکم دیا گیا کہ شوہر کے مرنے کے بعد عورت (بیوہ) کو پورا اختیار حاصل ہے جہاں چاہے رہے اور عدت پوری کرنے کے بعد جس سے چاہے نکاح کرے یا نہ کرے۔

ایک اور ظلم جو عورتوں پر ہوتا کہ اگر بیوہ کہیں نکاح کرنا چاہتی تو ورثا اس میں رکاوٹ ڈالتے، تاکہ بیوہ کا مال باہر نہ چلا جائے اس بات سے بھی سختی سے منع کیا گیا ہے۔ اس آیت میں اس بات سے روکا گیا ہے کہ اگر تم بیوی کو طلاق دے دو تو مہر کی رقم اس سے واپس لینے کی تمہیں ہرگز اجازت نہیں، یا اگر تم زبردستی اس سے مہر کی رقم معاف کرواؤ یا مہر دے کر واپس لینے کیلئے عورت پر ظلم وستم کرو یہ سب ناجائز ہے، کیونکہ یہ عورت پر ظلم ہے جس کی اجازت اللہ نے دی ہے نہ رسول ﷺ نے۔ ہاں، ایک صورت میں

مہر کی واپسی یا معافی کی اجازت ہے وہ یہ کہ اگر عورت صاف طور سے بدکاری یا بدچلنی کرتے ہوئے دیکھی جائے تو پھر مہر واپس لیا جائے یا معاف کروایا جائے تو جائز ہے مگر اس میں تحقیق اور انصاف کا بے حد خیال رکھا جائے، تاکہ غلطی میں کسی عورت پر ظلم نہ ہو جائے، کیونکہ اسلام امن وسلامتی کا مذہب ہے کسی بھی مخلوق پر ظلم کی اجازت ہرگز نہیں دیتا۔ آیت کے آخر میں میاں بیوی کا ایک مسئلہ اور بھی حل کر دیا گیا تاکہ معاشرے میں شر وفساد نہ پھیلے۔ حکم ہے کہ مرد کو طلاق دینے میں ہرگز جلدی نہیں کرنی چاہئے۔ اصلاح کے لیے طلاق کی اجازت ضرور دی گئی ہے مگر ساتھ ہی طلاق کو حلال باتوں میں سب سے ناپسندیدہ کام بھی کہا گیا ہے۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں مردوں کو چاہیے بڑے صبر، سکون اور سمجھ داری سے کام لیتے ہوئے اپنی اس بیوی کو موقع دیں۔ کیونکہ ہوسکتا ہے وہی ناپسندیدہ بیوی کسی دوسرے وصف (صفت) یا فائدہ کی وجہ سے مرد کو پسند آنے لگے۔ ہوسکتا ہے اللہ رب العزت نے اسی بیوی کو ہی خاوند کے لیے باعث برکت بنا رکھا ہو جو وقت گزرنے پر ظاہر ہونے لگے اور میاں بیوی کی محبت کا سبب بن جائے اور یوں ایک گھر برباد ہونے سے بچ جائے۔ قربان جائیں اللہ کے قانون پر کیسی کیسی حکمتیں، کیسے کیسے فائدے انسان کے لیے بیان کئے جاتے ہیں جو خود انسان کی عقل سے باہر ہیں وہ علیم (جاننے والا) حکیم (حکمت والا) اور حلیم (نرم خو) اتنا زیادہ ہے کہ انسان تو سوچ بھی نہیں سکتا، لہٰذا قرآن کے ہر حکم کو بلا حیل وحجت مان لینا انسان کے لیے فائدے کا باعث ہے اور دنیا وآخرت میں کامیابی حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے اسی لیے اللہ فرماتا ہے:

اے ایمان والو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرتے رہو اور حکم سننے کے بعد نافرمانی نہ کرو اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو کہتے تو ہیں کہ ہم نے سن لیا، حالانکہ وہ سنتے سناتے نہیں۔ بے شک اللہ کے نزدیک بدترین قسم کے جانور وہ بہرے گونگے لوگ ہیں جو عقل سے ذرا بھی کام نہیں لیتے۔ (سورۃ الانفال آیات 20 تا 22)

## مہر کے مسائل

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔـا ۭ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿20﴾ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿21﴾

اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی لے آنے کا ارادہ کر ہی لو تو خواہ تم نے اسے ڈھیر سا مال ہی کیوں نہ دے دیا ہو، اس میں سے کچھ واپس نہ لینا۔ کیا تم اسے بہتان لگا کر اور صریح گناہ کر کے واپس لو گے۔ ﴿20﴾ اور آخر تم اسے کس طرح واپس لو گے جب کہ تم ایک دوسرے سے لطف اندوز ہو چکے ہو اور وہ تم سے پختہ عہد لے چکی ہیں۔ ﴿21﴾

تشریح: ان آیات میں تین صورتیں مہر کے بارے میں بیان کی گئی ہیں۔ پہلی یہ صورت ہے کہ اگر کسی وجہ سے مرد دوسری شادی

کرنا چاہتا ہے اور وہ خیال کرتا ہے کہ کسی صورت پہلی بیوی سے مہر کی رقم واپس لے لے یا جو کچھ بہت سا مال تحفہ کے طور پر یا کسی بھی طور سے وہ بیوی کو دے چکا ہے اس سے واپس لے کر دوسری بیوی کے لیے خرچ کرے یا کہیں اور خرچ کرے تو اس سے سختی سے منع کیا گیا ہے کہ جو مال بیوی کو دیا جا چکا ہے واپس لینا ہرگز جائز نہیں۔ سوائے اس صورت کے جو پچھلی آیت میں بیان ہو چکی تو اس صورت کے لیے فرمایا کہ صرف مال واپس لینے کے لیے یا بیوی کو ستانے کے لیے مرد کو اس حرکت کی اجازت نہیں دی گئی کہ وہ بہتان یا تہمت لگائے ایک پاکدامن بیوی پر۔ تہمت لگانے کا بہت بڑا عذاب اور سخت ترین سزا مقرر ہو چکی ہے تو جو بھی یہ کام کرے گا اس کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ایک تو کسی شریف، نیک اور پکے مومن کی شان کے خلاف ہے کہ دیا ہوا مال واپس لے اور دوسرے اللہ رب العزت کی پکڑ بڑی سخت اور اس کے لیے بڑا عذاب ہے، پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آخر تمہاری غیرت یہ کس طرح گوارا کر سکتی ہے کہ جس کے ساتھ تم نے نکاح کر کے پکا عہد کیا ساتھ رہنے کا اور پھر صرف نکاح ہی نہیں کیا، بلکہ نکاح کے بعد تم دونوں ساتھ اکٹھے رہے اور ایک دوسرے سے پوری طرح لطف اندوز ہوئے اس سے تم دیا ہوا مال یا مہر واپس لے لو، اس لیے صلح سے معاملات طے کرو اور کبھی بھی ظلم و نافرمانی کا راستہ اختیار نہ کرو۔ ان تمام احکامات سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورت کو کس قدر محترم اور باعزت ٹھرایا ہے اور ہر صورت سے مرد کے ظلم و ستم سے اس کو پوری طرح بچایا ہے۔ اب کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ عورت مظلوم ہے ہاں، دوسرے مذاہب میں اب بھی ترقی یافتہ ممالک میں عورت کو مظلوم بنایا جا رہا ہے۔ مثلاً عورت اور مرد اگر ایک ہی ڈیوٹی دے رہے ہیں تو عورت کو مرد کے مقابلہ میں آدھی تنخواہ دی جاتی ہے جب کہ اسلامی ممالک میں یہ زیادتی بھی نہیں کی جاتی۔ دونوں کو ایک جیسی تنخواہ اور ایک جیسی تمام سہولتیں دی جاتی ہیں۔ سبحان اللہ یہی تو اسلام کی برکات ہیں۔ قرآن میں جہاں بھی آیا مومن مرد مومن عورتیں ہی آیا ہے۔ کہیں بھی صرف مرد نہیں آیا۔

## محرم عورتیں، ماؤں کا احترام

وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿22﴾ ع 3/8 14
حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ
الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ
الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ
عَلَيْكُمْ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ
اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿23﴾

اور جن عورتوں سے تمہارے باپ نکاح کر چکے ہوں ان سے ہرگز نکاح نہ کرو، مگر جو پہلے ہو چکا سو ہو چکا۔ درحقیقت یہ ایک بے حیائی کا فعل، ناپسندیدہ اور برا چلن ہے۔ (22) تم پر حرام کی گئیں تمہاری مائیں، بیٹیاں، بہنیں، پھوپھیاں، خالائیں، بھتیجیاں، بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہو اور تمہاری دودھ شریک بہنیں اور تمہاری بیویوں کی مائیں اور تمہاری بیویوں کی بیٹیاں جنہوں نے تمہاری گودوں میں پرورش پائی ہو۔ ان بیویوں کی لڑکیاں جن سے تمہارا نکاح ہو چکا ہو اور اکٹھے رہ چکے ہوں ورنہ اگر تعلق زن وشوہر نہ ہوا ہو تو پھر تم پر کوئی مؤاخذہ نہیں ہے اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں جو تمہاری صلب سے ہوں اور یہ بھی تم پر حرام کیا گیا ہے کہ ایک نکاح میں دو بہنوں کو جمع کرو مگر جو پہلے ہو گیا سو ہو گیا، اللہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ (23)

تشریح: پہلی آیت میں صرف سوتیلی ماں سے نکاح سے منع کیا گیا تھا اب ان عورتوں کا تفصیل سے بتایا جا رہا ہے جن سے نکاح کرنا جائز نہیں اول تو ان عورتوں کا بتایا جا رہا ہے جن سے نسبی تعلق ہو مثلاً ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجی، بھانجی ان سب سے نکاح جائز نہیں اسی طرح دادی اور نانی اوپر تک سب ہی اس میں شامل ہیں، پھر اسی طرح بیٹی سے نکاح کرنے کی ممانعت میں پوتی، نواسی اور ان کے نیچے تک سب شامل ہیں اور بہن کے سلسلے میں عینی، علاتی اور اخیافی سب شامل ہیں۔ پھوپھی، باپ، دادا اور اوپر تک کی پشتوں کی بہنیں سگی ہوں یا سوتیلی سب شامل ہو گئیں۔ خالہ میں ماں، نانی اور نانی کی نانی سب کی تینوں قسم کی بہنیں شامل ہیں اور بھتیجی میں تینوں قسم کے بھائیوں کی اولاد پھر اولاد کی اولاد سب ہی شامل ہیں اور بھانجی میں تینوں قسم کی بہنوں کی اولاد پھر اولاد کی اولاد سب ہی شامل ہیں۔

نسبی رشتوں کے علاوہ رضاعی رشتے بھی ہیں اور یہ دو ہیں۔ ماں، بہن اور ساتوں رشتے جو نسب میں بیان ہوئے رضاعت میں بھی حرام ہیں، یعنی رضاعی بیٹی، پھوپھی، خالہ، بھتیجی اور بھانجی بھی حرام ہیں۔ رضاعی کا مطلب ہے ایک ساتھ دودھ پینا۔ پھر سختی سے منع کیا گیا ہے کہ جس عورت سے تمہارا باپ نکاح کر چکا ہو اس سے نکاح جائز نہیں، بلکہ اس حرکت کے لیے اللہ رب العزت نے بڑے سخت الفاظ استعمال کیے ہیں، یعنی یہ عمل بے حیائی، قابل نفرت اور برا چال چلن کہلاتا ہے، اس لیے ان عورتوں سے ہرگز نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ نے نکاح کیا ہو۔ پھر اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ یہ جاہلیت کے زمانے میں ہوتا رہا ہے اس لیے اگر تم بھی یہ حرکت کر چکے ہو تو وہ قابل معافی ہے کیونکہ اس وقت تمہیں اس کی ممانعت نہیں کی گئی تھی مگر اب اس حرکت کو قابل سزا بنا دیا گیا ہے۔

آیت نمبر 23 میں پھر ان محرمات کی تفصیلات بیان کی جا رہی ہیں جو نکاح کے تعلق کی بنا پر حرام ہیں۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ اول جن سے ہمیشہ کے لیے نکاح جائز ہے یہ ہیں بیوی کی ماں اور بیوی کی بیٹی۔ اگر بیوی سے لطف اندوز ہو چکے ہو تو پھر نا جائز ہے اور اگر صحبت سے پہلے بیوی کو طلاق دے دو تو پھر اس کی بیٹی سے نکاح جائز ہے۔ بیٹوں کی بیویاں اور نیچے تک پوتوں

اورنواسوں کی بیویوں سے بھی نکاح نہیں ہوسکتا۔

دوسری قسم میں وہ عورتیں ہیں جن سے ہمیشہ کے لیے نکاح کی ممانعت نہیں، بلکہ جب تک کوئی عورت نکاح میں رہے صرف اسی وقت تک اس عورت کی ان قرابت والی عورتوں سے نکاح منع ہے لیکن جب اس عورت کو طلاق دے دی جائے یا وہ مر جائے تو اس کی ان قرابت داروں سے نکاح جائز ہو جائے گا۔ وہ قرابت دار یہ ہیں۔ بیوی کی بہن جو بیوی کی زندگی میں نہیں لائی جاسکتی ایک وقت میں دو بہنوں سے نکاح منع ہے۔ یہی حکم بیوی کی پھوپھی، خالہ، بھتیجی اور بھانجی کے بارے میں ہے۔

یہاں حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے سگے بیٹوں کی بیویاں تم پر حرام ہیں۔ لے پالک بیٹے کی بیوی طلاق کے بعد یا بیوہ ہونے پر نکاح کے لیے جائز ہے۔ پھر آخر میں اللہ رب العزت نے فرمایا کہ جاہلیت کے زمانے میں جو ہو چکا وہ قابل معافی ہے مگر حکم الٰہی کے بعد تمام قانون پر عمل کرنا بے حد ضروری ہے۔ لاعلمی میں جو کچھ ہو گیا وہ سب معاف ہے کیونکہ رب العالمین بہت زیادہ معاف کرنے والے ہیں اور رحم کرنے والے ہیں۔ مگر نافرمان لوگوں کی پکڑ ضرور ہوگی۔

# نکاح کی شرائط اور مہر

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَامَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿24﴾

اور وہ عورتیں بھی تم پر حرام ہیں جو کسی دوسرے کے نکاح میں ہوں، البتہ ایسی عورتیں اس سے مستثنٰی ہیں جو (جنگ میں) تمہارے ہاتھ آئیں، یہ اللہ کا قانون ہے جس کی پابندی تم پر لازم کر دی گئی ہے۔ ان کے ماسوا جتنی عورتیں ہیں انہیں اپنے اموال کے ذریعے سے حاصل کرنا تمہارے لئے حلال کر دیا گیا ہے، بشرطیکہ حصار نکاح میں ان کو محفوظ کرو، نہ یہ کہ آزاد شہوت رانی کرنے لگو پھر جواز دواجی زندگی کا لطف تم ان سے اٹھاؤ اس کے بدلے ان کے مہر بطور فرض کے ادا کرو، البتہ مہر کی قرارداد ہو جانے کے بعد آپس کی رضامندی سے تمہارے درمیان اگر کوئی سمجھوتہ ہو جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، یقیناً اللہ علیم اور دانا ہے۔﴿24﴾

**تشریح:** اس آیت میں یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ مرد کو تو چار بیویوں کی اجازت دی گئی ہے اس شرط کے ساتھ کہ وہ ان کے ساتھ انصاف کر سکتا ہو۔ مگر بیویوں کو اس کی ہرگز اجازت اسلام میں نہیں دی گئی کہ ایک وقت میں دو یا کئی شوہر رکھیں۔ اس کی بے شمار معقول وجوہات ہیں۔ سب سے بڑی وجہ تو اولاد کا فساد ہے کہ یہ کیسے معلوم ہو یہ کس کی اولاد ہے، اور یہ فساد بے شمار فسادوں کی جڑ بن سکتا ہے، لہٰذا سختی سے منع کیا گیا ہے کہ شادی شدہ عورت سے نکاح کی اجازت نہیں صرف ایک صورت بنتی ہے کہ مال غنیمت کے ساتھ اگر کچھ عورتیں بھی پکڑی جائیں تو ان سے کچھ شرائط پوری کرنے کے بعد نکاح ہو سکتا ہے۔ (مال غنیمت وہ مال ہوتا ہے جو کفر و ایمان کے درمیان جنگ کے بعد مسلمانوں کو مل جائے اس میں عورتیں مرد اور بچے بھی ہو سکتے ہیں۔) تو ایسی عورت کے بارے میں حکم ہے کہ اگر وہ شادی شدہ ہے تو قیدی بن جانے پر اس کا نکاح ختم ہو جاتا ہے تو جس کو وہ عورت ملکیت میں مل جائے تو اس پر فرض ہے کہ ایک ماہواری گزر جانے کے بعد اس سے (اہل کتاب ہونے کی صورت میں) جماع ہو سکتا ہے اگر وہ ماں بننے والی ہو تو پھر بچہ کی پیدائش کے بعد جماع ہو سکتا ہے، پھر فرمایا گیا کہ جن عورتوں کی حرمت (ناجائز ہونا) پچھلی آیات میں بیان ہو چکی ہے ان کے سوا باقی سب قسم کی عورتیں تمہارے نکاح میں آ سکتی ہیں۔ اس میں بھی چار باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے۔

1- ہونے والی بیوی سے باقاعدہ رضامندی حاصل کی جائے۔

2- مہر کی رقم ادا کرنے پر رضامندی ظاہر کرو۔

3- عورت کو نکاح میں لانے کے بعد اس کی تمام ضروریات کو پورا کرنا چاہیے۔ صرف عیاشی ہی مقصد نہ ہو۔

اب مسئلہ مہر کا ہے تو اس کے لئے حکم ہے کہ اگر مرد عورت سے باقاعدہ جماع، رخصتی اور جماع کا لطف حاصل کرتا ہے تو پھر مرد

پر لازم ہے کہ پورا مہر ادا کرے، لیکن اگر عورت کو چھونے سے پہلے ہی طلاق ہوگئی تو پھر آدھا مہر ادا کرنے کا حکم ہے۔ ایک صورت اور ہے کہ میاں بیوی آپس کی رضامندی سے مہر میں کمی بیشی کر سکتے ہیں۔ بیوی مہر معاف بھی کر سکتی ہے، میاں بیوی کے ملاپ پر حق مہر اور لونڈی کے ساتھ جماع وغیرہ تمام باتوں کو خوب کھول کر بیان کر دیا گیا ہے اور ان کے لئے بہترین اصول وقوانین بنا دیئے گئے ہیں، کیونکہ انسانی زندگی کی بقا اور ابتدا میاں بیوی کے ملاپ سے ہی ہوتی ہے۔ یہ ملاپ جس قدر زیادہ صاف ستھرا، پاکیزہ، پرخلوص اور مناسب حالات میں ہوا تنا ہی زیادہ گھر کا ماحول، بچوں کی پرورش اور معاشرے کا سکون بہتر قائم ہوگا۔ یہ معاملات بڑے پیچیدہ اور نازک ہیں۔ انسان کے لئے ممکن نہیں کہ وہ ان تمام پیچیدگیوں کو سمجھ کر مناسب طریقہ سے حل کر سکے اسی لئے اللہ رب العزت جو کہ علیم (سب سے زیادہ جاننے والا) بھی ہے اور حکیم (سب سے زیادہ عقل وسمجھ کا مالک) بھی ہے اس نے انسان کے نکاح، حق مہر اور گھریلو زندگی کے ایسے بہترین اصول بیان کر دیئے ہیں کہ جن پر عمل کر کے ہر شخص دنیا وآخرت میں کامیاب وکامران ہوسکتا ہے۔ اللہ کے بتائے ہوئے قانون اگر کوئی نہ مانے تو یہ اس کے لئے وبال کا سامان ہوگا، لہٰذا اللہ رب کی فرمانبرداری میں ہی نجات ہے۔ گھر سے لیکر محلہ اور شہر حتی کہ پورے ملک کیلئے عزت واحترام اور کامیابیوں کا ذریعہ ہے۔

## لونڈی سے نکاح کی شرائط

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ؕ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿25﴾ ع 4/3

اور جو شخص تم میں سے اتنی قدرت نہ رکھتا ہو کہ آزاد عورتوں سے نکاح کر سکے اسے چاہیے کہ تمہاری ان مؤمنہ لونڈیوں میں سے کسی کے ساتھ نکاح کرے جو تمہارے قبضہ میں ہوں۔ اللہ تمہارے ایمانوں کا حال خوب جانتا ہے، تم سب ایک ہی گروہ کے لوگ ہو، لہٰذا ان کے سرپرستوں کی اجازت سے ان کے ساتھ نکاح کرلو اور معروف طریقہ سے ان کے مہر ادا کر دو تا کہ وہ حصار نکاح میں محفوظ ہوکر رہیں، آزاد شہوت رانی نہ کرتی پھریں اور نہ چوری چھپے آشنائیاں کریں، پھر جب وہ حصار نکاح میں محفوظ ہو جائیں اور اس کے بعد کسی بدچلنی کی مرتکب ہوں تو ان پر اس سزا کی بہ نسبت آدھی سزا ہے جو آزاد عورتوں کے لئے مقرر ہے۔ یہ سہولت تم میں سے ان لوگوں کے لئے پیدا کی گئی ہے جن کو شادی نہ کرنے سے گناہ میں پڑ جانے کا اندیشہ ہو۔ لیکن اگر تم صبر کرو تو یہ تمہارے لیے بہتر ہے، اللہ بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ ﴿25﴾

تشریح: اللہ رب العزت نے پچھلی آیات میں نکاح اور مہر کے قوانین بتائے ہیں اس آیت میں بھی وہی سلسلہ جاری ہے۔ یہاں مرد کی سہولت کا ایک راستہ بتایا گیا ہے کہ اگر تم اتنی استطاعت نہیں رکھتے کہ آزاد عورت سے شادی کر سکو تو پھر تمہیں چاہیے کہ کسی مالک کی اجازت سے کسی نیک اور مسلمان لونڈی سے ہی شادی کر لو مگر شرط یہ ہے کہ اس کا حق مہر دستور کے مطابق اپنی حیثیت کے مطابق مقرر کرو اور ادا بھی کرو۔ لونڈی سمجھ کر اس پر کوئی ظلم وستم نہ کرو۔ حقیقت میں تو سب انسان برابر ہیں اگر کسی کو برتری حاصل ہے تو وہ پرہیزگاری کی وجہ سے ہے، اس لیے تمہارے ایمانوں کی پختگی اور خلوص کو اللہ رب العالمین خوب جانتا ہے ہوسکتا ہے لونڈی ایک خاندانی آزاد عورت کی نسبت زیادہ پاک باز، نیک نیت، پرخلوص اور دین دار ہو۔ بہر حال تمہیں چاہیے کہ اگر کسی قسم کی مجبوری تو لونڈی سے نکاح کر لو۔ اس اجازت میں بے شمار حکمتیں موجود ہیں۔ سب سے بڑی حکمت تو بدکاری، بے حیائی اور بداخلاقی سے بچنے کا بندوبست کر دیا گیا کہ اگر شادی کی عمر کو تم پہنچ گئے ہو فطری طور پر شادی کی خواہش ہے مگر مال اتنا نہیں کہ آزاد عورت سے شادی کا خرچہ برداشت کر سکو تو پھر مومنہ لونڈی جس پر تمہیں زیادہ خرچ برداشت نہ کرنا پڑے اسی سے شادی کر لو۔ اور دوسری مصلحت یہ ہے کہ لونڈی بھی تو انسان ہی ہوتی ہے اس کو بھی بلند درجہ دے دیا گیا اب یہ اس لونڈی کے اپنے اختیار میں ہے کہ سیدھا اور پاکیزہ راستہ اختیار کر کے اپنے خاوند کی فرمانبردار بیوی بن کر رہے یا کہ غلط راستہ اختیار کر کے بدی اور بے حیائی کے کام کرتی پھرے۔ اس پر حکم ہے کہ اس بدکار لونڈی کو ایک آزاد خاندانی عورت کی نسبت آدھی سزا دی جائے۔ کیونکہ لونڈی نے صرف نکاح اور خاوند کی حفاظت کو توڑا ہے جب کہ خاندانی عورت نے نکاح خاوند اور اپنے خاندان کی عزت ووقار کو بھی توڑا ہے۔ اللہ رب العالمین فرماتا ہے کہ ان احکامات سے صرف وہی فائدہ اٹھا سکتا ہے جس کے دل میں اللہ کا خوف ہو اور وہ پختہ مسلمان ہو۔ کیونکہ لونڈی بے چاری حالات اور ماحول سے مجبور ہوتی ہے، وہ ایک آزاد خاندانی عورت کی طرح محفوظ اور خود مختار نہیں ہوتی، اس لیے اگر تم صبر کر کے لونڈی سے شادی نہ کرو تو بہتر ہے، بہر حال تمہارے لیے سہولت اور آسانی کا ایک راستہ اللہ رب العزت نے کھول دیا ہے کیونکہ اس کو اپنے بندوں کے ساتھ بے پناہ محبت ہے اسی لیے وہ ان کی آسانیوں اور سہولتوں کا بندوبست کرتا ہے اور پھر وہ ہی تو بخشنے والا اور مہربان ہے۔ بخشش مانگتے رہو اور رحم طلب کرتے رہو اسی میں نجات ہے۔ ایک مرد جو لونڈی سے شادی کرے اس کو چاہئے کہ مالکوں سے اجازت ضرور لے، لونڈی کو پورا مہر ادا کرے جو بھی مقرر کیا گیا ہو اور لونڈی کے اخلاق وکردار کی تحقیق اچھی طرح کرے کہ وہ مومنہ ہو، نیک فطرت، نیک کردار اور پاک دامن ہو کیونکہ پاک دامن بیوی دنیا کی سب سے بڑی دولت اور سب سے بڑا سکون ہے مگر مرد کو بھی چاہیے کہ بیوی کے تمام حقوق خوش دلی سے پورے کرے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''اللہ تم کو عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کا حکم فرماتا ہے''۔ (مسند احمد)

## اللہ تمہیں راہ ہدایت پر چلانا چاہتا ہے

یُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿26﴾ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿27﴾ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿28﴾

اللہ چاہتا ہے کہ تم پر ان طریقوں کو واضح کرے اور انہی طریقوں پر تمہیں چلائے جن کی پیروی تم سے پہلے گزرے ہوئے (صلحا) کرتے تھے۔ وہ اپنی رحمت کے ساتھ تمہاری طرف متوجہ ہونا چاہتا ہے، وہ علیم بھی ہے اور دانا بھی۔ (26) ہاں، اللہ تم پر رحمت کے ساتھ توجہ کرنا چاہتا ہے مگر جو لوگ خود اپنی خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم راہ راست سے ہٹ کر دور نکل جاؤ۔ (27) اللہ تم پر سے پابندیوں کو ہلکا کرنا چاہتا ہے کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے۔ (28)

**تشریح:** ان آیات میں اللہ رب العزت فرماتا ہے کہ مذہب اسلام میں جو کچھ قوانین انسان کے لیے مقرر کئے گئے ہیں سب کے سب انتہائی آسان اور انسان کی سہولت اور فطرت کے بالکل مطابق ہیں جیسا کہ سورۃ البقرہ سے لے کر اب تک زندگی گزارنے کے جو طریقے اور اصول بتائے گئے ہیں سب کے سب انسان کی کامیابی، نجات اور آسانی پیدا کرنے کے لیے ہیں۔ یہی طریقے پہلی قوموں کو بھی بتائے گئے تھے مگر انہوں نے ان کو خلط ملط کر دیا صرف چند نیک، متقی اور اچھے لوگوں نے ان اصولوں کو اپنایا اور نجات پائی، کیونکہ اللہ دانا بھی ہے اور بندوں کے ہر قسم کے حالات کو جانتا بھی ہے اسی لیے وہ ایسے راستے بتاتا ہے جو زندگی آسان کردیں۔ مگر دنیا میں ہر جگہ اور ہر زمانہ میں ایسے شریر اور فسادی لوگ موجود ہوتے ہیں جو نہ خود نیکی اختیار کرتے ہیں نہ دوسروں کو نیکی اختیار کرنے دیتے ہیں اور ہر بندے کے اچھے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرتے ہیں اور انہیں برے راستے اختیار کرنے کی ترغیب بھی دیتے ہیں تو ایسے لوگوں سے ہوشیار رہتے ہوئے قرآن وحدیث پر عمل کرنا چاہئے۔ کیونکہ انسان تو ہمیشہ کمزور فطرت واقع ہوا ہے۔ اس کی کمزوریوں کو مدنظر رکھ کر اللہ رب العزت نے ہر قسم کے قوانین نافذ کئے ہیں اور ان قوانین میں بہت آسانیاں رکھ دیں، تاکہ بندوں کو مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ اسی لیے بار بار کہا گیا ہے کہ قرآن کو پڑھنا، سمجھنا، سکھانا اور اس پر عمل کرنا دنیا وآخرت میں نجات کا باعث ہے۔ اللہ رب العزت ہمیں اس کی توفیق دے۔ آمین۔

## مسلمانوں کی جان و مال کی حفاظت

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَنْفُسَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿29﴾ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا

فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا وَ كَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿30﴾

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، آپس میں ایک دوسرے کے مال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ، آپس کی رضا مندی سے لین دین ہونا چاہیے اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔ یقین مانو کہ اللہ تمہارے ساتھ انتہائی مہربان ہے۔﴿29﴾ جو شخص ظلم وزیادتی کے ساتھ ایسا کرے گا اس کو ہم ضرور آگ میں جھونکیں گے اور یہ اللہ پر (نہایت) آسان ہے۔﴿30﴾

تشریح: دونوں آیات میں مطلب واضح طور پر بتایا گیا ہے۔ ایک نکتہ اس میں قابل تشریح ملتا ہے کہ اپنے آپ کو قتل نہ کرو۔ اس سے تین مطلب نکلتے ہیں کہ اگر کسی کو قتل کیا تو قصاص میں خود بھی قتل کیے جاؤ گے، یعنی دوسرے کو قتل کر کے اپنے قتل کا راستہ بنالیا۔ دوسرا مطلب خودکشی مراد ہوسکتی ہے تو یہ کیونکہ حرام موت ہے، اس لیے یہ بھی گناہ عظیم ہے۔ تیسرا مطلب یہ ہے کہ حرام مال کھا کر یا ظلم وزیادتی سے دوسرے کا مال کھا کر اپنے نامۂ اعمال کو خراب نہ کرو اور حرام مال کھانے سے دنیا میں بھی بہت بڑی سزا ملتی ہے اور وہ ہے بے سکونی، پریشانی اور بیماری۔ حرام مال جیسے آتا ہے ویسے ہی چلا بھی جاتا ہے، البتہ اپنے ساتھ پریشانیوں کے عذاب کا ضرور اضافہ کرتا ہے۔ اللہ مہربان ہے اسی لیے تو بار بار خبردار کرتا ہے کہ بدلہ ضرور ملے گا اور وہ ہے دوزخ کا عذاب جس سے کوئی بھی بچا نہ سکے گا۔

## بڑے گناہوں سے بچو

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿31﴾

اگر تم ان بڑے بڑے گناہوں سے پرہیز کرتے رہو جن سے تمہیں منع کیا جارہا ہے تو تمہاری (چھوٹی موٹی) برائیوں کو ہم تمہارے حساب سے ساقط کردیں گے اور تم کو عزت کی جگہ داخل کریں گے۔﴿31﴾

تشریح: سورۃ النساء کی ابتداء ہی میں تمام انسانوں کو بتا دیا گیا کہ تم حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کی اولاد ہو، اس لیے ایک دوسرے کے حقوق کا خیال اسی جذبہ اور خلوص سے رکھو جس طرح بھائی بہن کا خیال رکھا جاتا ہے، پھر کچھ تفصیلات بیان کی گئیں اور خیال رکھنے کے لیے قانون بتادیے گئے کہ انسانوں کو تکلیف نہ ہو، اس میں یتیموں، عورتوں، میراث (میت کا چھوڑا ہوا مال،) رشتہ داروں کے حقوق بتائے گئے، پھر نکاح، مہر، وصیت، قرض، اللہ کی حدود، سزا، توبہ، مجرموں سے سلوک، ماؤں کا احترام، لونڈیوں کے مسائل، جان و مال کی حفاظت کے مسائل غرض زندگی کے بے شمار اصول بتادیے گئے کہ جن پر عمل کر کے انعامات و درجات ملیں گے اور بدعملی کے مطابق سزا ملے گی۔ آیت 31 میں ایک خاص انعام کا ذکر کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اگر تم بڑے گناہوں سے اپنے آپ کو بچالو گے تو چھوٹے چھوٹے گناہ اللہ رب العزت بالکل معاف فرمادیں گے اور عزت واحترام کا درجہ ملے گا جو کہ جنت الفردوس کی صورت میں ہوگا۔

بڑے گناہوں اور چھوٹے گناہوں کے بارے میں درجہ بندی احادیث کی کتابوں میں بتائی گئی ہے۔ جبکہ اس کی درجہ بندی تو ممکن ہے مگر تعداد ہرگز ممکن نہیں (معذرت) درجہ بندی ہم اس طرح کر سکتے ہیں کہ ایک بچہ سوچتا ہے آج میں اپنی کلاس کے بچہ کا ربڑ، پنسل یا کتاب ضرور چرا کر اپنے گھر لے آؤں گا۔ چوری کرنے سے پہلے اس نے منصوبہ بنایا یہ گناہ ہو گیا پھر اس نے چوری کے مال کو سنبھالنے کا منصوبہ بنایا یہ گناہ ہو گیا اس کی سوچ گناہ گار ہو گئی۔ پھر اس نے اس چوری کی چیز کو چھپانے کا، والدین، استاد اور کلاس کے بچوں کو دھوکہ دینے کا منصوبہ بنایا، لیکن جب وہ اپنے اس منصوبہ پر عمل کرنے لگا یعنی چوری کرنے لگا تو اس کے ضمیر نے اس کو خبردار کر دیا کہ یہ گناہ ہے اور وہ چوری کرنے سے باز آ گیا۔ اس طرح اس نے بڑے گناہ سے اپنے آپ کو بچا لیا تو اللہ رب العزت نے اس کے وہ تمام چھوٹے گناہ جو چوری کرنے سے پہلے کئے یعنی سوچا اور منصوبہ بنایا یہ سب معاف کر دیئے، لیکن اگر وہ چوری کا عمل کر لیتا تو پھر سوچنا منصوبہ بنانا یہ بھی سزا میں شامل کر لیے جاتے۔ تو اس بات کا انعام ضرور ملے گا جو اس نے شیطان کو شکست دے کر اپنے آپ کو بڑے گناہ سے بچا لیا۔ گویا شیطان کی بات نہ ماننا اور اپنے ضمیر کی بات مان کر برائی سے بچ جانا یہ بھی اللہ رب العالمین کو بے حد پسند ہے اور اس کا اجر ضرور ملتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: آنکھ کا زنا ہے، کان کا زنا ہے، زبان کا بھی اور ہاتھ پاؤں کا بھی، پھر شرمگاہ اس کی تصدیق کر دیتی ہے یا تکذیب۔ (صحیح بخاری) گویا آنکھ کا زنا غیر محرم کی طرف دیکھنا، پاؤں کا اس کی طرف چل کر جانا، زبان کا غیر محرم عورت سے شہوانی گفتگو کرنا، ہاتھوں کا زنا غیر محرم عورت کو چھونا اب اگر زنا اس سے صادر ہو جاتا ہے تو باقی چھوٹے گناہ بھی برقرار رہیں گے اور اگر بچ جاتا ہے تو چھوٹے گناہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنے سے معاف کر دیے جائیں گے بشرطیکہ وہ نیک اعمال بھی بجالانے والا ہو اور یہ نیک اعمال اس کے چھوٹے گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں۔

## حسد سے بچو

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا (32)

اور جو کچھ اللہ نے تم میں سے کسی کو دوسروں کے مقابلہ میں زیادہ دیا ہے اس کی تمنا نہ کرو جو کچھ مردوں نے کمایا ہے اسکے مطابق ان کا حصہ ہے اور جو کچھ عورتوں نے کمایا ہے اس کے مطابق ان کا حصہ ہے۔ ہاں، اللہ سے اس کے فضل کی دعا مانگتے رہو، یقیناً اللہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ (32)

**تشریح:** اس آیت میں حسد اور بغض کو برا کہا گیا ہے۔ کیونکہ حسن، مال، عزت، دولت، صحت اور شہرت کی تقسیم اللہ رب العزت کی مرضی اور اندازے کے مطابق ہی ہوتی ہے اور اس میں بے شمار حکمتیں ہیں جو شخص جس قابل ہوتا ہے اللہ اس کو وہی دیتا ہے اور پھر

یہ سب غیر اختیاری (انسان کے اختیار سے باہر) معاملات ہیں۔ کسی کو زیادہ دے کر کسی کو کم دے کر کسی کو حسین بنا کر، کسی کو بدصورت بنا کر غرض ہر صورت میں ہر حالت میں انسان کی آزمائش ہی ہوتی ہے کیونکہ یہ دنیا یہ زندگی امتحان کی جگہ ہے۔ مشاہدہ میں یہی آیا ہے کہ غریب اپنی غربت میں بھی خوش رہ کر شکر ادا کرتا رہتا ہے ہوسکتا ہے اگر اس کو مال و دولت مل جاتی تو وہ گناہوں کی طرف چل پڑتا تو اللہ نے اس کی عاقبت بہتر کرنے کے لیے اس کو کم مال دیا۔ کسی کا ظرف اتنا نہیں ہوتا کہ اس کو بلند مرتبہ دیا جائے تو یہ سب راز اللہ ہی جانتا ہے، البتہ عملی زندگی میں محنت، دیانت اور علم و ہنر میں ترقی کی جاسکتی ہے اور اس راستہ میں عورت و مرد برابر ہیں جو جس قدر نیکی، پاکدامنی اور تقوٰی میں برتری حاصل کر سکے کر لے نہ کہ حسد کر کے اپنی عاقبت خراب کی جائے محنت کے ساتھ اللہ کا فضل مانگا جائے تو زیادہ مناسب ہے۔ کیونکہ وہ سب سے زیادہ جاننے والا ہے وہ خوب جانتا ہے کہ کس کو کس حال میں رکھنا ہے۔ انسان کی عقل بہت محدود ہے وہ اپنا اچھا اور برا نہیں جان سکتا۔ "رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً" کی تعلیم خود قرآن نے دی ہے مثال کے طور پر ایک شخص اللہ سے بہت سی رقم مانگتا ہے تو حادثہ میں اس کا جوان سال بیٹا مر جاتا ہے حادثہ کی وجہ سے حکومت یا مل والے اس کو ہرجانہ کے طور پر بڑی رقم دے دیتے ہیں جو اس کو بیٹا تو واپس نہیں دلا سکتی اسی لیے جب بھی اللہ سے مانگو اس کا فضل ہی مانگو بندے کی بھلائی اسی میں ہے۔ حسد کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے حدیث بیان کرتے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تم لوگ حسد سے بچو، کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھا لیتا ہے جیسے آگ ایندھن کو کھا جاتی ہے۔ (سنن ابوداود)

## وارثوں کا حصہ

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۭ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿33﴾ ع 5/8/2

اور ہم نے ہر اس ترکے کے حق دار مقرر کر دیئے ہیں جو والدین اور رشتہ دار چھوڑیں۔ اب رہے وہ لوگ جن سے تمہارے عہد و پیمان ہوں تو ان کا حصہ انہیں دو، یقیناً اللہ ہر چیز پر نگران ہے۔ ﴿33﴾

تشریح: وراثت کی تقسیم بڑی تفصیل سے بیان کی جا چکی ہے۔ اس آیت میں حکم دیا گیا ہے کہ جاہلیت کی اس رسم کو ختم کر دیا جائے۔ رسم یہ تھی کہ دوستی میں ایک دوسرے سے یہ عہد کر لیا جاتا تھا کہ جب میں مر گیا تو میرے مال میں سے اتنا تمہارا ہوگا۔ حکم یہ ہوا کہ مسلمان کو عہد کی پابندی ضرور کرنی چاہیے، اس لیے اپنی زندگی میں ہی اس قسم کے عہد کو پورا کرتے ہوئے اپنے منہ بولے بیٹے یا دوست کو کچھ نہ کچھ دے دیا جائے، کیونکہ مرنے کے بعد وراثت صرف والدین یا رشتہ دار جو اللہ رب العزت نے حق دار مقرر کر دیئے ہیں وہی حق دار ہو سکتے ہیں۔ دوست یا منہ بولے بیٹے یا دوستی میں بنائے گئے رشتہ دار ترکے میں ہرگز حصہ دار نہیں ہو سکتے۔ اس میں بہت سی حکمتیں ہیں یہ حکمتیں تو اللہ رب العزت خوب اچھی طرح جانتے ہیں، کیونکہ نگران اعلیٰ، یعنی سب سے بڑا

نگرانی کرنے والا تو صرف اور صرف اللہ جل شانہ ہی ہے۔ اس کے مقرر کیے ہوئے وارث ہی ترکہ کے حق دار ہو سکتے ہیں۔

## مردوں کی عورتوں پر فضیلت

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ۭ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ۭ وَالّٰتِيْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَھُنَّ فَعِظُوْھُنَّ وَاهْجُرُوْھُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْھُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿34﴾ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَھْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَھْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿35﴾

مرد عورتوں پر برتر ہیں، اس بنا پر کہ اللہ نے ان میں سے ایک کو دوسرے پر فضیلت دی ہے (قوام یا قیم ہیں۔) اور اس بنا پر کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں، پس جو صالح عورتیں ہیں وہ فرمانبردار ہوتی ہیں اور مردوں کے پیچھے اللہ کی حفاظت و نگرانی میں ان کے حقوق کی حفاظت کرتی ہیں اور جن عورتوں سے تمہیں سرکشی کا اندیشہ ہو انہیں سمجھاؤ، بستروں میں ان سے علیحدہ رہو اور مارو، پھر اگر وہ تمہاری مطیع ہو جائیں تو خواہ مخواہ ان پر دست درازی کے بہانے تلاش نہ کرو، یقین رکھو کہ اللہ بہت مرتبے والا اور بالاتر ہے۔﴿34﴾ اگر تم لوگوں کو میاں بیوی کے تعلقات بگڑ جانے کا اندیشہ ہو تو ایک انصاف کرنے والا مرد کے رشتہ داروں میں سے اور ایک عورت کے رشتہ داروں میں سے مقرر کرو، اگر وہ دونوں اصلاح کرنا چاہیں گے تو اللہ ان کے درمیان صلح کی صورت نکال دے گا، اللہ سب کچھ جانتا ہے اور خبر رکھنے والا ہے۔﴿35﴾

**تشریح:** ان آیات میں گھریلو زندگی کے چند اصول بتائے گئے ہیں۔ جیسا کہ سب کو معلوم ہے کہ دو افراد حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام دنیا کو آباد کرنے کا سب سے بڑا ذریعہ بنے اس ذریعہ کو مفید، با مقصد، پرامن اور کامیاب بنانے کے لیے اللہ رب العزت نے میاں بیوی کے درجات کی وضاحت اس طرح فرمائی کہ گھر کا نظام چلانا، اخراجات پورے کرنا اور اپنے بیوی بچوں کو بہترین آسائشیں دینے کا بندوبست کرنا مرد کا فرض ہے، اس فرض کو پورا کرنے کے لیے مضبوط جسم و جان کی ضرورت ہے جو کہ مرد کو عطا کی گئی ہے، اسی لیے اس کو حاکم، یعنی سربراہ کہا گیا ہے۔ دوسری طرف عورت کا درجہ بھی کوئی کم تر نہیں۔ اس نے ہی تو ولیوں، پیغمبروں، فلسفیوں غرض تمام بہترین انسانوں کو جنم دیا پیدائش کا وسیلہ اللہ رب واحد نے عورت کو عطا کیا۔ صرف پیدائش کا فرض ہی نہیں دیا، بلکہ بچہ کی صحیح تعلیم و تربیت بھی اس کے ذمہ لگائی گئی۔ پیدائش اور تربیت اتنا بڑا، مشکل اور محنت کا کام ہے کہ اس کے لیے عورت کو کمانے کا وقت نہیں مل سکتا، کیونکہ کمانا خود ایک علیحدہ اور مشکل کام ہے جو مرد کے ذمہ ہے اسلام نے عورت کو کمانے کی ذمہ داری سے اس طرح آزاد کر دیا ہے کہ جب پیدا ہو تو باپ کفالت کرے، جب شادی ہو تو خاوند کفالت کرے، اگر وہ مر جائے تو بیٹا،

اس کے بعد بھائی اس کے بعد قریب ترین رشتہ دار اگر کوئی بھی نہ ہوتو پھر اسلامی حکومت کا فرض ہے عورت کی کفالت کرے۔ یہ بہت بڑی سہولت ہے جو مسلمان عورت کو دی گئی ہے اگر عورت خود اپنی مرضی سے کچھ کام کرنا چاہے تو اس پر پابندی نہیں۔ یہ سہولت عورت کی نزاکت اور جسمانی کمزوری اور عزت ووقار کی وجہ سے دی گئی ہے اور سب سے بڑی وجہ بچہ کو پرورش کرنے کے لیے دی گئی ہے۔ انسانی بچہ کی تمام تر تربیت اور اخلاق کی تشکیل ماں کی گود میں ہی ہوتی ہے۔ جدید نفسیات نے اس بات کا ثبوت دیا ہے کہ 75 فیصد تربیت شخصیت وکردار کی تکمیل شروع کے تین سالوں میں ماں کی گود سے ہو جاتی ہے۔ باقی کردار سازی تعلیم وتربیت دوسرے ادارے مکمل کرتے ہیں۔ بچے کو خوش خلقی، محبت، ایثار باہمی میل جول اور تخلیقی صلاحیتیں ماں کی بہترین تربیت ہی سے ملتی ہیں۔ اسی لیے تو ماں کو صرف بچوں کی پرورش اور گھریلو ذمہ داریاں پوری کرنے کے لیے جبکہ باہر کی ذمہ داریوں اور کمانے کی مشقت سے اسے آزاد کر دیا گیا ہے اور یہی نظام گھر، بچے اور میاں بیوی کی بہترین زندگی گزارنے کے لیے مناسب اور موزوں ہے اور اسی سے بہترین معاشرہ اور بہترین ملک وجود میں آتے ہیں۔

جب میاں بیوی کا نکاح ہوتا ہے تو میاں سربراہ کی حیثیت سے اور بیوی اس کو سربراہ مانتے ہوئے خوش گوار اطاعت گزاری کا معاہدہ کرتے ہیں۔ دونوں کو اپنے فرائض پوری ایمانداری، خلوص اور محبت سے پورے کرنے چاہئیں۔ عورت کا فرض ہے کہ خاوند کی غیر موجودگی میں اپنی اور خاوند کے مال کی حفاظت کرے اور بچوں کی تربیت، گھر کی بہتری کے لیے ہر وقت تیار رہے پھر اگر کوئی عورت نافرمانی ضد اور لڑائی جھگڑا کرے تو مرد کو حکم دیا گیا ہے کہ اس کو پیار سے سمجھائے، اگر وہ نہ سمجھے تو پھر تنبیہ کیلئے اپنی خواب گاہ علیحدہ کرلے، اگر پھر بھی نہ مانے تو پھر بیوی کو مار کر سمجھائے۔ اگر پھر بھی بیوی راہ راست پر نہ آئے تو پھر دونوں خاندانوں سے ایک ایک آدمی میاں بیوی کے اختلافات دور کرنے کی پوری کوشش کریں اور اگر اختلافات دور ہو جائیں تو پھر مرد کو چاہیے کہ خواہ مخواہ حیلے بہانے سے عورت کو تنگ نہ کرے، بلکہ پوری رواداری اور خلوص سے بہترین زندگی گزارنے کی کوشش کریں۔ اگر مرد کو برتری دی گئی ہے اور اختیارات بھی دیئے گئے ہیں تو اس کو چاہیے ان اختیارات کو ایمانداری سے استعمال کرے اور ہر وقت خیال رکھے کہ اس کی پکڑ اور سزا کے لیے اس کے اوپر اللہ رب العزت کی پوری نظر ہے اور وہی سب سے بڑا اور بلند وبالا ہے۔ اسی نے مرد کو برتری اور عورت کو دوسرے لحاظ سے عزت واحترام عطا کیا ہے اور اسی نے زندگی گزارنے کے تمام قوانین انسانوں کو دیئے ہیں، کیونکہ وہ سب کچھ جاننے والا، ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔ وہ انسانوں کی بہتری کو خوب اچھی طرح جانتا ہے۔

مرد وعورت کا فرق اچھی طرح واضح ہو گیا ہے کہ مرد روزی کماتا ہے اور عورت پر اپنا مال خرچ کرتا ہے، جبکہ نیک خصلت عورت کی دو ذمہ داریاں ہیں۔ پہلی مرد کی تابعداری اور خاوند کی غیر موجودگی میں مال میں خیانت نہ کرنا، دوسری اپنے بچوں کی اور گھر کی حفاظت پوری ایمانداری سے کرنا، پھر بھی اگر کبھی آپس میں اختلاف ہو جائے تو اس کے لیے بھی بڑے اچھے اصول بتا دیئے گئے ہیں، یہ سب اس لیے کہ علیحدگی اور گھر کی خرابی سے بچاؤ ہو سکے۔ اللہ رب العزت کے دیئے ہوئے راہنما اصول جو قرآن و

سنت میں وضاحت سے بتائے گئے ہیں۔ بہترین ہیں اسی لیے قرآن کو پڑھنا، سمجھنا، عمل کرنا اور قرآنی علم کو پھیلانے کی بہت بڑی فضیلت ہے اور انسانی کامیابی کا بہت بڑا ذریعہ ہے۔

کسی بھی ملک کی ترقی کے لیے میاں بیوی کا کردار بہت اہم ہوتا ہے۔ کیونکہ اچھے برے افراد پیدا کرنا انہی کی ذمہ داری ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: زیادہ مکمل ایمان اس کا ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں اور تم میں اچھا وہ ہے جو اپنی بیوی سے حسن سلوک سے پیش آئے۔ (سنن ترمذی)

اسی طرح عورت کے لیے فرمایا: جو عورت خاوند کی رضامندی میں فوت ہوئی وہ جنت میں داخل ہوئی۔ (ابن ماجہ)

## بندوں کے حقوق اور شیطان کے ساتھی

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ ﴿36﴾ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۚ ﴿37﴾ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ رِئَاۗءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَاۗءَ قَرِيْنًا ﴿38﴾

اور تم سب اللہ کی بندگی کرو، اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو، قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ اور پڑوسی رشتہ دار سے، اجنبی ہمسایہ سے، پہلو کے ساتھی اور مسافر سے اور ان لونڈی، غلاموں سے جو تمہارے قبضہ میں ہوں، (نوکروں سے) احسان کا معاملہ رکھو، یقین جانو اللہ کسی ایسے شخص کو پسند نہیں کرتا جو مغرور اور خود پسند ہو۔﴿36﴾ (اور ایسے لوگ بھی اللہ کو پسند نہیں ہیں) جو کنجوسی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی کنجوسی کی ہدایت کرتے ہیں اور جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے ان کو دیا ہے اسے چھپاتے ہیں۔ ایسے کافر لوگوں کے لیے ہم نے رسوا کن عذاب مہیا کر رکھا ہے۔﴿37﴾ (اور وہ لوگ بھی اللہ کو ناپسند ہیں) جو اپنے مال صرف لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتے ہیں اور در حقیقت نہ وہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں نہ روز آخر پر۔ سچ یہ ہے کہ شیطان جس کا رفیق ہوا اسے بہت ہی بری رفاقت میسر آئی۔﴿38﴾

**تشریح:** ان آیات میں بندوں کے حقوق کا ذکر کیا گیا ہے اور ان بخیل، مغرور اور کفار کا ذکر کیا گیا ہے جو شیطان کے دوست ہیں اللہ رب العزت کے ناپسندیدہ لوگ ہیں ان کو انتہائی ذلیل کرنے والا عذاب دیا جائے گا۔ اللہ رب العزت ہمیں اپنی امان میں رکھے۔ آمین۔

# کفار اور بخیل غور کریں

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿39﴾
اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿40﴾

آخر ان لوگوں پر کیا آفت آجاتی اگر یہ اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے اور جو کچھ اللہ نے انہیں دیا ہے اس میں سے خرچ کرتے اور اللہ تعالیٰ انہیں خوب جاننے والا ہے۔(39) اللہ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔ اگر کوئی ایک نیکی کرے تو اللہ اسے دوچند کرتا ہے اور پھر اپنی طرف سے بڑا اجر عطا فرماتا ہے۔(40)

تشریح: پچھلی آیات میں بخل کا ذکر کیا گیا ہے اصل میں ان یہودیوں کی طرف اشارہ ہے جو نہ صرف مال خرچ کرنے میں ہی کنجوسی کرتے تھے، بلکہ علم کے بارے میں بھی کنجوسی کرتے تھے وہ اس طرح کہ اصل مسئلہ لوگوں کو نہ بتاتے تھے حتیٰ کہ نبی کریم ﷺ کی آمد اور قرآن مجید کے بارے میں تورات میں صاف صاف بتایا گیا تھا مگر وہ اس بات کو لوگوں سے چھپاتے تھے اور خاص طور سے مسلمان جو مدینہ میں رہتے تھے وہ یہودیوں کو علم میں اپنے سے زیادہ سمجھتے تھے، اس لیے وہ نبی کریم ﷺ کے بارے میں تصدیق کے لیے یہودی علماء کے پاس جاتے تو یہودی علماء ان کو حقیقت سے دور رکھتے اور اپنے اس علم کو چھپاتے جو اللہ نے اپنے فضل و کرم سے ان کو تورات کے ذریعے دے رکھا تھا۔ یوں اللہ رب العزت نے ان کی عادت یہ بتائی ہے کہ یہ شیطان کے ساتھی ہیں مال میں بھی اور علم میں بھی بخل کرتے ہیں ان آیات میں اللہ رب العالمین ان لوگوں پر افسوس کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ کتنا ہی اچھا ہوتا اگر وہ پیغمبر کی ہدایات کو مانتے، اللہ پر ایمان لے آتے، آخرت پر ایمان لے آتے اور جو کچھ ان کو دیا گیا تھا اس میں سے اللہ کی راہ میں دل کھول کر خرچ کرتے۔ ریا کاری، بدنیتی اور بخل سے اپنی عاقبت خراب نہ کرتے، شاید ان کا خیال ہے کہ وہ اللہ رب العزت کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا کیونکہ اللہ تو نیتوں تک سے واقف ہے کہ کون، کس نیت سے، کیا کر رہا ہے؟ سب اس کی نظر میں ہے اس کے علم سے کوئی بات باہر نہیں۔ اب جو کچھ نافرمانیاں، کفر، بخل اور ظلم یہ کر رہے ہیں اسی کا تو بدلہ ان کو آخرت میں ملے گا ورنہ اللہ رب العزت کا رحم و کرم اور عنایات اس قدر زیادہ ہیں کہ اگر کوئی شخص ایک ذرہ برابر بھی نیکی کرتا ہے تو اللہ رب تعالیٰ اس کو کئی گنا زیادہ کرکے ثواب اور بہترین اجر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انتہائی مشفق، مہربان اور غفور و رحیم ہے۔ وہ تو کسی انسان کو دکھ اور تکلیف میں مبتلا نہیں رکھنا چاہتا۔ دنیا میں مشکلات آتی ہیں تو ہمارے اپنے برے اعمال کی وجہ سے آتی ہیں۔ آخرت میں جہنم میں جگہ ملے گی تو وہ بھی ہماری اپنی غفلت، نافرمانی اور ضد کی وجہ سے ملے گی۔ کیونکہ انسان کی ہدایت اور راہنمائی کے لیے وقتاً فوقتاً رسول، پیغمبر اور انبیاء بھیجے جاتے رہے ہیں۔ تاکہ انسان برے راستوں سے بچ کر نیکی کا راستہ اختیار کرے اور دنیا و آخرت میں ہر طرح کی بھلائیاں حاصل کرکے اللہ کا مقبول بندہ بن سکے۔ اس کی رحمت، برکت اور بخشش تو ہر وقت ہر بندے کیلئے

جوش میں رہتی ہے، وہ تو تھوڑی سی نیکی کا بدلہ اپنے پاس سے کئی گنا کر کے دیتا رہتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دنیا میں زہد اختیار کرو اللہ تم سے محبت کرے گا جو لوگوں کے پاس ہے اس بے رغبت ہو جاؤ تو لوگ تجھ سے محبت کریں گے۔ (سنن ابن ماجہ)

## حساب کے دن کفار کی تمنا

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍۢ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيْدًا ﴿41﴾ يَوْمَئِذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ۭ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ﴿42﴾ ع 6/9/3

پھر سوچو کہ اس وقت کیا ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور ان لوگوں پر آپ ﷺ کو گواہ کی حیثیت سے کھڑا کریں گے۔﴿41﴾ اس وقت وہ سب لوگ جنہوں نے کفر کیا اور رسول ﷺ کی بات نہ مانی تمنا کریں گے کہ کاش زمین پھٹ جائے اور وہ اس میں سما جائیں۔ وہاں یہ اپنی کوئی بات اللہ سے نہ چھپا سکیں گے۔﴿42﴾

**تشریح:** اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس وقت ان کفار و منکرین کا کیا حال ہوگا؟ جب حساب کتاب کا دن آئے گا تمام لوگ اور سب امتیں اللہ کے حضور پیش کی جائیں گی اور ان کے رسول اس بات کی گواہی دیں گے کہ ہم نے آپ کا پیغام، نیکی و بدی کا فرق اور اچھے برے راستوں کی راہنمائی پوری طرح کر دی تھی۔ اس کے بعد نبی کریم ﷺ اپنی امت کی اور تمام انبیاء کی سچائی کی گواہی دیں گے اور جو کچھ ان کی امتوں نے ان کے ساتھ سلوک کیا اور بداعمالیاں کیں ان سب کی گواہی پیغمبر دیں گے۔ وہ دن بڑا سخت دن ہو گا، نافرمان اور منکرین کو اپنا انجام صاف دکھائی دے رہا ہوگا۔ تب حسرت اور پریشانی میں وہ لوگ بچنے کی تدبیریں کریں گے جو کہ بالکل بے کار ہونگی، کیونکہ اللہ تعالیٰ سے کوئی بات چھپانا بالکل ممکن نہیں نہ اس جہان میں اور نہ ہی حساب کے دن میں۔ وہ سب لوگ انتہائی پریشانی اور گھبراہٹ میں یہ آرزو کریں گے کہ کاش زمین پھٹ جائے اور ہم اس میں چھپ جائیں اور حساب و کتاب کی سختی سے بچ جائیں۔ یہ سب کچھ بس حسرت ہی بنا رہے گا کیونکہ وہاں سے بھاگ جانا اور اس کی سختی سے بچنا ناممکن ہوگا۔ حساب ضرور ہو گا اور عذاب بھی ضرور ملے گا اور نیک لوگوں کو بہترین جزا ملے گی۔

## حالت نشہ میں نماز اور تیمّم کا حکم

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿43﴾

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، جب تم نشے کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ، (نماز اس وقت پڑھنی چاہیے) جب تم جانو کہ کیا کہہ رہے ہو اور اسی طرح جنابت کی حالت میں بھی نماز کے قریب نہ جاؤ جب تک کہ غسل نہ کرلو، الا یہ کہ راستہ سے گزرتے ہو اور اگر کبھی ایسا ہو کہ تم بیمار ہو، یا سفر میں ہو، یا تم میں سے کوئی شخص رفع حاجت کر کے آئے یا تم نے عورتوں سے لمس کیا ہو اور پھر پانی نہ ملے تو پھر پاک مٹی سے کام لو اور اس سے اپنے چہرے اور ہاتھوں پر مسح کرلو، بے شک اللہ نرمی سے کام لینے والا اور بخشش فرمانے والا ہے۔(43)

تشریح: اس سورت میں بہت ضروری احکامات گزر چکے ہیں، مثلاً: حقوق العباد، ناجائز مال کی ممانعت، قتل کی برائی، تکبر، غرور اور ریاکاری کی ممانعت اور اب نماز کا حکم ہے جس کے لیے دو باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے ایک یہ کہ نشہ کی حالت میں نہ ہو تا کہ نماز کا مطلب سمجھ سکو۔ دوسرا یہ کہ نماز کے لیے طہارت، یعنی جسم کی پاکیزگی ضروری ہے۔ اس آیت میں شراب کے متعلق دوسری دفعہ حکم دیا گیا ہے۔ پہلی دفعہ سورۂ بقرہ کی آیت 219 میں گزر چکا ہے جس میں شراب کو صرف برا کہا گیا تھا۔ جس پر کچھ مسلمانوں نے اس کو چھوڑ دیا تھا مگر اکثر نے نہ چھوڑی بلکہ نشے کی حالت میں ہی نماز کے لیے کھڑے ہو جاتے تقریباً 4ھ میں نشہ کی حالت میں نماز پڑھنے سے منع کیا گیا، پھر کچھ عرصہ بعد شراب کو پوری طرح چھوڑ دینے کا حکم دے دیا گیا۔ سورۂ مائدہ کی آیت 90 اور 91 میں شراب کے حرام ہونے کا حکم دیا گیا۔ شراب کے حرام ہونے کا حکم آہستہ آہستہ دیا گیا تا کہ لوگوں کو یہ پکی اور عام عادت چھوڑنے میں مشکل پیش نہ آئے۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب نیند کا غلبہ اس قدر زیادہ ہو کہ نماز کے الفاظ ادا کرنے میں دقت ہو رہی ہو تو نماز کو نیند کے پورے ہونے کے بعد ادا کیا جائے تا کہ جو پڑھو سمجھ کر پڑھو۔

دوسرا ضروری حکم نماز کی ادائیگی کے لیے یہ دیا گیا ہے کہ ناپاکی کی حالت میں نماز نہ پڑھو۔ تفصیل یہ بیان کی گئی ہے سو کر اٹھو یا رفع حاجت کر کے آئے ہو یا پھر عورت سے ملاپ کر کے آئے ہو اور غسل کی ضرورت ہو۔ اگر پانی میسر ہے تو غسل کر کے پھر نماز قائم کرو۔ لیکن اگر پانی میسر نہ ہو یا پانی استعمال کرنا طبی لحاظ سے منع ہو یا پھر سفر میں ہو اور غسل کرنا یا وضو کرنا ممکن نہ ہو تو ان صورتوں میں اللہ رب العزت نے پانی کا بدل مٹی کو بنانے کی اجازت دی ہے۔ جس کو تیمّم کہا جاتا ہے۔ تیمّم کا طریقہ ہے کہ پاک مٹی پر دونوں ہاتھ مار کر ان کو صاف کر کے منہ پر پھیر لیے جائیں، پھر دونوں ہاتھ ایک دوسرے پر پھیر لیے جائیں اور یہ عمل وضو اور غسل کا متبادل بتایا گیا ہے اور یہ صرف بندوں کو سہولت دینے کا ایک طریقہ ہے کیونکہ اللہ رب العزت تو ہمیشہ اپنے بندوں کو معاف کرنے والا اور بخشنے والا ہے۔ یہ تیمّم کی سہولت بھی صرف اسی لیے دی گئی ہے کہ انسان میں پاکی کا احساس ضرور باقی رہے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جب ہم پانی نہ پائیں تو زمین کی مٹی ہمارے لیے پاک کرنے والی بنائی گئی ہے۔ (صحیح مسلم)

دوسرے یہ کہ نماز کسی حالت میں بھی چھوڑی نہیں جاسکتی۔

تیمّم کا طریقہ یہ ہے۔ 1- دل سے نیت کرنا، 2- دونوں ہاتھ مٹی پر مار کر منہ پر پھیرنا، 3- پھر دونوں ہاتھ ایک دوسرے پر پھیرنا، نیز

دومرتبہ مٹی پر ہاتھ پھیرنے والی بات درست نہیں۔

تیمم انسان کے لیے سہولت ہے۔ تا کہ انسان ہمیشہ نیکی اور پاکی پر قائم رہ سکے۔ ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ ناپاکی کی حالت میں مسجد میں بیٹھنا منع ہے، مسجد میں سے گزر جانے کی ممانعت نہیں۔

## یہود کی نالائقی

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿44﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ڎ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿45﴾

کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا؟ جنہیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا وہ خود ضلالت کے خریدار بنے ہوئے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راستے سے گمراہ ہو جاؤ۔ ﴿44﴾ اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جانتا ہے اور تمہاری حمایت و مددگاری کیلئے اللہ ہی کافی ہے۔ ﴿45﴾

تشریح: ان آیات میں یہود کا ذکر ہو رہا ہے۔ ان کے بارے میں تیسرے پارہ کے آخر اور چوتھے کے شروع میں کافی بتایا جا چکا ہے۔ یہاں عبادات و معاملات کے بیان کے بعد یہودیوں کا ذکر دوبارہ کیا جا رہا ہے، تا کہ موجودہ وقت کے مسلمانوں کو پھر سے یہودیوں کی خصلت بد سے خبردار کیا جائے۔ کیونکہ وہ مسلسل مسلمانوں کے لیے پریشانی کا باعث بنے ہوئے تھے۔ اللہ رب العزت فرماتا ہے کہ تمہیں تو معلوم ہی ہے کہ یہ اہل کتاب (یہودی) کس ذہنیت کے مالک ہیں۔ بے شک یہ بڑی مقبول قوم تھی ان کو کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا تھا، مگر انہوں نے اپنے دنیاوی فائدوں کے مطابق کتاب کے مضامین کو اپنی مرضی کے مطابق تبدیل کر دیا ہے۔ یہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کرنا چاہتے ہیں۔ تم ان سے بس خبردار رہو ان سے بچ کر رہو یہ تمہارا کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتے۔ گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب طرح جانتا ہے کیونکہ تمہارا پروردگار اللہ تعالیٰ ہے جو کہ بہترین حمایت کرنے والا اور بہترین مددگار ہے، لہٰذا تم بے فکر ہو کر پورے خلوص اور محنت سے دین کی سربلندی کے لیے کام کیے جاؤ۔

## یہود کی مکاریاں

مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّۢا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿46﴾

جو لوگ یہودی بن گئے ہیں ان میں کچھ لوگ ہیں جو الفاظ کو ان کے محل سے پھیر دیتے ہیں اور دین حق کے خلاف طعنہ زنی کرنے کے لیے اپنی زبانوں کو توڑ موڑ کر کہتے ہیں سَمِعْنَا (ہم نے سن لیا) وَعَصَيْنَا (ہم نے قبول نہیں کیا) اور اِسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ

(تم ہماری بات سنو اور اللہ کرے تمہاری بات نہ سنی جائے) اور رَاعِنَا (گالی کے طور پر) حالانکہ اگر وہ کہتے ہم نے سنا اور ہم نے مان لیا تو یہ انہی کے لیے بہتر تھا اور زیادہ راست بازی کا طریقہ تھا مگر ان پر تو ان کی باطل پرستی کی بدولت اللہ کی پھٹکار پڑی ہوئی ہے، اس لیے وہ کم ہی ایمان لاتے ہیں۔ (46)

تشریح: یہودیوں کی بدتمیزیوں کے بارے میں سورۂ بقرہ اور آل عمران میں بڑی تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے۔ یہاں پھر بتایا جا رہا ہے کہ وہ جب نبی کریم ﷺ سے ملتے تو بظاہر تو ادب کے الفاظ استعمال کرتے مگر دراصل الفاظ کو ذرا دبا کر بولتے جس سے اسی لفظ کا مطلب رَاعِیْنَا کہ ہمارا چرواہا ہو جاتا، جب کہ رَاعِنَا کا مطلب ہے ہم پر شفقت کی نظر کریں۔ اسی طرح کی خرابیاں اور خباثتیں یہودی کرتے رہتے تھے اسی لیے اللہ رب العزت نے ان پر لعنت بھیجی ہے اور ان پر کامیابی کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ بہت تھوڑے ایسے لوگ تھے جو ایمان لائے اور یہودیوں کی خباثتوں میں ان کے ساتھ شامل نہ ہوئے اور اللہ کی لعنت سے بچ گئے۔

## یہودیوں کو ایمان کی دعوت

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ؕ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿47﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ۚ وَمَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِیْمًا ﴿48﴾

اے اہل کتاب مان لو اس کتاب کو جو ہم نے اب نازل کی ہے اور جو اس کتاب کی تصدیق و تائید کرتی ہے جو تمہارے پاس پہلے سے موجود تھی۔ اس پر ایمان لے آؤ قبل اس کے کہ ہم چہرے بگاڑ کر پیچھے پھیر دیں یا ان کو اسی طرح لعنت زدہ کر دیں جس طرح سبت والوں کے ساتھ ہم نے کیا تھا اور (یاد رکھو کہ) اللہ کا حکم نافذ ہو کر رہتا ہے۔ (47) اللہ بس شرک کو ہی معاف نہیں کرتا، اس کے ماسوا دوسرے جس قدر گناہ ہیں وہ جس کے لیے چاہتا ہے معاف کر دیتا ہے۔ اللہ کے ساتھ جس نے کسی اور کو شریک ٹھہرایا اس نے تو بہت ہی بڑا جھوٹ باندھا کیا اور بڑے سخت گناہ کی بات کی۔ (48)

تشریح: ان آیات کی پوری تفصیلات آل عمران اور سورۂ بقرہ میں بیان ہو چکی ہیں۔ یہاں اللہ رب العزت حکم دیتے ہیں کہ اگر تم نے راہ راست اختیار نہ کی تو پھر جیسے تمہارے اجداد اصحاب السبت کو سزا کے طور پر بندر بنا دیا گیا تھا تمہیں بھی ایسی ہی سزا ملے گی تمہارے چہرے بھی بگاڑ دیئے جائیں گے اور پھر مزید خبردار کیا کہ اللہ کا حکم ضرور پورا ہو کر رہتا ہے۔ نافرمانی سے بچو تا کہ عذاب سے بچ سکو۔ اللہ رب العزت مزید خبردار کر رہے ہیں کہ شرک اتنا شدید گناہ ہے کہ اس کو ہرگز معاف نہیں کیا جائے گا۔ شرک کا مطلب ہے اللہ رب العالمین کو معبود مانتے ہوئے کسی اور کو بھی معبود ماننا۔ شرک کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

1- فرضی دیوی، دیوتا، خیالی تصاویر یا بت کو پوجنا۔

2- کائنات کی قوتوں کو پوجنا، مثلاً: چاند، سورج، ستارے، ہوا، آگ اور بجلی وغیرہ۔

3- اللہ کے نیک بندوں، انبیاء اور رسولوں کی پرستش کرنا یا ان کی کسی قبر یا مزار کو پوجنا۔ مثلاً: حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے نیک لوگوں کے بت بنائے اور پوجنے لگے جیسا کہ ود، سواع کے نام مشہور ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا بنا دیا۔ یہود و نصاریٰ نے اپنے علمائے دین اور مشائخ کو اللہ بنالیا تھا اور وہ اس طرح کہ ان کی باتوں کو اللہ کی باتوں کا درجہ دیتے تھے۔

قرآن مجید کے بیان کے مطابق بعض اپنی خواہشات کے ہی پجاری بن جاتے ہیں، کیونکہ اپنی خواہشات کے سامنے وہ یوں جھک جاتے ہیں کہ سب کچھ بھول جاتے ہیں۔

ذرا غور کریں تو معلوم ہوگا کہ کائنات کا ایک ایک ذرہ اللہ کی گرفت میں ہے علم اور سائنس کی ترقی نے اس بات کو مضبوط ترین کر دیا ہے کہ کائنات کے انتظام کے پیچھے کوئی زبردست طاقت کام کر رہی ہے اور وہ ہے "اللہ" اور جو انسانی عقل سے بعید انسانی نظر سے پوشیدہ اور انسانی پہنچ سے باہر ہے۔ جب ہم انسانی تخلیق اور دنیا کی تمام مخلوقات اور ان کی روزی کے انتظامات پر غور کرتے ہیں تو اللہ کے سوا کوئی دوسرا نظر نہیں آتا، پھر بھی جو لوگ زبردستی اپنے آپ کو شرک کی غلاظتوں میں ڈالنا چاہتے ہیں تو پھر یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے اوپر خود بہت بڑا ظلم کر رہے ہیں۔ کیونکہ جب وہ دعا کرتے ہیں تو ان میں نہ یقین ہوتا ہے، نہ مکمل بھروسہ ہوتا ہے اور نہ ہی اعتماد ہوتا ہے۔ توجہ بھی بٹی ہوئی ہوتی ہے اور یقین بھی منتشر ہوتا ہے بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ مشرک انسان خود اپنے آپ کو بے یقینی کے سپرد کر دیتا ہے اور اللہ کے غصہ کا شکار بھی ہوتا ہے کیونکہ اللہ رب العزت نے صاف صاف فرما دیا ہے کہ شرک ہرگز معاف نہ ہوگا۔ باقی گناہ کسی نہ کسی صورت سے معاف ہو سکتے ہیں۔ لیکن شرک نا قابل معافی گناہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ صحابہ کرام کو بار بار تاکید فرمایا کرتے تھے کہ خبردار! اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرانا۔ (بخاری، مسلم، نسائی)

مصیبت میں صرف اللہ کو پکارو۔ ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے کہا وہی ہوگا جو اللہ چاہے گا اور آپ ﷺ چاہیں گے۔ اس پر نبی کریم ﷺ نے اس کو ٹوک دیا اور فرمایا: کیا تو نے مجھے اللہ کا شریک بنالیا ہے؟ بلکہ یوں کہو کہ جو کچھ اللہ رب العزت کو منظور ہوگا وہی ہوگا۔ (بخاری، مسند احمد)

## یہود کا جھوٹ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۭ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَاۗءُ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿49﴾ اُنْظُرْ
كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَي اللّٰهِ الْكَذِبَ ۭ وَكَفٰى بِهٖٓ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿50﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ ع 7/8/4
الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَاۗءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
سَبِيْلًا ﴿51﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ۭ وَمَنْ يَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِيْرًا ﴿52﴾ اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ

مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذًا لَّا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ﴿53﴾ أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿54﴾ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۚ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿55﴾

آپ نے ان لوگوں کو بھی دیکھا جو اپنی پاکیزگی نفس کا دم بھرتے ہیں؟ حالانکہ پاکیزگی تو اللہ ہی جسے چاہے دیتا ہے اور (انہیں جو پاکیزگی نہیں ملتی تو درحقیقت) ان پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کیا جاتا۔ ﴿49﴾ دیکھو تو سہی، یہ اللہ پر بھی افترا گھڑنے سے نہیں چوکتے اور ان کے صریحاً گناہ گار ہونے کے لیے یہی ایک گناہ کافی ہے۔ ﴿50﴾ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا؟ جنہیں کتاب کے علم میں سے کچھ حصہ دیا گیا ہے اور ان کا حال یہ ہے کہ جبت (بے فائدہ چیز) اور طاغوت کو مانتے ہیں اور کافروں کے متعلق کہتے ہیں کہ مومنوں سے تو یہی زیادہ ہدایت یافتہ ہیں۔ ﴿51﴾ ایسے ہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے اور جس پر اللہ لعنت کر دے پھر آپ اس کا کوئی مددگار نہیں پائیں گے۔ ﴿52﴾ کیا حکومت میں ان کا کوئی حصہ ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو یہ دوسروں کو پھوٹی کوڑی تک نہ دیتے۔ ﴿53﴾ پھر کیا یہ دوسروں سے اس لیے حسد کرتے ہیں کہ اللہ نے انہیں اپنے فضل سے نواز دیا؟ اگر یہ بات ہے تو انہیں معلوم ہو کہ ہم نے تو ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کو کتاب اور حکمت عطا کی اور ملک عظیم بخش دیا۔ ﴿54﴾ مگر ان میں سے کوئی اس پر ایمان لایا اور کوئی اس سے منہ موڑ گیا اور (منہ موڑنے والوں کے لیے تو بس) جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ ہی کافی ہے۔ ﴿55﴾

تشریح: اس آیت میں اللہ تعالیٰ نبی کریم ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ کیا آپ ان یہود کو نہیں دیکھتے کہ ان میں دنیا جہان کی خرابیاں موجود ہیں پھر بھی اپنے پاک صاف ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، کتنی فضول سوچ ہے ان کی اور کتنی بے معنی بات یہ اپنے بارے میں کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ سب تو اللہ کے اختیار میں ہے جسے چاہے پاک کرتا ہے، یہ لوگ بالکل گمراہ ہو چکے ہیں، اپنے گناہوں کی وجہ سے عذاب میں ڈالے جائیں گے بغیر وجہ کے اللہ تعالیٰ کسی کو عذاب میں نہ ڈالے گا۔ اس آیت کا شان نزول یوں بیان کیا جاتا ہے کہ یہودی بچھڑے کو پوجتے اور حضرت عزیز علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے اور دعویٰ کرتے تھے کہ ہم تو اللہ کے خاص بندے ہیں، مقبول ہیں، پیغمبری ہماری خاندانی (میراث) چلی آ رہی ہے ہم مشرک نہیں ہیں تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ دیکھو کیسی عجیب بات ہے؟ ہر قسم کی برائی میں مبتلا ہیں۔ اللہ پر تہمتیں لگاتے ہیں، خوب کفر کرتے ہیں۔ شرک کرتے ہیں، پھر بھی اللہ کا دوست ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہ اللہ جل جلالہ کے مقبول بندے ہیں، کوئی وقت تھا کہ یہ اللہ کی مقبول قوم تھی اور ان میں بے شمار جلیل القدر نبی ہوتے رہے، یہ بھی سچ ہے کہ بنی اسرائیل پیغمبروں کی اولاد تھے، لیکن یہ تمام عزت اور وقار انہوں نے خود اپنی نالائقی، نافرمانی اور ضد کی وجہ سے کھو دیا یہ بڑی سخت مشرک اور نافرمان قوم بن گئی، لہٰذا ان سے سب کچھ چھین لیا گیا بلکہ ان کے لیے بڑا سخت عذاب بھی تیار کیا گیا ہے۔ جب ان کی نافرمانیاں حد سے بڑھ گئیں تو نبوت کا سلسلہ

ان سے نکل کر بنی اسماعیل میں چلا گیا اور یہ ان کے لیے انتہائی اذیت ناک بات تھی۔ حسد میں یہ لوگ اپنی کتاب میں دی گئی نشانیوں کو بھی چھپانے لگے، جو آنحضرت ﷺ کے بارے میں تورات میں ان کو بتادی گئی تھیں، یہ لوگ (یہودی) غصہ اور حسد میں پاگل ہو گئے اور جو منہ میں آتا مسلمانوں اور نبی محمد ﷺ کے خلاف بکتے رہتے یہاں تک کہتے کہ مکہ کے مشرکین ان مسلمانوں سے زیادہ اچھے ہیں اور ہر وقت مشرکین کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف سازشیں کرتے رہتے ہیں، ان کی اس قسم کی بداعمالیوں کی وجہ سے اللہ رب العزت نے ان پر لعنت بھیجی ہے اور ظاہر ہے جس پر اللہ رب ناراض ہو جائے اور لعنت بھیج دے اس کا نہ دنیا میں کوئی دوست ہو سکتا ہے اور نہ آخرت میں ہی کوئی حامی و مددگار ہو سکتا ہے، لہٰذا ایسے لوگ دنیا اور آخرت دونوں جگہ ذلیل وخوار ہوتے ہیں اور کوئی بھی ان کا مددگار نہیں ہوتا۔ آیت 53 کا شان نزول یوں بیان کیا جاتا ہے کہ جب یہود نے یہ دعویٰ کیا کہ پیغمبری، حکومت اور سرداری تو صرف ہمارا ہی حصہ ہے تو اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ کیا حکومت وسلطنت صرف یہود کا ہی حصہ ہے؟ ہرگز نہیں۔ اگر یہ حاکم ہوئے تو ایک تل کے برابر بھی کسی کو یہ خیرات نہ دیں۔ پھر اللہ رب العزت پوچھتے ہیں کہ کیا یہ اس بات پر حسد کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ پر فضل وکرم کیا گیا اور مسلمانوں کو عزت مل گئی ہے؟ اس بات پر حسد کرنا بالکل بے فائدہ ہے کیونکہ ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے گھرانے کو ہی کتاب، علم وحکمت اور سلطنت عطا کی ہے اور اب بھی یہ اسی خاندان کو ہی ملی ہوئی ہے۔ ان کا حسد اور بغض بے معنی ہے ان کو چاہیے کہ جب بات واضح ہو گئی ہے کہ محمد ﷺ سچے پیغمبر ہیں، قرآن سچی کتاب ہے تو پھر ان پر ایمان لے آئیں۔ اسی میں ان کی بہتری ہے کہ اللہ پر ایمان لے آئیں مسلمانوں کے مددگار اور بھائی بن جائیں مگر یہ لوگ تو دنیاوی عزت، مال ودولت، طمع اور لالچ میں اس قدر بہک گئے ہیں کہ نہ تو انہوں نے فرمان الٰہی کی کوئی پرواہ کی اور نہ ہی نیکی کی راہ اپنائی، بلکہ کفرونافرمانی، حسد اور بغض میں ہی دب کر رہ گئے ہیں، بھلا ان کو نبوت وسلطنت کس طرح دی جاسکتی ہے؟ جبکہ یہ حد سے زیادہ بخیل اور بدکردار لوگ ہیں اور پھر یہ اتنی سی بات بھی نہیں سمجھ سکتے کہ نبوت حضرت محمد ﷺ کو دی گئی ہے اور وہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان میں سے ہی ہیں، پھر اللہ نے فرمایا کہ کچھ یہود تو ایمان لے آئے اور کچھ اپنی ضد پر اڑے رہے اور ایمان نہ لائے تو ایمان نہ لانے والوں کیلئے جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ تیار کی گئی ہے۔

## دوزخ کا عذاب

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ؕ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُهُمْ بَدَّلْنٰهُمْ جُلُوْدًا غَيْرَهَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿56﴾

جن لوگوں نے ہماری آیات کو ماننے سے انکار کر دیا انہیں ہم ضرور آگ میں جھونکیں گے اور جب ان کے بدن کی کھال گل جائے گی تو ہم اس کی جگہ دوسری کھال پیدا کر دیں گے تاکہ وہ خوب عذاب کا مزہ چکھیں یقیناً اللہ زبردست اور بڑی حکمت والا ہے۔ ﴿56﴾

تشریح: اس آیت میں اس بھڑکتی ہوئی آگ اور منکرین کے عذاب کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا گیا ہے۔ اللہ رب العزت فرماتا ہے کہ جہنم کی آگ بڑی سخت تیز ہوگی وہ ان کے جسم کی جلد کو فوراً جلا ڈالے گی اور اللہ رب العزت ان کی جلد کو دوبارہ بحال کردے گا، پھر جلائی جائے گی، یہ عمل بار بار دہرایا جائے گا تاکہ عذاب کی شدت میں کمی نہ آئے اور وہ عذاب کا پورا پورا مزہ چکھیں۔ اللہ جل شانہ زبردست حکمت والا ہے اسی لیے وہ خوب جانتا ہے کہ ان کو کس طرح اور کس قدر عذاب دیا جائے؟ اس آیت میں خاص حکمت کی بات یہ بیان کی گئی ہے جو کہ فرانس کے مشہور سائنسدان اور سرجن ڈاکٹر مورس بوکائے نے اپنی کتاب ''بائبل قرآن اور سائنس'' میں وضاحت سے بیان کی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

جب میں نے یہ آیت پڑھی تو میں پھڑک اٹھا کہ قرآن مجید نے ڈیڑھ ہزار سال قبل ہی ایک ایسی بات کہی ہے جس کا ہمیں آج پتہ چل رہا ہے۔ میں ایک سرجن ہوں جانتا ہوں کہ جسم میں جب سوئی چبھوئی جاتی ہے تو درد صرف جلد تک رہتا ہے، جلد سے آگے نہیں جاتا یعنی جسم کی کھال پورے کا پورا ایک دفاعی نظام ہے یعنی اگر ہمارے جسم میں کوئی اجنبی چیز باہر سے داخل ہونا چاہے تو جسم درد کے ذریعے ہمیں فوراً اطلاع کر دیتا ہے۔ قرآن مجید یہ بات ڈیڑھ ہزار سال پہلے کہہ چکا ہے کہ درد اور تکلیف صرف جلد میں ہوتا ہے۔ یہاں اللہ جل شانہ نے بڑی وضاحت سے کہہ دیا ہے کہ جس قدر بڑا جرم ہوگا اسی قدر بڑی سزا دی جائے گی۔

## نیک بندوں کے لیے خوش خبری

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ لَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۡ وَّنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا (57)

اور جن لوگوں نے ہماری آیات کو مان لیا اور نیک عمل کئے ان کو ہم ایسے باغات میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی، جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور ان کو پاکیزہ بیویاں ملیں گی اور انہیں ہم گھنی چھاؤں میں رکھیں گے۔ (57)

تشریح: اس آیت میں خوشخبری دی جارہی ہے ان لوگوں کو جو قرآن پر ایمان لے آئے اور پھر اپنی زندگی کے ہر لمحہ میں اس کے دیئے ہوئے قانون، اصول اور ہدایات کی پابندی کی اور یوں اعمال صالحہ کرتے ہوئے کامیاب زندگی گزاری تو ایسے لوگ صرف دنیا میں ہی کامیاب نہیں ہوتے، بلکہ آخرت میں بھی ان کو ایسی بہترین زندگی ملے گی کہ جن کی مثال یوں دی گئی ہے کہ خوب صورت ٹھنڈی چھاؤں والے باغات ان کا ٹھکانہ ہوں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور پھر ان کو دل بہلانے اور خوش ہونے کے لیے انتہائی خوبصورت اور پاک دامن بیویاں بھی دی جائیں گی۔ غرض وہاں کوئی پریشانی اور دقت پیش نہ آئے گی اور یہ آرام وہ زندگی ہمیشہ ہمیشہ کیلئے ہوگی اللہ ہم سب کو نصیب کرے۔ آمین۔

# امانتیں اور انصاف

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿58﴾

مسلمانو! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو، اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو عدل کے ساتھ کرو، اللہ تم کو نہایت عمدہ نصیحت کرتا ہے اور یقیناً اللہ سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے۔﴿58﴾

**تشریح:** نیک بندوں کو جنت کی خوش خبری دینے کے بعد اللہ تعالیٰ اب وضاحت فرما رہا ہے کہ نیک بندوں کی پہچان کیا ہے؟ ان کے فرائض کیا ہیں؟ اس آیت میں دو راہنما اصول بتائے جا رہے ہیں جن کو عمل میں لانا ایک فرد، محلّہ، شہر، ملک اور پوری دنیا کے لیے فائدہ مند اور ضروری ہے۔ پہلا اصول یہ بتایا گیا کہ امانتیں دیانت داری سے واپس کر دو۔ یہ صرف اس پر ہی ختم نہیں ہو جاتا کہ کسی کا مال، مویشی اس کو دے دو بلکہ ذرا اور آگے چل کر دیکھیں تو اس حکم میں دستور مملکت کے چند مفید اصول ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر ملک کا ہر عہدیدار اپنے پاس بے شمار امانتیں رکھتا ہے۔ اس کا منصب، ڈیوٹی، امانت ہے۔ اگر وہ اپنے منصب سے کوئی بھی ناجائز فائدہ اٹھائے گا، یعنی کام ایمانداری، محنت اور خلوص سے نہ کرے یا کسی ایسے بندے کو ایسی جگہ نوکری دے کہ جس کا وہ اہل نہیں، یعنی ذاتی مفاد کے لیے، یا سفارش یا رشتہ داری کے خیال سے کسی ڈاکٹر کو وزیر خزانہ اور صحافی کو میڈیکل آفیسر بنا دیتا ہے تو ہر بندہ اس نقصان کا بخوبی اندازہ کر سکتا ہے، دونوں ہی جگہ لاعلمی اور ناتجربہ کاری کی وجہ سے وہاں کا بیڑہ ہی غرق کر دیں گے اور اس طرح ملک وقوم کو کس قدر شدید نقصان اٹھانا پڑے گا اور یہ نقصان پھیلتے پھیلتے بڑی خوفناک شکل اختیار کرے گا اور اس کا ذمہ دار صرف وہ شخص ہو گا جس نے اپنے اختیارات سے غلط فائدہ اٹھا کر غلط لوگوں کو غلط جگہ پر مقرر کر دیا۔ یہ بہت بڑی اور ناقابل معافی خیانت ہے اسی طرح بے شمار اور خیانتیں ہیں جن سے ہر وقت ہر مسلمان کو بچنا چاہیے۔

دوسرا حکم اس آیت میں عدل و انصاف کا دیا گیا ہے۔ عدل و انصاف گھر سے لے کر پوری دنیا تک امن وسکون اور بہتریوں کا ضامن ہے۔ خاص طور سے اس کا اشارہ حکما، امراء اور منصفین کی طرف ہے۔ یہ منصب بے حد احتیاط اور ایمانداری کا منصب ہے۔ اگر انصاف میں کوئی بے گناہ سزا پا گیا یا کسی کو ناحق تکلیف پہنچ گئی تو منصف کو پوچھ ضرور ہو گی۔ اس میں کسی قسم کی رورعایت یا تعلقات کی ہرگز کوئی گنجائش نہیں۔ ہر شخص کو ہر وقت پوری طرح یہ دھیان رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سننے والا اور دیکھنے والا ہے۔ اس سے کوئی عمل اور کوئی بات ہرگز چھپی ہوئی نہیں۔ اللہ جل شانہ جو اصول بتاتا ہے اور جو نصیحت کرتا ہے وہ بے حد مفید، جامع اور حکمت پر مبنی ہوتی ہے، اس لیے اس کی نصیحتوں پر عمل کرنا بے حد ضروری اور فائدہ مند ہے دنیا میں بھی بھلائی کا سبب اور آخرت میں نجات کا ذریعہ بنتا ہے۔

# اطاعت کس کی؟ جھگڑوں کا فیصلہ

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿59﴾

اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ان لوگوں کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں، پھر اگر تمہارے درمیان کسی بات میں جھگڑا ہو جائے تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو، اگر تم واقعی اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریق کار ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔﴿59﴾

تشریح: پچھلی آیات کی طرح اس آیت میں بھی مسلمانوں کو کچھ ایسے اصول بتائے جا رہے ہیں جو ان کی پوری زندگی کے لیے راہنما ہیں۔ مذہب، رہن سہن اور سیاسی معاملات کے لیے خاص قانون بنا دیئے گئے ہیں جن پر عمل کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے اللہ جل شانہ نے اطاعت کرنے کے لیے تین درجے بتا دیئے ہیں۔

پہلا درجہ اللہ رب العزت کا ہے۔ ہر بندہ اسی کا مطیع، اسی کا غلام اور اسی کا فرمانبردار ہے۔ ہر شخص، ہر قوم اور ہر ملک کی نجات، کامیابی اور فلاح اسی میں ہے کہ اللہ کا فرمانبردار بن کر اس کے بتائے ہوئے راستوں پر چلے اور پورے کا پورا اللہ کا بندہ اور غلام بن کر رہے۔

دوسرا درجہ نبی کریم ﷺ کی اطاعت کا ہے، کیونکہ قرآن تو قانون ہے اور سنت اس قانون کی وضاحت ہے جو کہ عملی طور پر مسلمانوں کے سامنے رکھی گئی ہے، اس لیے حضرت محمد ﷺ نے فرمایا: جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ (صحیح بخاری)

تیسری اطاعت جو اسلامی نظام میں مسلمانوں پر فرض ہے وہ ہے ''اولی الامر'' یعنی حاکم جو مسلمان ہوں۔ ان میں لیڈر، سربراہ حکومت، علماء، ملکی نظام چلانے والے حکام، جج، سردار یا سیاسی راہنما ان سب کی اطاعت ہر مسلمان پر فرض ہے شرط صرف یہ ہے کہ وہ ایک تو پکے مسلمان ہوں دوسرا کوئی بھی ایسا حکم یا فیصلہ نہ دیں کہ جو قرآن وسنت کے خلاف ہو۔ یہ حکم بھی ملکی سلامتی، امن وامان، استحکام اور ترقی کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ اگر اس پر عمل نہ کیا جائے تو پھر انتشار، افراتفری اور ناکامی کا سامنا کرنا پڑے گا۔

چوتھی اور آخری بات جو آیت کے آخر میں بتائی گئی ہے وہ ہے کہ اگر کبھی کسی بات پر گھر میں، محلّہ میں، شہر میں یا ملک میں کوئی جھگڑا فساد کھڑا ہو جائے تو اس کا فیصلہ کرنے کے لیے بہترین طریقہ ہے کہ کتاب اور سنت سے فیصلہ لیا جائے جو بھی حکم قرآن اور حدیث میں بیان کر دیا گیا ہے اس کے مطابق فیصلہ کر لو تو کوئی پریشانی اور نقصان نہ اٹھانا پڑے گا۔ یہی اصول یعنی قرآن و

سنت کے مطابق فیصلہ کرنا ہی مسلمانوں کو کافروں سے علیحدہ اور بلند تر کرسکتا ہے۔ کیونکہ اللہ اور اسکے رسول ﷺ پر ایمان لانا، یوم آخرت پر ایمان لانا، یہی تو اعمال ہیں جو ہمارے لیے نجات اور کامیابی کا بہترین ذریعہ ہیں۔ دنیا اور آخرت میں بھلائی کا ذریعہ ہیں اور یہی اصول، یہی اعتقاد، مسلمان کو مرد آہن، ایک مضبوط، معقول اور ناقابل شکست انسان بنا دیتا ہے۔ یہی تو مسلمان کی شان ہے۔ علامہ ڈاکٹر اقبال نے مرد مومن کی تعریف یوں کی ہے۔

کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زور بازو کا
نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

اگر کوئی مسلمان صحیح معنوں میں اللہ کے بتائے ہوئے اصولوں کو اپنا لے، یقین، ایمان اور نیک عمل کی دولت سے مالا مال ہو جائے تو پھر اس کے اندر اور اس کی نگاہوں میں ایسا اثر پیدا ہو جاتا ہے جو دیکھنے والوں کو دہلا دیتا ہے اور ان کے اندر نئی زندگی اور نیا جذبہ پیدا کر دیتا ہے اور وہ تمام خطروں سے بے نیاز ہو کر زندگی کے میدان میں کود پڑتا ہے۔ کوئی شیطان اس کے سامنے کھڑا ہونے کی جرأت نہیں کر سکتا اور یوں وہ کامیاب و کامران، مضبوط انسان بلندیوں کی طرف پرواز کرتا چلا جاتا ہے۔

## آنحضرت ﷺ کا فیصلہ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ۭ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّھُمْ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿60﴾

اے نبی ﷺ! آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو دعویٰ تو کرتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں اس کتاب پر جو آپ کی طرف نازل کی گئی ہے اور ان کتابوں پر جو آپ سے پہلے نازل کی گئی تھیں، مگر چاہتے ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ کرانے کے لیے طاغوت (شیطان) کی طرف رجوع کریں، حالانکہ انہیں طاغوت سے کفر کرنے کا حکم دیا گیا تھا۔ شیطان انہیں بھٹکا کر بہت دور لے جانا چاہتا ہے۔ (60)

**تشریح:** پہلی آیات میں تمام معاملات میں اللہ اور رسول ﷺ کی بتائی ہوئی راہیں (قوانین) اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے، کیونکہ وہ اصول اور قوانین بہترین اور انسانوں کے لیے فائدہ مند ہیں۔ موجودہ آیات میں اس حکم کی نافرمانی کرنے کے نقصانات بتائے گئے ہیں۔ اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ ایک دفعہ ایک یہودی اور منافق (جو بظاہر مسلمان تھا) کا آپس میں جھگڑا ہو گیا۔ فیصلہ کے لیے یہودی نے آنحضرت ﷺ کا نام لیا، جبکہ منافق نے کعب بن اشرف جو کہ یہودی عالم تھا اس سے فیصلہ کروانا چاہا۔ آخر کار دونوں نبی کریم ﷺ کے پاس فیصلہ کے لیے چلے گئے۔ آپ ﷺ نے انصاف سے فیصلہ کیا اور یہودی کے حق میں فیصلہ ہو گیا مگر منافق نہ مانا اور فیصلہ کے لیے حضرت عمر کے پاس جانے کو کہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب پتہ چلا کہ فیصلہ نبی کریم ﷺ کر چکے ہیں تو انہوں نے منافق کو نبی ﷺ کی نافرمانی پر قتل کر دیا اس آیت میں اسی واقعہ کی وضاحت کی گئی ہے کہ دیکھو اس شخص کو جو دعویٰ

کرتا ہے مسلمان ہونے کا ایمان بھی لے آیا، لیکن اندر سے منافق تھا اور اس کا کفر جھگڑے کے وقت اس طرح ظاہر ہو گیا کہ جھگڑے کا فیصلہ بجائے نبی ﷺ سے کروانے کے یہودی کے فیصلہ کو ترجیح دی مگر یہودی اس پر تیار نہ ہوا۔ پھر نبی کریم ﷺ کے فیصلہ کو نامنظور کیا، حالانکہ آپ ﷺ کا فیصلہ بالکل درست تھا۔

اس آیت میں طاغوت، یہودی کعب بن اشرف کو کہا گیا ہے یا پھر اس شیطان کی طرف اشارہ ہے جس نے منافق کو ہر طرح سے گمراہی کی طرف جانے پر مجبور کیا۔ اسی لیے فرمایا گیا ہے کہ جو شخص بھی شیطان کی پیروی کرے گا تو شیطان اس کو دور دراز کی گمراہی میں ڈال دے گا۔ جیسا کہ اس منافق کا انجام ہوا جب وہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا تو رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی وجہ سے ان کے ہاتھوں قتل کر دیا گیا۔ تب منافق کے وارث آنحضرت ﷺ کے پاس گئے اور قسمیں کھانے لگے کہ وہ تو صرف صلح کروانے کا مقصد لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تھے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر وہ قتل کا دعویٰ کرنا چاہتے تھے تب یہ آیت نازل ہوئی اور اصل مسئلہ سے آپ ﷺ کو آگاہ کر دیا گیا۔

یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ آیت ان منافقوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو بظاہر مسلمان کہلاتے تھے لیکن در پردہ احکام جاہلیت کی جھکنا چاہتے تھے اس کے علاوہ دیگر اقوال بھی ہیں، بہرحال آیت اپنے حکم اور الفاظ کے اعتبار سے عام ہے۔

## منافقین کا وطیرہ

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿61﴾ فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿62﴾

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس چیز کی طرف جو اللہ نے نازل کی ہے۔ اور آؤ رسول ﷺ کی طرف تو ان منافقوں کو آپ دیکھتے ہیں کہ وہ آپ کی طرف آنے سے گریز کرتے ہیں۔ ﴿61﴾ پھر اس وقت کیا ہوتا ہے؟ جب ان کے اپنے ہاتھوں کی لائی ہوئی مصیبت ان پر آ پڑتی ہے، اس وقت یہ آپ کے پاس قسمیں کھاتے ہوئے آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ کی قسم! ہم تو بھلائی چاہتے تھے۔ ہماری نیت تو یہ تھی کہ کسی طرح آپس میں صلح ہو جائے۔ ﴿62﴾

تشریح: پچھلی آیت میں بیان کیا جا چکا ہے کہ خود ہی نافرمانی کر کے اپنے لیے مصیبت کھڑی کرتے ہیں اور پھر خود ہی روتے پھرتے ہیں اور جھوٹی سچی تاویلیں پیش کرتے ہیں۔ بہرحال ان آیات میں منافقوں کی نشانیاں اور پھر ان کا انجام خوب کھول کر بیان کر دیا گیا ہے۔

# صحیح طریقہ

أُولَٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا ﴿63﴾ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿64﴾

اللہ جانتا ہے جو کچھ ان کے دلوں میں ہے، آپ ان سے اعراض کیجئے، انہیں نصیحت کیجئے اور ایسی بات کہیں کہ جو ان کے دلوں میں اتر جائے۔ ﴿63﴾ (انہیں بتائیں کہ) ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے اسی لیے بھیجا ہے کہ اللہ کے حکم کی بنا پر اس کی اطاعت کی جائے۔ اگر انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا ہوتا کہ جب یہ اپنے آپ پر ظلم کر بیٹھے تھے تو آپ کے پاس آجاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول بھی ان کے لیے معافی کی درخواست کرتا تو یقیناً اللہ کو بخشنے والا اور رحم کرنے والا پاتے۔ ﴿64﴾

**تشریح:** ان آیات میں بھی منافقین کے بارے میں وضاحت کی گئی ہے کہ اللہ رب العزت خوب اچھی طرح ان کو جانتے ہیں اور جب بھی وقت آئے گا ان کو سزا ملے گی۔ پھر آنحضرت ﷺ کو اللہ کا حکم ہے کہ آپ ﷺ ان کی منافقت اور خباثت کی بالکل پرواہ نہ کریں اور مسلسل انکو نصیحت کرتے رہیں، پھر اللہ رب العزت مغفرت مانگنے کی تلقین فرماتا ہے کہ اگر ان لوگوں سے قصور ہو گیا تھا تو ان کو یہی چاہیے تھا کہ وہ رسول ﷺ کے پاس آتے اللہ سے معافی مانگتے اور رسول ﷺ سے درخواست کرتے کہ ان کے لیے مغفرت کی دعا کریں تو اللہ رب العزت یقیناً ان کی توبہ قبول کر کے ان کو معاف کر دیتا، کیونکہ بہت دفعہ بتایا جا چکا ہے کہ انسان غلطیوں کا پتلا ہے مگر بخشش کے دروازے ہر وقت کھلے ہیں فوراً توبہ کر لینی چاہئے۔ سچی توبہ اللہ قبول کر لیتا ہے اور معاف کر دیتا ہے۔ مگر ان منافقین نے تو الٹا یہ کہنا شروع کر دیا کہ اللہ کی قسم ہم تو موافقت اور اصلاح چاہتے ہیں۔ ہماری نیت صاف تھی۔ مگر اللہ تو دلوں کے بھید جانتا ہے۔ یہ اس کو تو ہرگز دھوکہ نہیں دے سکتے۔ اس آیت میں خاص طور سے سبق دیا گیا ہے کہ اگر گناہ ہو جائے تو فوراً سچی توبہ کر لو۔

# ایمان کی پرکھ

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿65﴾

نہیں اے نبی ﷺ! آپ کے رب کی قسم یہ کبھی مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے باہمی اختلافات میں یہ آپ کو اپنا فیصلہ کرنے والا نہ مان لیں، پھر جو کچھ آپ فیصلہ کریں اس پر اپنے دلوں میں بھی کوئی تنگی محسوس نہ کریں، بلکہ خوشی سے مان لیں۔ ﴿65﴾

تشریح: آیت نمبر 59 میں بڑی وضاحت سے بیان کیا جا چکا ہے کہ جولوگ سچے مومن ہیں ان کیلیے فرض ہے کہ جھگڑے کی صورت میں قرآن وسنت سے مدد لیں جو اس کے سوا کریں گے وہ مومن نہیں کافر ہیں اور جو بھی قرآن وسنت کے مطابق فیصلہ پر دل سے خوش نہ ہو مطمئن نہ ہو تو یہ بھی ایمان کی کمزوری کی نشانی ہے، اس لیے نیک دلی اور سچائی سے قرآن وسنت کے فیصلوں کو قبول کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ انہیں یہ روایت پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں تم لوگوں میں دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں جب تک تم انہیں تھامے رہو گے تم گمراہ نہیں ہو گے (ایک) اللہ کی کتاب اور (دوسری) اس کے نبی کی سنت۔ (موطا امام مالک) قرآن وسنت پر عمل ہر مسلمان کا اولین فرض ہے۔

## اللہ کے احکامات مشکل نہیں

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿66﴾ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿67﴾ وَّلَهَدَيْنٰهُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿68﴾

اگر ہم نے ان کو حکم دیا ہوتا کہ اپنے آپ کو قتل کر و یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو ان میں سے کم ہی آدمی اس پر عمل کرتے، حالانکہ جو نصیحت انہیں کی جاتی ہے اگر یہ اس پر عمل کرتے تو یہ ان کے لیے زیادہ بہتری اور زیادہ ثابت قدمی کا موجب ہوتا۔﴿66﴾ اور جب یہ ایسا کرتے تو ہم انہیں اپنی طرف سے بہت بڑا اجر دیتے۔﴿67﴾ اور انہیں سیدھا راستہ دکھا دیتے۔﴿68﴾

تشریح: ان آیات میں بتایا گیا ہے کہ ان لوگوں کو تو کوئی مشکل کام نہیں کہا گیا جیسا کہ پہلی امتوں کو کہا گیا تھا ان کی طرح اگر ان کو رسول یا اللہ یہ حکم دیتے کہ اپنے گلے کاٹ لو اور یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو یہ لوگ اس پر ہرگز عمل نہ کرتے شاید تھوڑے سے لوگ حکم مان لیتے۔ ان لوگوں کو تو بہت ہی آسان احکامات دیئے گئے ہیں، اس لیے ان کو چاہیے کہ خوش دلی اور پورے ذوق وشوق سے تمام احکامات کو مانیں ان کو جو احکامات دیئے گئے ہیں وہ نہ صرف آسان ہی ہیں، بلکہ بے حد فائدہ مند اور بہترین اجر وثواب کے موجب بھی ہیں۔ اللہ رب العالمین نے فرمایا: اگر یہ لوگ ان کو مان لیتے تو میں اس فرمانبرداری کے بدلہ میں ان کو ایسے سیدھے اور بہترین راستہ پر ڈال دیتا کہ جو ان کو پختہ ایمان کی دولت سے مالا مال کر دیتا اور یہ لوگ ہر قسم کی پریشانی، تکلیف، دکھ درد اور رنج والم کے عذاب سے چھوٹ جاتے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لیے آرام، سکون اور عزت واحترام کے ٹھکانے ان کو مل جاتے۔ اللہ کے بتائے ہوئے راستوں پر چلنا، پورے خلوص اور نیک نیتی سے اللہ ورسول کے احکامات پر عمل کرنا دنیا وآخرت میں بھلائیاں حاصل کرنے کا بہت آسان اور عمدہ ذریعہ ہے۔

# اللہ کے پسندیدہ بندے

وَمَنْ يُطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ
وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿69﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿70﴾ ع 11/6

جو اللہ اور رسول کی اطاعت کرے گا وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔ کیسے اچھے ہیں یہ رفیق جو کسی کو میسر آئیں۔﴿69﴾ یہ حقیقی فضل ہے جو اللہ کی طرف سے ملتا ہے اور (حقیقت جاننے کے لیے بس) اللہ کا علم ہی کافی ہے۔﴿70﴾

**تشریح:** ان آیات میں انسانوں کی درجہ بندی کی گئی ہے اعمال، کردار اور اعتقادات کی نسبت سے، یعنی اللہ رب العزت نے انسان کو پیدا کیا اور اس کو تمام مخلوقات پر فضیلت دی اور پھر اس کی پرورش کے لیے تمام کائنات کو پیدا کر دیا ہر قسم کی سہولیات، ہر قسم کے فائدے انسان کو جسمانی صحت کے لیے دیئے اور پھر روحانی صحت کے لیے اس کو ایسے اصول دیئے جو اس کو برائی سے بچا کر نیکی کی راہیں دکھاتے ہیں۔ یہ اصول کیسے دیئے؟ کیونکہ بندہ نہ تو اللہ کو دیکھ سکتا ہے اور نہ آمنے سامنے بات کر سکتا ہے تو اس رابطے کے لیے اللہ نے کچھ ایسے اچھے انسان انسانوں میں سے ہی چن لیے جو اس قابل تھے کہ اللہ کا پیغام بندوں تک پہنچا دیں۔ پیغام پہنچانے والے کو رسول، نبی یا پیغمبر کہتے ہیں۔ ان کی فطرت عام لوگوں سے بہت پاکیزہ ہوتی ہے۔ بچپن سے ہی یہ نیک فطرت، پاک دامن اور انتہائی شریف مزاج لوگ ہوتے ہیں۔ اللہ رب العزت ان کو اپنی حفاظت میں لے لیتا ہے۔ ان کو اپنے پیغامات وحی کے ذریعے دیتا ہے جو وہ لوگوں تک پہنچا دیتے ہیں، پھر ان پیغامات کو صحیفہ یا کتاب، یعنی آسمانی کتاب کا نام دیا گیا ہے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نبی کریم ﷺ تک بندوں کی ہدایت کے لیے مختلف وقتوں میں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر بھیجے گئے۔ انسانوں میں سب سے بلند درجہ انبیاء (نبی کی جمع) کا ہے، پھر انبیاء کا حکم ماننا بندوں پر فرض کر دیا گیا ہے۔ ان انبیاء میں حضرت ابراہیم، اسماعیل، اسحٰق، داؤد، سلیمان، عیسیٰ، موسیٰ اور حضرت محمد ﷺ شامل ہیں۔ ان پر جو لوگ سب سے پہلے اور بغیر حیل و حجت کے ایمان لے آئے وہ صدیقین کے درجہ پر آتے ہیں جیسا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سب سے پہلے آپ ﷺ پر ایمان لے آئے، پھر جو لوگ ان انبیاء پر اور اللہ پر اس قدر بھروسہ کرتے ہیں اور اس قدر عزت اور احترام کرتے ہیں کہ اپنی جان، مال، اولاد اور اپنی ہر چیز ان کے بتائے ہوئے راستوں پر چل کر اللہ کی راہ میں قربان کر دیتے ہیں ان کو شہداء (شہید کی جمع ہے) کا درجہ دیا جاتا ہے۔ یہ درجہ بھی بہت بلند درجہ ہے۔ چوتھے نمبر پر صالحین (صالح کی جمع) کا درجہ آتا ہے۔ اس میں وہ لوگ شامل ہیں جن کے خیالات پاکیزہ ہوں جو کبھی بھی شیطان کے بہکانے میں آ کر غلط کام نہ کریں اور اگر کوئی گناہ ہو جائے تو فوراً اللہ کے سامنے جھک کر عاجزی اور خلوص سے معافی مانگ لیتے ہیں۔ جھوٹ نہیں بولتے، قتل نہیں کرتے، غیبت نہیں کرتے، چوری نہیں کرتے،

دوسروں کو نہ تنگ کرتے ہیں، نہ ان کا حق مارتے ہیں، غرض اللہ کی بتائی ہوئی ہر بات کو دل و جان سے مانتے ہیں اور ہرگز کسی بھی فرض کے ادا کرنے میں کوتاہی نہیں کرتے، ہر وقت اپنے آپ کو گناہوں سے بچائے رکھنے کی پوری کوشش کرتے ہیں۔ غرض اللہ کی مخلوق میں اللہ کے مقبول ترین بندوں میں سب سے پہلا درجہ انبیاء کا، پھر صدیقین کا، پھر شہداء کا اور پھر صالحین کا آتا ہے۔ اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ تمام لوگوں میں بہترین لوگ وہ ہیں جن کو دنیا میں اور آخرت میں بھی اوپر بیان کئے گئے مقبول ترین لوگوں کی دوستی یا قربت مل جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ نیک بندے کا رجحان ہمیشہ نیکی کی طرف ہی ہوتا ہے وہ دوست بھی اپنے جیسا ہی بنانا پسند کرتا ہے اور وہ اپنے جیسے نیک فطرت انسان کو ہی پسند کرتا ہے تو ایسے لوگوں پر اللہ کی رحمت کے دروازے یوں کھل جاتے ہیں کہ اللہ اپنے فضل و کرم سے ان کو بہترین لوگوں کی دوستی عطا کر دیتا ہے اور پھر آخرت میں بھی ان کو ایسے ہی لوگوں کے قریب جگہ ملے گی۔ جنت کے بھی کئی درجات ہیں اور اسی طرح دوزخ کے بھی کئی درجات ہیں۔ اللہ جل شانہ ہمیں دوزخ سے بچا کر جنت میں اپنے مقبول بندوں کے قریب ترین بہترین جگہ عطا کرے اور اس کے لیے قرآن و سنت پر سختی سے عمل کرنا بے حد ضروری ہے اور ہمیشہ نیک اور اچھے لوگوں کو دوست بنانا چاہیئے۔ ترمذی کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''وہ بیوپاری جو سچا اور ایمان دار ہو وہ انبیاء، صدیقین اور شہداء کے ساتھ ہوگا۔'' مطلب یہ ہے کہ انسان زندگی کے جس شعبہ میں بھی رہ کر کام کر رہا ہو اس کو اللہ اور رسول کے بتائے ہوئے اصولوں سے ہٹ کر ہرگز کام نہیں کرنا چاہیئے۔

## جہاد کی تیاری اور اس کا اجر

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ﴿71﴾ وَاِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَّيُبَطِّئَنَّ ۚ فَاِنْ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَالَ قَدْ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ اِذْ لَمْ اَكُنْ مَّعَهُمْ شَهِيْدًا ﴿72﴾ وَلَئِنْ اَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللّٰهِ لَيَقُوْلَنَّ كَاَنْ لَّمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهٗ مَوَدَّةٌ يّٰلَيْتَنِيْ كُنْتُ مَعَهُمْ فَاَفُوْزَ فَوْزًا عَظِيْمًا ﴿73﴾ فَلْيُقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۭ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿74﴾

اے ایمان والو! اپنے بچاؤ کا سامان ہر وقت تیار رکھو، پھر جیسا موقع ہو الگ الگ دستوں کی شکل میں نکلو یا اکٹھے ہو کر۔ ﴿71﴾ ہاں، تم میں کوئی کوئی آدمی ایسا بھی ہے جو لڑائی سے جی چراتا ہے، اگر تم پر کوئی مصیبت آئے تو کہتا ہے کہ اللہ نے مجھ پر بڑا فضل کیا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ نہ گیا۔ ﴿72﴾ اور اگر اللہ کی طرف سے تم پر فضل ہو تو اس طرح کہتا ہے کہ گویا تمہارے اور اس کے درمیان محبت کا تو کوئی تعلق تھا ہی نہیں کہ کاش میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو بڑا کام بن جاتا۔ ﴿73﴾ اللہ کی راہ میں لڑنا چاہیے ان لوگوں کو جو آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی کو فروخت کر دیں، پھر جو اللہ کی راہ میں لڑے گا اور مارا جائے گا یا غالب رہے گا اسے ضرور ہم اجر عظیم عطا کریں گے۔ ﴿74﴾

تشریح: پہلے اللہ اور رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا تھا۔ ان آیات میں امت مسلمہ کو دین کی حفاظت، اسلام کے پھیلانے کے لیے جہاد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ جہاد کا اصل مطلب ہے کمال درجہ کی کوشش کرنا۔ مسلمان زندگی کے ہر قدم پر جہاد کرتا ہے، اسلام کی سربلندی کیلئے ہر وقت جہاد کرتا ہے۔ دل، زبان، قلم، مال اور جان سب کچھ باطل کو مٹانے کے لیے اور حق کو پھیلانے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ ان آیات میں کفر و شرک کے خلاف لڑنے کا حکم دیا گیا ہے، کہ ہر وقت سامان جنگ سے لیس رہو مگر لڑائی کے اصولوں سے ہٹ کر کام نہ کرو بلکہ پوری طرح منظم ہو کر ترتیب سے انتظام اور اتحاد سے لڑائی کے لیے نکلو۔ یہ نہیں کہ بے ترتیب اور منتشر ہو جاؤ۔ میدان جنگ کی صورت حال کے مطابق اپنے آپ کو تیار کرو۔ اگر چھوٹے چھوٹے دستوں کی ضرورت ہے تو چھوٹے چھوٹے دستے تیار کرو اور اگر بڑے لشکر کی ضرورت ہے تو بڑے لشکر کی صورت میں منظم ہو کر لڑائی کرو، پھر ہر وقت ان لوگوں سے خبردار رہو جو دشمن کے جاسوس یا منافقین تمہاری فوج میں شامل ہو کر تمہیں بہت زیادہ نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ منافقوں کا حال تو یہ ہے کہ حیلے بہانے کر کے جنگ میں شامل ہونے سے بچ جاتے ہیں۔ اگر شکست ہو جائے تو کہتے ہیں شکر ہے اللہ کا ہم نہ گئے، حالانکہ وہ اس بات سے بالکل بے خبر ہیں کہ موت تو ہر صورت آ کے رہے گا گھر میں آ گئی تو بس مر گئے اور اگر جہاد میں مارے گئے تو ہمیشہ کی زندگی مل گئی کیونکہ شہید کے درجات تو اللہ رب العزت نے بہت بلند و بالا رکھے ہیں اور اگر جنگ جیت کر مال غنیمت کے ساتھ مسلمان واپس آئیں تو پھر کہتے ہیں کاش ہم بھی جاتے تو خوب لوٹ مار کرتے، یعنی ان کی نظر میں بس مال و دولت اور دنیا کی زندگی ہی سب کچھ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جو لوگ دنیا کی زندگی کو آخرت کی ہمیشہ والی زندگی سے زیادہ بہتر سمجھتے ہیں، دین کی بجائے دنیا کے فوائد کے پیچھے بھاگتے ہیں۔ ان کے خلاف جہاد کرو۔ کامیابی ہو یا ناکامی اس کی پرواہ نہ کرو کیونکہ اللہ کی راہ میں اگر مارے گئے تو شہید کا بہترین درجہ پاؤ گے اگر بچ گئے تو غازی کا اعزاز ملے گا۔ غرض دونوں صورتوں میں تمہیں فائدہ ہی فائدہ ہے، ثواب ہی ثواب ہے اور اجر عظیم تمہیں ملے گا۔

جہاد کی تاکید میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ فتح مکہ کے بعد اب ہجرت باقی نہیں رہی مگر جہاد اور (نیک) نیتی باقی رہے گی اور جب تم لوگوں سے مطالبہ کیا جائے کہ جہاد کے لیے نکلو تو پھر نکل کھڑے ہوا کرو۔ (صحیح بخاری) کیونکہ اس کی بڑی فضیلت ہے جیسا کہ حدیث میں آیا ہے۔ سالم ابو النصر بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ نے انہیں لکھ کر بھیجا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جان لو کہ جنت تلواروں کے سایوں کے نیچے ہے۔ (بخاری)

## مظلوموں کی مدد کے لیے جہاد

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا

مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿75﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿76﴾ ع 10/6/7

تمھیں کیا ہو گیا ہے؟ کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پا کر دبا لیے گئے ہیں اور فریاد کر رہے ہیں کہ اے اللہ! ہم کو اس بستی سے نکال جسکے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کر دے۔ ﴿75﴾ جن لوگوں نے ایمان کا راستہ اختیار کیا ہے، وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں اور جنہوں نے کفر کا راستہ اختیار کیا ہے، وہ طاغوت کی راہ میں لڑتے ہیں، پس شیطان کے ساتھیوں سے لڑو اور یقین جانو کہ شیطان کی چالیں حقیقت میں نہایت کمزور ہیں۔ ﴿76﴾

تشریح: ان آیات میں مظلوم کی فریاد، پھر ان کی مدد کے لیے مسلمانوں کو صاف لفظوں میں جہاد کا حکم دیا گیا ہے۔ اصل میں یہ ان مظلوم مردوں، عورتوں اور بچوں کی طرف اشارہ کیا گیا ہے جو مکہ میں پھنسے ہوئے تھے اور ایمان لانے کی وجہ سے ان پر اہل مکہ بے حد ظلم و ستم کر رہے تھے اور بے چارے مظلوم مسلمان اللہ تعالیٰ سے دعا کر رہے تھے کہ کسی طرح انکی مدد کی جائے اور اس بستی سے نجات دلائی جائے جہاں کے لوگوں نے ان کی زندگیاں حرام کر رکھی ہیں تو مدینہ کے مسلمانوں کو حکم ہوا کہ جہاد کرو کفار کے خلاف اور مظلوم مسلمانوں کو ان کے چنگل سے آزادی دلاؤ۔ یہ حکم کہ کفر کے خلاف اسلام کی مضبوطی کے لیے جنگ کرو، تاکہ دنیا میں امن و سکون ہو سکے مسلمانوں کو ہمیشہ کے لیے اس حکم کا پابند بنایا جا رہا ہے۔ اسلام کا مطلب ہے سلامتی اور ہر صورت میں کفر، ظلم اور زیادتی کا خاتمہ کرنا، جو لوگ حق کی خاطر باطل کے خلاف لڑتے ہیں وہ جہاد کرتے ہیں اس بے لوث اور مخلص جنگ میں جو بھی شریک ہو مجاہد کہلاتا ہے اور ہر صورت میں بہترین انعام کا مستحق ہوتا ہے۔ اس آیت میں انسان کو سمجھایا گیا ہے کہ اللہ رب العزت کے راستے کو صراط مستقیم، یعنی سیدھا راستہ اور سبیل اللہ (اللہ کا راستہ) کہا گیا ہے، جبکہ شیطان کے راستے کو طاغوت کا راستہ کہا گیا ہے، جو راستہ ہر برائی، نافرمانی اور غلط کام کی طرف جاتا ہے۔ شیطان کا کام ہے اللہ کے بندوں کو بھٹکانا اور ان کو شر، فساد اور برائی کی طرف لے جانا۔ تاریخ اسلام میں بے شمار ایسے واقعات ملتے ہیں جو کفر و ایمان کی لڑائی کو ظاہر کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی مدد فرما کر کفر کی بڑی بڑی تدبیروں کو ناکام کر دیتا ہے۔ مسلمانوں کا جذبہ ایمانی، شوقِ جہاد، اللہ کی محبت اور خلوص اس کو کفر کے مقابلہ میں اس قدر مضبوط اور ناقابل شکست بنا دیتا ہے کہ دشمن کی تمام تدبیریں، طاقت اور تعداد کچھ بھی کام نہیں آتیں۔ ایمان کی طاقت اللہ پر بھروسہ اور اتحاد و یکجہتی مسلمانوں کے بہترین ہتھیار ہیں جن کے سامنے بڑی سے بڑی طاقت ٹھہر نہیں سکتی۔ لیکن اخلاص کا ہونا ہونا شرط ہے۔ علامہ اقبال نے کچھ یوں فرمایا۔

شہادت ہے مطلوب و مقصود مومن
نہ مال غنیمت نہ کشور کشائی

ڈاکٹر علامہ اقبال اللہ کے ان سپاہیوں کی تعریف کرتے ہیں جو انتہائی کم عرصہ میں مشرق ومغرب پر چھا گئے۔ فرماتے ہیں کہ وہ سپاہی اللہ کے راستے میں لڑ مرنے کو اپنی زندگی کا پہلا اور آخری مقصد سمجھتے تھے۔ ملکوں کو فتح کرنا یا مال غنیمت اکٹھا کرنا ان کا مقصد نہیں تھا۔ مال کی ہوس اور دنیا کی آسائشیں ان کے سامنے کوئی حقیقت نہ رکھتی تھیں۔ ماضی بعید اور قریب میں بے شمار ایسے واقعات تاریخ میں ملتے ہیں۔ ہر مسلمان کو ہر وقت ذہن میں رکھنا چاہیے کہ اس کی زندگی بھی اللہ کے لیے ہے اور اس کی موت بھی صرف اللہ کے لیے ہی ہے۔

## لڑائی سے ڈرنے والے

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۭ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿77﴾ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۭ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۭ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ فَمَالِ هٰٓؤُلَاۗءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿78﴾

آپ نے ان لوگوں کو بھی دیکھا جن کو کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ روکے رکھو نماز قائم کرو اور زکوۃ دو۔ اب جو انہیں لڑائی کا حکم دیا گیا تو ان میں سے ایک فریق کا یہ حال ہے کہ لوگوں سے ایسے ڈر رہے ہیں جیسا اللہ سے ڈرنا چاہیے یا کچھ اس سے بھی بڑھ کر۔ کہتے ہیں اے رب ہمارے یہ ہم پر لڑائی کا حکم کیوں لکھ دیا؟ کیوں نہ ہمیں کچھ اور مہلت دی؟ ان سے کہو، دنیا کا سرمایہ زندگی تھوڑا ہے اور آخرت ایک متقی انسان کے لیے زیادہ بہتر ہے اور تم پر ایک ذرہ برابر بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔﴿77﴾ رہی موت تو جہاں بھی تم ہو وہ بہر حال تمہیں آ کر رہے گی خواہ تم کیسی ہی مضبوط عمارتوں میں ہو۔ اگر انہیں کوئی فائدہ پہنچتا ہے تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر کوئی نقصان پہنچتا ہے تو کہتے ہیں یہ تمہاری بدولت ہے۔ کہو، سب کچھ اللہ ہی کی طرف سے ہے۔ آخر ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ کہ کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی۔﴿78﴾

**تشریح:** ان آیات کا شان نزول کچھ یوں ہے کہ مکہ کے مظلوم مسلمان نبی کریم ﷺ سے جنگ کی اجازت مانگتے تھے کہ کفار کے ظلم وستم سے نجات ملے۔ اس وقت ان کو جنگ سے رکے رہنے کا حکم دیا گیا کہ ابھی صرف صبر کرو اور نماز قائم کرتے رہو اور زکوۃ دو۔ لیکن ہجرت کے بعد مسلمان کچھ مضبوط ہوئے تو پھر جنگ کا حکم ہو گیا۔ تب مسلمانوں کے کچھ لوگ جنگ سے یوں ڈرنے لگے جیسے اللہ سے ڈرنا چاہیے اور کچھ اور مہلت مانگنے لگے تو اس پر اللہ رب العزت نے فرمایا کہ یہ دنیا کی خواہش میں اس قدر ڈوب گئے

ہیں کہ آخرت کی خوشیوں بھری ہمیشہ کی زندگی ان کو یاد نہیں۔ اور فرمایا کہ ان کو بتاؤ کہ جو بھی یہ کریں گے ذرہ ذرہ کا ثواب ان کو دیا جائے گا۔ ان پر ہرگز ظلم نہ کیا جائے گا۔ ان کو آخرت اور ہمیشہ کی زندگی کے لیے خوب نیکیاں اور بھلائیاں کرنی چاہئیں اور اگر یہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ لڑائی میں مارے جائیں گے تو یہ بہت بڑی سعادت ہوگی اگر جہاد میں مرجائیں، موت کا وقت اور جگہ تو مقرر ہو چکی ہے یہ گھر پر ہوں یا مضبوط قلعہ کے اندر بند ہو کر بیٹھ جائیں یہ موت سے بچ نہیں سکتے۔ یہ ایک بہت بڑی حقیقت ہے کہ موت سے ڈر کر ان نیکی کے کاموں سے مت رک جاؤ جو تمہارے لیے آخرت میں نجات کا باعث بنیں گے اور آخرت کی تمام بھلائیوں کا سبب بنیں گی۔ یہ دنیا تو چند روزہ عیش و آرام یا مصیبتوں اور پریشانیوں کا گھر ہے۔ ہمیشہ رہنے والی مزے کی زندگی جو آخرت کی زندگی ہے اس کی فکر کریں۔ اللہ کے احکامات کو خلوص دل سے مانیں اور عمل بھی کریں اور یوں انعام آخرت حاصل کریں۔ ایک اور بات کا ذکر بھی کیا گیا ہے وہ یہ کہ جب بھی ان لوگوں کو خوشیاں ملتیں تو کہتے اللہ کے فضل سے ملی ہیں اور جب کوئی تکلیف پہنچتی تو کہتے آپ ﷺ کی وجہ سے پہنچی ہے۔ اس پر اللہ رب العزت نے فرمایا کہ ان کو اتنی سی بات بھی سمجھ میں نہیں آرہی کہ فتح و شکست، فائدہ یا نقصان، سب اللہ کے ارادہ اور حکم سے ہوتا ہے اس میں کسی انسان کو دخل دینے کی نہ اجازت ہے اور نہ قدرت ہے اور پھر ان لوگوں کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ اللہ رب العزت کی صفت رحمٰن و رحیم ہے اس کی طرف سے فضل و کرم ہوتا ہی رہتا ہے اور جو مصیبت ان لوگوں پر پڑتی ہے یہ خود ان کے غلط کاموں کی وجہ سے مصیبت آتی ہے۔ اس میں رسول ﷺ کا کیا کام؟ رسول ﷺ کا کام تو صرف اللہ رب کا پیغام بندوں تک پہنچانا ہے۔ اب جو غلط کام کرے گا تو اس کو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ رب العالمین جو سمیع و بصیر ہے اس لیے ان کا کیا ہوا غلط کام اللہ سے چھپا ہوا نہیں، لہٰذا غلط کام کی وجہ سے مصیبت تو ان پر ضرور پڑے گی۔ اتنی سی بات یہ لوگ سمجھنے کی تکلیف نہیں کرتے۔

## مصیبت شامت اعمال کی وجہ سے

مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۡ وَ مَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۭ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿97﴾

آپ کو جو بھلائی بھی حاصل ہوتی ہے اللہ کی طرف سے ہوتی ہے اور جو مصیبت آپ پر آتی ہے وہ آپ کے اپنے نفس کی طرف سے ہے۔ ہم نے آپ کو تمام لوگوں تک پیغام پہنچانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اللہ تعالیٰ گواہ کافی ہے۔ ﴿79﴾

تشریح: انسان کو تمام بھلائیاں، آرام و آسائش کی تمام چیزیں اللہ کی دی ہوئی ہیں۔ یہ بندے کی مرضی ہے کہ ان کو لوگوں کی اور اپنی بھلائی کے لیے استعمال کرے یا برائی کے لیے استعمال کرے۔ قرآن پاک کا یہ اعلان کہ مصیبت، دکھ اور تکلیف انسان خود اپنے ہاتھوں سے پیدا کرتا ہے۔ اس کی بڑی خوبصورت وضاحت سلطان بشیر محمود صاحب نے اپنی کتاب ''قیامت اور حیات بعد

الموت' میں کی ہے فرماتے ہیں۔

اگر کوئی ملک، قوم، معاشرہ یا فرد بلا خوف زندگی، اطمینان، امن اور ترقی کا خواہاں ہے تو ان کے لیے اصلاح کا پہلا کام یہ ہونا چاہیے کہ وہ یہ دیکھیں کہ وہ اللہ کا کوئی قانون تو نہیں توڑ رہے۔ جہاں تک ظلم کا تعلق ہے اسلام اس کو مصیبتوں کی ماں سمجھتا ہے۔ اللہ کو نہ ماننا، کفر کی طرف جھکنا، بے انصافی، رشوت، کرپشن، کم تولنا، زیادہ لینا، سود خوری، یہ سب ظلم کی شکلیں ہیں۔ اس کو روکنے کے لیے رسول ﷺ نے فرمایا: مظلوم کی مدد کروا سے اس کا حق دلا کر، ظالم کی مدد کرو اسے ظلم سے روک کر۔ اگر کوئی قوم ظلم کی جڑ کاٹتی رہے تو یقیناً اس قوم پر مصیبتیں نازل نہیں ہوں گی۔ اس کی وضاحت کچھ یوں بھی کی جا سکتی ہے کہ ایک گندی ذہنیت کا آدمی غلط کام کا سوچے گا اور پھر سوچ پر عمل بھی غلط ہی کرے گا۔ غلط عمل کا نتیجہ بھی برا ہی نکلے گا گویا ایک غلط کام کرنے والے انسان نے پورے گھر، محلے، شہر، ملک اور دنیا کو مصیبتوں کی طرف دھکیل دیا۔

اس کے برعکس ایک نیک نیت، پرخلوص اور صاف ستھری ذہنیت والا شخص کبھی بھی غلط اور نقصان دہ کام کا سوچ نہیں سکتا اور وہ اچھے اور فائدہ مند کام کا ہی سوچتا ہے، پھر اس پر عمل کر کے خود کو، گھر کو، شہر، محلے، ملک اور دنیا کو فائدہ پہنچاتا ہے اور اس طرح اللہ رب کا فرمان ظاہر کرتا ہے کہ انسان اپنے لیے خود مصیبتیں، پریشانیاں، دکھ اور تکلیفیں پیدا کرتا ہے۔ اللہ نے تو اس پر پورا فضل و کرم کر رکھا ہے قرآن وسنت میں زندگی گزارنے کے بہترین اصول وقوانین بتا دیئے ہیں کہ دنیا و آخرت میں کامیابیاں حاصل کر سکے اگر ہم ان پر عمل نہیں کریں گے تو زندگی وبال اور ضرر بن جائے گی۔ برے کاموں کے برے نتیجے ہوتے ہیں۔

## رسول ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۭ﴿80﴾

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے دراصل اللہ کی اطاعت کی اور جو منہ موڑ گیا تو بہر حال ہم نے آپ کو ان لوگوں پر پاسبان بنا کر تو نہیں بھیجا ہے۔ ﴿80﴾

**تشریح:** اس آیت میں اللہ رب العزت رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کرتے ہوئے ان کو تسلی دیتے ہیں کہ آپ نے میرا پیغام لوگوں تک پہنچا دیا بس یہی آپ کا کام تھا۔ اب یہ کام ہر شخص کا اپنا ذاتی ہے کہ وہ رسول ﷺ کے بتائے ہوئے راستہ پر چلتا ہے یا نہیں یہ ہدایت بھی کر دی گئی ہے کہ جس نے رسول ﷺ کی پیروی کی تو گویا اس نے اللہ کی اطاعت کی، کیونکہ رسول ﷺ کا فرمان دراصل اللہ کا فرمان ہے۔ اب جو احکامات کو سمجھتے ہیں، عمل کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی عمل کرنے کی تلقین کرتے ہیں تو گویا انہوں نے جنت کمالی اور جو ایسا نہیں کرتے تو وہ اس کا اجر پا لیں گے ان کی بدعملی کا خود ان سے پوچھا جائے گا۔ آپ نہ ذمہ دار ہیں اور نہ آپ سے پوچھا جائے گا۔ آپ نے تو اپنا کام خوبی سے کر دیا ہے، اب ہر فرد اپنے اعمال کا خود ذمہ دار ہے اور سزا یا جزا اس کو اعمال کے مطابق ضرور ملے گی۔

# نبی ﷺ کے خلاف سازشیں

وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا (81) اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا (82)

وہ (آپ سے تو) کہتے ہیں کہ ہم فرمانبردار ہیں۔مگر جب آپ کے پاس سے نکلتے ہیں تو ان میں سے ایک گروہ راتوں کو جمع ہو کر آپ کی باتوں کے خلاف مشورے کرتا ہے۔اللہ ان کی یہ ساری سرگوشیاں لکھ رہا ہے آپ ان کی پرواہ نہ کریں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں، وہی بھروسے کے لیے کافی ہے۔(81) کیا یہ لوگ قرآن پر غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت سے اختلاف پاتے۔(82)

تشریح: ان آیات میں ان منافقین کا ذکر ہے جو آپ ﷺ کے سامنے ایمان لانے کا وعدہ کرتے ہیں۔اللہ رب العزت نبی ﷺ کو ان منافقین کی طرف سے آگاہ کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ ان لوگوں کو بالکل خبر نہیں کہ ان کی کہی ہوئی ہر بات اور ہر سازش ہم لکھ رہے ہیں۔یہاں یہ بتایا جارہا ہے کہ اللہ کا نگہبانی کا بندوبست اتنا زبردست اور بہترین ہے کہ اس سے بندوں کا کوئی عمل اور کوئی ارادہ چھپا ہوا نہیں۔نبی کریم ﷺ کو منافقین سے خبردار کرنے کے بعد اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ ان منافقین کی طرف سے بالکل پریشان نہ ہوں، کیونکہ آپ کا حامی اور مددگار بہت طاقت ور اور بہترین ساز گار ہے۔وہ ہے اللہ رب العزت بس آپ اللہ پر بھروسہ رکھیں اور محنت و ہمت سے اپنے کام میں لگے رہیں۔یہ منافقین آپکا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتے۔کیونکہ یہ شیطان کے بھروسے پر کام کرتے ہیں۔جبکہ آپ قوی و عظیم اللہ رب کے بھروسہ پر کام کرتے ہیں۔پچھلی آیات میں ایمان کامل (پکے ایمان) کی تعریف کی گئی کہ جو شخص نبی ﷺ کی فرمانبرداری کرے گا تو وہی پکا اور سچا مسلمان ہوگا اور پھر ان منافقین اور مشرکین کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ لوگ نہ تو رسول اللہ ﷺ اور نہ قرآن مجید پر ایمان رکھتے اور نہ اس کی آیات اور مضامین پر غور کرتے ہیں اگر یہ ذرہ سا بھی غور و فکر کریں تو ان کو خود بخود یقین ہو جائے کہ واقعی قرآن جیسی جامع، اعلیٰ اور حکمتوں سے بھرپور کتاب کوئی انسان نہیں بنا سکتا۔قرآن کی ہر آیت، ہر سورت انسان کو کائنات اور خود انسان کے بہت بڑے بڑے بڑے راز بتاتی ہے جو آج کے بڑے بڑے سائنس دان انتہائی محنت اور تجربات کے بعد جان سکے ہیں۔مثلاً: قرآن میں زمین کی تخلیق کے بارے میں فرمایا: پھر وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوا جو اس وقت محض دھواں تھا۔اس نے آسمان اور زمین سے کہا۔(سورۃ 41 کی آیت 11)

کائنات کے وجود میں آنے کا جدید ترین نظریہ یہ ہے کہ شروع میں صرف توانائی تھی۔اسی نے بعد میں مادے کی شکل اختیار کر لی یہ مادہ شروع میں گیس (دخان) کی شکل میں ظاہر ہوا۔اس کے بعد اس میں سے بادلوں کی طرح کے ٹکڑے ٹوٹ ٹوٹ

کر سدیم وجود میں آئے جن سے کہکشائیں بنیں۔ سدیمی مادہ جمنے کے عمل سے ستاروں کی شکل اختیار کر گیا، پھر ان ستاروں میں اختراق (دوری) کا عمل ہو کر سیارے (جو حرکت کرتے ہیں) بنے جن میں سے ایک سیارہ زمین ہے جو نظام شمسی سے جڑا ہوا ہے۔ یہ تمام نظام جس سے زمین آسمان وجود میں آئے اتنی چھوٹی سی آیت میں چودہ سو سال پہلے بیان کر دیا گیا۔ تو یہ قرآن کا ہی کمال ہے اور قرآن کی سچائی کا ایک چھوٹا سا ثبوت ہے۔ اس طرح کے بے شمار حقائق جگہ جگہ بیان کیے گئے ہیں جو قرآن کی سچائی اور آسمانی کتاب ہونے کا بہترین ثبوت پیش کرتے ہیں کوئی انسان یہ سب کچھ کبھی بیان نہیں کر سکتا۔

اسی طرح سورہ ملك میں فرمایا: اور بے شک ہم نے آسمان دنیا کو چراغوں سے آراستہ کیا۔ ان اشاروں پر غور و فکر کر کے تہہ تک پہنچنا، علم فلکیات کی دعوت دیتا ہے۔ پورا قرآن پاک اسی طرح کے اشارات سے بھرا پڑا ہے۔ غور و فکر اور تحقیق کی دعوت بھی بے شمار جگہوں پر دی گئی ہے۔

یہی اللہ کا کلام ہے جو قرآن پاک کی صورت میں ہم مسلمانوں کو اور پوری دنیا کو دیا گیا ہے۔ اس میں کوئی بے ترتیبی نہیں کوئی جھوٹ نہیں اور کوئی خامی نہیں۔ یہ ہے اللہ کا کلام مکمل اور خامیوں سے بالکل پاک۔ علم و حکمت اور ہدایت کی باتوں سے بھرا ہوا۔ یہی تو اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ مشرکین اور منافقین اگر ذرا سا بھی غور و فکر کریں تو قرآن پاک کو آسمانی کتاب ماننے سے ہرگز انکار نہ کریں۔

## تحقیق کے بغیر افواہ پھیلانا

وَاِذَا جَآءَ هُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ۭ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿83﴾

یہ لوگ جہاں بھی کوئی اطمینان بخش یا خوفناک خبر سن پاتے ہیں تو اسے پھیلا دیتے ہیں، حالانکہ اگر یہ اسے رسول ﷺ اور اپنی جماعت کے ذمہ دار اصحاب تک پہنچائیں تو وہ ایسے لوگوں کے علم میں آ جائے جو ان کے درمیان اس بات کی صلاحیت رکھتے ہیں کہ اس سے صحیح نتیجہ اخذ کر سکیں۔ تم لوگوں پر اللہ کی مہربانی اور رحمت نہ ہوتی تو (تمہاری کمزوریاں ایسی تھیں کہ) سوائے چند کے تم سب شیطان کے پیچھے لگ گئے ہوتے۔ ﴿83﴾

**تشریح:** شروع میں مدینہ میں ابھی نئی نئی اسلامی ریاست بنی تھی، مسلمان بھی کچھ کمزور اور کچھ پختہ عقیدہ رکھتے تھے اور پھر یہودیوں کی بستیاں بھی موجود تھیں، منافقین بھی کافی موجود تھے، غرض کافی افراتفری کا وقت تھا۔ ظاہر ہے اس ہلکی پھلکی کمزوری سے مخالفین پورا پورا فائدہ اٹھانا چاہتے تھے، لہٰذا یہ لوگ افواہوں کے ہتھیار کو مسلمانوں کے خلاف استعمال کر رہے تھے جس پر اللہ رب العزت کا فرمان نازل ہوا کہ مخالفین اسلام کبھی تو دشمنوں کی طرف سے کسی ایسے خطرہ کا اعلان کر دیتے جس کا کوئی وجود ہی نہ ہوتا اور

لوگ ان پھیلتی ہوئی غلط افواہوں سے بے سکون اور فکر مند ہو جاتے۔ کچھ نومسلم اسلام سے دوری کا بھی سوچتے اور بعض اوقات ایسے ہوتا کہ بڑے خطرہ سے لوگوں کو لاعلم رکھنے کے لیے ایسی افواہیں پھیلائی جاتیں، تاکہ مسلمان آنے والے خطرہ کا مقابلہ کرنے سے بالکل غافل ہو جائیں اور اچانک خطرات سامنے آکھڑے ہوں اور یوں ان کو نقصان اٹھانا پڑے۔ یہاں افواہوں کو پھیلانے یقین کرنے اور آگے بیان کرنے سے سختی سے منع کیا گیا ہے جیسا کہ قرآن ہر چھوٹے بڑے مسئلہ کو بڑی وضاحت سے بیان کرتا ہے اور اس کا علاج بھی بتاتا ہے اسی طرح جنگ میں ہتھیار، فوج اور مناسب میدان جنگ کی ترتیب کے علاوہ ایک بہت بڑا ذریعہ افواہیں پھیلانے کا بھی ہے یہ بھی دشمن کے خلاف ایک بہت بڑا ہتھیار ہے، لہٰذا مسلمانوں کو خبردار کیا گیا ہے کہ بغیر تحقیق کے باتوں کو اڑانا (افواہیں پھیلانا) بڑا گناہ اور بڑا فتنہ ہے۔ اس کا مقابلہ اس طرح کیا جانا چاہیے کہ جو بھی افواہ سنی جائے اس کو فوراً اس سے متعلقہ افسر، عالم دین، سیاستدان، پیامبر، سربراہ یا حکومت کے ذمہ دار افراد کو بتایا جائے۔ تاکہ اس افواہ کا قلع قمع کیا جائے اور فوراً اس کی روک تھام کر کے اپنے شہری، ملک وقوم کو نقصان اور افراتفری سے بچایا جا سکے۔ افواہیں پھیلانا بدترین اخلاق میں سے ایک ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔

حضرت ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: آدمی کے جھوٹا ہونے کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ جو کچھ سنے (اس کی تحقیق کیے بغیر) اسے آگے نقل کر دے۔ (مسلم)

یہ بڑی ہی خطرناک بات ہے کئی دفعہ صرف افواہوں کی وجہ سے لوگوں کے درمیان جھگڑا فساد اور بدامنی شروع ہو جاتی ہے۔ اللہ اس سے اپنی حفاظت میں رکھے اور اس کا مقابلہ کرنے کے لیے قرآن کی ہدایت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

## جہاد اور اس کی ترغیب

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿84﴾ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿85﴾

پس آپ ﷺ اللہ کی راہ میں لڑو، تم اپنی ذات کے سوا کسی اور کے ذمہ دار نہیں، البتہ اہل ایمان کو لڑنے کے لیے ابھارو، بعید نہیں کہ اللہ کافروں کا زور توڑ دے، اللہ کا زور سب سے زیادہ زبردست اور اس کی سزا سب سے زیادہ سخت ہے۔ ﴿84﴾ جو بھلائی کی سفارش کرے گا وہ اس میں سے حصہ پائے گا اور جو برائی کی سفارش کرے گا وہ اس میں سے حصہ پائے گا اور اللہ ہر چیز پر نظر رکھنے والا ہے۔ ﴿85﴾

**تشریح:** غزوہ احد میں ابوسفیان رضی اللہ عنہ کے ساتھ عہد ہوا تھا کہ ذیعقدہ میں بدر صغریٰ میں جنگ کی جائے گی۔ تب نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو جہاد پر جانے کو کہا مگر لوگوں نے ٹال مٹول کیا۔ تب اللہ رب العزت نے حکم دیا کہ اے نبی! آپ خود ہی جہاد کے لیے نکل

جائیں لوگوں کو کہیں ضرور اگر وہ انکار کرتے ہیں تو ٹھیک ہے آپ نے تو اپنا ہی حساب کتاب دینا ہے وہ خود اپنے ذمہ دار ہیں پھر فرمایا کہ آپ بالکل گھبرائیں نہیں ہوسکتا ہے کہ ہم ان کی جنگ کو ہی روک دیں اللہ رب نے اپنی مدد اور قوت کا وعدہ کیا اور فرمایا کہ اللہ رب العزت جنگ میں بھی شدید ہے اور سزا دینے میں بھی شدید ہے، لہٰذا فتح آپ کی ہی ہوگی اور انکار کرنے والوں کو سزا ضرور بھگتنا پڑے گی۔ پھر سفارش کی حقیقت بتائی جارہی ہے کہ نیک کام اور نیک مقصد کیلئے اگر کوئی سفارش کرے تو اس کو نیکی کا حصہ ملے گا لیکن اگر برے کام، برے مقصد اور برے شخص کے لیے سفارش کی جائے تو سفارش کرنے والا گناہ میں برابر کا حصہ دار ہوگا۔ یہ تمام معاملات اللہ رب العزت کی نظر سے ہرگز چھپے ہوئے نہیں وہ تو ہر پل اور ہر دل کا حال اچھی طرح جانتا ہے، اس لیے خبردار رہنا چاہیے۔

## نیکی کا بدلہ

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿86﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿87﴾ ع 11 8

اور جب کوئی شخص تمہیں سلام کرے تو اس کو اس سے بہتر طریقہ سے جواب دو یا کم از کم اسی طرح، اللہ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے۔﴿86﴾ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے، وہ تم سب کو اس قیامت کے دن جمع کرے گا جس کے آنے میں کوئی شبہ نہیں، اور اللہ کی بات سے بڑھ کر سچی بات اور کس کی ہوسکتی ہے؟﴿87﴾

**تشریح:** مسلمانوں کو تہذیب اور اخلاق کے بارے میں حکم دیا جارہا ہے کہ چاہے کوئی تمہارا دشمن ہی کیوں نہ ہو مسلمان کا اخلاق اجازت نہیں دیتا کہ کسی سلام کرنے والے کو اس سے بہتر اور خوش خلقی سے جواب نہ دیا جائے۔ یوں بھی آپس میں ملنے کا بہترین طریقہ اسلام علیکم کہنا ہے تو جواب میں وعلیکم السلام یا وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ کہا جائے اگر کوئی السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہے تو جواب میں وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کہنا چاہیے۔ اس طرح آپس میں محبت اور خوش خلقی کا اظہار ہوتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔

مسند احمد، ترمذی، ابوداؤد نے حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے سب سے زیادہ قریب وہ شخص ہے جو سلام کرنے میں ابتدا کرے۔

پھر فرمایا کہ اللہ رب العزت ہر بات، ہر معاملہ اور ہر چیز کا حساب ضرور لے گا۔ اللہ رب العالمین واحد ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ توحید کے بارے میں بڑی تفصیل سے بیان کیا جاچکا ہے۔ حساب کا دن اللہ رب العزت نے مقرر کر رکھا ہے جب تمام لوگ اللہ کے حضور حاضر ہوں گے اور پھر ان کے کیے ہوئے اعمال کا حساب کتاب لے کر ان کو سزا اور جزا دی جائے گی۔ یہ فرمان اللہ رب کریم کا ہے جو قول کا پکا اور ارادے کا مضبوط ہے نہ اس کے ارادے میں تبدیلی آسکتی ہے اور نہ اس کا قول بدل سکتا ہے، اس لیے

قیامت ضرور آئے گی۔ لوگ اللہ کے حضور ضرور پیش کئے جائیں گے اور ان کو بدلہ ضرور دیا جائے گا۔ یہ سب بالکل سچ ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔ عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام اگلوں پچھلوں کو ایک میدان میں جمع کرے گا پھر ایک آواز دینے والا آواز دے کر سب کو متوجہ کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا، یہ فیصلہ کا دن ہے ہم نے تمہیں اور اگلے لوگوں سب کو جمع کر دیا ہے (اب) تم میرے ساتھ جو مکر وفریب کر سکتے ہو تو وہ کر لو۔ آج کوئی متکبر، سرکش اور منکر مجھ سے نہیں بچ سکے گا اور نہ کوئی نافرمان شیطان میری سزا سے نجات پا سکے گا۔ (اخرجہ ابن ابی حاتم تفسیر ابن کثیر جلد 3)

اس طرح کے پیغامات قرآن پاک میں جگہ جگہ پائے جاتے ہیں جو کہ بالکل سچ اور شک سے پاک ہیں جیسا کہ آیت مذکورہ کے آخر میں آیا ہے۔ ''اور اللہ کی بات سے بڑھ کر سچی بات اور کس کی ہو سکتی ہے۔

## ایمان کا معیار

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿88﴾ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ۙ ﴿89﴾

پھر یہ تمہیں کیا ہو گیا؟ کہ منافقین کے بارے میں تمہارے دو گروہ بن گئے ہیں، حالانکہ جو برائیاں انہوں نے کمائی ہیں ان کی بدولت اللہ انہیں الٹا پھیر چکا ہے۔ کیا تم چاہتے ہو کہ جسے اللہ نے ہدایت نہیں بخشی اسے تم ہدایت بخش دو؟ حالانکہ جسے اللہ نے راستہ سے ہٹا دیا، اس کے لیے آپ کوئی راستہ نہیں پا سکتے۔ ﴿88﴾ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح وہ خود کافر ہیں اسی طرح تم بھی کافر ہو جاؤ، تاکہ تم اور وہ سب یکساں ہو جائیں، لہٰذا ان میں سے کسی کو اپنا دوست نہ بناؤ۔ جب تک کہ وہ اللہ کی راہ میں ہجرت کر کے نہ آ جائیں اور اگر وہ ہجرت سے باز رہیں تو جہاں پاؤ انہیں پکڑو اور قتل کرو اور ان میں سے کسی کو اپنا دوست اور مددگار نہ بناؤ۔ ﴿89﴾

تشریح: مدینہ اللہ رب العزت کی طرف سے مسلمانوں کیلئے جائے پناہ تھا اسی لیے مکہ سے ہجرت کر کے مسلمان مدینہ میں جمع ہوتے رہے۔ مگر آس پاس کئی ایسی بستیاں تھیں کہ جہاں لوگ مسلمان ہو گئے تھے مگر ان کا اچھی طرح پتہ نہ چل رہا تھا کچھ مسلمان تو ان کو واقعی پکے مسلمان سمجھتے تھے مگر کچھ مسلمان ان کی منافقت سے آگاہ ہو چکے تھے تو اس پر یہ آیات نازل ہوئیں کہ یہ لوگ مسلمان تو ہو گئے ہیں مگر ان کے دل مسلمانوں سے دور ہیں یہ صرف ذاتی مفادات اور دنیاوی فائدوں کی وجہ سے مسلمان ہو گئے ہیں۔ یہ لوگ دلوں کے اتنے برے اور بدنیت ہیں کہ ہدایت آنے کے بعد بھی ہدایت پانا نہیں چاہتے، بلکہ یہ تو چاہتے ہیں کہ تم بھی اسلام سے پھر جاؤ اور ان کے ساتھ شامل ہو جاؤ۔ یہ لوگ دوست بنانے کے قابل ہرگز نہیں نہ انہیں دوست بناؤ اور نہ ہی ان کے لیے سوچ

بچار کرو۔ وہاں اگر تم ان میں سے سچے اور منافق مسلمانوں کو علیحدہ علیحدہ کرنا چاہو تو اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ تم ان کو دیکھو جو لوگ اللہ اور اسلام کی خاطر اپنا ملک مال و دولت بیوی بچے (اگر چھوڑنے پڑیں) چھوڑ کر صرف دین کی خاطر مدینہ ہجرت کر کے آ جائیں اور اخلاص کے ساتھ دین کی خدمت کرنے کی نیت ہو تو پھر ان کی مدد کرو ان سے دوستی کرو۔ لیکن اگر یہ لوگ صرف جان بچانے کے لیے مسلمان بنتے ہیں تو پھر ہرگز ان سے دوستی نہ کرو بلکہ میدان جنگ میں جہاں بھی یہ تمہارے خلاف لڑ رہے ہوں ان کو قتل کر دو۔ ان آیات میں صاف طور پر بتا دیا گیا ہے کہ منافقین سے ہرگز دوستی نہ کرو۔

## منافقوں سے جنگ

اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا (90) سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْؕ كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَاۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْؕ وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا (91) ع 12 4 9

البتہ وہ منافق اس حکم سے مستثنیٰ ہیں جو کسی ایسی قوم سے جا ملیں جس کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے۔ اسی طرح وہ منافق بھی مستثنیٰ ہیں جو تمہارے پاس آتے ہیں اور لڑائی سے دل برداشتہ ہیں، نہ تم سے لڑنا چاہتے ہیں نہ اپنی قوم سے۔ اللہ چاہتا تو ان کو تم پر مسلط کر دیتا اور وہ بھی تم سے لڑتے، لہٰذا اگر وہ تم سے کنارہ کش ہو جائیں اور لڑنے سے باز رہیں اور تمہاری طرف صلح کا ہاتھ بڑھائیں تو اللہ نے تمہارے لیے ان پر دست درازی کی کوئی سبیل نہیں رکھی۔ (90) ایک اور قسم کے منافق تمہیں ایسے ملیں گے جو چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی، مگر جب کبھی فتنہ کا موقعہ پائیں گے اس میں کود پڑیں گے ایسے لوگ اگر تمہارے مقابلہ سے باز نہ رہیں اور صلح و سلامتی تمہارے آگے پیش نہ کریں اور اپنے ہاتھ نہ روکیں تو جہاں وہ ملیں انہیں پکڑو اور مارو، ان پر ہاتھ اٹھانے کے لیے ہم نے تمہیں کھلی حجت دے دی ہے۔ (91)

**تشریح:** یہاں ان منافقین کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ جو واجب القتل منافق ہیں لیکن اگر وہ کسی ایسی قوم یا ملک میں پناہ لے لیں کہ جس سے مسلمانوں کا جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہو۔ مطلب یہ ہے کہ نہ تو اس علاقے میں جا کر ان کو قتل کریں اور نہ ہی ان کا تعاقب کریں یہ احترام منافق کا نہیں، بلکہ اس معاہدے کا احترام ہے جو اسلامی حکومت نے اس دوسری حکومت سے کر رکھا ہے۔ یہاں معاہدے کی پاسداری کا قانون بھی مسلمانوں کو بتا دیا گیا ہے۔ ایک تیسری قسم کے منافقین کے لیے اس طرح حکم دیا گیا ہے

کہ وہ جنگ نہیں کرنا چاہتے تمہارے ساتھ امن وامان سے رہنے کا معاہدہ کرتے ہیں تو ٹھیک ہے امن وامان سے رہو، لیکن جب کبھی تمہاری جنگ مخالف گروہ سے ہو جائے اور وہ لوگ جن سے تمہارا امن کا معاہدہ تھا ان کے ساتھ شامل ہو کر تمہارے خلاف لڑائی کریں تو پھر تم بھی ان کو قتل کرو اور مارو۔ کیونکہ انہوں نے معاہدہ کی خلاف ورزی کی ہے تو اب تم بھی امن کے معاہدہ سے آزاد ہو گئے ہو۔ ان سے باقاعدہ جنگ کرو اور ان کو قتل کرو۔ یہ تمام قوانین جو یہاں بیان کئے گئے ہیں یہ سب موجودہ اسلامی مملکتوں کیلئے بھی ضروری بنا دیئے گئے ہیں۔ ہمیں بھی ایسے ہی جنگی قوانین اپنانے ہوں گے۔

## غلطی سے یا جان بوجھ کر مسلمان کو قتل کرنیکی سزا

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَاً ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿92﴾ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿93﴾

کسی مومن کے یہ لائق نہیں ہے کہ دوسرے مومن کو قتل کرے، سوائے اس کے کہ غلطی سے ایسا ہو جائے اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کر دے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ ایک مومن کو غلامی سے آزاد کرے اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا دے مگر یہ کہ وہ خون بہا معاف کر دیں۔ لیکن اگر وہ مسلمان مقتول کسی ایسی قوم سے تھا جس سے تمہاری دشمنی ہو تو اس کا کفارہ ایک مومن غلام آزاد کرنا ہے اور اگر وہ کسی ایسی قوم کا فرد تھا جس سے تمہارا معاہدہ ہو تو اس کے وارثوں کو خون بہا دیا جائے گا اور ایک مومن غلام کو آزاد کرنا ہوگا، پھر جو غلام نہ پائے وہ پے در پے دو مہینوں کے روزے رکھے یہ اس گناہ پر اللہ سے توبہ کرنے کا طریقہ ہے اور اللہ علیم و دانا ہے۔ ﴿92﴾ رہا وہ شخص جو کسی مومن کو جان بوجھ کر قتل کرے تو اس کی جزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اس پر اللہ کا غضب اور اللہ کی لعنت ہے اور اللہ نے اس کے لیے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے۔ ﴿93﴾

**تشریح:** مومن کو قتل کرنا بڑا سخت گناہ ہے، لیکن اگر غلطی سے ایسا ہو جائے تو پھر اس کا کفارہ ایک غلام آزاد کرنا ہے اور مقتول کے وارثوں کو خون بہا کی رقم ادا کرنا ہو گی اگر وارث خون بہا معاف کر دیں تو ٹھیک ہے۔

اگر مسلمان مقتول کسی ایسی قوم کا فرد ہو جس سے تمہاری دشمنی ہو تو پھر اس کا کفارہ ایک غلام مومن آزاد کرنا ہو گا اور اگر ایسی قوم کا فرد تھا کہ جس کے ساتھ امن کا معاہدہ ہو تو پھر ایک مومن غلام آزاد کرنا ہو گا اور خون بہا اس کے وارثوں کو دینا ہو گا اگر

غلام کی توفیق نہ ہو تو پھر توبہ کے طور پر دو مہینوں کے مسلسل روزے رکھنے پڑیں گے۔ یہ تو اللہ رب العزت سے معافی مانگنے کا طریقہ ہے اور یہ طریقہ اللہ علیم و دانا کا مقرر کیا ہوا ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص جان بوجھ کر کسی مسلمان کو قتل کر دے تو یہ بڑا سخت گناہ ہے اتنا سخت کہ کفارہ دے کر اس سے نجات نہیں ہو سکتی۔ سورۂ بقرہ میں قصاص کا حکم دیا گیا ہے، یعنی جان کے بدلے جان۔ یہاں اس جرم پر خبردار کیا جا رہا ہے کہ ایسا شخص آخرت میں جہنم کے عذاب کا مستحق ہوگا، پھر فرمایا کہ اس جرم پر اللہ نے اس پر انتہائی غصہ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ ایسے شخص پر اللہ کی لعنت ہے جو کہ بڑی سخت سزا ہے۔

## جہاد میں قتل سے احتیاط

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰٓى اِلَيْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۡ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ ۭ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿94﴾

اے ایمان والو! جب تم اللہ کی راہ میں (جہاد کے لیے) سفر کرو تو (دوست دشمن) کی تحقیق کر لیا کرو اور جو تمہاری طرف سلام سے تقدیم کرے اسے فوراً نہ کہہ دو کہ تو مومن نہیں ہے۔ اگر تم دنیوی فائدے چاہتے ہو تو اللہ کے پاس تمہارے لیے بہت سے اموال غنیمت ہیں آخر اسی حالت میں تم خود بھی تو مبتلا رہ چکے ہو، پھر اللہ نے تم پر احسان کیا، لہٰذا تحقیق سے کام لو جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے باخبر ہے۔﴿94﴾

**تشریح:** اس آیت میں بڑی سختی سے حکم دیا گیا ہے کہ بغیر تحقیق کے فیصلہ کرنا جائز نہیں۔ اصل میں شروع کا زمانہ تھا۔ کیونکہ رہن، سہن، رسم و رواج، بات چیت اور زبان سب ایک ہی طرح تھا تو مسلمان اور کافر کا فرق معلوم کرنا انتہائی مشکل تھا۔ یہ غلطی خاص طور سے جہاد میں ضرور ہو جاتی، اس لیے حکم ہوا کہ جب کوئی اپنے مسلمان ہونے کے ثبوت میں السلام علیکم کہے یا لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کہے تو پھر کسی شک و شبہ میں مت پڑو بس اس کو مسلمان سمجھ کر اس سے بہتری کا اور بھائی چارے کا سلوک کرو۔ یہ سمجھ کر اس کو قتل مت کرو کہ یہ اصل میں مسلمان نہیں۔ بلکہ اس وقت اپنی جان اور مال بچانے کے لیے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کر رہا ہے۔ بلکہ اس کی بات پر یقین کرو اور اس کو ہرگز قتل نہ کرو اور نہ ہی اس کا مال، غنیمت میں رکھ لو اگر کوئی کافر جھوٹ بول کر جان بچا لیتا ہے تو یہ اس سے بہتر ہے کہ تم کسی مسلمان کو صرف شک کی بنا پر قتل کر ڈالو، پھر فرمایا کہ اللہ رب العزت کا احسان ہے کہ آج تم مسلمانوں کی ایک جماعت کی شکل میں زندگی گزار رہے ہو ورنہ وہ وقت یاد کرنے کے قابل ہے کہ تم مختلف قبیلوں میں منتشر تھے اور تم اپنے بچاؤ کے لیے اپنے اسلام کو چھپاتے تھے ویسے بھی زبانی اقرار کے سوا تمہارے پاس مسلمان ہونے کا کوئی ثبوت نہ تھا، پھر تاکید کی جا رہی ہے کہ دیکھو تحقیق کے چکر میں مت پڑو دلوں کے بھید تو اللہ رب العزت ہی جانتا ہے کیونکہ وہ تو نیت اور ارادے تک کو جانتا ہے۔ تم لوگ دوسروں کے دعویٰ اسلام پر یقین کرو اور مسلمان بھائی کے ساتھ پوری رعایت، خلوص اور مہربانی سے پیش

آؤ۔ دوسروں کے لیے نیک گمان رکھنے کی فضیلت اسی سے ظاہر ہوتی ہے کہ حضور ﷺ نے اسے ''عبادت'' فرمایا ہے حسن ظن بہت سی روحانی بیماریوں کا علاج ہے، جبکہ بدگمان شخص کو دوسروں کا حسن سلوک بھی منافقت بن کر نظر آتا ہے۔

## مجاہدین کے درجات

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ۭ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ۭ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿95﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿96﴾ ع 13/5/10

مسلمانوں میں سے جو لوگ کسی معذوری کے بغیر گھر بیٹھے رہتے ہیں اور وہ جو اللہ کی راہ میں جان و مال سے جہاد کرتے ہیں دونوں کی حیثیت برابر نہیں ہے۔ اللہ نے بیٹھنے والوں کی بہ نسبت جان و مال سے جہاد کرنے والوں کا درجہ بڑا رکھا ہے۔ اگرچہ ہر ایک کے لیے اللہ نے بھلائی ہی کا وعدہ فرمایا ہے مگر اللہ کے ہاں مجاہدوں کی خدمات کا معاوضہ بیٹھنے والوں سے بہت زیادہ ہے۔ (95) ان کے لیے اللہ کی طرف سے بڑے درجے ہیں مغفرت اور رحمت ہے اور اللہ بڑا معاف کرنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔ (96)

تشریح: جہاد کے متعلق چند ضروری احکامات ان آیات میں بیان کیے گئے ہیں۔ بغیر کسی معذوری کے جہاد میں شریک نہ ہونے والے جہاد میں شریک ہونے والوں کے برابر نہیں ہو سکتے۔ ویسے تو ہر نیک مسلمان کو جنت اور مغفرت اعمال کے حساب سے ضرور ملے گی مگر یہاں خاص طور پر جہاد کی درجہ بندی کی گئی ہے، ایک جہاد تو اسلام کے دشمنوں کے خلاف ملک کی حفاظت کے لیے ہوتا ہے اور خاص لوگ اس کے لیے مقرر کیے جاتے ہیں، لیکن اگر ان کی طاقت کمزور پڑے اور مزید فوجی طاقت کی ضرورت پڑے تو پھر آس پاس کے مسلمانوں کا جہاد میں شامل ہونا ضروری ہو جاتا ہے۔ یہ دوسرا درجہ ہے، پھر اگر ان کی طاقت بھی کم پڑ جائے تو پھر مزید قریب تر لوگوں پر جہاد میں شامل ہونا ضروری ہو جاتا ہے یہ تیسرا درجہ ہے، پھر بھی اگر طاقت کم پڑ جائے تو پھر مشرق و مغرب کے ہر مسلمان کا فرض ہو جاتا ہے کہ جہاد میں شریک ہو یہ چوتھی صورت ہے، جہاد میں شریک ہونے کی ویسے تو انسان کی زندگی خود ایک جہاد سے کم نہیں، عام طور پر انسان کی اجتماعی اور قومی ضرورتوں کو فرض کفایہ کا درجہ دیا گیا ہے۔ فرض کفایہ کا مطلب ہے پوری جماعت میں سے کچھ لوگ اس فرض کے ادا کرنے میں شامل ہو جائیں تو پوری جماعت کی طرف سے فرض ادا ہو جاتا ہے اور اگر ایک فرد بھی شامل نہ ہو تو پھر پوری جماعت گناہ گار ہو گی۔ یہ اس لیے تاکہ تمام لوگ اپنے اپنے مستقل محاذ پر کام کر سکیں، یعنی کچھ لوگ جہاد میں شریک ہو کر اپنا کام کریں، کچھ تعلیم، رفاہی کام، سائنس، طب اور دوسری اسلامی اور انسانی ضروریات کو پورا کریں اور ان تمام کاموں کو جسمانی، مالی اور روحانی طریقہ سے جہاد ہی سمجھیں۔ یہ سب جہاد ہی ہیں مگر ان آیات میں بطور خاص جہاد سے

مراد کفار ومشرکین سے قتال کرنا ہے۔ اللہ رب العزت نے ہر جہاد کا درجہ مقرر کر دیا ہے اور پھر فرمایا کہ ہر مجاہد کے لیے مہربانی، رحمت اور بخشش رکھ دی گئی ہے ہاں، اگر ان تمام فرائض کی ادائیگی میں اگر کبھی کوئی بھول چوک ہو جائے تو اللہ رب العزت کے خزانے رحمت اور بخشش سے بھرے پڑے ہیں اللہ غفور ورحیم ہے۔ اپنے بندوں سے بے حد پیار کرتا ہے۔ جو مال اور جان اللہ کے لیے قربان کرنے کے لیے تیار رہے اس پر اللہ رب العزت بہت مہربان رہتا ہے۔ مسلمان کا جہاد ہر وقت جاری رہتا ہے۔ قرآن، زبان، قلم، دل، مال اور جان سب کچھ اگر اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے اور بندوں کی بھلائی کے لیے استعمال کیے جائیں تو جہاد ہی جہاد ہے۔ جہاد کا مطلب ہے سچائی اور اسلام کی سربلندی کے لیے بھرپور کوشش اور محنت کرنا۔ اللہ بدلہ دینے والا ہے۔ دنیا میں بھی آخرت میں بھی۔

## ہجرت کا بیان

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيٓ أَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ۖ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْأَرْضِ ۚ
قَالُوْٓا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ۚ فَأُولٰٓئِكَ مَأْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿97﴾
إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ﴿98﴾
فَأُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَّعْفُوَ عَنْهُمْ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿99﴾ وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۚ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا إِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ
يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿100﴾ ع 14/4/11

جو لوگ اپنے نفس پر ظلم کرتے رہے جب فرشتے ان کی روحیں قبض کرنے آتے ہیں تو ان سے پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے؟ وہ کہتے ہیں کہ ہم زمین میں کمزور اور مجبور تھے۔ فرشتے کہتے ہیں اللہ کی زمین وسیع نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے۔﴿97﴾ ہاں، جو مرد، عورتیں اور بچے واقعی بے بس ہیں اور نکلنے کا کوئی ذریعہ اور راستہ نہیں پاتے۔﴿98﴾ بعید نہیں کہ اللہ انہیں معاف کر دے اللہ بڑا معاف کرنے والا ہے اور درگزر کرنے والا ہے۔﴿99﴾ جو کوئی اللہ کی راہ میں ہجرت کرے گا وہ زمین میں پناہ لینے کیلئے بہت جگہ اور بسر اوقات کے لیے بڑی گنجائش پائے گا اور جو اپنے گھر سے اللہ اور رسول کی طرف ہجرت کے لیے نکلے، پھر راستہ ہی میں اسے موت آجائے اس کا اجر اللہ کے ذمہ واجب ہو گیا، اللہ بہت بخشنے والا اور رحیم ہے۔﴿100﴾

**تشریح:** ان آیات میں اللہ کے دین کے لیے ہجرت کرنے کو بے حد اچھا کام کہا گیا ہے۔ یہ اس وقت کا حکم ہے جب مدینہ دارالاسلام کے طور پر مسلمانوں کے لیے آزادی سے رہنے کا مقام بن چکا تھا۔ تو اس وقت پوری طرح اعلان کر دیا گیا تھا کہ آس پاس اور جہاں کہیں بھی مسلمان کفار کی بستیوں میں رہ رہے ہیں تو وہ فوراً مدینہ کی طرف ہجرت کر جائیں اور سکون سے اسلامی

فرائض ادا کریں۔ مگر کچھ لوگ ہجرت کر سکنے کے باوجود کفار کے ساتھ ہی آدھے مسلم آدھے کافر کی زندگی گزارتے رہے یہ اس لیے کہ ہجرت کرنے سے ان کے مال مویشی، زمین اور گھروں کا نقصان ہو جاتا تو ایسے دنیا پرست آدھے مسلمان اور آدھے کافر اللہ کو ہرگز ناپسند تھے اور پھر جو اسی حالت میں مرگئے تو ان کے لیے جہنم کے عذاب کی خبر دی گئی ہے۔ دوسری بات یہ واضح ہوتی ہے کہ دین کو فوقیت دینا ہر مسلمان کے لیے باعث نجات اور ضروری ہے اگر کسی جگہ دین میں آزادی نہ ہو بلکہ دین کے فتنے میں پڑ جانے کا خطرہ ہو تو فوراً اس جگہ سے کسی ایسی جگہ منتقل ہو جانا چاہیے جہاں اللہ و رسول کی اطاعت گزاری میں کوئی رکاوٹ پیدا نہ ہو۔ اللہ کی زمین بڑی وسیع ہے اور اللہ کا فضل و کرم بے شمار ہے، پھر فرمایا کہ اگر کوئی شخص مجبوراً اللہ کی راہ میں ہجرت کے لیے نہ نکل سکے، یعنی ایسے مرد، عورتیں اور بچے جو واقعی ہجرت کرنے کے قابل نہ ہوں کسی بھی خاص مجبوری کی وجہ سے تو ایسے لوگوں کو اللہ رب العزت بالکل معاف کر دے گا۔ کیونکہ وہ ان کی مجبوری سے خوب واقف ہے اور اللہ بہت درگزر کرنے والا اور معاف کرنے والا ہے، اس لیے ایسے لوگوں کو فکر مند نہیں ہونا چاہئے۔ ہجرت نہ کرنے کی اجازت دو صورتوں میں دی گئی ہے۔ ایک یہ کہ دارالکفر (کافروں کی بستی) میں رہ کر اسلام کی تبلیغ مقصود ہو اور دوسری یہ کہ کسی بھی وجہ سے ہجرت کرنا ممکن نہ ہو۔ ورنہ ہجرت کرنا فرض ہے، پھر فرمایا کہ اگر کوئی اللہ و رسول ﷺ اور دین کی خاطر ہجرت کے لیے نکلے اور راستہ میں فوت ہو جائے تو اس کو پورا پورا اجر و ثواب ملے گا، اس لیے کہ اس کا مقصد نیک اور نیت صاف تھی اللہ رب العزت تو ویسے ہی بہت زیادہ بخشش کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔ کیونکہ تمام اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

## سفر میں نماز قصر اور نماز خوف کے مسائل

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ إِنَّ الْكٰفِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِينًا ﴿١٠١﴾ وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَأْخُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ ۚ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِنْ وَّرَائِكُمْ وَلْتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ۚ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّنْ مَّطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰى أَنْ تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ ۚ إِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْكٰفِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿١٠٢﴾

اور جب تم سفر کیلئے نکلو تو کوئی حرج نہیں اگر نماز میں اختصار کرلو۔ جب کہ تمہیں اندیشہ ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے یقیناً کافر تمہارے کھلم کھلا دشمن ہیں۔ ﴿١٠١﴾ اور اے نبی ﷺ! جب آپ مسلمانوں کے درمیان ہوں اور (حالت جنگ میں) انہیں نماز

پڑھانے کھڑے ہوں تو چاہئے کہ ان میں سے ایک گروہ آپ کے ساتھ کھڑا ہو اور اسلحہ لیے رہے۔ پھر جب وہ سجدہ کر لیں تو پیچھے چلے جائیں اور دوسرا گروہ جس نے نماز ابھی نہیں پڑھی آ کر تمہارے ساتھ پڑھے اور وہ اپنا بچاؤ پکڑیں اور اپنا اسلحہ لیے رہیں، کیونکہ کفار اس تاک میں ہیں کہ تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان کی طرف سے ذرا غافل ہو تو وہ تم پر یکبارگی ٹوٹ پڑیں، البتہ اگر تم بارش کی وجہ سے تکلیف محسوس کرو یا بیمار ہو تو اسلحہ رکھ دینے میں مضائقہ نہیں مگر پھر بھی چوکنے رہو۔ یقین رکھو کہ اللہ نے کافروں کے لیے رسوا کن عذاب مہیا کر رکھا ہے۔ (102)

تشریح: پچھلی آیات میں ہجرت اور جہاد کا ذکر ہے جس میں سفر اور خوف لازمی ہے تو ان حالات میں نماز کے مسائل کا بیان ان آیات میں واضح کیا گیا ہے۔ اگر سفر میں ہوں یا جنگ کی حالت تو نماز میں رعایت دی گئی ہے مگر چھوڑنے کا ذکر بالکل آخر میں ہوا ہے وہ بھی چھوڑنے کا نہیں بلکہ قضا کرنے کا حکم ہے اس سے ظاہر ہوا کہ نماز کس قدر ضروری فریضہ ہے۔ سفر کے لیے یہ رعایت ہے کہ اگر 19 دن کا قیام ہو تو فرض چار کی بجائے دو پڑھ لیے جائیں وتر میں کوئی رعایت نہیں چونکہ رسول اللہ ﷺ نے سفر میں بھی پڑھے ہیں اس لیے سفر میں بھی پڑھ لیے جائیں۔ یہ اللہ کی طرف سے صدقہ ہے، اس لیے اس میں گناہ کا کوئی کام نہیں اب دوسری صورت جنگ کی ہے تو اس میں نماز کے وقت فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر لینا چاہیے۔ ایک حصہ فوج کا کفار کے آگے ڈٹا رہے دوسرا حصہ امام کے پیچھے نماز کیلئے کھڑا ہو جائے ایک رکعت پوری کر کے فارغ ہو کر پیچھے ہٹ جائیں اور دشمن کے سامنے ڈٹ جائیں اور جو حصہ دشمن کے سامنے کھڑا تھا وہ نماز کے لیے امام کے پیچھے آ کر کھڑا ہو جائے اور دوسری رکعت پڑھ لے سلام پھیر کر دوبارہ دشمن کے سامنے جا کھڑے ہوں جب کہ پہلا دستہ واپس آ کر اپنی دوسری رکعت پوری کر لے (خود ہی) اسی طرح دوسرا دستہ واپس آ کر اپنی دوسری رکعت پوری کرے۔ اس نماز میں اور بھی بہت سی رعایتیں ہیں۔ مثلاً: جنگ کی صورت حال کے مطابق نماز میں چل پھر سکتے ہیں سواری پر نماز پڑھ سکتے ہیں اگر مجبوری ہو تو اشاروں سے اور جدھر بھی رخ ہو جس صورت میں بھی ہو سکے نماز ادا کرنے کی اجازت ہے مگر ضروری ہے کہ اپنا اسلحہ اور بچاؤ کا سامان ساتھ ضرور رکھا جائے۔ ہاں، اگر بارش کی وجہ سے یا بیماری کی وجہ سے اسلحہ جسم پر لگایا نہ جا سکے تو پھر اتار سکتے ہیں مطلب یہ ہے کہ ہر خطرے کا مکمل بندوبست رکھتے ہوئے، جیسے بھی نماز ادا ہو سکے کر لیں۔ کیونکہ دشمن تمہاری ہلکی سی غفلت سے بھی بہت بڑا فائدہ اٹھاتے ہوئے تمہیں نقصان پہنچا سکتا ہے۔ یہ احکامات اس لیے دیئے جا رہے ہیں، کیونکہ دشمن سے بچاؤ اور ہر قسم کی احتیاط بے حد ضروری ہے اس کے بعد اللہ کا فضل اور اس کی مدد پر پورا بھروسہ رکھو، کیونکہ اللہ رب العزت نے تمہارے مقابلے میں لڑنے والے کفار کیلئے ذلیل و خوار کرنے والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

## اللہ کو یاد کرو

فَاِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِيْمُوا

الصَّلٰوةَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿103﴾

پھر جب نماز سے فارغ ہو جاؤ تو کھڑے، بیٹھے اور لیٹے ہر حال میں اللہ کو یاد کرتے رہو اور جب اطمینان نصیب ہو جائے تو پوری نماز پڑھو۔ نماز درحقیقت (ایسا فرض ہے جو) پابندی وقت کے ساتھ اہل ایمان پر لازم کیا گیا ہے۔﴿103﴾

تشریح: جنگ ہو، سفر ہو یا بیماری نماز ہر صورت میں ادا کرنی ضروری ہے جو رعایتیں دی گئی ہیں ان سے فائدہ اٹھاؤ۔ اب اس آیت میں اللہ حکم دیتا ہے کہ مشکلات میں نماز تو بس فرض ہی پورا ہوتا ہے، اس لیے جب حالت جنگ ختم ہو جائے اور امن وسکون ہو جائے تو پھر پورے سکون واطمینان اور خشوع وخضوع سے نماز قائم کرو۔ اس کے بعد اللہ رب العالمین نے فرمایا: اللہ کو ہر وقت دل میں، زبان سے، اٹھتے، بیٹھتے یاد کرتے رہو اس ذکر کے لیے کوئی پابندی نہیں، ہر وقت، ہر صورت اس کو یاد کیا جا سکتا ہے۔ مگر نماز کی ادائیگی کے لیے وقت کی پابندی ضروری ہے نہ بے وقت نماز ہو سکتی ہے اور نہ ہی وقت پر ٹالی جا سکتی ہے۔ صحیح مسلم میں ہے۔ ''نماز وقت پر پڑھا کرو۔'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اللہ کے ذکر سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔

## دشمن کو ڈھیل نہ دو

وَلَا تَهِنُوْا فِى ابْتِغَآءِ الْقَوْمِ ۭ اِنْ تَكُوْنُوْا تَاْلَمُوْنَ فَاِنَّهُمْ يَاْلَمُوْنَ كَمَا تَاْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿104﴾ ع 15 4 12

اس گروہ کے تعاقب میں کمزوری نہ دکھاؤ، اگر تمہیں تکلیف پہنچی ہے تو تمہاری طرح وہ بھی غموں سے دوچار ہوئے ہیں اور تم اللہ سے اس چیز کے امیدوار ہو جس کے وہ امیدوار نہیں ہیں۔ اللہ سب کچھ جانتا ہے اور وہ جاننے والا اور دانا ہے۔﴿104﴾

تشریح: اس آیت میں بھی جنگ کے داؤ پیچ سکھائے گئے ہیں اور حکم ہو رہا ہے کہ جب ایک دفعہ تمہارا آمنا سامنا کفار سے ہو ہی جائے تو پھر ان کے ساتھ کسی قسم کی کوئی رعایت نہ برتی جائے ان کو آخر دم تک دھکیلتے رہو اور پوری طرح ان کا پیچھا کرو اور اچھی طرح ان کو سزا دو تاکہ فتنہ وفساد پوری طرح ختم ہو جائے۔ لڑائی سے جو کچھ تکالیف تمہیں اٹھانی پڑتی ہیں وہ تکالیف ان کو بھی اٹھانی پڑتی ہیں مگر کیونکہ ان کا مقصد لڑائی کا اللہ کے خلاف لڑنا ہے جبکہ تمہارا مقصد صرف اور صرف اللہ اور اس کے دین کی سربلندی ہے، لہٰذا تمہیں خوش ہونا چاہیے اور مطمئن بھی کہ تم جیت گئے تو غازی، مارے گئے تو شہید، غازی اور شہید دونوں ہی اللہ رب العزت کی طرف سے بہترین انعامات کے مستحق ہوتے ہیں جو کہ دنیا میں بھی ملتے ہیں اور آخرت میں بھی ملیں گے۔ یہ وعدہ اللہ علیم وحکیم کا ہے، یعنی وہ ہمارے تمام اعمال حتیٰ کہ ہماری نیتوں کو خوب اچھی طرح جانتا ہے اور سب سے بڑا حکمت ودانائی رکھنے والا ہے۔ اس کا وعدہ نہ تو بدل سکتا ہے اور نہ ہی غلط ہو سکتا ہے۔ مسلمان حق کے لیے لڑتا ہے تو اس کا اجر بھی اس سے بہترین ہی ملتا ہے۔ جبکہ کافر کفر کو پھیلانے کے لیے اور شیطان کے لیے لڑتا ہے تو اس کو اس کا اجر بھی دنیا میں تباہی وبربادی کی صورت میں اور آخرت میں سزا

ضروردی جائے گی۔اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں۔حدیث میں آتا ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: خدا کے دین کے دشمنوں سے جہاد کرو تو اجر کے علاوہ مال غنیمت بھی ملے گا اور روزہ رکھو تو اجر کے علاوہ تندرستی بھی حاصل ہوگی۔ (ترغیب بحوالہ طبرانی)

# فیصلہ عدل سے کرو

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ۭ وَ لَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ
خَصِيْمًا ﴿105﴾ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿106﴾ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ
اَنْفُسَهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ﴿107﴾ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ
اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿108﴾

(اے نبی ﷺ!) ہم نے یہ کتاب حق کے ساتھ آپ کی طرف نازل کی ہے تاکہ جو بصیرت اللہ نے آپ کو دی ہے اس کے مطابق لوگوں کے درمیان فیصلہ کرسکیں اور آپ بددیانت لوگوں کی طرف سے جھگڑنے والے نہ بنیں۔﴿105﴾ اور اللہ سے بخشش کی
درخواست کریں، وہ بڑا درگزر فرمانے والا، رحیم ہے۔﴿106﴾ جو لوگ اپنے نفس سے خیانت کرتے ہیں آپ ان کی حمایت نہ کریں۔
اللہ کو ایسا شخص پسند نہیں ہے جو خیانت کار اور معصیت پیشہ ہو۔﴿107﴾ یہ لوگ انسانوں سے اپنی حرکات چھپا سکتے ہیں مگر اللہ سے نہیں چھپا سکتے وہ تو اس وقت بھی ان کے ساتھ ہوتا ہے جب یہ راتوں کو چھپ کر اس کی مرضی کے خلاف مشورے کرتے ہیں۔ان کے سارے اعمال پر اللہ محیط ہے۔﴿108﴾

**تشریح:** ان آیات کا شان نزول ایک جھگڑا ہے جو طعمہ مسلمان اور زید یہودی کے درمیان ہوگیا تھا۔واقعہ اس طرح ہے کہ طعمہ نے کچھ مال چوری کیا اور اس مال کو پکڑے جانے کے خطرہ سے یہودی کے گھر رکھوا دیا جب کھوج لگانے والوں نے مال یہودی کے گھر سے پکڑ لیا تو یہودی کو چوری کے الزام میں پکڑ لیا۔یہودی کیونکہ بے قصور تھا وہ بہت پریشان ہوا لیکن مال کا ملنا بہت بڑا ثبوت تھا اس کے علاوہ طعمہ کے خاندان والوں نے قسمیں کھا کر کہا کہ یہودی غلط کہتا ہے۔یہ قضیہ فیصلہ کے لیے نبی اکرم ﷺ کے پاس گیا تو طعمہ اور اس کے ساتھیوں نے قسمیں کھا کر اور بڑا زور دے کر نبی کریم ﷺ کو یقین دلایا کہ زید جھوٹ بول رہا ہے کہ طعمہ نے اس کے پاس مال نہیں رکھا، بلکہ اس نے خود ہی چرایا ہے اور اب جھوٹا الزام طعمہ پر لگا رہا ہے۔بظاہر فیصلہ طعمہ کے حق میں ہی ہونا چاہیے تھا تو آنحضرت ﷺ کی ٹھیک راہنمائی کیلیے یہ آیات نازل ہوئیں تاکہ غلط فیصلہ سے بچ سکیں اور یوں دین اور نبی ﷺ کی بدنامی نہ ہو فیصلہ ٹھیک ہو اور اصل مجرم کو سزا مل سکے۔اللہ نے فرمایا: ہم نے قرآن کو سچی اور ٹھیک باتیں بتانے کے لیے آپ پر نازل کیا ہے۔تاکہ آپ لوگوں کے آپس کے جھگڑوں کا فیصلہ اللہ کی ہدایت کے مطابق ٹھیک ٹھیک کریں، جھگڑنے والے نیک ہوں یا بد

کافر ہوں یا مومن آپ جھوٹے کو جھوٹا اور سچے کو سچا ٹھہرانا چاہیے اور انصاف سے فیصلہ کرنا چاہیے۔ غلطی ہونے کا امکان تھا تو اس کے لیے اللہ رب العزت سے معافی مانگ لینی چاہیے وہ تو بخشش کرنے والا اور بے حد رحم کرنے والا ہے۔

پھر فرمایا کہ آپ ﷺ خیانت کرنے والے اور اس کے ساتھیوں کی حمایت ہرگز نہ کریں یہ لوگ جان بوجھ کر دھوکے اور دغا بازی پر تلے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کو دغا باز لوگ بالکل پسند نہیں۔ یہ لوگ دو گناہ کر رہے ہیں ایک تو چور کو بچانے کی کوشش کر رہے ہیں اور دوسرا بے گناہ کو چور بنا رہے ہیں۔ یہ لوگوں سے تو ڈرتے ہیں مگر اللہ سے نہیں ڈرتے جبکہ اللہ ہر وقت ان کو دیکھ رہا ہے۔ جب یہ لوگ راتوں کو چھپ کر مشورے کرتے ہیں تو اللہ سے وہ مشورے ہرگز پوشیدہ نہیں وہ سب کچھ جانتا ہے اور وہ ان سے راضی نہیں۔ ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ جو کچھ یہ کرتے ہیں بندوں سے تو چھپا سکتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ سے ہرگز کچھ بھی چھپا نہیں سکتے۔

## استغفار اور بہتان

هَآنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جَادَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿109﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿110﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿111﴾ وَمَنْ

16 ع 8 13 يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿112﴾

ہاں، تم لوگوں نے ان مجرموں کی طرف سے دنیا کی زندگی میں تو جھگڑا کر لیا، مگر قیامت کے روز ان کی طرف سے کون جھگڑا کرے گا؟ آخر وہاں کون ان کا وکیل ہوگا؟ ﴿109﴾ اگر کوئی شخص برا فعل کر گزرے یا اپنے نفس پر ظلم کر جائے اس کے بعد اللہ سے درگزر کی درخواست کرے تو اللہ کو درگزر کرنے والا اور رحیم پائے گا۔ ﴿110﴾ مگر جو برائی کما لے تو اس کی یہ کمائی اسی کے لیے وبال ہوگی، اللہ کو سب باتوں کی خبر ہے اور وہ علم رکھنے والا اور دانا ہے۔ ﴿111﴾ پھر جس نے کوئی خطا یا گناہ کر کے اس کا الزام کسی بے گناہ پر تھوپ دیا اس نے تو بڑے بہتان اور صریح گناہ کا بار سمیٹ لیا۔ ﴿112﴾

تشریح: پچھلی آیات کا قصہ دہراتے ہوئے سبق دیا جا رہا ہے کہ ایک تو ناجائز طرف داری گناہ ہے اور دوسرے بے گناہ پر بہتان لگانا بہت بڑا گناہ ہے اور پھر آخر میں سچے دل سے استغفار کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ تمام گناہوں سے نجات سچی معافی ہی دلا سکتی ہے۔

## نبی کریم ﷺ کی معصومیت اور رحمتِ الٰہی

وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ

وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿113﴾

(اے نبی ﷺ!) اگر اللہ کا فضل آپ پر نہ ہوتا اور اس کی رحمت آپ کے شامل حال نہ ہوتی تو ان میں سے ایک گروہ نے تو آپ کو بہکانے کا فیصلہ کر ہی لیا تھا، حالانکہ وہ خود اپنے آپ کو ہی کر رہے ہیں اور آپ کا کوئی نقصان نہیں کر سکتے۔ اللہ نے تم پر کتاب اور حکمت نازل کی ہے اور آپ کو وہ کچھ سکھایا ہے جو آپ کو معلوم نہ تھا اور اللہ کا آپ بہت بڑا فضل ہے۔﴿113﴾

تشریح: اس آیت میں پچھلی آیات کا واقعہ اس صورت سے دہرایا جا رہا ہے کہ طعمہ اور اس کے حامی بیشک منصف، یعنی آپ ﷺ کو بہکانے میں کافی حد تک کامیاب ہو گئے تھے۔ مسئلہ یہی ہے کہ غلط گواہی اور جھوٹ کا سہارا لے کر منصف کو تو غلط فیصلہ پر مجبور کیا جا سکتا ہے تو اس میں منصف سے زیادہ جھوٹے گواہوں کی پکڑ ہو سکتی ہے لیکن آپ ﷺ کیونکہ اللہ کے نبی ہیں آپ ﷺ کی راہنمائی اور فریب سے بچاؤ اللہ رب العزت کی ذمہ داری ہے۔ اس نے آپ ﷺ کو قرآن وحکمت کے ذریعے سے حقیقت حال سے آگاہ کر دیا اور یوں آپ ﷺ غلط فیصلہ کرنے سے بچ گئے اور یہ اللہ رب العزت کی طرف سے آپ ﷺ پر بہت بڑی مہربانی اور فضل وکرم ہے اور یہ اس لیے کہ آپ ﷺ عام لوگوں میں سب سے زیادہ محترم ومکرم ہیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''میں لوگوں میں سب سے پہلا ہوں گا جو جنت میں شفاعت کروں گا اور تمام انبیاء سے زیادہ میرے پیروہوں گے۔''

## سرگوشی کی برائی، رسول ﷺ کی مخالفت کی سزا

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿114﴾ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ﴿115﴾ ع 17 3 14

لوگوں کی خفیہ سرگوشیوں میں اکثر کوئی بھلائی نہیں ہوتی۔ ہاں، اگر کوئی پوشیدہ طور پر صدقہ وخیرات کی تلقین کرے، یا کسی نیک کام کے لیے، یا لوگوں کے معاملات میں اصلاح کرنے کے لیے کسی سے کچھ کہے تو یہ البتہ بھلی بات ہے اور جو کوئی اللہ کی رضا جوئی کے لیے ایسا کرے گا اسے ہم بڑا اجر عطا کریں گے۔﴿114﴾ اور جو شخص رسول کی مخالفت پر کمر بستہ ہو اور اہل ایمان کی روش کے سوا کسی اور روش پر چلے جبکہ اس پر راہ راست واضح ہو چکی ہو تو اس کو ہم اسی طرف چلائیں گے جدھر وہ خود پھر گیا اور اسے جہنم میں جھونکیں گے جو بدترین جائے قرار ہے۔﴿115﴾

تشریح: ان آیات میں بھی اخلاقی اصول بتائے گئے ہیں جو کہ آپس میں مشوروں اور مجلس کے آداب کے متعلق ہیں۔ یہاں صاف طور پر منع کیا گیا ہے کہ کسی مجلس میں بیٹھ کر سرگوشی کرنا ایک طرح سے فساد اور بدگمانی پھیلانے والا کام ہے۔ کیونکہ اس طرح

اردگرد کے لوگ خواہ مخواہ سوچ میں پڑ سکتے ہیں کہ ہوسکتا ہے ہمارے خلاف ہی بات ہو رہی ہے وغیرہ وغیرہ۔ تو اس عمل کی اجازت صرف اس صورت میں دی گئی ہے کہ کسی ایسے نیک کام کے لیے سرگوشی کی جائے جو کہ اونچی آواز سے کہنے سے دوسروں کے لیے شرمندگی یا بے عزتی کا باعث بن سکتی ہو، مثلاً: کسی ضرورت مند کو کچھ دینا، کسی کو صدقہ دینا، کسی کو اس کے عیب یا غلطی سے آگاہ کرنا یا پھر دو ناراض لوگوں کی صلح کروا دینا۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی ایسی بات جو لوگوں کے فائدہ کے لیے ہو اور لوگوں کو تکلیف اور نقصان سے بچانے کے لیے ہو وہ سرگوشی میں کرنا ٹھیک ہو اور اونچی آواز میں کرنا اچھا نہ ہو تو پھر سرگوشی کی اجازت ہے ورنہ یہ آداب مجلس کے خلاف ہے اور پھر یہ کہ جو بھی کرو اس میں اللہ کی رضا حاصل کرنا پہلا مقصد ہو تو پھر اللہ کا وعدہ ان لوگوں سے یہ ہے کہ ان کو بہت بڑا اجر اور بہت زیادہ ثواب ملے گا۔

آیت 115 میں طعمہ اور زید کے قصہ کی بابت بتا کر کچھ اصول اخلاق اور قانون الٰہی سمجھائے گئے ہیں۔ طعمہ کو جب اس کے گناہ گار ہونے کا بتایا گیا تو بجائے اس کے کہ نادم ہوتا توبہ کرتا الٹا ہی نبی کریم ﷺ کی صریحاً مخالفت اور برائی کرنے لگا تو اس پر بتایا گیا ہے کہ دو گناہ مسلمان کو دوزخ میں ضرور لے جائیں گے ایک یہ کہ نبی ﷺ کی مخالفت کی جائے دوسرے وہ راستہ اختیار کرنا جس پر تمام مسلمان چلنا گناہ سمجھیں، یعنی قرآن وسنت کی پابندی کرنا فرض ہے، پھر اللہ رب العزت نے فرمایا کہ جو شخص دنیا میں غلط راستہ اختیار کرے یہ اس کی مرضی ہے، لیکن یہ شخص جب مر کر ہمارے پاس آئے گا جو کہ بالکل ضروری ہے تو پھر ہم اس کے جرم کے بدلے میں اس کو جہنم میں ضرور ڈالیں گے اور جہنم تکلیفوں، پریشانیوں اور شدید دکھوں کی جگہ ہے۔ انسان کو چاہیے کہ دنیا میں قرآن و سنت کے مطابق عمل کرے کہ اس جہنم (بری جگہ) سے اپنے آپ کو بچا سکے۔ انسان کو واضح کر دینے کے بعد اس کی اپنی مرضی پر چھوڑ دیا گیا ہے چاہے تو نیک راہ اختیار کر کے جنت حاصل کر لے چاہے تو برے عمل کر کے دوزخ میں اپنا ٹھکانہ بنا لے۔

## شرک نا قابل معافی ہے

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَٰلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا (116)

اللہ کے ہاں صرف شرک کی ہی بخشش نہیں ہے، اس کے سوا اور سب کچھ معاف ہوسکتا ہے جسے وہ معاف کرنا چاہے۔ جس نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا وہ تو گمراہی میں بہت دور نکل گیا۔ (116)

تشریح: یہاں طعمہ اور زید کے ذکر سے ایک اور بہت بڑا نکتہ سمجھایا گیا ہے، یعنی طعمہ اگر رسول ﷺ کے فیصلہ کو مان کر توبہ کر لیتا تو اس کے کئی چھوٹے بڑے گناہ اللہ خوش ہو کر شاید معاف کر دیتا لیکن اس نے تو انتہا کر دی کہ مسلمانوں کی جماعت کو چھوڑ کر کفار میں جا ملا، یعنی مشرک ہو گیا۔ مشرک کا مطلب ہے اللہ کی وحدانیت سے پھر جانا اور اس کے سوا کسی اور کی عبادت کرنا۔ اللہ رب العزت

نے فرمایا کہ شرک اتنا بڑا گناہ ہے کہ اس کی بخشش کبھی نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ یہ بہت بڑا ظلم ہے، اس کی کوئی معافی نہیں۔

## شرک اور شیطان کی حرکتیں

إِنْ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا إِنَاثًا ۚ وَإِنْ يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَرِيدًا ﴿117﴾ لَعَنَهُ اللَّهُ ۘ وَقَالَ لَأَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا ﴿118﴾ وَلَأُضِلَّنَّهُمْ وَلَأُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ آذَانَ الْأَنْعَامِ وَلَآمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللَّهِ ۚ وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِنْ دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُبِينًا ﴿119﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ ۖ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ﴿120﴾ أُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا مَحِيصًا ﴿121﴾

وہ اللہ کو چھوڑ کر دیویوں کو پکارتے ہیں۔ حقیقت میں وہ اس باغی شیطان کو پکار رہے ہیں۔﴿117﴾ جس کو اللہ نے لعنت زدہ کیا ہے۔ (وہ شیطان) جس نے اللہ سے کہا تھا کہ میں تیرے بندوں میں سے ایک مقرر حصہ لے کر رہوں گا۔﴿118﴾ میں انہیں بہکاؤں گا، میں انہیں آرزوؤں میں الجھاؤں گا، میں انہیں حکم دوں گا اور وہ میرے حکم سے جانوروں کے کان پھاڑیں گے اور میں انہیں حکم دوں گا اور وہ میرے حکم سے اللہ کی پیدا کردہ چیزوں میں ردو بدل کریں گے۔ جس نے اللہ کی بجائے شیطان کو اپنا ولی وسرپرست بنالیا وہ صریح نقصان میں پڑ گیا۔﴿119﴾ وہ ان لوگوں سے وعدے کرتا ہے اور انہیں امیدیں دلاتا ہے، مگر شیطان کے سارے وعدے سوائے فریب کے اور کچھ نہیں ہیں۔﴿120﴾ ان لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے یہ اس سے نجات کی کوئی صورت نہ پائیں گے۔﴿121﴾

**تشریح:** ان آیات میں شرک کی وضاحت اور شیطان کی چالوں کا ذکر کیا گیا ہے اللہ کو چھوڑ کر کفار بت پرستی، آگ پرستی، چاند، سورج، ستاروں کو پوجتے ہیں اور پھر سب سے بڑا انسان کا دشمن ''شیطان'' جس کے بارے میں سورۃ البقرہ میں وضاحت سے بیان کیا جاچکا ہے اور یہاں پھر بیان کیا جارہا ہے کہ شیطان ہر وقت اور ہر ممکن صورت میں انسان کو اپنی راہوں پر چلانے، اللہ کے راستے سے دور کرنے کی کوششیں کرتا رہتا ہے خاص طور پر توہمات میں مبتلا کرتا ہے، یعنی جانوروں کے کان پھاڑنا۔ جب اونٹنی پانچ یا دس بچے پیدا کرلیتی یا اونٹ کے نطفے سے دس بچے پیدا ہو جاتے تو اہل عرب انکے کان چیر کران کو دیوتا (بت) کے نام پر کھلا چھوڑ دیتے کہ اب ان سے کوئی کام نہ لیا جائے گا یہ تو ہم پرستی ہے، پھر اللہ کی پیدا کردہ صورتوں میں تبدیلی کرنا، یعنی عورت کو مرد کے میدان میں لے آنا، یا مردوں کا عورت کی مشابہت کرتے ہوئے داڑھی منڈوانا، داڑھی کٹوا کر فطرت کے خلاف کرنا، مردوں کا مردوں سے لذت حاصل کرنا، مردوں اور عورتوں کو ایسے آپریشن سے بے کار کر دینا کہ وہ بچہ پیدا کرنے کے قابل نہ رہیں، مردوں کو ہیجڑا بنانا، یعنی ہر وہ کام کرنا جو فطرت انسانی کے خلاف ہو۔ اسی طرح شیطان انسان کو برے کاموں کی طرف لے جانے کے لیے سبز باغ دکھاتا ہے اور پھر غلط آرزوؤں کو پورا کرنے کے لیے ان کو غلط راستوں پر چلنے کی ترغیب دیتا ہے۔ ہر وہ کام کرنے کا حکم دیتا

ہے جو بڑائی اور جہنم کی طرف لے جانے کا سبب بنتا ہے۔قرآن مجید میں بار بار حکم دیا گیا ہے کہ نیکی اختیار کرو، برائی سے بچو کیونکہ برے اعمال کے نتیجہ میں سزا ضرور ملے گی اور وہ ہے جہنم کا عذاب جو عین حقیقت ہے اور برے لوگ اس سے ہرگز بچ نہ سکیں گے۔

## جنت کی خوشخبری

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾

اور وہ لوگ جو ایمان لے آئیں اور نیک عمل کریں تو انہیں ہم ایسے باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی اور وہ وہاں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے اور اللہ سے بڑھ کر کون اپنی بات میں سچا ہوگا؟ ﴿۱۲۲﴾

تشریح: پچھلی آیت میں بدترین جگہ جہنم کا ذکر تھا کہ شیطان کے ساتھی وہاں جائیں گے اور اس آیت میں مومنین اور نیک لوگوں کو جو اللہ و رسول ﷺ کے بتائے ہوئے راستوں پر چلتے ہیں ان کو خوشخبری دی جا رہی ہے کہ ان کو جنت میں جگہ ملے گی۔ جنت کے بارے میں رسول کریم ﷺ نے فرمایا: کہ جنت نہ کسی آنکھ نے دیکھی ہے نہ کسی کان نے سنی ہے، حتیٰ کہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال تک نہیں آیا۔ (صحیح بخاری) اللہ سے زیادہ کس کی بات سچ اور حق ہو سکتی ہے؟ یہ اللہ کا سچا اور پکا وعدہ ہے کہ نیک لوگ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ان باغات میں رہیں گے۔

## جھوٹی آرزوؤں کا سہارا؟

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَاۤ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾

انجام کار نہ تمہاری آرزوؤں پر موقوف ہے نہ اہل کتاب کی آرزوؤں پر جو بھی برائی کرے گا اس کا پھل پائے گا اور اللہ کے مقابلے میں اپنے لیے کوئی حامی و مددگار نہ پا سکے گا۔ ﴿۱۲۳﴾ جو نیک عمل کرے گا، خواہ مرد ہو، خواہ عورت، بشرطیکہ ہو وہ مومن تو ایسے ہی لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان کی ذرہ برابر بھی حق تلفی نہ ہونے پائے گی۔ ﴿۱۲۴﴾

تشریح: عذاب اور ثواب والی اس قسم کی آیات سن کر یہودی اور عیسائی کہتے تھے کہ ہم تو اللہ کے خاص بندے ہیں کیونکہ یہودی اپنے آپ کو اللہ کے بیٹے کہتے تھے (نعوذ باللہ) اور عیسائیوں کا یہ عقیدہ تھا کہ مسیح علیہ السلام نے سولی پر چڑھ کر ان کے تمام گناہوں کا کفارہ ادا کر دیا ہے، لہٰذا بقول ان کے ان کو عذاب نہیں ہوگا یا چند دن کے بعد وہ جہنم سے باہر آ جائیں گے۔ تو اللہ رب العزت نے ان کو

خبردار کرتے ہوئے فرمایا: کہ عمل کا بدلہ ضرور اور پورا پورا دیا جائے گا۔ خواہ عورت ہو یا مرد، جو اللہ پر ایمان لائے گا، اس کے بتائے ہوئے راستوں پر چلے گا اور پوری زندگی اللہ رب العزت کی فرمانبرداری اور رضامندی حاصل کرنے کے لیے گزارے گا اس کو جنت میں ضرور داخل کیا جائے گا اور یاد رکھو اللہ سے بڑھ کر کوئی حامی ہے اور نہ کوئی مددگار، اسی پر بھروسہ رکھو اور نیک عمل کرو اپنے کیے ہوئے اعمال کے بدلے میں ضرور اجر پاؤ گے۔

## اسلام اور ملت ابراہیمی

وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ 18
اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿125﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿126﴾ ع 11 15

اس شخص سے بہتر اور کس کا طریق زندگی ہو سکتا ہے؟ جس نے اللہ کے آگے سر تسلیم خم کر دیا اور اپنا رویہ نیک رکھا اور یکسو ہو کر ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کی پیروی کی، اس ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کی جسے اللہ نے اپنا دوست مخلص بنا لیا تھا۔﴿125﴾ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے اللہ کا ہے اور اللہ ہر چیز پر محیط ہے۔﴿126﴾

**تشریح:** پچھلی آیات میں اصول زندگی، آداب اور مذہب کی حفاظت کا طریقہ کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے یہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسانوں میں بہترین انسان وہ ہے جو پوری طرح سے اللہ کا فرمانبردار بندہ بن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بتائے ہوئے طریقوں پر چلے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ رب کریم کے اس قدر پسندیدہ اور مقبول بندے تھے کہ اللہ رب العزت نے ان کو اپنا خلیل بنا لیا تھا، خلیل گہرے اور مخلص دوست کو کہتے ہیں، اسی لیے ان کو خلیل اللہ (اللہ کا دوست) کہا جاتا ہے وہ اس قدر مقبول الٰہی کیسے ہو گئے؟ اس لیے کہ انہوں نے اپنی زندگی، مال و دولت، بیوی، بیٹا اور گھر بار سب کچھ اللہ کی خدمت میں پیش کر دیا تھا وہ جو بھی کرتے تھے اللہ کی رضا کے لیے کرتے تھے۔ ان کے بارے میں بڑی تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ یہ زمین و آسمان اور ہر وہ چیز جو ان کے اندر ہے سب کچھ اللہ کا ہے اگر کوئی شخص اللہ کی قدرت سے باہر نکلنا چاہے تو یہ ناممکن ہے۔

جب ایسا ہے تو پھر اس عظیم و برتر کی نافرمانی آخر کیوں کی جائے؟ کیوں نہ اس الٰہ العالمین کے آگے سر جھکایا جائے کیوں نہ اس کے بتائے ہوئے راستوں پر چل کر دنیا و آخرت میں سربلندی، سکون اور نجات حاصل کی جائے؟ اس کے بتائے ہوئے اصول کیا ہیں؟ ارکان اسلام، حقوق اللہ اور حقوق العباد۔ اسلام امن و سکون کا پیغام دیتا ہے اور یہی دین ابراہیمی ہے۔

ڈاکٹر علامہ اقبال نے مومن کی تعریف میں کہا ہے۔

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

مطلب یہ ہے کہ مسلمان وہ ہے جو قرآن وسنت پر پوری طرح عمل کرے۔ بظاہر تو مسلمان قرآن پڑھتا ہوا دکھائی دیتا ہے مگر حقیقت میں اس کی پوری زندگی قرآن کا عملی نمونہ ہوتی ہے، اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ مومن ہی قرآن کا عملی نمونہ ہوسکتا ہے۔ ایسا ہی مومن بندہ اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ ہوسکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنے پسندیدہ اور مقبول ترین بندوں میں شامل کرے۔ آمین

## یتیم لڑکیوں سے انصاف

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿127﴾

لوگ آپ سے عورتوں کے معاملہ میں فتویٰ پوچھتے ہیں۔ کہو اللہ ان کے معاملہ میں فتویٰ دیتا ہے اور ساتھ ہی وہ احکام بھی یاد دلاتا ہے جو پہلے سے تم کو اس کتاب میں سنائے جا رہے ہیں، یعنی وہ احکام جو ان یتیم لڑکیوں کے متعلق ہیں جن کا حق تم ادا نہیں کرتے اور جن سے نکاح کرنے سے تم رغبت رکھتے ہو اور وہ احکام جو ان بچوں کے متعلق ہیں جو کمزور ہیں۔ اللہ تمہیں ہدایت کرتا ہے کہ یتیموں کے ساتھ انصاف پر قائم رہو اور جو بھلائی تم کرو گے اللہ اسے خوب جانتا ہے۔﴿127﴾

**تشریح:** اس سورت کے شروع کی آیات میں یتیموں کا مسئلہ بڑی تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے یہاں دوبارہ اس موضوع پر ہدایات دی جا رہی ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ بعض لوگوں کو کچھ غلط فہمی ہوگئی اور یتیم لڑکیوں کے ولی اور قریبی رشتہ داروں نے ان سے شادیاں کرنی چھوڑ دیں اور جب انہوں نے دیکھا کہ غیر لوگوں نے ان سے شادیاں تو کر لیں، لیکن ان پر ظلم وستم ڈھائے اور ان کے ساتھ بالکل انصاف نہ کیا۔ اس پر لوگوں کو خیال ہوا کہ اگر اپنوں میں شادیاں ہوتیں تو بہتر ہوتا تو لوگوں نے اس بارے میں آنحضرت ﷺ سے پوچھا تب یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ حکم تم کو پہلے بھی دیا جا چکا ہے کہ اگر تم یہ سوچو کہ یتیم لڑکی سے نکاح کرنے کے بعد تم اس سے انصاف نہ کرسکو گے یا تم صرف کسی مالی لالچ میں اس سے شادی کرنا چاہتے ہو تو پھر بہتر ہے اس سے شادی نہ کرو۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان سے شادی ہی نہ کرو بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ یتیم لڑکیوں اور لڑکوں کو پورا حق میراث دو اور پھر اگر ان سے شادی کرنا چاہو تو کسی لالچ کی وجہ سے شادی نہ کرو، بلکہ خلوص نیت بھلائی اور نیکی کی نیت سے ان سے شادی کرو، مہر ادا کرو اور ان کے ہر قسم کے پورے پورے حقوق ادا کرو اور ہرگز ان کی حق تلفی نہ کرو اور کسی بھی طریقہ سے کبھی بھی ان سے ظلم وزیادتی نہ کرو۔ یہ احکام ہیں جو تمہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب قرآن مجید میں بتائے ہیں۔ اپنے بنائے ہوئے کسی بھی اصول پر نہ چلو کیونکہ اللہ رب العزت بہتر جانتا ہے تمہارے لیے کیا بہتر ہے اور وہ جانتا ہے کہ تم جس نیت سے کرتے ہو، لہٰذا نیک نیتی سے ہر کام کرو تو تمہارا کوئی بھی عمل ہرگز ضائع نہ کیا جائے گا بلکہ ہر عمل کا پورا پورا بدلہ ضرور دیا جائے گا۔

# بیویوں سے حسن سلوک اور انصاف

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۭ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿128﴾ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاۗءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْھَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿129﴾ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿130﴾

جب کسی عورت کو اپنے خاوند سے بدسلوکی یا بے رخی کا خطرہ ہو تو کوئی مضائقہ نہیں اگر میاں اور بیوی آپس میں صلح کر لیں۔ نفس تنگ دلی کی طرف جلدی مائل ہو جاتے ہیں لیکن اگر تم لوگ احسان سے پیش آؤ اور تقویٰ سے کام لو تو یقین رکھو تم جو عمل کرو اللہ اس سے باخبر ہے۔﴿128﴾ بیویوں کے درمیان پورا پورا عدل کرنا تمہارے بس میں نہیں ہے۔ تم چاہو بھی تو اس پر قادر نہیں ہو سکتے، لہٰذا ایک بیوی کی طرف اس طرح نہ جھک جاؤ کہ دوسری کو لٹکتا چھوڑ دو۔ اگر تم اپنا طرز عمل درست رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو تو اللہ معاف کرنے والا، رحم فرمانے والا ہے۔﴿129﴾ لیکن اگر میاں بیوی ایک دوسرے سے الگ ہی ہو جائیں تو اللہ اپنی وسیع قدرت سے ہر ایک کو دوسرے کی محتاجی سے بے نیاز کر دے گا۔ اللہ کا دامن بہت کشادہ ہے اور اللہ بڑی وسعت والا اور دانا ہے۔﴿130﴾

**تشریح:** جیسا کہ اس سورت کے شروع میں بھی ازدواجی زندگی کے بارے میں کچھ اصول وقوانین بتائے جا چکے ہیں ان آیات میں مزید قوانین بتائے جا رہے ہیں۔ مقصد صرف یہ ہے کہ گھر کا شعبہ انسانی زندگی کی بقاء، کامیابی اور سکون کا بہت بڑا اور سب سے پہلا شعبہ ہے۔ اس میں امن، سکون، محبت، آرام و آسائش اور نظم وضبط بے حد ضروری ہے۔ اسی لیے اللہ رب العزت نے زندگی کے باقی معاملات کے ساتھ ساتھ میاں بیوی کے لیے بھی ضابطے اور طریقے بیان کر دیئے ہیں۔ سب سے پہلے تو یہ بتایا کہ اگر کسی وجہ سے بیوی محسوس کرے کہ میاں اس سے کچھ زیادہ خوش نہیں تو بیوی کو چاہیے اس کو خوش کرنے اور محبت بڑھانے کے لیے جائز طریقے استعمال کرے جس میں مالی لحاظ سے بھی میاں کو خوش کیا جا سکتا ہے، مثلاً اپنا ذاتی خرچہ کم کر دے یا مہر معاف کر دے وغیرہ وغیرہ، یعنی ہر قسم کے جھگڑے کو آپس میں فراخ دلی سے کام لے کر طے کر لینا چاہیے۔ ایک دوسرے سے ضد، ہٹ دھرمی اور ظلم کا رویہ اختیار نہیں کرنا چاہیے۔ آپس میں صلح صفائی اور احسان کا رویہ اللہ تعالیٰ سے چھپا ہوا نہیں۔ ان نیک اور بہترین اوصاف کا بدلہ اللہ تعالیٰ ضرور دے گا یہ اس کا وعدہ ہے۔ دوسری بات جو پہلے بھی بیان ہو چکی ہے وہ ہے بیویوں کی تعداد، جاہلیت کے زمانے میں بے شمار بیویاں رکھنے کا رواج تھا۔ جس کو اسلام نے بیک وقت چار کی تعداد تک لازم کر دیا دو شرطوں کے ساتھ کہ اگر ان کے حقوق پورے کر سکو اور اگر ان کے ساتھ ہر طرح سے عدل وانصاف کر سکو۔ اب اس میں کچھ مسائل کھڑے ہوئے تو ان کا حل بھی اللہ رب

رحیم نے بتادیا۔ اگر کوئی بیوی ہمیشہ کی بیمار ہے، بانجھ ہے یا میاں کے حقوق ادا کرنے کے قابل نہیں (کسی بھی وجہ سے) اس صورت میں دوسری شادی کے بعد میاں دونوں کے ساتھ ایک جیسی رغبت ایک جیسا سلوک کیسے کر سکتا ہے؟ تو اگر وہ پہلی کو طلاق دینا چاہے اور پہلی بیوی طلاق نہ لینا چاہے اس کے بدلہ میں اپنے حقوق سے دست بردار ہو جائے اور ساتھ ہی رہنا چاہیے۔ اللہ رب العزت نے اس کا حل بیان فرمادیا کہ مرد کو چاہیے کہ عقل، احسان اور نیکی کا ثبوت دیتے ہوئے پہلی بیوی کو بھی ساتھ ضرور رکھ لے۔

ایک صورت اور بھی اکثر پیدا ہو جاتی ہے، یعنی میاں بیوی کی تنگ دلی۔ عورت کی تنگ دلی یہ ہے کہ مرد کی مجبوری (کوئی بھی ہو سکتی ہے) جانتے ہوئے بھی اس سے بہترین سلوک کی خواہش کرے۔ مرد کی تنگ دلی یہ ہے کہ عورت جو ناپسند ہے اس کو ساتھ تو ضرور رکھے مگر ہر لحاظ سے اس کو تنگ کرے اور پوری طرح دباؤ میں رکھنے کی کوشش کرے۔ یہاں حکم یہ دیا گیا ہے کہ مرد کو فراخ دلی اور احسان کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کو اپنے ساتھ اچھے طریقہ سے رکھنا چاہیے کیونکہ مرد کو عورت پر برتری دی گئی ہے تو اب اس کا فرض بنتا ہے کہ وہ اللہ سے ڈرے اور معاملہ کو خوش اسلوبی اور احسان سے طے کرلے۔ اس کو ذہن میں رکھنا چاہیے کہ یہ اللہ کا حکم ہے جس نے اس کو بے شمار نعمتیں دی ہیں۔ اگر اللہ اس سے اپنی نظر عنایت ہٹالے تو پھر اس آدمی کا کیا بنے گا؟

پھر اللہ رب العزت نے اس قدر رعایت دی ہے کہ انسانی فطرت کے مطابق ہر صورت میں بیویوں کے درمیان ہر طرح سے عدل وانصاف ممکن نہیں تو ایسی صورت میں کسی کو حد سے زیادہ اور کسی کو بالکل ہی کم توجہ مت دو۔ حتی الامکان عدل و انصاف کا خیال رکھتے ہوئے زندگی بسر کرو۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ عدل وانصاف یا برابری کے سلوک کا حکم منسوخ ہو گیا ہے۔ اس میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ اپنے اوپر قابو رکھو اور کوشش کرو کہ سب کے حقوق ادا کر سکو یہ نہ ہو کہ کسی کو بالکل ہی بھول جاؤ۔ اپنی نیت صاف رکھ کر پوری کوشش سے اس حکم پر عمل کرو، پھر بھی اگر کوئی کوتاہی تم سے ہو جائے تو اللہ رب العزت اس کو معاف کر دے گا کیونکہ وہ عیب چھپانے والا اور رحم کرنے والا ہے۔

آخری ایک صورت طلاق کی ہے تو اس کے لیے حکم ہے کہ اگرچہ طلاق کی اجازت اسلام میں دی گئی ہے مگر اسکو سب سے ناپسندیدہ حلال عمل کہا گیا ہے۔ مگر حالات اور ماحول کو درست رکھنے کے لیے اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ اگر حالات کے بہتر ہونے کی کوئی صورت نہ نکل سکے تو پھر طلاق دے دو۔ اللہ سب کا مالک ہے اور بہترین انصاف کرنے والا ہے اس کی مملکت بڑی وسیع وعریض ہے وہ نیک نیت فرد کو اپنی جناب سے اتنا زیادہ دے گا کہ وہ ایک دوسرے سے بالکل بے نیاز ہو جائیں گے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے اصول ہیں جو اس نے اپنے بندوں کی بہتری کے لیے ان کو دیئے ہیں۔ طلاق کے فیصلے میں جھگڑے فساد کی بجائے باہمی رضامندی سے اور اچھے طریقہ سے معاملہ طے کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ کسی فریق کو بھی اس کی اجازت نہیں کہ دوسرے کو ذلیل وخوار کرے، تاکہ جھگڑا اچھل کر آئندہ نسلوں تک پہنچ جائے۔ اسلام امن وسکون اور رواداری کا سبق دیتا ہے، لہٰذا یہ طلاق کا مسئلہ بھی بڑے ٹھنڈے دل ودماغ سے حل کیا جائے تو اللہ کی رضا حاصل کرنے کا یہ بہترین طریقہ ہے۔

مذہب اسلام میں عورت کو بہت عزت واحترام اور شرف عطا کیا گیا ہے۔ حدیث میں آتا ہے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: دنیا متاع ہے اور اس کی سب سے بہتر متاع نیک عورت ہے۔ (صحیح مسلم بحوالہ ریاض الصالحین)

## اللہ کا خوف

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿131﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿132﴾

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ تم سے پہلے جن کو ہم نے کتاب دی تھی انہیں بھی یہی ہدایت کی تھی اور اب تم کو بھی یہی ہدایت کرتے ہیں کہ اللہ سے ڈرتے رہو۔ لیکن اگر تم کفر کرو گے آسمان وزمین کی ساری چیزوں کا مالک اللہ ہی ہے اور وہ بے نیاز، ہر تعریف کا مستحق ہے۔﴿131﴾ ہاں اللہ ہی مالک ہے ان سب چیزوں کا جو آسمانوں میں ہیں اور جو زمین میں ہیں اور کارسازی کے لیے بس وہی کافی ہے۔﴿132﴾

**تشریح:** اللہ رب العزت کی عظمت اور حاکمیت کا ذکر ان آیات میں تین مرتبہ کیا گیا ہے یہ کہہ کر کہ آسمان وزمین اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے سب کچھ اللہ کا ہے وہ اللہ جو اپنی اس تمام بادشاہت میں بالکل اکیلا ہے، وہ خود ہی تمام انتظامات کرتا ہے اس کو ان تمام انتظامات کو سنبھالنے میں ذرا بھی مشکل پیش نہیں آتی۔ آیۃ الکرسی میں اس موضوع پر بڑی تفصیل سے بیان کیا جا چکا ہے۔ یہاں حکم دیا جا رہا ہے کہ توحید کا سبق تم سے پہلی قوموں کو بھی دیا جا چکا ہے اور یہ کہ ایمان پختہ رکھو کہ اللہ سے ضرور ملنا ہے موت کے بعد۔ تاکہ جو بھی کام کرو تو یہ سوچ کر کرو کہ اللہ رب العزت دیکھ رہا ہے، اعمال لکھے جا رہے ہیں اور ان کی جزا اور سزا ضرور ملے گی اگر اس بات کا ڈر تمہیں ہر وقت یاد ہو تو پھر تم کوئی غلط کام نہیں کر سکتے۔ یہی سبق پہلی قوموں کو دیا گیا ہے اور یہی سبق تمہیں بھی دیا جا رہا ہے۔ اگر تم ضمیر کی آواز پر کان دھرو گے تو نیک راہ اختیار کرو گے۔ اللہ رب سے ڈرو گے تو اس میں تمہارا اپنا ہی بھلا ہو گا۔ تمہاری اپنی دنیا اور آخرت سنور جائے گی۔ اللہ کا اس میں کوئی فائدہ نہیں۔ کیونکہ وہ تو تم سے بے نیاز ہے اور اس کو تمہاری نیکی یا برائی سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ پچھلی آیات میں گھروں کے امن وسکون کے لیے اچھے اصول بتائے گئے، عورتوں کے ساتھ انصاف کرنے پر زور دیا گیا کیونکہ ہمیشہ عورتوں پر ظلم وستم ہوتا رہا تھا اس سے منع کیا گیا ہے اور عورت کو بہت سے حقوق دیئے گئے ہیں، پھر دہرایا جا رہا ہے کہ دیکھو یہ جو کچھ احکامات دیئے جا رہے ہیں یہ اس عظیم بادشاہوں کے بادشاہ کی طرف سے دیئے جا رہے ہیں جو آسمان، زمین اور اس کی تمام چیزوں کا مالک ہے جو اس کے ڈر کو ہر وقت دل میں رکھ کر نیک کام کرے گا تو اللہ رب العزت اس

کے تمام کام اپنی حکمت سے سنوار دینگے، کیونکہ اللہ بہترین کارساز ہے۔ اپنے تمام جذبات کو اللہ کے لیے وقف کر دینا۔ یہی مسلمان کی تعریف ہے۔

## اللہ سب سے بے نیاز ہے

إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ أَيُّهَا النَّاسُ وَيَأْتِ بِآخَرِينَ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ قَدِيرًا ﴿133﴾ مَنْ كَانَ
يُرِيدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿134﴾

ع 19 8 16

اگر وہ چاہے تو تم لوگوں کو ہٹا کر تمہاری جگہ دوسروں کو لے آئے اور وہ اس کی پوری قدرت رکھتا ہے۔(133) جو شخص صرف ثواب دنیا کا طالب ہو (اسے معلوم ہونا چاہیے کہ) اللہ کے پاس ثواب دنیا بھی ہے اور ثواب آخرت بھی اور اللہ سمیع وبصیر ہے۔(134)

تشریح: پچھلی آیات میں کیونکہ عورتوں اور یتیموں کے ساتھ حسن سلوک کا سبق دیا گیا ہے۔ لہٰذا اس کے بعد یہ ضروری ہو گیا کہ مسلمانوں کو چند حقائق سمجھا دیئے جائیں تو اس سلسلے میں اچھی طرح واضح کر دیا گیا کہ روزی دینے والا، نصیب بنانے والا اور جزا و سزا دینے والا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے جو بھی کرو اس کے ڈر خوف کو سامنے رکھ کر کرو۔ اس کے بعد وضاحت فرمائی کہ جس نیت سے کوئی عمل کرے گا اسے اس کے مطابق اجر ملے گا۔ دنیا کے غرض مند کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔ نیز فرمایا کہ: میرا خزانہ بڑا وسیع اور بھرا ہوا ہے، اس لیے مجھ سے مانگتے وقت تمام جہانوں کی بھلائیاں مانگو جو صرف دنیا کی بھلائی مانگے گا اس کو صرف دنیا کی بھلائی ملے گی جو صرف آخرت کی بھلائی مانگے گا تو اس کو صرف آخرت کی بھلائی ملے گی جو دنیا و آخرت کی بھلائی مانگے گا تو اس کو دنیا و آخرت کی بھلائیاں عطا کی جائیں گی۔ اعمال میں درستی پیدا کرو اور نیتوں میں خلوص پیدا کرو اور اچھی طرح جان لو کہ اللہ سب کچھ سنتا ہے اور سب کچھ دیکھتا ہے۔ اس سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں۔

## سچی گواہی

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنْفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ ۚ إِنْ يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَنْ تَعْدِلُوا ۚ وَإِنْ تَلْوُوا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿135﴾

اے ایمان والو! اللہ کی خاطر انصاف کرتے ہوئے گواہی دیا کرو اگرچہ گواہی کی زد خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ اور اگر کوئی فریق مالدار ہو یا غریب، اللہ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے، لہٰذا اپنے نفس کی خواہش کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلو بچایا تو جان رکھو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے۔(135)

تشریح: اس آیت میں ایک بہت بڑے اور نازک معاملہ کا ذکر کیا گیا ہے۔جیسا کہ پہلے حکم دیا گیا کہ صرف اللہ سے ڈرو تو یہاں کہا جا رہا ہے کہ اگر کہیں تمہیں گواہی دینی پڑے تو گواہی سچی دو چاہے اس سے خود تمہیں تمہارے ماں باپ،عزیز،رشتہ دار ہی اس گواہی کی لپیٹ میں آجائیں اس بات کی پرواہ نہ کرو اور سچی گواہی دو۔اسی طرح جس کے لیے گواہی دینی ہے وہ غریب ہے یا امیر اس کی بھی پرواہ نہ کرو کہ بیچارہ غریب ہے یا امیر سے ڈر کر غلط گواہی دے دو۔ہرگز یہ مت سوچو کہ غلط گواہی دے کر تم کسی کو مصیبت سے بچالو گے مصیبت سے بچانا یا مشکل کو آسان کرنا یہ سب تو اللہ رب کریم کے ہی اختیار میں ہے۔تم جھوٹی گواہی دے کر عارضی طور پر کسی کو فائدہ پہنچالو گے لیکن اس گناہ کا کیا کرو گے جو تم نے خود اپنے سر اٹھالیا ہے؟ کیونکہ جھوٹی گواہی دینا بہت بڑا گناہ ہے۔ یہ بھی خیال رکھو کہ کسی حیلے بہانے سے ڈھکے چھپے الفاظ میں بھی جھوٹی گواہی نہ دو کیونکہ بندوں کو تو دھوکہ دے سکتے ہو مگر اللہ کو دھوکہ نہیں دے سکتے وہ تو دلوں کے بھید اور کئے گئے اعمال سب سے باخبر ہے۔

## اہل ایمان کو تاکید

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿136﴾

اے ایمان والو! ایمان لاؤ اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کی ہے اور ہر اس کتاب پر جو اس سے پہلے وہ نازل کر چکا ہے۔جس نے اللہ اور اس کے ملائکہ اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں اور روز آخرت سے کفر کیا وہ گمراہی میں بھٹک کر بہت دور نکل گیا۔﴿136﴾

تشریح: پچھلی آیات میں اخلاقیات،معاملات اور حسن کردار کے اصول وقوانین بتائے گئے ہیں۔ان سب باتوں پر عمل کرنا ہرگز ممکن نہیں جب تک زبانی مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے رہو گے۔اس کے لیے ضروری ہے کہ دل سے مسلمان بنو،یعنی دل کی گہرائیوں سے اللہ کو وحدہٗ لاشریک مانو،اسکے رسول ﷺ کو آخری نبی مانو،قرآن پر ایمان لاؤ،اس پر عمل کرو اور جو کتابیں اس سے پہلے نازل ہو چکی ہیں ان کو مانو،فرشتوں کو مانو،پہلے آنے والے تمام رسولوں کو مانو،روز آخرت کو مانو۔اگر ان تمام باتوں پر کوئی ایمان نہ لائے تو وہ کافر ہے۔ایسے ہی لوگوں کے لیے فرمایا کہ وہ سخت گمراہی میں مبتلا ہیں اور ہدایت سے بہت دور نکل چکے ہیں۔

## ایمان کو مذاق بنانے والے لوگ

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيْلًا ؕ﴿137﴾ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا ۙ﴿138﴾ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ

اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿139﴾

رہے وہ لوگ جو ایمان لائے، پھر کفر کیا، پھر ایمان لائے، پھر کفر کیا، پھر اپنے کفر میں بڑھتے چلے گئے، تو اللہ ہرگز ان کو معاف کرے گا اور نہ کبھی ان کو راہ راست دکھائے گا۔ ﴿137﴾ اور جو منافق اہل ایمان کو چھوڑ کر کافروں کو اپنا رفیق بناتے ہیں انہیں یہ خوشخبری سنا دو کہ ان کے لیے دردناک عذاب تیار ہے۔ ﴿138﴾ کیا یہ لوگ عزت کی طلب میں انکے پاس جاتے ہیں؟ حالانکہ عزت تو ساری کی ساری اللہ ہی کے لیے ہے۔ ﴿139﴾

تشریح: ان آیات میں ان لوگوں کا ذکر کیا گیا ہے جو کسی ہلکے پھلکے جذبہ کے تحت مسلمان ہو جاتے ہیں جب جذبہ ٹھنڈا ہوا تو پھر کافر ہو گئے یا کوئی فائدہ نظر آیا ایمان لانے میں تو اس فائدہ کے حصول میں ایمان لے آئے جب فائدہ نظر نہ آیا تو کافر ہو گئے یہ انتہائی بچگانہ سوچ اور عمل ہے اور نقصان دہ بھی۔ نقصان وہ اس طرح کہ ایسے لوگوں کو اللہ ہرگز معاف نہ کرے گا جو دین کو سنجیدگی سے قبول نہ کریں، بلکہ ایک کھیل سمجھ لیں یہ تو انتہائی احمقانہ حرکت ہے اس کی سزا ان کو ضرور ملے گی، کیونکہ یہ حرکت اللہ رب العزت کو بالکل پسند نہیں اللہ ان سے اس قدر ناراض ہوتا ہے کہ پھر کوئی بھی ہدایت کا راستہ ان کو ہرگز نہیں دکھاتا بلکہ فرماتا ہے کہ یہ لوگ نہ صرف خود ہی کافر ہوتے ہیں بلکہ اوروں کو بھی کفر کی ترغیب دیتے ہیں، پھر مومن دوستوں کو چھوڑ کر کفار کو اپنا دوست بناتے ہیں ایسے لوگوں کے لیے اللہ رب العزت نے بڑا دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ یہ لوگ حد سے زیادہ بے وقوف اور ناعاقبت اندیش ہیں۔ ان میں اتنی بھی عقل نہیں کہ عزت، عظمت اور شان و شوکت یہ سب اللہ کے اختیار میں ہے اگر یہ خلوص نیت سے ایمان لے آئیں اور پھر اللہ سے مانگیں تو وہ ان کی جھولیاں بھر سکتا ہے۔ مگر یہ بے وقوف لوگ کفار سے دوستی کرتے ہیں یہ سوچ کر کہ انکی عزت اور وقار میں ان کی دوستی سے اضافہ ہو جائے گا۔ یہ لوگ نہ ادھر کے رہتے ہیں، نہ ادھر کے رہتے ہیں اور پھر اسی بے یقینی میں ہی مر جاتے ہیں۔ یوں دنیا میں بے مقصد، بے چین اور خراب زندگی گزار دیتے ہیں اور آخرت میں بھی ان کو دردناک عذاب ملے گا۔

## بری مجالس کا بائیکاٹ

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِى الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِىْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖۤ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِىْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ۙ﴿140﴾

اللہ اس کتاب میں تم پر پہلے ہی حکم نازل کر چکا ہے کہ جہاں تم سنو کہ اللہ کی آیات کے خلاف کفر بکا جا رہا ہے اور انہیں مذاق کا نشانہ بنایا جا رہا ہے وہاں نہ بیٹھو جب تک کہ لوگ کسی دوسری بات میں نہ لگ جائیں۔ (اب اگر تم ایسا کرتے ہو) تو تم بھی انہی کی طرح ہو۔ یقین جانو کہ اللہ منافقوں اور کافروں کو جہنم میں ایک جگہ جمع کرنے والا ہے۔ ﴿140﴾

تشریح: اس آیت میں غیرت دینی کا سبق دیا گیا ہے اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ تم پر یہ حکم نازل کیا گیا کہ اگر کسی جگہ منافق یا کفار بیٹھے ہوئے ہوں اور تم بھی وہاں موجود ہو اور وہ لوگ قرآنی آیات کا مذاق اڑا رہے ہوں، دین پر لطیفے گھڑ رہے ہوں تو تمہیں وہاں یہ سب کچھ سننے اور برداشت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ تمہیں چاہیے وہاں سے اٹھ جاؤ یا ان کو منہ توڑ جواب دو۔ کیوں کہ یہ تو ایسے ہی ہے کہ جیسے تمہارے سامنے بیٹھ کر کوئی تمہارے والدین، بیوی بچے یا آباؤ اجداد کا مذاق اڑائے اور تم بے غیرت بن کر سنتے رہو۔ اللہ اور رسول ﷺ اور دین و ایمان تو ان تمام رشتوں سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہیں، پھر تم کیوں اس مجلس میں بیٹھو جہاں آیات قرآنی کا مذاق اڑایا جا رہا ہو۔ اگر تم ایسا نہ کرو گے کہ وہاں سے اٹھ جاؤ تو یوں سمجھ لو کہ تم بھی کفار اور منافقین کے ساتھی ہو اور انہی جیسے ہو۔ ہاں، اگر منافقین اور کفار کسی دوسرے موضوع پر بات چیت کر رہے ہوں تو پھر ان کے ساتھ بیٹھ جانے میں کوئی حرج نہیں۔

## منافقوں کا دہرا کردار

الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ﴿141﴾ ع 20 7 17

یہ منافق تمہارے معاملہ میں انتظار کر رہے ہیں اگر اللہ کی طرف سے فتح تمہاری ہوئی تو آ کر کہیں گے کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ اگر کفار کا پلہ بھاری رہا تو ان سے کہیں گے کہ کیا ہم تمہارے خلاف لڑنے پر قادر نہ تھے۔ اور پھر بھی ہم نے تم کو مسلمانوں سے بچا لیا؟ بس اللہ ہی تمہارے اور ان کے معاملہ کا فیصلہ قیامت کے روز کرے گا اور اللہ نے کفار کے لیے مسلمانوں پر غالب آنے کی ہرگز کوئی سبیل نہیں رکھی۔ ﴿141﴾

تشریح: اس آیت میں منافقوں کی عادات کو کھول کر بیان کر دیا گیا ہے کہ یہ منافق لوگ جنگ میں شریک نہیں ہوتے بس انتظار کرتے رہتے ہیں۔ اگر فتح ہو جائے تو مسلمانوں کو یقین دلاتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ کفار کے خلاف لڑتے رہے اور اگر اللہ نہ کرے شکست ہو جائے تو پھر کفار کو یقین دلاتے ہیں کہ ہماری وجہ سے تمہیں فتح ملی ہے کیونکہ ہم اصل میں تو تمہارے ہی طرف دار ہیں۔ یہ اپنے اس مکر و فریب سے لوگوں کو تو دھوکے میں رکھ سکتے ہیں مگر اللہ کو تو سب حقیقت معلوم ہے وہ تو قیامت کے روز اس بات کا فیصلہ ضرور کرے گا اور منافقین کو سخت عذاب ضرور دے گا، پھر فرمایا کہ پکے اور سچے ایمان میں اتنی زیادہ طاقت ہے کہ وہ کسی صورت بھی باطل (کفر) سے شکست نہیں کھا سکتا۔ اللہ کی امداد ہر وقت مسلمانوں کو ملتی رہتی ہے شرط یہ ہے کہ وہ واقعی پکے اور سچے مسلمان ہوں۔ جانثار، فرمانبردار اور صالح مسلمانوں کو اللہ کسی مصیبت میں اکیلا نہیں چھوڑتا۔ ایمان کی طاقت، لذت اور کامیابی انسان کو دنیا کی ہر چیز سے بے نیاز کر دیتی ہے اور دنیا و آخرت میں سربلند و سرفراز کرتی ہے۔ ایمان کامل مسلمان کا بہت بڑا ہتھیار

ہے۔ بقول علامہ اقبال

غلامی میں نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ تدبیریں
جو ہو ذوق یقین پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

مطلب یہ ہے کہ افرادی طاقت، اسلحہ اور بہترین منصوبہ بندی (جنگ میں) ایک طرف ہو، جبکہ یقین محکم، اللہ تعالیٰ پر پختہ ایمان اور نصب العین کی صداقت دوسری طرف ہو تو اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اپنے سچے بندوں کی مدد کرتا ہے اور یہ بے شمار جنگوں میں ثابت بھی ہو چکا ہے۔

## منافقوں کی پہچان

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَإِذَا قَامُوْٓا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا ۙ (142) مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا (143)

یقیناً منافق اللہ کے ساتھ دھوکہ بازی کر رہے ہیں، حالانکہ درحقیقت اللہ ہی نے انہیں دھوکہ میں ڈال رکھا ہے جب یہ نماز کے لیے اٹھتے ہیں تو کسمساتے (سست، ڈھیلے) ہوئے صرف لوگوں کو دکھانے کے لیے اٹھتے ہیں اور اللہ کو کم ہی یاد کرتے ہیں۔ (142) کفر و ایمان کے درمیان ڈانواڈول ہیں نہ پورے اس طرف ہیں نہ پورے اس طرف، جسے اللہ نے انہیں بھٹکا دیا ہو اس کے لیے تم کوئی راستہ نہیں پا سکتے۔ (143)

تشریح: ان آیات میں مسلمانوں اور منافقوں کا فرق بیان کیا گیا ہے۔ منافق کا مطلب ہے کہنا کچھ اور کرنا کچھ جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم مسلمان ہیں جبکہ یہ مسلمان نہیں ہوتے تھے دل سے یہ اللہ کو نہ مانتے تھے ان کی کھلی کھلی پانچ نشانیاں اللہ نے بیان کی ہیں۔ یہ سوچتے ہیں اللہ کو دھوکہ دے رہے ہیں جو کہ ممکن نہیں، بلکہ یہ خود کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ دوسرا نماز پڑھتے ہیں تو سستی سے پڑھتے ہیں۔ اس وقت مسجد میں آ کر نماز پڑھنا ضروری تھا پکے مسلمان شوق سے آتے دل لگا کر خشوع وخضوع سے نماز پڑھتے جب کہ یہ لوگ بھاگم بھاگ آتے اور بے دلی سے نماز پڑھتے اور بھاگ جاتے۔ تیسرا ان کی نماز میں خلوص اور توجہ بالکل دکھائی نہ دیتی، بلکہ یہ صرف حاضری لگوانے اور دکھانے کے لیے نماز پڑھتے تھے۔ چوتھا اللہ کا ذکر برائے نام کرتے تھے۔ جبکہ سچے مسلمان نماز کے بعد بھی مسجد میں بیٹھ کر ذکر وفکر کرتے تھے۔ پانچواں یہ کہ ہر وقت اس پریشانی اور تکلیف میں دکھائی دیتے کہ واقعی یہ لٹکے ہوئے ہیں۔ کیونکہ دل سے ایمان نہ لاتے اور کھل کر کفر بھی نہ کرتے۔ یعنی ان کا آدھے تیتر آدھے بٹیر والا حساب تھا۔ انہوں نے خود جان بوجھ کر اپنا یہ حال بنایا ہوا تھا۔ ہدایت کو دیکھ کر بھی ہدایت کی راہ دل سے اختیار نہ کرتے تھے اسی لیے اللہ رب العزت نے

فرمایا کہ ان کے لیے ہدایت کے راستے مسدود کر دیئے گئے ہیں۔ یہ اس لیے کہ جو خود ہدایت پانا نہ چاہے اس کو زبردستی تو ہدایت نہیں دی جاسکتی، یعنی ضمیر کی آواز کا ساتھ نہ دینا انسان کی سب سے بڑی محرومی ہے۔ اس کی مثال یوں دی جاسکتی ہے کہ ماں بچہ کو بار بار بلکہ بہت ہی زیادہ سمجھاتی ہے کہ جھوٹ نہ بولو۔ جھوٹ بولنے کے نقصانات بتاتی ہے اور سچ بولنے کے فائدے بتاتی ہے کہانیاں سناتی ہے لوگوں کی مثالیں دیتی ہے۔ بچہ سمجھ تو جاتا ہے مگر ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے ماں کی بات نہیں مانتا تو اس پر زچ ہو کر ماں ناراضگی کا اظہار کرتے ہوئے کہتی ہے ''اچھا تو جا جہنم میں اب میں تمہیں جھوٹ بولنے سے ہرگز منع نہیں کروں گی۔ اسی طرح قرآن مجید میں بے شمار دفعہ آچکا ہے کہ برے انسان کے لیے برے راستے آسان کر دیئے جاتے ہیں اور اچھے انسان کے لیے اچھے راستے کھول دیئے جاتے ہیں۔

اللہ رب کریم نے انسان کے سامنے اچھے اور برے راستے کھول کر رکھ دیئے ہیں۔ اختیار انسان کو دے دیا ہے۔ اللہ رب العزت کا علم امتاز بر دست ہے کہ اس کو پہلے سے ہی معلوم ہے کہ کون بندہ نیکی اختیار کرے گا اور کون سا بندہ غلط راستوں پر چلے گا۔

## کفار کی دوستی

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿144﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿145﴾

اے ایمان والو! مومنوں کو چھوڑ کر کفار کو اپنے دوست نہ بناؤ۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اللہ کو اپنے خلاف صریح حجت دے دو۔ ﴿144﴾ یقین جانو کہ منافق جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں جائیں گے اور تم کسی کو ان کا مددگار نہ پاؤ گے۔ ﴿145﴾

تشریح: پچھلی آیات میں منافقین کے بارے میں بڑی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے یہاں اللہ تعالیٰ مؤمنوں کو کفار و منافقین کی دوستی سے منع فرماتا ہے کہ منافقین سے دوستی نہ کرو، جبکہ مومنین موجود ہیں تو اس حکم پر پابندی سے عمل کرنا ضروری ہے ورنہ سزا ملنی ضروری ہو جائے گی۔ ان سے دوستی کرنے میں بہت زیادہ نقصانات ہیں اسی لیے منع کیا گیا ہے۔ اللہ رب العزت نے فرمایا ہے کہ منافق کافر سے زیادہ خطرناک اور برا انسان ہے اسی لیے کافروں کے لیے عذاب عظیم کا ذکر ہے، جبکہ منافقوں کے لیے عذاب الیم (دردناک عذاب) پھر اسی طرح کفار کے لیے جہنم کی سزا ہے تو منافقوں کے لیے جہنم کے سب سے نچلے گڑھے کی سزا مقرر کی گئی ہے۔ تو ایسے برے اور خطرناک لوگوں سے دوستی کیوں کی جائے؟ جبکہ مومنین موجود ہوں دوستی کے لئے۔ برے دوست تو ویسے ہی نقصان کا باعث ہوتے ہیں۔

# نجات کی راہ

إِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ط
وَ سَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿146﴾ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ط
وَ كَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيْمًا ﴿147﴾

البتہ ان میں سے جو تائب ہو جائیں اور اپنے طرزِ عمل کی اصلاح کر لیں اور اللہ کا دامن تھام لیں اور اپنے دین کو اللہ کے لیے خالص کر دیں۔ ایسے لوگ مومنوں کے ساتھ ہیں اور اللہ مومنوں کو ضرور اجر عظیم عطا فرمائے گا۔ ﴿146﴾ اللہ ہے تمہیں خواہ مخواہ سزا دیکر کیا کرے گا اگر تم شکر گزار بندے بنے رہو اور ایمان کی روش پر چلتے رہو۔ اللہ بڑا اقدر دان اور سب کے حال سے واقف ہے۔ ﴿147﴾

**تشریح:** پہلے بھی بیان ہو چکا ہے کہ اللہ رب العزت اپنے بندوں پر بڑا مہربان ہے وہ تو ہر دم رحمتیں اور برکتیں نازل کرنے میں ہی خوش ہوتا ہے اسی لیے اس نے اپنے تمام بندوں کے لیے ہدایت کی راہیں کھول رکھی ہیں مگر جو بدنصیب ان پر نہیں چلتے ان کو بار بار خبردار کیا جاتا ہے کہ حساب کا دن ضرور آئے گا سزا اور جزا ضرور ملے گی پھر بھی جو اپنے اوپر ظلم کرنے سے باز نہیں آتے تو پھر ان کی نجات کے لیے ایک آخری دروازہ اللہ رب نے کھول رکھا ہے اور وہ ہے توبہ کا دروازہ۔ توبہ کرنے سے پہلے اللہ پر ایمان لاؤ جو نعمتیں اس نے تمہیں دے رکھی ہیں ان کے لیے اس کا شکر ادا کرو اپنے حال احوال درست کرو۔ اللہ کے قوانین کو مضبوطی سے پکڑ لو (عمل کرو)۔ دین کو پوری طرح اختیار کر لو۔ اللہ رب العزت کی ذات وصفات اس کی عظمت وحکمت اور توحید پر پوری طرح یقین رکھ کر اپنے پچھلے تمام گناہوں کی معافی مانگو۔ اللہ رب العالمین سب کچھ جانتا ہے وہ شکر کرنے والے کا شکریہ قبول کرتا ہے اور معافی مانگنے والوں کو ضرور معاف کر دیتا ہے۔ کیونکہ وہ غفور ورحیم ہے۔

# تعارف ومقاصد "بیت القرآن"

قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کتاب ہدایت ہے اور اسے اللہ تعالیٰ نے بہت آسان بنایا ہے۔ جس کا اظہار خود اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی بار فرمایا ہے:

﴿ وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴾ سورۃ القمر آیت 17

"اور یقیناً ہم نے اس قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان بنا دیا ہے، پھر کوئی نصیحت لینے والا ہے۔؟"

اب اسے ہر انسان تک پہنچانا اور اسکے متعلق اس تأثر کو دور کرنا کہ یہ بہت مشکل کتاب ہے تمام مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ اسی ذمہ داری کو پورا کرنے کیلئے "بیت القرآن" کی بنیاد رکھی گئی ہے اور اس کے مقاصد درج ذیل ہیں:

1 : قرآن مجید کے ترجمہ کو آسان فہم بنانے کی کوشش کرنا۔

2 : قرآنی تعلیمات پر مبنی ایسی عام فہم کتب کی اشاعت کرنا جن سے قرآن فہمی میں مدد ملے۔

3 : قرآنی گرامر کو آسان تر بنانے کی کوشش کرنا۔

4 : قرآن مجید سے متعلقہ موضوعات پر مختلف سیمینارز منعقد کرانا۔

5 : قرآن فہمی کیلئے شارٹ کورسز کا انعقاد کرانا اور ان میں گرامر کے بغیر صرف علامات کے ذریعے : قرآن مجید کا ترجمہ سکھانا۔

6 : قرآن فہمی کے لیے ٹیچر ٹریننگ کورسز منعقد کرانا۔

7 : انٹرنیٹ کے ذریعے فہم قرآن میں مدد دینا۔ (www.bait-ul-quran.org)

8 : عامۃ المسلمین کو احکام الٰہی کے مطابق اپنے نبیٔ محترم حضرت محمد ﷺ سے عقیدت ومحبت کے ساتھ آپ ﷺ کی مسنون زندگی کو اپنانے اور اس کی سیرت کو دنیا پر غالب کرنے کی کوشش کرنا۔

آپ بھی اس کار خیر میں شریک ہو سکتے ہیں اور جس کی بہترین صورت یہ ہے کہ آپ **"بیت القرآن"** کی مطبوعہ کتب خرید کر عوام الناس میں تقسیم فرمائیں۔ جزاکم اللہ خیرا۔

الداعی الی الخیر: **"بیت القرآن"** لاہور، پاکستان

# درستگی اغلاط مفہوم القرآن جلد اول (2)

| صفحہ نمبر | سورت کا نام | آیت نمبر | غلطی کی درستگی |
|---|---|---|---|
| 319 | النّسآء | 12 | غَيْرَ مُضَآرٍّ کے بعد علامت وقف ج نہیں لکھی ہوئی یہ دراصل غَيْرَ مُضَآرٍّ ج ہے۔ |
| 319 | النّسآء | 12 | حَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾ یہاں آیت پر علامت وقف ط نہیں لکھی ہوئی یہ دراصل حَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾ ہے۔ |
| 326 | النّسآء | 22 | قَدْ سَلَفَ کے بعد علامت وقف ط نہیں لکھی ہوئی یہ دراصل قَدْ سَلَفَ ط ہے۔ |
| 329 | النّسآء | 24 | اَيْمَانُكُمْ کے بعد علامت وقف ج نہیں لکھی ہوئی یہ دراصل اَيْمَانُكُمْ ج ہے۔ |
| 329 | النّسآء | 24 | مُسٰفِحِيْنَ کے بعد علامت وقف ط نہیں لکھی ہوئی یہ دراصل مُسٰفِحِيْنَ ط ہے۔ |
| 333 | النّسآء | 30 | نَارًا کے بعد علامت وقف ط نہیں لکھی ہوئی یہ دراصل نَارًا ط ہے۔ |
| 338 | النّسآء | 36 | فَخُوْرًا کے راء پر نون قطنی نہیں لکھا ہوا یہ دراصل فَخُوْرًا ﴿۳۶﴾ ہے۔ |
| 338 | النّسآء | 37 | اٰتٰهُمُ کی تاء کے بعد ایک دندا نہیں لکھا ہوا یہ دراصل اٰتٰهُمُ ہے۔ |
| 354 | النّسآء | 70 | مِنَ اللّٰهِ کے بعد علامت وقف ط نہیں لکھی ہوئی یہ دراصل مِنَ اللّٰهِ ط ہے۔ |
| 373 | النّسآء | 92 | مِنْ قَوْمٍ کے بعد چھوٹی میم کی پوزیشن ٹھیک نہیں لکھی ہوئی یہ دراصل مِنْ قَوْمٍ ہے۔ |
| 367 | النّسآء | 104 | الْقَوْمِ کے بعد علامت وقف ط نہیں لکھی ہوئی یہ دراصل الْقَوْمِ ط ہے۔ |
| 373 | النّسآء | 112 | خَطِيْٓـَٔةً کے اوپر بڑی مد نہیں لکھی ہوئی یہ دراصل خَطِيْٓـَٔةً ہے۔ |
| 376 | النّسآء | 114 | اَوْ اِصْلَاحٍ کے بعد چھوٹی میم کی پوزیشن ٹھیک نہیں لکھی ہوئی یہ دراصل اَوْ اِصْلَاحٍ ہے۔ |
| 384 | النّسآء | 131 | اتَّقُوا اللّٰهَ کے بعد علامت وقف ط نہیں لکھی ہوئی یہ دراصل اتَّقُوا اللّٰهَ ط ہے۔ |
| 385 | النّسآء | 133 | بِاٰخَرِيْنَ کے بعد علامت وقف ط نہیں لکھی ہوئی یہ دراصل بِاٰخَرِيْنَ ط ہے۔ |
| 386 | النّسآء | 139 | الْمُؤْمِنِيْنَ کے بعد علامت وقف ط نہیں لکھی ہوئی یہ دراصل الْمُؤْمِنِيْنَ ط ہے۔ |
| 388 | النّسآء | 141 | لِلْكٰفِرِيْنَ کے کاف پر کھڑی زبر واضح نہیں ہے یہ دراصل لِلْكٰفِرِيْنَ ہے۔ |
| | | | ''ادارہ بیت القرآن'' ان تمام کوتاہیوں پر آپ سے معذرت خواہ ہے اور آئندہ ایڈیشن میں ان تمام غلطیوں کو صحیح کر دیا جائے گا بلکہ مکمل ایڈیشن دوبارہ تیار کر کے شائع کیا جائے گا، ان شاء اللہ۔ |




BAIT-UL-QURAN

بیت القرآن

لاهور - پاکستان